چونکا دینے والی خوفناک کہانیاں
ماہنامہ
ڈر
ڈائجسٹ
کراچی
اکتوبر 2014
سالگرہ نمبر
WWW.PAKSOCIETY.COM

112
زندہ صدیاں
ایم اے راحت
سوچ کے نئے دریچے کھولتی اپنی نوعیت کی بے مثال، لاجواب اور دلفریب کہانی
137
روح کا راز
عطیہ زاہرہ
ایک روح کی دلکش دلفریب اور دلگداز پر بہار کہانی جسے پڑھنے والے عش عش کر اٹھیں گے
149
سفید حویلی
عامر ملک
دلفریب اور دلگداز کہانیوں کے متلاشی لوگوں کیلئے سطر سطر خوشی بکھیرتی دلسوز کہانی
163
نادیدہ مجرم
عمران قریشی
دانشمندوں کا کہنا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اپنے دام میں خود صیاد آگیا کہانی پڑھ کر تو دیکھیں
172
عشق ناگن
ایم الیاس
یہ دنیا رہے نہ رہے لیکن کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔ انہی الفاظ کو احاطہ کرتی دلگداز کہانی
193
عینی
شگفتہ ارم درانی
رات کے ویران اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی دلگداز اور دلفریب کہانی
199
پراسرار آئینہ
رضوان سومرو
پراسرار دنیا کا ایک عجیب و غریب ناقابل یقین اور اچنبھے میں ڈالتا خوفناک شاخسانہ
212
کالی چڑیل
شہزادہ چاندزیب
قدم بقدم پر خیر و شر کا دلوں پر سکتہ طاری کرتا ٹکراؤ جسے پڑھ کر حقیقتاً رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے
خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391
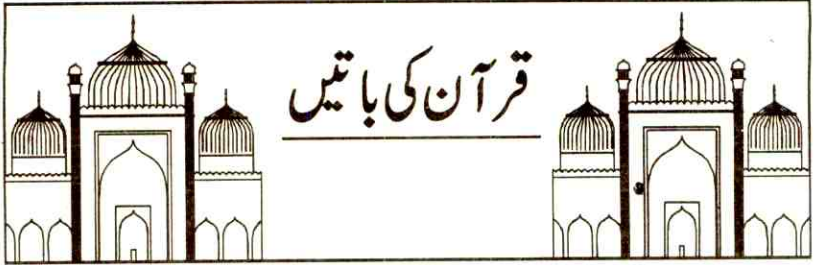
☆ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں اللہ مالک عرش ان سے پاک ہے۔ (سورۃ انبیاء 21 آیت 22)

☆ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ ملامتیں سن کر اور بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 22)

☆ اور لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ جینا اور نہ مر کر اٹھ کھڑے ہونا۔ (سورۃ فرقان 25 آیت 3)

☆ اور تم تعجب کرو جب دیکھو کہ گنہگار اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہونگے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا تو ہم کو دنیا میں واپس بھیج دے کہ نیک عمل کریں، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔ (سورۃ سجدہ 32 آیت 12)

☆ اور اسی طرح ہم نے شیطان صفت انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں طمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان کو اور جو کچھ یہ افترا کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔ (سورۃ انعام 6 آیت 112)

☆ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی ان کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہونگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے اور گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ (سورۃ اعراف 7 آیت 40)

☆ کہو کہ میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں ہر چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی اور شب تاریک کی برائی سے، جب اس کا اندھیرا چھا جائے اور گنڈوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کی برائی سے اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب حسد کرنے لگے۔ (سورۃ فلق 113 آیت 1 سے 5)

☆ جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا ان کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے جہاں ان کی کھالیں گل اور جل جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 56)

☆ تو بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ (سورۃ حج 15 آیت 30)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

قارئین کرام السلام علیکم، ڈرڈائجسٹ کا سولھواں سالانہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ سب کو سالگرہ مبارک ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی و فضل کرم سے ڈرڈائجسٹ رواں دواں ہے۔ قارئین کرام میں آپ سب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ سب ہر ماہ والہانہ طریقے سے ڈرڈائجسٹ کو پسند کرتے ہیں اور چاہت و خلوص کے ساتھ اپنی اچھی اچھی تحریریں ارسال کرتے ہیں۔ قارئین کرام ڈرڈائجسٹ سے جڑے ہوئے ہم جتنے بھی لوگ ہیں تو میری نظر میں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب ایک خاندان کی حیثیت سے ہیں اور جس طرح ایک خاندان میں وقتاً فوقتاً نوک جھونک اور دیگر باتیں ہوتی رہتی ہیں اسی طرح ڈرڈائجسٹ سے منسلک احباب میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً میری کہانی نہیں چھپی، میں نے کئی خطوط ارسال کئے مگر ایک بھی چھپا نہیں، میرے خط کو کاٹ چھانٹ کر بیڑا غرق کردیا، کہانی نقل شدہ ہے، اگر مجھے نظرانداز کیا گیا اور میری تحریر کو اہمیت نہ دی گئی تو آئندہ میں ڈرڈائجسٹ میں لکھنا چھوڑ دوں گی یا دوں گا، خیر اسی طرح کی اور بھی دیگر باتیں وغیرہ ہوتی ہیں اور پھر تمام احباب ڈرڈائجسٹ سے لگاؤ اور چاہت کی وجہ سے شکوہ شکایت بھول کر شیر و شکر ہوجاتے ہیں۔ تو قارئین کرام میں ایک بار پھر آپ سب کی چاہت و خلوص کے پیش نظر آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قارئین کرام اس مرتبہ ادارے کا پروگرام تھا کہ ڈرڈائجسٹ کے صفحات بڑھا کا ضخیم کردیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ کہانیاں اور دیگر تحریریں سالنامہ کی زینت بن جائیں مگر سب سے پہلے ناقابل برداشت ملکی حالات جس میں مہنگائی اور سونے پر سہاگہ 14 اگست سے شروع ہونے والا آزادی و انقلاب مارچ اور پھر دھرنے۔ لیکن یہی نہیں۔ اب تباہی و بربادی پھیلاتا سیلاب نے کمر توڑ کر رکھ دی۔ لوگوں کے برسوں کے املاک و جمع پونجی ختم ہوگئی۔ جانی و مالی ناقابل برداشت نقصانات جس نے لوگوں کو تہہ و بالا کرکے رکھ دیا ہے۔ بارش و سیلاب سے بے شمار قیمتی جانیں ضائع ہوگئیں۔ قدرتی آفات نے ہم تمام اہل وطن کو خون کے آنسو رلا دیا ہے۔ بہت سے شہر اور دیہات ایسے ہیں کہ جہاں سے زمینی رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی رسالہ وہاں تک پہنچنا ناممکن ہوگیا ہے۔ قارئین ان تمام مشکل و اذیت ناک حالات کے پیش نظر ادارہ نے پروگرام بنایا ہے کہ ڈرڈائجسٹ کا جنوری 2015ء کا شمارہ خاص نمبر ہوگا جس میں آپ تمام قارئین کی اچھی اچھی تحریریں جلوہ گر ہوں گی۔ آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان پر اپنا فضل و کرم کرے اور ناگہانی آفات سے ہمیں بچائے اور نیک عمل کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہم تمام پاکستانیوں کے دل میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دے۔ اور ہم ذاتی مطلب و مفاد پرستی سے بالاتر ہوکر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور ایک دوسرے سے محبت سے پیش آئیں۔ (آمین) خالد علی مینجنگ ایڈیٹر۔

شگفتہ ارم درانی پشاور سے، السلام علیکم! میرا نام شگفتہ ارم ہے۔ ڈرڈائجسٹ سے میرا رشتہ 10 سال پرانا ہے۔ لیکن مصروفیات اور دیگر سرگرمیوں کے باعث کبھی کبھی ڈائجسٹ کی محفل سے غیر حاضری بھی رہی۔ لیکن رسالہ باقاعدگی سے خریدتی اور مطالعہ کرتی رہی۔ میں نے پشاور یونیورسٹی سے ایم ایس سی (زولواجی) کے بعد بی ایڈ اور ایم ایڈ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ کچھ عرصہ جاب بھی کی اور اب شادی کی تیاریاں عروج پر ہیں۔ امید کرتی ہوں کہ میرا محبوب رسالہ مجھے مبارکباد ضرور دے گا۔ اب آتے ہیں جی سالگرہ نمبر کے حوالے سے 2014ء کے ڈرڈائجسٹ کے تفصیلی تبصرے کی طرف...... تمام لکھاری بے حد محنت اور لگن سے ڈائجسٹ کے لئے خوب صورت اور معیاری تحاریر ارسال کررہے ہیں پھر بھی میرے مطابق سلسلہ وار کہانیوں نے اس سال خوب دھوم مچائے رکھی۔ اے وحید صاحب کی "رولوکا" ایم الیاس کی "عشق ناگن" اور ایم اے راحت صاحب کی "سنہری تابوت"۔ نئے لکھاریوں کی تحاریر بھی قابل ستائش رہیں۔ مجھے ذاتی طور پر ساحل دعا بخاری صاحبہ کا انداز تحریر بہت پسند آیا۔ ان کی ہر کہانی میں ایک انوکھا اور اچھوتا پہلو موجود ہوتا ہے۔ اور یہی بات انہیں باقی سب سے ممتاز بنائے رکھتی ہے۔ رفعت محمود صاحب بہت شاندار کہانیاں لکھتے ہیں۔ ان کا نام دیکھتے ہی ہم سب سے پہلے ان کی تحریر پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ عطیہ زاہرہ صاحبہ کی کہانی "شیطانی گرفت" ملک فہیم ارشاد صاحب کی "دھندلی رات" شعیب شیرازی میو کی "اماوس کے باسی" اور "شائیل" فرحان احمد نصیب کی کہانی "جن زادی" شہزادہ چاند زیب عباسی کی "خوفناک عفریت" وہ کہانیاں ہیں جو دماغ پر ایک نقش چھوڑ گئیں۔ پشاور شہر سے بلقیس خان ماشاء اللہ آپ کا طرز تحریر بھی زبردست ہے۔ آپ کی تحریر "انوکھا پیار" لاجواب کرگئی۔ میری طرف سے ڈر ڈائجسٹ کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ کیک کاٹتے وقت ہمیں بھولئے گا نہیں۔ اپنے محبوب رسالے کے لئے سالگرہ کے مسرت موقع پر

ایک قطعہ لکھا ہے۔ پلیز شامل اشاعت کیجئے گا۔ "تیرا ہی نام ہو ترقیوں کے گنبد پر...... تیرے جلال پر نہ عمر بھر وبال آئے...... خدا کرے کہ تجھے ہر قدم عروج ملے...... تیری بہار کو نہ ایک پل زوال آئے...... ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے لئے دعا گو۔

☆☆ شگفتہ صاحبہ: ہماری اور قارئین کی دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر ہر لمحہ اپنا فضل و کرم رکھے، آپ کی شادی ہو جائے اور آپ خوشیوں کے پالنا میں جھولنے لگیں، اور ڈر ڈائجسٹ کے لئے اچھی اچھی کہانیاں ہر ماہ بھیجتی رہیں۔ شکریہ۔

پیا سحر مدینہ سیداں گجرات سے، جناب ایڈیٹر صاحب اور قارئین کرام السلام علیکم! قارئین آپ چونکئے مت میں اپنا تعارف کروا دیتی ہوں۔ ویسے تو میرا نام اقصیٰ فاطمہ ہے۔ مگر پیار سے سب پیا سحر کہتے ہیں۔ یہ میرا تخلص ہے۔ آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کی جسارت کر رہی ہوں۔ امید ہے بھول چوک معاف فرمائیں گے۔ میں ڈر کی بہت پرانی قاری تو نہیں مگر دو سال سے ڈر میری سب سے بڑی کمزور بن چکا ہے بلکہ جنون کہوں تو غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ جب میں ڈر سے دور ہوتی ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے ڈر مجھے آوازیں دے رہا ہے کہ پیا سحر جلدی سے میرے پاس آ جاؤ، یوں پورا کا پورا ڈر میرا فیورٹ ہے۔ کوئی کہانی مجھے بور نگ نہیں لگتی۔ مگر سنہری تابوت میری موسٹ فیورٹ تھی۔ قارئین کی محفل میں تو بنا اجازت شریک ہو گئی، جناب ایڈیٹر صاحب اب اگر قوس قزح کے کسی کونے کھدرے میں میری شاعری کو تھوڑی سی جگہ مل جائے تو عنایت ہوگی۔ والسلام۔

☆☆ پیا صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، ڈر آپ کا فیورٹ ہے اور ڈر کی کہانیاں آپ کو بہت پسند ہیں اس کے لئے شکریہ، چلئے حوصلہ افزائی ہو گئی اب تو ی امید ہے کہ آپ ہر ماہ اپنی تحریریں ارسال کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

ایس حبیب خان کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہونگے۔ کچھ بھی کہنے سے پہلے ڈر کو اس کی سالگرہ کی مبارکباد پیش کرنا چاہوں گی اور دعا کرتی ہوں کہ ڈر اتنی کامیابی حاصل کرے کہ آسمان کے ستاروں کو چھولے۔ بلاشبہ "ڈر" ڈائجسٹ ہارر تمام میگزین میں ایک ہی ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ شروع سے لے کر اب تک کے تمام سفر میں ڈر نے جس تسلسل سے نہ صرف اپنے معیار کو برقرار رکھا بلکہ مزید بہتر کیا وہ آج اس کی کامیابیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اکتوبر میں مجھے ڈبل خوشی ملتی ہے۔ ایک ڈر کی سالگرہ کی، دوسری اپنی سالگرہ کی، اپنے بارے میں زیادہ نہیں بس یہ کہوں گی کہ بچپن ہی سے مجھے ہارر اسٹوریز کا شوق رہا ہے۔ شوق اتنا بڑھ گیا کہ اس نے مجھے کہانی لکھنے پر اکسا دیا۔ میٹرک کی لمبی چھٹیوں نے مجھے اپنے شوق کی تکمیل کا موقع فراہم کیا اور پھر جو سلسلہ شروع ہوا تو ڈر کی حوصلہ افزائی سے یہ شوق آج تک (پانچ سال تک) اسی شدت سے جاری ہے جیسا کہ روز اول تھا۔ جن رائٹرز کی کہانیاں پورے سال میں اچھی رہیں۔ وہ ہیں شائستہ سحر، خلیل جبار، عمران قریشی، بلقیس خان، عثمان غنی، رضوان علی سومرو، آصفہ سراج، عطیہ زاہرہ۔ لیکن ایک رائٹر ایسے ہیں جن کی تحریروں نے پورا سال تسلسل اور معیار کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ وہ ہیں ایس امتیاز احمد۔ بلاشبہ وہ ایک بہترین رائٹر ہیں اور میری رائے میں ڈر کے سال کے بہترین اور نمبرون رائٹر ایس امتیاز احمد صاحب ہیں۔ (ویلڈن) ڈر کے لئے ہمیشہ دعا گو

☆☆ ایس صاحبہ: آپ کو آپ کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ پر ہر پل اپنا کرم رکھے اور خوشیوں سے نوازتا رہے اور زندگی کے ہر جائز کام میں کامیاب و کامران کرے۔ آئندہ ماہ بھی قلبی لگاؤ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

ساحل دعا بخاری بصیر پور سے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اکتوبر آن پہنچا...... یہ وقت پر لگا کر اڑ جاتا ہے...... بنا سانس لئے، بنا مڑ کر دیکھے...... سال بھر میں شائع ہونے والی تحریروں میں اس وقت جو ذہن پہ دستک دے رہی ہیں۔ ان میں ایک تو عامر بھائی کی ہولناک منظر ہے جو غالباً دسمبر یا جنوری میں شائع ہوئی۔ اور دوسری ناصر محمود فرہاد صاحب کی چڑیا گھر...... ہمیں ذاتی طور پر بھی ناصر صاحب کا انداز متاثر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان کی تحریروں کا انتظار رہتا ہے۔ اصل میں ہمیں شروع ہی سے تحریر سے زیادہ انداز تحریر متاثر کیا کرتا ہے۔ طرز تحریر دلچسپ ہو تو عام موضوع بھی خاص بن جاتا ہے۔ ہم نے بہت ناولز اور ڈائجسٹ پڑھے ہیں مگر ہمیں آج تک صرف دو رائٹر نے متاثر کیا ہے۔ اب تیسرے ناصر محمود کچھ کچھ کر رہے ہیں۔ باقی لوگوں کی تسلی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ سب لوگ "ہم" سے بہت بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ عطیہ زاہرہ ڈر میں بلاشبہ ایک اچھا اضافہ ہیں۔ عمران قریشی، عامر ملک، ایس امیتاز احمد، ملک فہیم ارشاد، فرحان احمد نصیب، ایس حبیب، صبا اسلم، آصفہ سراج، شگفتہ ارم درانی، بلقیس خان اور ہمارے پیارے سے بھائی عثمان غنی! آپ سب لوگ خصوصاً بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ میں شب و روز ڈر ڈائجسٹ کے لئے دعا گو ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ مزید ترقی کرے۔ ایک اہم بات ڈر میں شائع ہونے والے خطوط میں سے "تنقید" حذف کر دی جاتی ہے جبکہ ایسا ہر گز نہیں ہونا چاہئے، کسی بھی رائٹر کے لئے تعریف کے ساتھ ساتھ تنقید بھی بہت اہم ہوتی

ہے۔تنقید ہمیں بتاتی ہے کہ ہماری تحریر میں کہاں کمی تھی۔تا کہ ہم دوبارہ اس سے بہتر لکھ سکیں۔لہٰذا تنقیدی خطوط بھی لازماً شائع ہونے چاہئیں۔

☆☆ساحل صاحبہ: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، رائٹروں اور کہانیوں کی تعریف کے لئے Thanks، خط سے تنقید حذف نہیں کی جاتی بلکہ وہ الفاظ حذف کردیئے جاتے ہیں جو کہ نازیبا ہوتے ہیں۔چند الفاظ سے بھی عقلمند اور ذی شعور حضرات اصل متن سمجھ جاتے ہیں۔خیر آئندہ تک کے لئے خدا حافظ۔

ارم اعجاز کراچی سے،السلام علیکم!اس بار خط دیر سے ارسال کررہی ہوں،وجہ کہ کہانی لکھ رہی تھی۔اب یہ پتہ نہیں ہے پسند آئے گی یا نہیں،اگر اچھی لگے تو پلیز!شائع کردیں،سالگرہ نمبر پر کہانی لکھی ہے کہانی شامل ہوگئی تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔اگر شامل نہ ہوئی پھر نہیں لکھوں گی،اب کی بار جولائی کا ڈر ڈائجسٹ بہت مزے کا تھا۔شمارے میں شامل تمام کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں۔پڑھ کر مزہ آیا۔میں شب و روز دعا گو ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ ترقی کی افق پر جھلملاتا رہے۔

☆☆ارم صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ،کہانی بہت اصلاح طلب ہے،آئندہ جیسے ہی وقت ملا تو آپ کی کہانی اصلاح کرکے شائع کردی جائے گی۔آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

دینا زہرہ ہاشمی جھنگ سے،السلام علیکم ورحمۃ اللہ!امید کرتی ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ کے تمام قارئین،اسٹاف اور رائٹرز خیر و عافیت سے ہوں گے،کسی بھی رسالے کے لئے یہ میرا پہلا خط ہے۔اس امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں کہ شائع کرکے حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ڈر ڈائجسٹ میں شامل تمام کہانیاں،شعر،غزلیں اور دینی باتیں زبردست ہوتی ہیں جو کہ رسالے کی ہر دلعزیزی اور اس کی منفردیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔دعا کرتی ہوں کہ خدا تعالیٰ ڈر ڈائجسٹ کو ہمیشہ اور سالوں سے بلند رکھے۔اور تمام حاسدوں کی نظر بد سے محفوظ فرمائے اور اس کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔(آمین)

☆☆دینا صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم،کہانیوں کی تعریف اور نوازش نامہ بھیجنے کے لئے شکریہ،چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی۔امید ہے کہ آئندہ ماہ بلکہ ہر ماہ خط بھیج کر شکریہ کا موقع دیں گی۔

لاریب قیصر چکوال سے،السلام علیکم!میں فرسٹ ٹائم کسی بھی شمارے کے لئے خط لکھ رہی ہوں۔امید ہے اسے جگہ ملے گی۔ڈر ڈائجسٹ جب گھر آتا ہے تو سب کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ہمیشہ کی طرح ستمبر کا شمارہ بھی دلچسپی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ٹائٹل بہت اچھا لگا۔تحریروں میں اماوس کا اندھیرا،عجیب الخلقت اور کفارہ ٹاپ پر تھیں۔غزلوں میں پیر نوید شاہ کا انتخاب اچھا لگا۔اگلے ماہ سالگرہ نمبر کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔کیا میں آپ کے شمارے کے لئے تحریر بھیج سکتی ہوں؟شائع کریں گے یا نہیں؟پلیز میرا خط شائع کرکے میری حوصلہ افزائی کریں۔پاکستان اور اہل وطن کے لئے دعائیں۔

☆☆لاریب صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید،آپ بصد شوق اپنی تحریر پہلی فرصت میں بھیج دیں۔آپ کی تحریر ضرور شائع ہوگی۔آئندہ ماہ بمعہ تحریر کے آپ کے نوازش کا انتظار رہے گا۔

شگفتہ حسین کراچی سے،السلام علیکم!امید کرتی ہوں کہ ڈر کا پورا اسٹاف بخیر و عافیت ہوگا۔طویل ترین غیر حاضری کے لئے معافی چاہتی ہوں،وقت کی کمی کے باعث خط نہ لکھ سکی پر ڈائجسٹ کا مطالعہ برابر کرتی رہی ہوں،سب سے پہلے تو ڈر کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اور دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ یونہی سالہا سال ترقی کرے اور ترقی کے دن پچاس ہزار سے بھی زیادہ ہوں۔(آمین)اور سارے لکھاری اسی طرح اچھا لکھتے رہیں اور ہم پڑھتے ہیں۔ویسے اس ماہ کا ڈائجسٹ ابھی تک مجھے ملا نہیں ہے اس لئے کسی کہانی کے بارے میں تبصرہ نہیں کرسکتی،پر ایم اے راحت سے یہ کہنا چاہوں گی کہ ''سنہری تابوت'' کا اختتام عمدہ طریقے سے ہوا پڑھ کر مزہ آگیا......واہ ان سے یہ بھی کہوں گی کہ آپ کی نئی کہانی ڈر میں کب جلوہ گر ہوگی؟جاتے جاتے ڈر کے لئے ڈھیروں دعائیں اور اپنی لکھی ہوئی ایک غزل بھیج رہی ہوں امید کرتی ہوں شائع کرکے Thanks کا موقع ضرور دیں گے۔

☆☆شگفتہ صاحبہ: پلیز!ہر ماہ خط ضرور بھیج دیا کریں۔بہن کی خیریت بھی لکھئے گا،ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خوش و خرم رکھے۔راحت صاحب کی نئی کہانی ''زندہ صدیاں'' شامل اشاعت ہے۔

ساجدہ راجہ ہندواں سرگودھا سے،میری طرف سے تمام قارئین اور ڈر کے تمام عملہ کو السلام علیکم!پچھلے دو ماہ ڈر کی خطوط محفل میں شرکت نہ کرپائی،وجہ میرے چاچو کی ڈیتھ ہوگئی تھی،4 رمضان المبارک بروز جمعرات کو ان کی وفات ہوئی،ہارٹ اٹیک کی وجہ سے اس سے

پہلے بھی میرے دو چچاؤں کی وفات ہارٹ اٹیک کی وجہ سے ہوئی اور اب تیسرے چچا بھی اللہ کو پیارے ہوگئے، میرے تینوں پیارے اور عمدہ حسن مزاج رکھنے والے چچاؤں کی وفات ساٹھ سال سے کم عمر میں ہوئی، اور اب جو چچا فوت ہوئے ہیں ان کی تو اولاد بھی نہیں۔ چچا کے ہنستے بستے گھر کو ان کی وفات کے بعد بند دیکھنا موت سے بھی بدتر لگتا ہے، چچی ہمارے ساتھ ہی رہنے لگی ہیں اولاد بھی نہیں اور پھر شوہر بھی ہمیشہ کے لئے چلا گیا اس دنیا سے اور شوہر بھی ایسا جو چوبیس گھنٹے ہنستا ہنساتا رہتا تھا اور خوب صورتی میں سب بھائیوں سے بڑھ کر، یہ موت کتنی بے رحم ہے نا......؟ جن لوگوں کے بغیر ہمیں لگتا ہے کہ ہماری سانس بھی ان کے بغیر رک جائے گی انہی پیاروں کو ہم سے چھین لیتی ہے۔ ہارٹ پرابلم، ہمارا خاندانی مسئلہ ہے لیکن اتنے صحت مند چچا کو اتنا اچانک ہوگا، ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، تراویح کی تیاری کی لیکن جا نہیں پائے پانچ منٹ سے بھی کم وقت لگا انہیں موت کے منہ میں جاتے ہوئے قیامت سے بھی بڑھ کر کچھ تھا جو ہم پہ گزرا تھا ہم تو ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں ہیں، آپ سب سے التماس ہے کہ میرے چچا کی مغفرت کی ضرور دعا کریں وہ حج کر چکے تھے اور دوبارہ عمرہ پہ جانے کا ارادہ تھا۔ لیکن ہماری تدبیریں کہاں دیکھتی ہیں۔ کہانیوں پر تبصرہ کے لئے معذرت اور آئندہ تک کے لئے اجازت۔

☆☆ ساجدہ صاحبہ: آپ کے چاچا کے انتقال کا سن کر ہمیں اور قارئین کو بہت دلی دکھ ہوا۔ ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے چچا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور تمام قلبی رشتوں کو صبر جمیل عطا کرے۔

ندا غوری لاہور سے، آداب، السلام علیکم! امید ہے کہ آپ سب خیریت اور عافیت کے ساتھ خوش ہوں گے، ڈر ڈائجسٹ کا سرورق خوب صورت تھا۔ آپ سب جس خلوص اور محبت سے ہمیں یاد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نہ چاہ کر بھی آپ کو خط لکھتی ہوں۔ پچھلی بار آپ کو خط تحریر نہ کرسکی، میں بہت بہت شرمندہ ہوں۔ ڈر ڈائجسٹ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ لوگوں کی وجہ سے آج ہمیں بھی کوئی یاد کرتا ہے۔ کہانیاں تمام کی تمام اچھی تھیں۔ کیا کروں سب ہی اچھی تھیں۔ آپ سے مجھے ایک شکایت ہے کہ میں نے آپ کو ایک کہانی اور کچھ اشعار بھیجے تھے۔ ایک خط کے ساتھ مگر آپ نے شائع نہیں کیا۔ کیا آپ کے پاس میرا کوئی خط نہیں پہنچا تھا۔ یا پہنچا تھا پلیز جواب ضرور دیجئے گا۔ جب بھی ڈر خریدتی ہوں تو پہلے میں خط تلاش کرتی ہوں۔ مگر اپنا خط نہ پاکر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ امید کرتی ہوں اس بار آپ میرے ساتھ ناانصافی نہیں کریں گے۔ ڈر ڈائجسٹ میں رائٹرز اچھا لکھ رہے ہیں امید ہے میرا خط کوئی مقام پالے گا۔ اور میری حوصلہ افزائی ضرور ہوگی۔

☆☆ ندا صاحبہ: چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی اب تو شکایت دور، اس سے پہلے آپ کا خط آیا تھا، مگر بہت لیٹ ملا تھا، اور پھر ایک ہی کاغذ پر خط کے الفاظ، اشعار اور غزل بھی تھی۔ آئندہ ایسا نہ کیجئے گا بلکہ ہر تحریر الگ الگ کاغذ پر اور کہانی آپ لکھ کر دوبارہ اسے ری رائٹ کرلیا کیجئے گا۔ خیر آئندہ ماہ پھر ملاقات ہوگی۔

مونا شاہ قریشی کبیر والا سے، آداب عرض کے بعد سب کی خیریت نیک مطلوب ہے۔ جب قلم اٹھتا ہے اور صفحات پر اپنے جذبات واحساسات کی بارش کرتا ہے تو اس کے پیچھے از حد حقیقتاً کوئی نہ کوئی وجہ ضرور کارفرما ہوتی ہے۔ اور میرے قلم کی چہل قدمی کی وجہ ڈر ڈائجسٹ کا معیار ہے، جس میں صرف ڈرنے پر اکتفا نہیں ہوتا بلکہ ایک سحر زدہ سسپنس بھی دل و دماغ پر حاوی ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض کہانیاں دل پر نقش چھوڑ جاتی ہیں۔ میں تو میں، میرا اکلوتا ویر توقیر شاہ تو دیوانگی کی حد تک خوفناک کہانیوں کا دلدادہ ہے۔ میری ڈر ڈائجسٹ سے وابستگی اسی کی مرہون منت ہے۔ اگر منظور ڈاک اور قبول ایڈیٹر ہوا تو انشاء اللہ اگلی بار تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہونگی۔ تمام اسٹاف کو سلام۔ اللہ حافظ۔

☆☆ مونا صاحبہ: ڈائجسٹ میں خوش آمدید، ہم آپ کی دلی لگاؤ کے پیش نظر امید کرتے ہیں کہ آپ آئندہ بھی ضرور نوازش نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

انعم شہزادی گجرات سے، ڈر ڈائجسٹ کے ہنستے مسکراتے اسٹاف اور قارئین سب کو ڈر کی سالگرہ مبارک......ڈر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہو رہی ہوں......اس لئے زیادہ مت ڈرانا اور مہربانی فرما کر داخل کرلینا......ورنہ میرے پاس بھی جن ہے......میرا تعلق ڈر سے تقریباً پانچ ماہ سے ہے۔ یعنی کہ ابھی آغاز ہے......آج کل گھر کے کام وغیرہ کرتی ہوں اور ناولز پڑھتی ہوں۔ میں نے ڈر کو بہت ہی معیاری ناول پایا......سب سے بڑھ کر اس میں ایم اے راحت کی اسٹوری چار چاند لگاتی ہے۔ ایم الیاس بھی بہت اچھا لکھتے ہیں۔ "نقاب" آپی ساحل دعا بخاری نے بہت عمدہ انداز سے لکھی......بھائی خالد شاہان لگتا ہے ڈر میں بھی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بھائی جان اس لئے زبردست کہانی لکھو......(ہاہاہا) شہزادہ عباسی بھی کمال لکھتے ہیں......سچا عشق طاہر اسلم، سچا پیار آصفہ سراج نے خوب صورت انداز میں لکھا......قصہ مختصر......

سب ہی بہت اچھا لکھتے ہیں...... بس ہماری کمی تھی تو وہ ہم خطوط کے ذریعے پورا کرتے رہیں گے، مگر ڈرلایا تو پھر جن کو بھیج دوں گی۔ میری طرف ایڈوانس میں محمد ندیم عباس میواتی، مصباح کریم میواتی جو دو غزل کے بعد غائب ہیں۔ نیز تمام اسٹاف اور قارئین کو بقر عید مبارک۔

☆☆ انعم صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں ویلکم ڈرڈائجسٹ سے آپ کا قلبی لگاؤ قابل دید ہے۔ آپ نے خط کیلئے جو ذریعہ اپنایا وہ بھی قابل ستائش ہے۔ امید ہے ہر ماہ نوازش نامہ بھیجتی رہیں گی۔ ورنہ آپ کی کمی محسوس ہوگی۔ مصباح کریم کا بہت بہت شکریہ کہ انہوں نے آپ کی مدد کی۔

راحل بخاری محبوب شاہ سے، السلام علیکم...... ڈر کو اس کی سالگرہ مبارک ہو...... سب سے پہلے تو اپنا تعارف کرادوں۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ دعا کے بعد میں ہوں...... پھر محسن علی، احسن علی، صداقت علی اور پھر ایک بہن ہے۔ مشاغل میرے اور دعا کے مشترکہ ہیں۔ یعنی ڈائجسٹ پڑھنا...... وہ لکھتی ہے، میں لکھواتی ہوں...... بس یہ فرق ہے۔ سچ ہر حال میں بولتی ہوں۔ چاہے اگلے بندے کو مروڑ اٹھتے رہیں...... جو چیز بری لگتی ہے صاف کہہ دیتی ہوں۔ جبکہ دعا بامروت...... خیر ڈر کے شماروں کا جائزہ لیا جائے تو...... عامر بھائی کی کہانیوں کے علاوہ آخری قتل ایس امتیاز احمد، ناگ کا انتقام بھی انہی کی...... چڑیا گھر ناصر محمود فرہاد کی اور دوسری دلدل دعا کی بہترین کہانیاں تھیں اور اس سال عامر بھائی اکثر و بیشتر غائب رہے، عامر بھائی! ایسا کیوں تھا؟ اور ہاں سال بھر کی ایک بہترین کہانی "نقاب" جو کہ میں نے خود لکھوائی تھی۔ نقاب کے ہیرو کا نام میں نے "عجول" رکھوایا اور آپ نے جمال کردیا۔ ایسا کیوں کیا؟ آئندہ کم از کم میری فرمائش پر لکھی گئی کہانی کے کرداروں کے نام نہ بدلنا...... بس اب تک کے لئے اتنا ہی آپ نے کون سا میرا پورا خط شائع کرنا ہے۔ آدھا تو آپ کاٹ دیتے ہیں۔ آخر میں سب کو سلام۔

☆☆ راحل صاحبہ: ہر کہانی میں کرداروں کا نام کہانی سے مطابقت کر کے لکھنا چاہئے۔ ویسے ٹی وی چینل Go کارٹون پروگرام آتا ہے اس میں غالباً دو کرداروں کے نام "علول جلول" ہیں۔ دیکھ کر سوچئے گا۔

مریم قیصر چکوال سے، السلام علیکم! سب سے پہلے تو خط شائع کرنے کا شکریہ، آپ نے مجھے جگہ دی بہت اچھا لگا۔ ستمبر کے شمارے کا ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ ہر کہانی بھی نگینے کی طرح اپنی جگہ پرفٹ تھی۔ محمد خالد شاہان صاحب کی "موت کا اندھیرا" سب سے بہترین تھی۔ "اماوس کا اندھیرا" اور "کفارہ" بھی بہت اچھی تھیں۔ غزل میں ارم طاب صاحبہ کا انتخاب پسند آیا۔ آپ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ایک اور تحریر بھیج رہی ہوں، امید ہے کہ آپ ڈرڈائجسٹ میں شائع کردیں گے۔

☆☆ مریم صاحبہ: آپ کا بھی شکریہ کہ آپ نے تحریر ارسال کی۔ آئندہ خط کے لئے ذرا وقت کا خیال رکھئے گا۔ پلیز آئندہ ماہ بھی تحریر اور خط ارسال کرنا بھولئے گا نہیں۔

عطیہ زاہرہ لاہور سے، السلام علیکم! ڈرڈائجسٹ کے تمام لوگوں اور قارئین کو میری طرف سے بہت سی دعائیں قبول ہوں۔ جس قدر ڈائجسٹ کی طرف سے مجھے اعتماد ملا ہے۔ اس کے لئے میں ادارے کی شکرگزار ہوں اور اب اگر ستمبر کے ڈرڈائجسٹ کی طرف آؤں تو آج 23 ستمبر بروز ہفتہ ڈاک ملا۔ جلدی سے کھول کر دیکھا۔ اور سرخ بالوں والی حسینہ خاصی خوفناک لگی۔ خیر اس کے بعد خطوط پڑھے، مجھے ڈرڈائجسٹ میں خطوط کا سلسلہ بہت پسند ہے اور جس طرح سب تبصرہ کرتے ہیں وہ قابل تحسین ہے اور ہاں میں اقرا بخاری، بلقیس خان، ارم طاب، ایس حبیب خان، مدثر بخاری، محسن عزیز حلیم، محسن علی طاب کی پورے دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے میری تحریر شیطانی گرفت کو پسند کیا اور اس طرح میرا سیروں خون بڑھ گیا۔ دوبارہ شکریہ قبول کریں، خطوط کے علاوہ صرف شاعری پڑھ پائی ہوں۔ شاعری میں عروج ماہین طہٰ کا انتخاب فریدہ خانم جو کہ میری بہت اچھی دوست ہیں۔ ان کی شاعری زبردست تھی۔ کہانیوں پر تبصرہ ادھار رہا۔ ڈر کو سالگرہ مبارک! اب اجازت دیں۔ اللہ حافظ۔

☆☆ عطیہ صاحبہ: دل کی گہرائی سے کہانیوں کی تعریف اور نئی کہانی بھیجنے کے لئے بہت بہت شکریہ قبول کریں۔ ڈرڈائجسٹ سے آپ کا والہانہ لگاؤ قابل قدر ہے۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھولیں گی نہیں۔ Thanks۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا، حاضر ہیں ماہ ستمبر 2014ء "ڈرڈائجسٹ" کے تجزیے کے ساتھ...... "قرآن کی باتیں" قرآن مجید کی خوب صورت باتیں جو کہ پڑھ کر عمل کی جائیں تو ہم سب کے لئے مشعل راہ ہیں...... "خطوط" ڈر ڈائجسٹ کے خوب صورت دو یورز سے سجی بزم بہت ہی عمدہ رہی۔ خطوط سے دو یورز کے ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ "اماوس کا اندھیرا" "عمران قریشی کوئٹہ" سے لے کر آئے خوب صورت تحریر جو لوگ تقدیر سے لڑتے ہیں ان کے لئے ایک خوب صورت پیغام بہت خوب "عمران قریشی" صاحب اچھی کوشش رہی۔ "عجیب الخلقت" "شہر سلطان سے مدثر بخاری" صاحب ایک اچھی تحریر لائے، گڈ مدثر بخاری صاحب...... "خواب حقیقت" "راولپنڈی سے رفعت محمود" لے کر آئے۔ رفعت محمود نو ڈاؤٹ آپ بہت اچھا لکھتے ہیں۔ "مجھ سے دوستی کرو گے؟" "امتیاز تاج

کراچی سے" کہہ رہے ہیں۔ موبائل کا کرشمہ اور دل میں اتر جانے والی تحریر ایک فلم سے جا ملی...... آپ بھی جانتے ہیں جی! اچھا لکھا اور خوب لکھا...... گڈ...... "رولوکا" "اے وحید" کا منفرد انداز جو پراسرار قوتوں کو لے کر اب تک ہمارے دلوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ "اے وحید" صاحب کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ان سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ پھر بھی میرا قلم کہے گا ویلڈن اے وحید جی!

"پراسرار دنیا" "عطیہ زاہرہ لاہور سے" لے کر ہماری بزم میں آئیں۔ عطیہ جی! واقعی دنیا بڑی پراسرار ہے اور آپ نے انسانی سوچ کو پراسریت کا جو لبادہ پہنایا وہ بہت ہی دلچسپ اور سسپنس سے بھرپور رہا...... "سچا عاشق" طاہر اسلم خان سرگودھا" سے اسٹوری اچھی ہے۔

"بھیانک موت" "ایس امتیاز احمد کراچی" جی ہاں، ہماری تحریر مگر یہ تو آپ جیسے خوب صورت وویورز ہی بتائیں کہ کہ ہم بھی کتنے پانی میں ہیں...... یہ آپ پر چھوڑا...... "موت کا قہقہہ" "آصفہ سراج صاحبہ" کی ایک سبق آموز اور خوب صورت تحریر جو لوگ احکام خداوندی نہیں مانتے اور درگزر کرتے ہیں ان کے لئے عبرت انگیز تحریر آصفہ جی بہت اچھے...... "روحوں کا زندان" "صبا محمد اسلم گوجرانوالہ" ایک اچھوتی تحریر لے کر آئیں دل ہلا دینے والی خوب صورت تحریر۔ صبا محمد اسلم آپ نے بہت اچھا لکھا۔ "پرانی حویلی" "راجہ باسط مظہر حامد جھنگی" سے اپنے نام کی طرح پرانی مگر ہارر اسٹوری تھوڑی سی محنت اور کر لیتے تو مزہ دوبالا ہو جاتا مگر آپ کی محنت نظر آتی ہے۔ "عشق ناگن" "ایم الیاس" کی خوب صورت تحریر بارہویں قسط میں داخل ہوگئی ہے۔ محبت کا خوب صورت انداز اور دل کو چھو لینے والی کہانی۔ الیاس صاحب جواب نہیں آپ کا۔

"حقیقت منتظر" "عامر ملک راولپنڈی" سے لے کر آئے۔ ایک دلکش تحریر۔ عامر جی اسٹوری آپ کی اچھی ہے اور آپ اچھا لکھ رہے ہیں۔

"روح کی خواہش" "ملک فہیم ارشاد ڈجکوٹ فیصل آباد" اپنی روح کی خواہش لے کر آئے۔ ملک صاحب! اسٹوری کا جواب نہیں۔ "چالاک" "ساجدہ راجہ ہنڈواں" کتے کی وفاداری پر خوب صورت تحریر...... "موت کا شکار" "محمد خالد شاہان، صادق آباد" لکھنے کا خوب صورت انداز تحریر شکاریات کو زیادہ اجاگر کر رہی ہے۔ "خوشبو کا راز" "طارق محمود اٹک" ایک اچھوتی تحریر لائے، ایک روح کی لرزہ خیزی اور خوشبو کا حسین امتزاج طارق جی! جواب نہیں...... گڈ...... "قوس قزح" "ڈر ڈائجسٹ کے خوب صورت وویورز کی شعروں کی حسین "قوس قزح" شعروں کا انتخاب کا جواب نہیں...... "غزل" ڈر کے خوب صورت قارئین کی حسین غزلوں کا عکس جمیل۔ غزلیں ایک سے بڑھ کر ایک رہیں...... بہت عمدہ۔

"کفارہ" "شہزادہ چاند زیب عباسی، کراچی" کی ڈر کی آخری اسٹوری، عشق اور حسن کی وحدانیت کو چھوتی ہوئی دلکش تحریر خوب لکھا، آپ نے۔

تو جناب یہ تھا "ماہ ستمبر 2014ء" ڈر ڈائجسٹ پر خوب صورت تجزیہ اگر ہمارے تجزیے سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ہم تہہ دل سے معذرت خواہ ہیں۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ "ڈر ڈائجسٹ ہمیشہ کامیابیوں سے ہمکنار رہے۔

☆☆ امتیاز صاحب: بہت بہت شکریہ آپ کا محبت بھرا تجزیہ شامل اشاعت ہو رہا ہے اور قوی امید ہے کہ پلیز! آئندہ بھی ہر ماہ اپنی پرخلوص رائے ارسال کرتے رہیں گے۔ Thanks۔

ناصر محمود فرہاد فیصل آباد سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ اس دفعہ ملاقات میں تعطل کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا۔ زیر نظر کہانی "قبر کی چوری" سالگرہ نمبر کے لئے ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے پسند آئے گی۔ یہ کہانی ویسے تو کافی عرصہ پہلے تقریباً مکمل کر چکا تھا صرف نظرثانی کی ضرورت تھی۔ مگر نہ ہو پائی۔ وقت نے کچھ ایسا دھکا دیا کہ اپنا آپ ہی اس دنیا میں بے وقعت اور اضافی محسوس ہونے لگا۔ ہر چیز سے دلچسپی ختم ہوگئی تھی۔ مگر اب وقت نے ہی کچھ حوصلہ دیا ہے تو پھر سے دنیا میں اپنا حصہ نظر آنے لگا ہے۔ میرے والد صاحب جو کچھ عرصہ سے علیل تھے دل کے مریض تھے اور دو سال پہلے میری والدہ صاحبہ کے انتقال کے بعد سے تو ان کا یہ مرض ان پر کچھ زیادہ ہی غلبہ پا چکا تھا۔ ماہ رمضان کے دوران ایک شب سوتے میں ہی انتقال کر گئے۔ میں ان کے بغیر اپنے آپ کو بالکل ادھورا محسوس کر رہا ہوں۔ ان کے نام کے بنا تو میرا نام بھی مکمل نہیں ہوتا۔ ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ مگر اب اس خیال سے کہ جس کے نام کے ساتھ میرا نام لگا ہے اسے بھی میری ضرورت ہے۔ اس لئے دوبارہ زندگی نے اپنا اخراج وصول کرنا شروع کر دیا ہے۔ والد صاحب کی یادیں تو انمٹ ہیں وہ تو کبھی دل سے نہیں نکل سکتیں۔ اسی سبب آپ سے بھی رابطہ منقطع رہا۔ آپ سے اور تمام قارئین سے التجا ہے کہ میرے والد صاحب کی مغفرت کے لئے دعا فرما دیجئے جیسے کہ انہوں نے ہمیں پیار سے رکھا اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس کو ان کا مسکن بنا دے۔

☆☆ ناصر صاحب: والد صاحب کا سن کر دلی دکھ ہوا، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے والد صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور آپ سمیت، تمام اہل خانہ و تمام قلبی رشتوں کو صبر جمیل عطا کرے۔ ناصر صاحب یہی نظام قدرت ہے ہم سمیت سب نے یہاں سے اپنی اپنی باری پر جانا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جانے والے چلے جاتے ہیں مگر ان کی یادیں طویل عرصہ

تک دل کو درد سے ہمکنار کرتی رہتی ہیں۔ لیکن زندگی کی گاڑی کھینچنے کے لئے خود کو باحوصلہ اور باہمت بھی رکھنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ و ہمت دے کر خوشیوں سے نوازے۔

فلک فیضان رحیم یار خان سے، السلام علیکم! ستمبر کا شمارہ 20 اگست کو ہی مل گیا جو کہ ایک دن میں ہی پڑھ لیا۔ اس دفعہ دعا سسٹر غائب رہیں۔ اماوس کا اندھیرا، موت کا قہقہہ، عجیب الخلقت، حقیقت منتظر سب اچھی کہانیاں تھیں۔ شہزادہ چاند زیب کی کہانی کفارہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھی۔ عطیہ زاہرہ اس دفعہ بھی ایک الگ منفرد کہانی لائیں۔ ایس امتیاز احمد کی کہانی ''بھیانک موت'' نے دل موہ لیا۔ ملک فہیم ارشاد کی کہانی روہ کی خواہش ایک اچھوتی تحریر تھی۔ باقی رائٹر نے بھی خوب لکھا۔ میری طرف سے ڈر ڈائجسٹ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سالگرہ مبارک۔ اللہ تعالیٰ ڈر ڈائجسٹ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور پاکستان کو اپنے امان میں رکھے۔ آمین۔

☆☆ فیضان احب: دل کی گہرائی سے کہانیوں کی تعریف اور نوازش نامہ بھیجنے کے لئے اور آئندہ بھی ڈر ڈائجسٹ کو یاد کر کے اپنا تجزیہ ارسال کرنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

ضرغام محمود کراچی سے، ایڈیٹر ڈر ڈائجسٹ تسلیمات! امید ہے مزاج گرامی بخیریت ہوں۔ ویسے آج کل پاکستانیوں کی اکثریت ہیجان کا شکار ہے۔ اسلام آباد سے عجیب عجیب خبریں سننے کو مل رہی ہے۔ انقلاب آرہا ہے تو کوئی نیا پاکستان بنا رہا ہے اور حکومت پرانے پاکستان پر ہی اکتفا کرنا چاہتی ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کہیں نیا پاکستان بن جائے اور ہم سوتے ہی نہ رہ جائیں پرانے پاکستان میں، آپ سے التجا ہے کہ اگر نئے پاکستان کی ٹرین روانہ ہو رہی ہو تو پلیز ایک Sms کے ذریعہ ہمیں ضرور اطلاع دے دیجئے گا۔ ہم چولہا چکی سمیت تیار بیٹھے ہیں نئے پاکستان کی ٹرین میں سوار ہونے کے لئے خدارا آپ ہمیں پرانے پاکستان میں نہ چھوڑ جایئے گا۔ اب تبصرہ ہو جائے ستمبر 2014ء کے شمارے پر۔ ستمبر 2014ء کے شمارے کا سرورق خوفناک تو نہیں کہہ سکتے بلکہ سرورق حقیقت پسند تھا۔ تحریروں میں اماوس کی رات، عجیب الخلقت، بھیانک موت، روحوں کا زندان اور کفارہ بہترین تحریریں تھیں۔ مگر ستمبر 2014ء کے رسالے کی سب سے جاندار تحریر پراسرار دنیا عطیہ زاہرہ کی تھی، اس تحریر کو ہم کہانی نہیں کہہ سکتے، یہ ایک انتہائی معلوماتی مضمون تھا جسے عطیہ صاحبہ نے بڑی محنت سے تحریر کیا۔ ویلڈن عطیہ زاہرہ صاحبہ، سلسلے وار تحریریں بھی اپنی جگہ خوب رنگ جما رہی ہیں۔ بہر حال مجموعی طور پر ستمبر 2014ء کا شمارہ اچھا تھا۔

☆☆ ضرغام صاحب: قلبی لگاؤ سے لکھا تجزیہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، جب پہلا پاکستان بنا تو ہم لوگوں نے اپنے عمل کو کس احسن طریقے سے نبھایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم لوگ اپنی ذمہ داریوں اور عمل کو صحیح طور سے نبھانے میں فیل ہو چکے ہیں۔ تو بھائی صاحب ہیں تو ہم پرانے پاکستانی، تو نیا پاکستان بنا کر کون سا تیر ماریں گے۔ بہر حال ہر دور اور ہر لیڈر کا اپنا اپنا ایک نعرہ ضرور ہوتا ہے اب آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

ایم نادر شاہ ظفر شجاع آباد سے، السلام علیکم! ڈر کے تمام اسٹاف اور تمام قارئین کے لئے خوشی اور سلامتی کی دعائیں، اللہ تعالیٰ ڈر ڈائجسٹ کو ترقی عطا فرمائے...... سال بھر کی تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، شہزادہ چاند زیب کی تمام کہانیاں اچھی تھیں، اس کے بعد رولو کا...... عشق ناگن اچھی تھیں...... سنہری تابوت...... تو پہلے مجھے بور لگتی تھی...... لیکن آخری قسط اچھی تھی...... ایس امتیاز احمد کی کہانیاں بہترین ہوتی ہیں اور کوئی خوفناک سی تحریر لکھو...... پیاری بہن...... ساحل دعا بخاری مصباح اور فرخندہ جی...... آپ بھی بہت اچھی کہانیاں لکھتی ہیں۔ میں آپ سب کی کہانی بہت شوق سے پڑھتا ہوں...... آپ کی کہانی نقاب بہت اچھی لگی۔ خیر میں ڈر کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ نادر صاحب: آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں، اچھی ہوئی تو ضرور شائع ہوگی، اگر دو تین اور کہانیاں بھیج دیں تو کوئی نہ کوئی اچھی ہوگی اور وہ شائع ہو جائے گی۔ کہانیوں کی پسندیدگی اور تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس۔

رضوان بھٹی محراب پور سے، السلام علیکم! امید ہے کہ مزاج گرامی درست ہوں، ستمبر 2014ء کا شمارہ ملا۔ آپ کا شکر گزار ہوں کہ مجھے ہر ماہ یاد رکھے ہوئے ہیں۔ سرورق پسند آیا۔ محترم راحت صاحب کے نئے ناول کا شدت سے انتظار ہے۔ خطوط کی محفل میں بھی نئے اور پرانے دوستوں سے بچی خوب تھی۔ خاص طور پر ہمارے سینئر رائٹر پیر نوید شاہ کا تبصرہ پسند آیا، ان کا انداز آج بھی ویسا ہی ہے جیسا آٹھ نو سال پہلے تھا۔ تمام تحاریر خوب تھیں۔ ایس امتیاز احمد، ملک فہیم ارشاد، شہزادہ چاند زیب، عامر ملک اور عمران قریشی نے خوب لکھا۔ ایک عدد تحریر بعنوان ''ایک چوری سے'' حاضر خدمت ہے۔ دو تین ماہ کی چھٹی کی معذرت، امید ہے آپ کے معیار پر تحریر پوری اترے گی۔ اور جلد شائع کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

☆☆رضوان صاحب: تحریر آئی مگر بہت لیٹ اس وجہ سے سالگرہ نمبر میں شائع ہونے سے رہ گئی، اگلے ماہ ضرور شائع ہوگی، قلبی لگاؤ سے آئندہ ماہ بھی خوش کرنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم! خیر و عافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں۔ اس دفعہ پرچے سے ملاقات کے لئے بڑی بھاگ دوڑ کرنی پڑی، خدا خدا کرکے ماہ ستمبر 2014ء ڈر ڈائجسٹ کا دیدار نصیب ہوا، بڑی خوشی ہوئی، سرورق اپنی مثال آپ تھا۔ سرورق سے قارئین پرچہ خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ہر ماہ کے آخر پر بڑی شدت سے پرچے کا انتظار ہوتا ہے۔ خط اور غزل شائع کرنے پر میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ قوس قزح اور غزلیں اپنی اپنی جگہ پر اچھی تھیں۔ قرآن کی باتیں اچھا سلسلہ ہے۔ ہر کہانی کا اپنا ایک الگ انداز ہے۔ مثلاً پراسرار دنیا، خوشبو کا راز، موت کا شکار، کفارہ، روح کی خواہش وغیرہ نے متاثرہ کیا تمام قلمکاروں کو دلی مبارک ہو۔

☆☆اسلم صاحب: ہر ماہ آپ کے خط کا شدت سے انتظار ہوتا ہے، آپ کا ڈر ڈائجسٹ سے لگاؤ قابل دید ہے، اور امید ہے ہر ماہ نوازش نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈوالہ یار سے، ساتھیوں تالیاں، ہم سب کے محبوب ڈر کی سالگرہ کی خوشی میں ایک بار پھر تالیاں، زوردار تالیاں" سال کی اچھی کہانی لکھنے والے رائٹر ایم الیاس، ایم اے راحت، اے وحید یہ رائٹر کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ ان کے بعد شہزادہ چاند زیب، الیس حبیب، خلیل جبار، راشد نذیر طاہر، عثمان غنی......صبا اسلم......ساجدہ راجا، ان کی کہانیوں میں نیا پن ہوتا ہے......امتیاز صاحب ہرفن مولا ہیں۔ محفل خطوط میں ساحل دعا بخاری کی چہکار کی کمی محسوس ہوئی۔ عمرانہ سرور، آپ کے والد کا سایہ اٹھ گیا ہے، آپ کے غم میں ہم سب شریک ہیں جنت کے لئے دعائیں مرکز میں بھی دعا کی اپیل کریں گے۔ مریم قیصر، ڈر پڑھ کر آپ کا دل باغ باغ ہوا آپ کی کہانی جہالت کی سزا پڑھ کر یقیناً ہم سب باغ باغ ہوں گے۔ ڈر والے خلوص کا جواب اپنائیت سے دیتے ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی لکھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ اسحاق انجم، آپ کی صحت یابی کے لئے مرکز میں دعا گو ہیں، عامر ملک، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مکان میں تاحیات خوش وخرم رکھے، مبارک ہو۔ محسن عزیز حلیم، یہ آپ کا ڈر سے محبت کا ثبوت ہے کہ آپ پیدل آتے ہیں واقعی راحل بخاری ساحل دعا کی تحریر جب پڑھتے ہیں تو اردگرد سے غافل ہوجاتے ہیں۔ خواتین رائٹروں سے گزارش ہے کہ اپنی کہانیوں میں خوف، ڈر، سسپنس برقرار رکھیں۔ ڈر کی مزید ترقی کے لئے دعا گو۔

☆☆شرف الدین صاحب: جگ جگ جئیں اور زندگی کے مزے لوٹیں اللہ آپ کو خوشیوں سے نوازے، آپ ہر ماہ خط لکھ کر خوشی پہنچاتے ہیں اس کے لئے شکریہ۔

ملک فہیم ارشاد ڈجکوٹ فیصل آباد سے، السلام علیکم! سب سے پہلے تو میری طرف سے ڈر کی ٹیم اور قارئین کو ڈر کی سالگرہ مبارک، میری پیدائش فیصل آباد کے قصبے ڈجکوٹ میں 19/9/1988 کو ہوئی، ڈر ڈائجسٹ میں As Writter میرا آغاز جنوری 2006ء میں آنکھیں کہانی سے ہوا۔ وہ کیسے ہوا اس کے پیچھے ایک چھوٹی سی کہانی ہے اس چھوٹی سی کہانی میں ان رائٹروں کے لئے سبق بھی موجود ہے جو رائٹر کہانیاں تو بھیجتے ہیں مگر کسی غلطی کی وجہ سے ان کی کہانیاں ڈر ڈائجسٹ میں شائع نہیں ہوتیں۔ تو میری ان رائٹر حضرات سے گزارش ہے کہ وہ جو کہانیاں لکھتے ہیں مگر کہانی کا انداز بچکانہ ہونے کی وجہ سے وہ شائع نہیں ہوتیں۔ ابھی تک کہانیوں کا یہ سفر اللہ کی رحمت اور ایڈیٹر شاہد علی کے تعاون سے رواں دواں ہے۔ قارئین سے ایک گزارش ہے کہ اگر کسی کے پاس جنوری 2008ء کا ڈر ڈائجسٹ موجود ہے تو وہ ڈر ڈائجسٹ کے پتے پر ارسال کردیں، کیونکہ مجھے اس شمارے کی اشد ضرورت ہے۔ میں نے سالگرہ نمبر کے لئے غیبی آواز کہانی ارسال کی اسے ضرور شائع کیجئے گا اور روح کی خواہش کہانی شائع کرنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔

☆☆فہیم صاحب: آپ حقیقت میں باہمت ہیں کہ آپ مشورے پر عمل کرکے رائٹر بن گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور حوصلہ وہمت دے اور آپ زندگی کی گاڑی کو احسن طریقے سے کھینچتے رہیں۔ کہانی سالگرہ نمبر میں شائع نہ ہوسکی۔ اس کے لئے معذرت۔ کہانی لیٹ آئی کیونکہ سالگرہ نمبر کے لئے ایک ماہ پہلے ہی کہانیاں سلیکٹ ہوچکی تھیں۔ آئندہ ماہ آپ کی کہانی ضرور شائع ہوگی۔

محمد ابو ہریرہ بلوچ بہاولنگر سے، السلام علیکم، میں نے حال ہی میں ایف اے کیا ہے اور بی اے کی تیاری کررہا ہوں۔ میرے والد صاحب پیشے کے لحاظ سے ایک پروفیسر ہیں۔ میں تعلیم کے ساتھ دوسرے مدرسے میں کلاس رابعہ کررہا ہوں۔ ڈر سے میرا تعلق پانچ ماہ سے ہے اس میں بھیجے گئے میرے تمام خطوط شائع ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک بہترین رائٹرز الیس امتیاز احمد آف کراچی۔ میری دعا ہے کہ خدا میرے دوستوں کو سلامت رکھے۔ ڈر کے لئے دعا گو ہوں کہ یہ ہمیشہ ترقی کی منزل طے کرتا ہے اور نظر بد سے محفوظ رہے۔

☆☆ابو ہریرہ صاحب: ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے جائز مقاصد میں کامیاب وکامران کرے، والدین کی خدمت سے بڑھ کر دنیا میں کچھ نہیں۔آپ کے نوازش نامہ کا آئندہ ماہ بھی انتظار رہے گا۔Thanks۔

محمد ندیم عباس میواتی پتوکی سے،السلام علیکم!ہماری طرف سے اسٹاف ڈر،لکھاری اور قارئین کو چاہتوں،محبتوں بھرا سلام،پھر ہماری طرف سے سب کو ڈر کی سالگرہ مبارک ہو۔ہم سے مراد محمد ندیم عباس،مصباح کریم اینڈ طالب حسین میواتی وغیرہ ہیں...... ہم سب سیکنڈ ایئر کے اسٹوڈنٹس ہیں......ڈر ڈائجسٹ ہم نے بھائی خالد شاہان کے کہنے پر مئی 2014ء سے پڑھنا اور لکھنا شروع کیا۔ڈر کو ہم نے بہت ہی اچھا پایا اب اس کے ساتھ چمٹے رہیں گے۔

☆☆محمد ندیم وتمام کزنز صاحبان: بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ تما کزنز شیروشکر کے مانند ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ سب کی محبت کو اور مضبوط بنائے اور آپ بہت پرخلوص لوگ ہیں اور امید ہے کہ آئندہ بلکہ ہر ماہ نوازش نامہ بھیجنا بھولیں گے نہیں۔Thanks۔

طاہر اسلم منٹھو بلوچ سرگودھا سے، قابل احترام ایڈیٹر صاحب السلام علیکم!"جناب" میں آپ کا بہت بہت شکرگزار ہوں کہ آپ نے میری کہانی غزلیں اشعار ماہانہ ستمبر میں شائع کیں یہ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہوگیا ہے۔مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا کہ اپنے آپ ایک دکھی دل کو خوشی دی ہے میری دلی دعا ہے کہ ہمارا پیارا لاڈلہ ڈائجسٹ ڈر ہمیشہ ترقی کی منازل طے کرے۔میں انشاء اللہ تعالیٰ ہر ماہ اپنے پیارے ڈائجسٹ کے لئے بہترین کاوشیں روانہ کرتا رہوں گا۔

☆☆طاہر صاحب: آپ کی کہانی بہت لیٹ موصول ہوئی،ابھی پڑھی نہیں،اچھی ہوئی تو سچا عاشق کی طرح یہ بھی شائع ہوگی۔آپ دل لگا کر کہانیاں لکھتے رہیں۔شکریہ۔

احسان سحر میانوالی سے،السلام علیکم!امید کرتا ہوں ڈر کا اسٹاف ممبر اور پڑھنے والے خیریت سے ہوں گے۔ایک طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہوں۔امید کرتا ہوں معافی آسانی سے مل جائے گی۔کیونکہ زندگی میں اتار چڑھاؤ تو آتے ہی رہتے ہیں اور ہمیں ان کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔غیر حاضری کی وجہ بھی یہی تھی۔اب کوشش یہی ہوگی کہ ایسا نہ ہو اپنی طرف سے ہم امیر اور اچھا ہونے کی دعا ہی کرسکتے ہیں...... باقی سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔سالگرہ نمبر بھی ڈر کا آنے والا ہے۔اور بہت سو کو اس کا انتظار ہوتا ہے۔افسوس پچھلے اکتوبر کا ڈر ڈائجسٹ ہمیں نہ مل سکا۔اور آج تک نہیں ملا۔اس دفعہ کوشش ہوگی کہ ایسا نہ ہو۔ایک کاوش حاضر ہے۔امید کرتا ہوں جلد ہی ڈر کے صفحات پر بکھیریں گے......اگلے ماہ تک اجازت دیں،زندگی رہی تو آتے جاتے رہیں گے......اللہ حافظ

☆☆احسان صاحب: جب دل میں رہنے والے ہی اپنا نہ سمجھتے ہوں غیر حاضری کو طویل کردیں تو اندازہ لگائیں دل کس مقام پر ہوگا۔ چلئے آپ کی معذرت قبول اور امید ہے کہ آئندہ حسب وعدہ غیر حاضری کے طول نہیں دیں گے۔کہانی بہت لیٹ موصول ہوئی لہٰذا بہت معذرت۔

محسن عزیز حلیم کوٹھا کلاں سے،السلام علیکم!امید ہے کہ سب پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوگا۔اور سب خیریت سے ہوں گے۔ پر ہمارے گھر تو جیسے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔9اگست کو میرے دوست عبدالحلیم بھٹی کی والدہ ماجدہ ہم سب کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔اللہ تعالیٰ ان کے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف کرکے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور میرے دوست کو صبر جمیل عطا فرمائیں وہ میری ماں کی طرح تھیں......مصروفیت کی وجہ سے خط نہیں لکھ سکا اس لئے اب لکھ رہا ہوں اس خط کو جلد از جلد شامل اشاعت کیجئے گا۔

☆☆محسن صاحب: ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دوست کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے۔آپ کی کہانی لیٹ موصول ہوئی۔اچھی ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔آئندہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھولئے گا نہیں۔

محمد قاسم رحمان ہری پور سے،السلام علیکم!اگست کا ڈر ڈائجسٹ ملا،پڑھ کر دلی خوشی ہوئی،قرآن کی باتیں پڑھ کر دل کو منور کیا، شیطانی گرفت،عطیہ زاہرہ ویلڈن،میرے خیال میں اس سال میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل کرنے والی آپ ہی ہیں۔ستمبر کا ڈر کل یعنی 27اگست کو ہی مل گیا۔آپ یقین کریں اس مرتبہ بھی اپنی تحریر نہ پاکر افسوس ہوا۔آپ سے گزارش ہے کہ میری تحریریں جلدی شائع کردیں۔ آخر میں ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے لئے دعاگو ہوں۔

☆☆قاسم صاحب: حوصلہ رکھیں وقت پر آپ کی تحریریں ضرور شائع ہونگی۔ایک یادو تحریر نئے رائٹر کے لئے لکھ کر بیٹھ رہنا ٹھیک نہیں۔کوشش ضرور کرنی چاہئے۔لکھتے رہیں کامیاب ہوجائیں گے۔نئے عزم اور نئے حوصلے سے آگے بڑھیں۔آپ کی کہانی آئندہ ضرور شائع ہوگی۔

☆☆☆

آخری اِچھا

ایس حبیب خان۔ کراچی

مٹی کی مورتی پر جیسے ہی خون کی بوندیں پڑیں تو یک بیک مورتی میں حرکت پیدا ہوئی اور مورتی کے گرد دھواں پھیل گیا اور جب دھواں چھٹا تو اس جگہ ایک خوفناک شکل عورت اپنی تمام تر خباثتوں کے کھڑی تھی۔

دل ودماغ اور جسم وجاں کو خوف وڈر کے شکنجے میں جکڑتی پراسرار ناقابل یقین کہانی

عظمت علی کو ایک شاندار اور بڑے پلاٹ کی تلاش تھی۔ جس پر انہیں بنگلہ تعمیر کروانا تھا۔ عظمت علی کا شمار شہر کے بلڈرز میں ہوتا تھا ان کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی صبا کی شادی ان کے بچپن کے دوست احسان احمد کے صاحبزادے میجر عاشر سے طے کردی گئی اور وہ اپنی بیٹی کو بنگلہ شادی پر گفٹ کررہے تھے۔ ایک ہفتے کے اندر انہوں نے بے شمار پلاٹ ریجیکٹ کئے تھے۔ انہیں یہ ٹینشن تھی کہ شادی کا وقت طے ہے اور ابھی تک پلاٹ نہیں ملا تو تعمیر کب شروع ہوگی، اس وقت بھی وہ بڑی سی ایزی چیئر پر دراز تھے اور پلاٹ کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے کہ ان کا شاندار فون مدھر اور مدھم آواز میں بجنے لگا۔ وہ اٹھے اور نگاہ اسکرین پر ڈالی۔ نمبر ان کے ایک خاص دوست یزدانی کا تھا۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی انہوں نے انگلی اسکرین پر رکھی اور کال ریسیو ہوگئی۔

''آج کیسے غریب کو یاد کیا آپ نے یزدانی صاحب۔''

دوسری جانب سے ایک زوردار قہقہہ سنائی دیا پھر آواز آئی۔ ''غریب اور آپ! عظمت علی، اگر غریب ایسے ہونے لگے ناں تو سب اپنے غریب ہونے کی دعائیں کریں گے اور جہاں تک بات ہے تمہیں یاد کرنے کی تو تم جیسے بے وفا آدمی کو کون یاد کرے۔'' یزدانی صاحب نے مصنوعی ناراضگی ظاہر کی۔

''یار تمہیں تو پتہ ہے آج کل میں پریشان ہوں پلاٹ کے لئے، سارا وقت اسی چکر میں نکل رہا ہے آج کل۔'' عظمت علی نے صفائی پیش کی۔

''تو جناب ہم نے اپنی بیٹی کے لئے ہی فون کیا ہے، ایک پلاٹ ہے میرے پاس بہت ہی شاندار۔ وہ میرے سالے کا مگر تم دیکھو اگر پسند آجائے تو میں صبا کے لئے لے لوں گا اپنے سالے سے۔'' یزدانی صاحب نے بات مکمل کی تو عظمت علی کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

''اوہ! یزدانی اگر پلاٹ فائنل ہوگیا تو میری آدھی ٹینشن ختم ہوجائے گی میں شام میں چکر لگاتا ہوں۔'' اور فون رکھ کر سوچنے لگے۔ ''اگر یہ پلاٹ ڈن ہوگیا تو کل ہی سے کنسٹرکشن ورک شروع کروادوں گا۔''

یزدانی صاحب کی بیٹی ہادیہ اور صبا بچپن کی سہیلیاں تھیں اور اسی دوستی کو اور پکا کرنے کے لئے ہادیہ اور صبا کے ماں باپ نے ہادیہ کی منگنی صبا کے بھائی دانیال سے کردی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

شام کو عظمت علی اور یزدانی پلاٹ دیکھنے چلے گئے۔ پلاٹ اتنا شاندار تھا کہ عظمت علی کو پہلی ہی نظر میں پسند آ گیا۔ ''میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں یزدانی! میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ صبا کی شادی سے پہلے مجھے بنگلہ ریڈی کروانا ہے اور کوئی پلاٹ مل کر ہی نہیں دے رہا تھا۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو عظمت علی، میں بھی اپنی بیٹی کے لئے مسلسل پلاٹ ڈھونڈ رہا تھا مگر کوئی معیار پر پورا ہی نہیں اتر رہا تھا پھر میرے سالے نے اپنے پلاٹ کا ذکر کیا تو مجھے فوراً صبا یاد آ گئی۔'' یزدانی صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

''اچھا تم اب مجھے تمام چیزیں بتادو، پے منٹ اور پیپرز وغیرہ کی۔'' عظمت علی نے کہا۔

''یہ میرا اور میری بیٹی صبا کا معاملہ ہے آپ بیچ میں مت بولیں یہ میری طرف سے میری بیٹی کی شادی کا گفٹ ہے۔''

''مگر......''

''اگر مگر کچھ نہیں۔'' عظمت علی نے بولنا چاہا تھا مگر یزدانی نے انہیں قائل کر کے ہی چھوڑا۔

''ڈیڈ! کتنا کام باقی ہے بنگلے کا ابھی؟'' صبا نے آملیٹ کانٹے سے منہ میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔

''بیٹا چل رہا ہے کام ابھی تو۔'' عظمت علی نے کافی کا سپ لیتے ہوئے نیوز پیپر پر نظریں جمائے جمائے کہا۔

''ڈیڈ میں نے اور ہادیہ نے بھی دیکھنا ہے بنگلے کا کام۔'' صبا نے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے لاڈ سے کہا۔ ''اوکے میرا بچہ! آج شام میں آ جانا، اب خوش؟'' عظمت علی نے کرسی سے اٹھ کر صبا کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

''یس ڈیڈ!'' صبا نے خوشی سے جواب دیا۔

تین بھائیوں سے چھوٹی صبا عظمت علی کی جان تھی اور بھائی! وہ تو باپ سے بھی کئی قدم آگے تھے صبا کی محبت میں، سب بہن بھائیوں میں صرف سب سے بڑے بھائی احمر کی شادی ہو چکی تھی احمر کی بیوی ماہین رشتے میں صبا کی کزن لگتی تھی، احمر سے چھوٹے بھائی دانیال کی منگنی ہادیہ سے ہو گئی تھی، جبکہ سب سے چھوٹا بھائی ارسل ابھی فری تھا صبا بہت پیاری، معصوم اور زندہ دل ہونے کے ساتھ کافی خوبصورت بھی تھی۔ اس کی شخصیت میں سب سے نمایاں شے اس کے سنہری ریشم جیسے لمبے بال تھے جو ٹخنوں کو چھوتے تھے گھر والوں کے لئے وہ ایک جیتی جاگتی گڑیا تھی۔

صبا نے ہادیہ کو کال کر کے تیار رہنے کا کہا اور کود کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ''چلیئے رحمان بابا۔'' اس نے جلدی سے کہا تو ڈرائیور رحمان بھی مسکرایا اس کو عظمت علی کے الفاظ یاد آ گئے۔ ''اس لڑکی کے اندر خون نہیں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔'' پھر صبا نے ہادیہ کو اس کے گھر سے پک کیا اور پھر کچھ دیر میں وہ بنگلے کی لوکیشن پر پہنچ گئیں پھر انہوں نے بنگلے کا جائزہ لیا عظمت علی کے منیجر نے ان کے لئے ٹیبل اور چیئرز کا انتظام کیا ہوا تھا پھر وہ گھوم پھر کر ٹیبل پر آ گئیں۔ ''کیا موڈ ہے؟'' صبا نے ہادیہ سے پوچھا۔

''پیزا۔'' اس نے سن گلاسز اتارتے ہوئے کہا اور صبا نے پیزا اور سوفٹ ڈرنک منگوائیں۔ جب ان کی چیزیں آ گئیں تو وہ دونوں کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں کرنے لگیں اتنے میں عظمت علی بھی آ گئے۔

''اوہ جناب یہاں تو پارٹی ہو رہی ہے!'' انہوں نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔ ''انکل پلیز! جوائن اٹ۔'' ہادیہ نے انہیں آفر کی۔

''نو بیٹا! تھینکس۔'' ابھی وہ بات ہی کر رہے تھے کہ انہیں ایک طرف سے ہلکا سا شور سنائی دیا ان کا دھیان اسی طرف ہو گیا۔

صبا سے رہا نہ گیا اور وہ اٹھ کر اسی جانب چل دی اسے آتا دیکھ کر منیجر نے سب کو راستہ چھوڑنے کا کہا۔ '' کیا بات ہے ندیم صاحب، یہ شور کیسا ہے؟'' اس نے منیجر سے پوچھا۔

''میڈم کچھ ملا ہے یہاں سے۔'' اس نے بتایا پھر ایک ملازم ''سیاہ کپڑے میں لپٹی کوئی چیز لے آیا۔''

''کیا ہے اس میں؟'' صبا کو جستجو ہو رہی تھی اور پھر اس کے معلوم کرنے پر ملازم نے کپڑے کی تہہ کھولیں تو اس میں ایک مورتی تھی، ایک عورت کی جس نے ساڑھی باندھی ہوئی تھی اور اس کی چوٹی بل کھا کر اس کے ٹخنوں تک آ رہی تھی، اس کا انداز رقص کرنے والا بنایا گیا تھا اور پیروں میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے یہ ہجوم کیسا ہے؟'' عظمت علی کی آواز پر ملازم سیدھے ہو گئے۔

''سر! یہ مورتی ملی ہے کھدائی سے۔'' ندیم صاحب بولے۔

''یہ کوئی اتنی اہم بات تو نہیں ہے کہ سارا کام روک دیا جائے اس طرح کی چیزیں تو ملتی رہتی ہیں اکثر کھدائی میں۔ پھینکو اس کو اور کام دوبارہ شروع کرو!'' انہوں نے کہا تو سب اپنے کاموں میں لگ گئے۔

صبا کی نگاہیں مورتی پر ہی جمی ہوئی تھیں، عظمت علی کے حکم پر ملازم مورتی کو لے جانے لگا تو صبا ایک دم چیخی ''رکو!'' ملازم رک گیا۔

پھر صبا نے عظمت علی سے کہا۔ ''ڈیڈ! کیا یہ میں رکھ سکتی ہوں۔؟''

''ٹھیک ہے اگر تمہیں یہ پتھر کی مورت پسند آ رہی ہے تو رکھ لو۔'' بیٹی کی ایک آواز پر وہ موم کی طرح پگھل گئے صبا نے مورتی کو گاڑی میں رکھوا دیا۔ ''بیٹا آپ لوگ گھر جائیں گے یا اور رکنا ہے؟''

''نو ڈیڈ ہم نہ گھر جائیں گے نہ رکیں گے ہم لوگ شاپنگ پر جائیں گے۔'' صبا نے کہا اور پھر دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ صبا کی واپسی رات کے کھانے پر ہوئی کھانے کے بعد وہ لوگ ٹی وی لاؤنج میں آ گئے ارسل نے جلدی سے اسپورٹس چینل لگا دیا جہاں پر ٹینس میچ چل رہا تھا۔ ''ارسل اللہ کے بندے! تم ٹینس سے بور نہیں ہوتے۔؟'' صبا کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

''آپ کیا جانیں میڈم ٹینس کو، یہ ومبلڈن فائنل ہے جناب!'' ارسل نے اسکرین سے چہرہ ہٹائے بغیر کہا۔

''صبا تم بھی کمال کرتی ہو بھئی یہ یہی تو ہے نیکسٹ راجر فیڈرر۔'' احمر بھائی نے صبا کا بدلہ لیتے ہوئے کہا تو ارسل سمیت سب کو ہنسی آ گئی۔

''صبا بی بی! وہ رحمان بابا کہہ رہے ہیں کہ گاڑی میں آپ کی کوئی چیز رہ گئی ہے۔''

''میری؟'' صبا نے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تو یاد نہیں آ رہا۔ میں نے سارے شاپنگ بیگز کمرے میں رکھ دیئے تھے ہادیہ کا کوئی بیگ تو نہیں رہ گیا۔ خیر آپ لایئے میں دیکھتی ہوں۔'' صبا بولی تو ملازمہ چلی گئی۔

''ہوں! اگر ہادیہ کا ہو تو دانیال بھائی کو بھیجنا واپس کرنے۔'' ارسل نے دانیال کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''یہ آئیڈیا اچھا ہے!'' ماہین بھابھی نے ارسل کی تائید کی۔ اتنے میں ملازمہ ہاتھ میں مورتی اٹھائے چلی آئی۔

''اوہ! اچھا تو یہ رہ گئی تھی۔'' صبا نے ماتھے پر ہلکے سے ہاتھ مارا اور پھر جلدی سے مورتی ٹیبل پر رکھوا دی۔ ''یہ کیا ہے صبا؟'' دانیال نے پوچھا۔

''بھائی آج بنگلے کے ایک سائیڈ کھدائی میں سے نکلی ہے مجھے اچھی لگی تو میں لے آئی۔'' صبا نے بتایا پھر سب اس مورتی کی خوبصورتی کی تعریفیں کرنے لگے پھر سب اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھ گئے صبا نے مورتی کو اٹھایا اور اپنے کمرے میں آ گئی پھر کمرے کی اس دیوار کی جانب بڑھی جہاں دیوار میں ڈیکوریشن پیس سجے ہوئے تھے۔ مورتی کو رکھتے ہوئے ایک کیل صبا کی انگلی میں چبھ گئی۔ ''سی!'' ایک لمبی سسکاری صبا کے ہونٹوں سے خارج ہوئی خون کی ننھی ننھی بوندیں مورتی پر ٹپک گئیں صبا نے مورتی کو وہیں رکھا اور جلدی سے باتھ روم میں چلی گئی۔

خون کی وہ ننھی بوندیں مورتی پر کیا پڑیں اس مورتی نے زور زور سے سانس لینا شروع کر دیا اور خون کی بوندیں یوں غائب ہوئیں جیسے تھیں ہی نہیں۔ صبا باتھ روم میں تھی کہ موبائل بجنا شروع ہو گیا صبا انگلی پر دوا

لگا کر آئی تو فون بند ہو چکا تھا۔ صبا بیڈ پر لیٹ گئی اس کی آنکھ فوراً لگ گئی موبائل دوبارہ بجنے لگا صبا نے نیند سے بوجھ آنکھیں کھولیں اسکرین پر عاشر کا نام نظر آ رہا تھا، صبا نے کال ریسو کی اور بھاری آواز میں ہیلو کہا اور پھر عاشر سے باتوں میں وقت کا اندازہ نہیں ہوا اور جب صبا نے فون بند کیا تو رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ صبا نے کروٹ لی اور آنکھیں بند کرلیں۔ وہ مورتی سامنے رکھی تھی اور پھر اس میں سے دھواں سا نکلا اور کمرے میں پھیل گیا پھر آہستہ آہستہ اس نے سمٹ کر ایک وجود کی شکل اختیار کرلی۔

☆......☆......☆

رابعہ بیگم نے اوپر کمرے میں جانے سے پہلے فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگیں سب اپنے کمروں میں سونے کے لئے جا چکے تھے ابھی وہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں کہ انہیں راہداری میں ''چھن...... چھن...... چھن'' کی آواز آئی جیسے کوئی ہولے ہولے قدم بڑھا رہا ہو۔ رابعہ بیگم چونک گئیں۔ ''کون ہے وہاں؟'' انہوں نے زور سے آواز دی مگر خاموشی رہی انہوں نے راہ داری میں دیکھا مگر وہ خالی تھی۔ وہ حیرانی کے سمندر میں غوطہ کھانے لگیں، کیا وہ چلتے میں خواب دیکھ رہی تھیں یا پھر ان کے کان خراب ہوگئے تھے وہ اسی کیفیت میں کمرے میں آ گئیں اور بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ مگر ان کی سماعتوں میں وہ ''چھن...... چھن'' کی آواز ابھی بھی گونج رہی تھی۔

ادھر صبا گہری نیند میں تھی اور کوئی اس کو ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا تھا پھر جب نظروں سے دل نہ بھرا تو اس نے کانپتے ہاتھوں سے اس کے سنہری بستر پر پھیلے بالوں کو چھوا اور انہیں پیار سے سہلانا شروع کردیا اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی کہ سارا حسن ایک جگہ بھی اکٹھا ہوسکتا ہے۔

صبا صبح یونیورسٹی جانے کے لئے اٹھی تو اسے اپنے پیروں میں کچھ محسوس ہوا اس نے اپنے پیروں پر سے چادر کھینچی تو مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ اس کے پیر بالکل صاف تھے صبا نے جلدی سے اٹھ کر شاور لیا اور ہیئر ڈرائیر سے بال سکھانے لگی۔ اسے یونیورسٹی جانے کی دیر ہو رہی تھی۔ جب صبا نے ڈرائیر بند کیا تو اسے ایک مرتبہ پھر کوئی چیز الجھتی محسوس ہوئی۔ اس نے نیچے دیکھا مگر وہاں کسی چیز کا نام و نشان نہیں تھا صبا نے لمحہ بھر کو سوچا اور پھر شانے اچکاتے ہوئے کنگھا اٹھایا اور اپنے سنہری لمبے بالوں میں کرنا شروع کردیا اگر اس وقت صبا دیکھ لیتی کے نیچے کیا ہو رہا ہے تو وہ چیخیں مارنے لگتی، کنگھا کرنے پر صبا کے سر کے بال نیچے گر رہے تھے اور خود بخود کھنچتے ہوئے بیڈ کے نیچے جا رہے تھے۔ پھر صبا نے بال باندھے اور نیچے ناشتہ کرنے چلی گئی۔

☆......☆......☆

رات کے گیارہ بج چکے ہیں ارسل کو کہو اب تو نیچے آ جاؤ۔ رابعہ بیگم نے ملازم کو ارسل کو بلانے چھت پر بھیجا۔ ارسل چھت پر بنے کمرے میں اکثر اپنے لیپ ٹاپ کے ساتھ پایا جاتا تھا دیگر نوجوانوں کی طرح وہ بھی فیملی کے بجائے اپنے لیپ ٹاپ و دیگر چیزوں میں وقت صرف کرتا تھا ملازم کمرے میں گیا تو ارسل بیڈ پر اوندھا سویا ہوا تھا اس نے نیچے جا کر رابعہ بیگم کو بتایا تو وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں چلی گئیں ایسا اکثر ہوتا تھا کہ ویک اینڈ پر ارسل اپنے کزن اور فرینڈز سے دیر تک گپ شپ کرتا تھا اور پھر وہیں سو جاتا تھا۔ ''چھن...... چھن......'' کی آواز کسی ہتھوڑے کی مانند ارسل کے سر پر پڑ رہی تھی اس نے نیند سے بوجھل اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی، اسے کوئی پرچھائی سی نظر آئی وہ پیر زمین پر مار رہی تھی جس سے ''چھن...... چھن'' کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ صبا کی بچی بعض آ جا شرارتوں سے، اس نے اتنا کہہ کر منہ اٹھا، تو اس کی نیند بھاگ گئی۔

''سامنے ایک خوبصورت سانچے میں ڈھلی لڑکی کھڑی تھی اس نے نیلے رنگ کی ساڑھی باندھی ہوئی تھی وہ کھڑی مسکرا رہی تھی اور اس کے پیروں میں گھنگھرو

بندھے تھے، جنہیں وہ زمین پر وقفے وقفے سے مار رہی تھی۔ ''کون ہیں آپ۔'' ارسل نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

جواب میں اس نے قہقہہ لگایا اور چھن...... چھن کرتی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ''منجوشا'' لڑکی کے منہ سے کافی بھاری آواز نکلی جو اس کی شخصیت کے بالکل الٹ تھی۔

''منجوشا! کون منجوشا؟ اور آپ میرے کمرے میں کیا کر رہی ہے؟'' ارسل نے سوال کیا۔

''میں وہ برابر والے گھر سے آئی ہوں آپ کے کمرے سے روشنی آرہی تھی تو اپنی چھت سے کود کر یہاں آگئی۔'' اس نے بتایا۔

جواب میں ارسل تھوڑی دیر خاموش رہا اس کو غصہ آرہا تھا۔

''کیا آپ کو میرا آنا برا لگا'' اس نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے معصوم بننے کی کوشش کی۔

''جی ہاں! بالکل برا لگا، پہلی بات آپ کس کی اجازت لے کر ہماری چھت پر آئیں۔ دوسری بات یہ کونسا انداز ہے کہ ایک لڑکی رات کے اس پہر کسی غیر مرد کے کمرے میں آئے وہ بھی تنہا۔'' ارسل کا لہجہ سنجیدہ اور مضبوط تھا۔

''میں نے بھی کونسا جرم کر دیا۔'' منجوشاہ نے !اس نے دونوں ہاتھوں سے تالی پیٹی اور لٹو کی طرح گھوم گئی۔ پھر مصنوعی گرنے کی اداکاری کی اور سرگوشی کے انداز میں بولی۔ ''اچھا تم کر کیا رہے تھے۔'' ساتھ ہی وہ ارسل کے آگے قدرے جھک کر قریب آئی تو ارسل کو اس سے کراہیت آمیز بدبو آئی۔ ''دیکھئے! آپ مہربانی کر کے واپس چلی جائیں۔'' ارسل کو اس کا آنا بے حد ناگوار گزر رہا تھا۔

''منجوشا واپس جانے کے لئے نہیں آئی۔'' اس نے اپنی پانچوں انگلیاں کھول کر پنجہ ہوا میں ناں کے اشارے میں ہلاتے ہوئے کہا پھر اس نے جھٹ سے ارسل کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ارسل نے جو اس کی جانب دیکھا تو اس کی زبان بند ہوگئی۔'' اس کا چہرہ جل کر سیاہ ہو رہا تھا جس سے چربی باہر نکلی ہوئی تھی اور گوشت جلنے کی بو سے ارسل کا سانس رک رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں ''ڈیلوں کی جگہ آگ جل اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ارسل کا ہاتھ جو اس نے پکڑا تھا گرم ہونے لگا پھر اس سے دھواں اٹھنے لگا۔ ارسل کی آواز بند ہو چکی تھی وہ چاہ کر بھی بول نہیں پا رہا تھا۔ وہ اذیت سے بستر پر لوٹنے لگا۔ پھر اچانک وہ کود کر ارسل کے سینے پر سوار ہوگئی۔ ارسل کو لگا وہ کسی پہاڑ کے نیچے دب گیا ہو اس کا سانس نہیں آرہا تھا۔ منہ اس کا غبارہ بنتا جا رہا تھا اور پھر ایک دم اس کے منہ سے خون نکلنے لگا اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

صبح ناشتے کی میز پر سب جمع ہوئے تو ارسل غائب تھا۔ ''یہ لڑکا بھی ناں! رات بھر لیپ ٹاپ لے کر جاگا ہوگا جبھی تو آنکھ نہیں کھلی۔'' رابعہ بیگم نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''مام! میں اٹھاؤں ارسل بھائی کو؟'' صبا نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! اٹھاؤ اسے۔'' مام بولیں۔

''خواب میں ومبلڈن کھیل رہا ہوگا نڈال کے ساتھ۔'' دانیال نے صبا کے کان میں سرگوشی کی تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ صبا کرسی سے اٹھی اور دم دھم کرتی تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ''اس لڑکی کے اندر بھی کسی جیٹ طیارے کا انجن فٹ ہے۔'' مام نے صبا پر غصہ کیا اور پھر فوراً ہی صبا کے زور زور سے چیخنے کی آواز آئی۔ ''ارسل بھائی ارسل بھائی!''

سب اوپر کی جانب دوڑ پڑے اور وہاں پہنچ کر ان کے قدم اپنی جگہ جم گئے۔ ''صبا زمین پر بیٹھی چیخ چیخ کر ارسل کو آوازیں دے رہی تھی جبکہ ارسل کا بے جان وجود بستر پر پڑا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی اس کا ایک ہاتھ اس قدر جلا ہوا تھا کہ پورا گوشت اور چربی نکل آئے تھے اس کا سر بالکل گنجا ہو چکا تھا مگر کمرے میں کہیں بالوں کا نام و نشان نہ تھا۔ اور اس

کے منہ سے نکلتے خون نے بستر کو سرخ کیا ہوا تھا کافی خون تھوڑی پر بھی جم گیا تھا۔ سب سن ہو گئے تھے۔ ''آخر یہ ہوا کیا؟ اور کیسے؟''

ارسل کی ڈیڈ باڈی کو اسپتال منتقل کر دیا گیا پوسٹ مارٹم سے پتہ چلا کہ ارسل کی موت پھیپھڑے پھٹنے سے ہوئی۔'' مگر یہ سب کیسے ہوا؟'' یہ وہ سوال تھا جو سب کو پاگل کئے جا رہا تھا۔

پولیس نے تفتیش کی مگر کوئی خاص وجہ معلوم نہ ہو سکی ارسل کا یوں اچانک مرنا وہ بھی گھر کے اندر کس طرح کوئی بھی ریزن سامنے نہ آ سکا۔

ارسل کو منوں مٹی تلے دفنا دیا گیا پورے گھر میں موت کا سناٹا چھا گیا وہ بہن بھائی جو آتے جاتے ایک دوسرے سے مذاق کرتے رہتے تھے پورا گھر قہقہوں سے گونجتا رہتا تھا اب وہاں سب پتھر کی مورت بن گئے تھے اس کڑے وقت میں عاشر کے گھر والوں نے عظمت علی اور ان کی فیملی کا بہت ساتھ دیا اور انہیں ہمت دلائی عظمت علی اور رابعہ بیگم نے اپنے باقی بچوں کی خاطر خود کو سنبھالا ورنہ جوان بیٹے کی ناگہانی موت نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا ان کا دل خون ہو رہا تھا جو صرف اللہ جانتا تھا یا پھر وہ خود، وقت گزرتا رہا اور زندگی اپنی ڈگر پر چل پڑی۔

☆......☆......☆

احمر آفس جانے کے لئے جلدی سے باتھ روم میں گھسا اور شاور کھول کر اس کے نیچے نہانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ صابن اٹھانے کے لئے جب وہ جھکا تو اس کی نگاہ نیچے زمین پر پڑی تو وہ چونک گیا نیچے زمین پر بالوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا احمر نے ان بالوں کو اٹھایا تو وہ اس کے اپنے بال تھے اس نے جلدی سے شاور بند کیا اور دیوار پر لگے قد آور آئینے میں اپنے سر کا جائزہ لینے لگا اس کا آدھا سر خالی خالی لگ رہا تھا یہ ''ایکدم میرے بالوں کو کیا ہو گیا اور اتنا ''ڈیمیج'' وہ بھی ایک دم؟'' پھرا س نے پانی بہا کر بالوں کو ایک طرف کیا اور باتھ روم سے باہر آ گیا۔ اس نے سوچا ماسی سے کہتا جائے گا کہ یہ بال اٹھا لے مگر جلدی میں وہ تیار ہو کر سیدھا نکل گیا بال اس کے ذہن سے نکل گئے ادھر اس کے باتھ روم سے نکلتے ہی وہ بال گھومنا شروع ہو گئے اور گچھے کی صورت اختیار کر کے وہ باتھ روم سے نکلے اور رینگتے ہوئے صبا کے کمرے میں پہنچ کر بیڈ کے نیچے غائب ہو گئے۔

رات کو جب سب کھانے کی میز پر جمع ہوئے تو عظمت علی نے سب کو مخاطب کیا۔ ''بیٹا مجھے آپ لوگوں سے ایک بات کرنا تھی۔'' انہوں نے کہا تو تمام بچے توجہ سے ان کی جانب دیکھنے لگے۔ ''ویسے تو پہلے صبا کی شادی ہونا تھی اور پھر دانیال اور ہادیہ کی مگر ابھی صبا کی شادی میں وقت ہے تو میں سوچ رہا ہوں کہ پہلے ہادیہ کو رخصت کر کے گھر لے آؤں اگر عاشر کے ابھی آنے میں وقت نہ ہوتی تو میں صبا کی شادی پہلے کر کے دونوں کو ساتھ اپنے اپنے گھر کا کر دیتا۔ مگر عاشر ابھی نہیں آ سکتا اس لئے صرف دانیال اور ہادیہ کی شادی ابھی کر دیتے ہیں، میری تو یہ ہی مرضی ہے۔ آپ سب کی کیا رائے ہے؟ وہ جاننا بھی تو ضروری ہے۔'' انہوں نے تفصیل سے کہا۔

ڈیڈ جیسے آپ کی مرضی آپ اور مام جو چاہیں وہ ہم کو منظور ہے۔'' احمر نے پانی کا گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد کہا۔

''بیٹا دانیال! تمہاری کیا مرضی ہے؟'' رابعہ بیگم نے دانیال کو مخاطب کیا۔ ''جو آپ کا فیصلہ ہو مام!'' دانیال نے سعادت مندی سے کہا۔

''صبا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں!'' ماہین بھابھی نے صبا سے کہا جو کہ ڈھیلی ڈھالی سے بیٹھی پلیٹ میں چاولوں کو چمچے سے ادھر ادھر کر رہی تھی۔ اتنی بڑی خبر اور اس جیسے آفت کی پڑیا کا یوں خاموش رہنا ماہین کو عجیب لگا ماہین کے کہنے پر سب کی نظریں صبا پر جا ٹھہریں۔ ''صبا!'' عظمت علی نے اسے آواز دی۔

''یس ڈیڈ!'' صبا نے نظریں اٹھائیں تو وہ بہت بھاری ہو رہی تھیں۔ ''کیا ہوا بیٹا۔'' انہوں نے پوچھا۔

''ڈیڈ کچھ تھکن سی ہو رہی ہے لگتا ہے ہلکا سے

ٹمپریچر بھی ہے۔'' صبا نے کہا تو احمر بھائی نے جلدی سے اس کی پیشانی کو چھوا وہ تپ رہی تھی ۔''صبا! ٹمپریچر معمولی نہیں ہے چلو اندر جاؤ اور آرام کرو کل یونیورسٹی مت جانا میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔'' انہوں نے ہدایت دی۔

''اوکے بھائی۔'' صبا نے کہا اور کھڑی ہوئی تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اس کا ہاتھ گلاس پر لگا اور پوری ٹیبل پانی پانی ہوگئی۔'' آئی ایم سوری۔'' صبا بولی۔

''کوئی بات نہیں صبا۔'' دانیال نے جلدی سے گلاس اٹھایا۔''ماہین صبا کے ساتھ جاؤ۔'' احمر نے ماہین سے کہا تو وہ جلدی سے صبا کو تھام کر کمرے میں لے جانے لگی۔

ادھر عظمت علی نے یزدانی صاحب سے بات کی۔ یزدانی صاحب کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا انہوں نے فوراً عظمت علی کو ہاں کہہ دی۔

''صبا آج طبیعت کیسی ہے؟'' ماہین نے پوچھا۔

''اچھی ہے بھابھی ڈاکٹر انکل نے اچھی دوائی دی تھی ٹھیک ہے تو پھر کل ہم شاپنگ پر چلیں گے وقت کم ہے اور کام زیادہ۔'' ماہین بھابھی نے صبا کی کتابیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

دونوں نے شادی کی شاپنگ شروع کردی اور صبا ہر چیز لینے سے پہلے ہادیہ کی رائے لیتی کیونکہ ہادیہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی جو کہ اب اس کی بھابھی بھی بننے جارہی تھی۔ اس وقت بھی دونوں لدی ہوئی گھر آئیں صبا تو صوفے پر دراز ہوگئی۔''تھک گئیں بہت؟'' ماہین بھابھی نے صبا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔''ہاں بھابھی کافی دنوں سے خود کو بہت لیزی محسوس کررہی ہوں۔'' صبا نے آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا میں ذرا شاور لے کر آتی ہوں اور تمہارے لئے کافی بھجواتی ہوں۔'' ماہین نے کہا۔

''تھینکس بھابھی۔'' صبا نے کہا ماہین چلی گئی اور صبا کا فون بجنے لگا اسکرین پر عاشر کا نمبر تھا۔ صبا نے کال ریسیو کی اور بات کرنے لگی۔ ماہین نے جلدی سے شاور لے کر باہر آئی اور کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کنگھا کرنے لگی۔ اس کی نگاہ شیشے میں آتی پیچھے دیوار پر لگی کھڑکی پر گئی شام کے سات بجنے والے تھے۔''اوہ! اتنا وقت ہوگیا احمر بھی آتے ہونگے۔''ان کی گرین ٹی بھی نہیں بنائی۔'' احمر کی عادت تھی آفس سے آکر وہ گرین ٹی ضرور پیتا تھا۔ ماہین نے دراز میں سے ہیئر ڈرائیر نکالا اور سارے بال پیچھے سے آگے لاکر گردن جھکائی اور ڈرائیر سے بال خشک کرنے لگی۔ اگر وہ اس وقت منہ اٹھا کر سامنے آئینے میں دیکھ لیتی تو اس کی روح فنا ہوجاتی۔''ایک بے حد سیاہ توے جیسی عورت اپنی لال زبان نکالے ماہین کے پیچھے اسی کے انداز سے جھکی ہوئی تھی اور جیسے ماہین بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی وہ بھی اپنا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیر رہی تھی۔''

دروازہ ناک ہوا تو ماہین نے ڈرائیر بند کردیا احمد اندر آ گیا۔''آپ آ گئے، میں ابھی آپ کی گرین ٹی بناتی ہوں۔'' ماہین نے جلدی کہا۔

''جناب آپ کی نند صاحبہ نے پہلے ہی بنوالی تھی گرین ٹی کیونکہ آپ شاور لے رہی تھیں۔'' احمر نے کہا تو ماہین مسکرادی۔

احمر باتھ روم میں چلا گیا اور ماہین اس کا بیگ رکھنے لگی کمرے کی زمین پر پڑے بال تیزی سے گچھے کی صورت میں آئے اور چلتے ہوئے باہر نکل گئے ان کا رخ صبا کے کمرے کی طرف تھا۔

☆......☆......☆

مہندی کی تقریب عظمت علی کے شاندار فارم ہاؤس پر تھی۔ سارے مہمان آگئے صبا کو عاشر کی فیملی کا انتظار تھا وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی اس نے چوڑی دار پاجامہ اور بھاری کامدار فراک پہنا ہوا تھا اور اس کے حسین لمبے بالوں کی چوٹی ایک طرف ڈلی ہوئی تھی جس میں موتیا کی کلیاں پروئی ہوئی تھیں صبا پر جس کی نظر پڑتی

اس میں ستائش ہوتی پھر اسے سامنے سے اپنی نند زمین آتی دکھی تو اسکا چہرہ کھل اٹھا زمین سے بھی اس کی کافی دوستی تھی مہندی کی رسمیں شروع ہوئیں تو ختم ہوتے ہوتے رات کے تین بج گئے مہمانوں کو رخصت کر کے صبا کی فیملی بھی گھر آ گئی صبا نے اپنے کمرے میں آ کر کپڑے بدلے اور بستر پر بیٹھ کر چوڑیاں اتارنے لگی چوڑیاں اتار کر اس نے سائیڈ باکس پر رکھیں اور جیسے ہی مڑی اس کی آنکھوں کے آگے دھواں چھا گیا اور اس کے اوپر غنودگی طاری ہونے گی اور وہ آہستہ آہستہ بستر پر دراز ہوتی چلی گئی۔'' وہ دھم سے بیڈ پر اوندھی گری اور پیر ہوا میں آگے پیچھے ہلانے لگی جس سے اسکی پنڈلیوں میں بندھے گھنگھرو بجنے لگے۔

''اگر میں تیرے حسن کی دیوانی نہ ہوتی تو اب تک تو...... ہاہاہاہا!'' اس نے قہقہہ لگایا۔ پھر اس کے ہاتھ صبا کے بالوں پر گئے۔'' یہ صرف میرے ہیں۔'' اس نے اپنا چہرہ صبا کے بالوں سے رگڑنا شروع کر دیا۔

صبح ہوئی اور ناشتے کی میز پر سب کے منہ جمائیاں لے لے کر پھٹے جا رہے تھے میز پر گرم گرم پراٹھوں اور انڈوں کا ناشتہ تیار رکھا تھا صبا جب اپنی کرسی پر آ کر بیٹھی تو دانیال صبا کو دیکھ کر چونک گیا صبا کی سفید رنگت کچھ تپی تپی سی ہو رہی تھی۔'' صبا چندا! طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟'' اس نے سوال کیا۔

''جی بھائی!'' صبا نے مختصر جواب دیا اور پراٹھے کا نوالہ بنا کر منہ میں رکھ لیا۔

''رات دیر بھی تو اتنی ہو گئی تھی وہ تو بڑوں نے جلدی کی ورنہ بچوں کی منشا تو رت جگا کرنے کی تھی۔'' رابعہ بیگم نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''بھائی آپ کے بالوں کو کیا ہو رہا ہے؟'' دانیال نے احمر سے سوال کیا جس کا اب پورا سر نظر آ رہا تھا۔

''ہاں یار کچھ پرابلم ہو رہی ہے تقریبات ختم ہو جائیں پھر کسی '' ہیئر اسپیشلسٹ '' کے پاس جاتا ہوں۔'' احمر بھائی نے کہا۔

''سب لوگ وقت سے اپنی تیاری کر لینا، جو جو چیز رہتی ہے ابھی دیکھ لو ورنہ عین بارات کے وقت سب یاد آئے گا۔'' عظمت علی نے تمام بچوں کو باآور کرایا۔

'' صبا تمہاری تیاری تو مکمل ہے ناں؟'' ماہین بھابھی نے پوچھا۔

'' ہے تو بھابھی مگر میں سوچ رہی ہوں کچھ اور پہن لوں، اتنا بھاری فرشی شرارا مجھ سے سنبھالا نہیں جائے گا میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' صبا نے بوجھل انداز سے کہا۔

'' باؤلی ہو گئی ہو کیا؟ اتنا مہنگا ڈیزائنر سوٹ ضد کر کے لیا اب کہہ رہی ہو کچھ اور پہنوں گی۔'' رابعہ بیگم بڑبڑائیں۔

'' مام میں تو بس کہہ رہی تھی، اچھا بابا وہی پہنوں گی۔'' صبا نے کہا اور اپنی کرسی سے اٹھ گئی۔

سب بارات کی تیاری میں لگے ہوئے تھے ہر کوئی کچھ نہ کچھ کر رہا تھا صبا ذرا میری ساڑھی کا پلو سیٹ کر دو! ماہین بھابھی ہاتھ میں پن لئے صبا کے کمرے میں آئیں۔'' لایئے۔'' صبا بولی اور پھر اس نے ماہین کی ساڑھی کا پلو سیٹ کر دیا۔'' تم ریڈی ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔'' بس یہ دوپٹہ ٹھیک کر لوں پھر آتی ہوں۔'' صبا نے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ماہین روم سے چلی گئی صبا دوپٹہ ٹھیک کر کے باہر نکلنے لگی'' ایک دم اس کی آنکھوں کے آگے سیاہ دھند چھا گئی صبا کو اپنا جسم رسیوں میں جکڑا محسوس ہوا اس کو اپنے اوپر اتنا وزن محسوس ہونے لگا کہ اس کے پیر منوں بھاری ہو گئے اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا وہ بیڈ پر گرتی چلی گئی اور پھر لمحہ بھر میں ایک دم چست انداز میں کھڑی ہو گئی۔

سب گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے بارات مقررہ جگہ پر پہنچ گئی تو ڈھول اور بینڈ بجنا اسٹارٹ ہو گئے صبا گاڑی سے اتری اور کھڑی ہو گئی ڈھول کا بجنا تھا کہ صبا کے پیروں نے تھرکنا شروع کر دیا پھر تو وہ ہوا جس کا عظمت علی کے پورے خاندان میں کبھی تصور بھی نہیں

کیا گیا ہوگا۔ صبا نے لوگوں کو دونوں ہاتھوں سے دھکیلا اور بیچ میں آ کر ٹھمکے لگانے لگی اس نے فرشی شرارے کو ہاتھوں سے پکڑا اور ٹخنوں سے بھی اوپر کرلیا اس کے سارے پیر نظر آنے لگے اور دیوانوں کی طرح ناچنا شروع کردیا، ناچتے ہوئے اس کے بالوں کے بل خود بخود کھلتے چلے گئے اس نے دونوں ہاتھوں سے زور زور سے تالیاں پیٹنی شروع کردیں، پھر اسے جانے کیا ہوا کہ اس نے پورا لپٹا دوپٹہ کھینچا اور دور پھینک دیا، وہ انتہائی بے ہودگی سے کودنے لگی۔ سب لوگ اسے دیکھ کر دانت نکال رہے تھے اور تفریح لے رہے تھے پھر اس نے پاس کھڑے لوگوں سے بے ہودہ حرکتیں شروع کردیں۔

احمر دوڑتا ہوا آیا اس کے ہاتھ میں صبا کا دوپٹہ تھا اس نے صبا کے منہ پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ وہ لہرا کر دور جا پڑی۔ عظمت علی نے ایک اور طمانچہ اس کے منہ پر مارا اور اسے دھکیل کر گاڑی میں بیٹھا دیا۔

ماہین جلدی سے اسے لے کر گھر چلی گئی۔ جو لوگ عظمت علی کی فیملی کو جانتے تھے ان کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے کہ صبا جیسے شرم وحیاء والی لڑکی کو آخر ہوا کیا؟

عظمت علی اور ان کی فیملی کا شرمندگی کے مارے برا حال ہو رہا تھا وہ کس منہ سے لوگوں کو فیس کرتے ایسے میں یزدانی اور احسان صاحب نے ان کی مدد کی۔ ''احسان احمد میں شرمندہ ہوں، صبا تمہارے گھر کی ہونے والی بہو ہے اور اس نے سب کے سر شرم سے جھکا دیئے۔'' عظمت علی نے روہانسے سے ہوگئے۔

''ایسا بھی کچھ نہیں ہوا عظمت علی! اب جانے بھی دو، بچے اپنی خوشی انجوائے کرتے رہتے ہیں اور آج تو موقع ہی خاص ہے بھائی کی بارات ہے۔ آج کل بچے فلمز دیکھ کر وہی سب طریقے کرتے ہیں۔'' احسان صاحب نے ماحول کو ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ وہ خود صبا کی حرکت پر حیران تھے۔ عظمت علی نے یزدانی سے ریکویسٹ کی اور جلدی نکاح کر کے رخصتی کروالی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ گھر پہنچ کر صبا کے ساتھ کیا کریں۔ سینکڑوں لوگوں کے سامنے جو صبا نے تماشہ لگایا تھا وہ عظمت علی کو بھلائے نہیں بھول رہی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے بار بار صبا کا بے ہودگی کرتا سراپا آ رہا تھا۔

دوسری جانب ماہین کے ساتھ صبا گاڑی میں بے ہوش ہوگئی تھی ماہین نے اسے دیکھا وہ بہت معصوم لگ رہی تھی وہ صبا کو اچھی طرح جانتی تھی وہ کبھی بھی کسی کے لئے شرمندگی کا باعث نہیں بنی، کمرے میں صبا بیڈ پر بے سدھ لیٹی رہی۔ ماہین اسے بڑی مشکل سے گاڑی سے لائی تھی ماہین کے کمرے سے نکلتے ہی ''وہ'' وہاں آ گئی۔

''ان پھول جیسے گال کو کتنی بے دردی سے کچلا ہے اس ظالم نے تھپڑ مار کر! اب بتائے گی منجوشا کہ تھپڑ کیسے کہتے ہیں۔'' اس نے غصے سے گھوم کر زور سے ہاتھوں کو پیٹا۔

صبح صبا اٹھی تو اسے سب کچھ گھومتا محسوس ہوا وہ بڑی مشکل سے اٹھی اس کی نگاہ گھڑی پر پڑی دس بجنے والے تھے۔ ''حیرت ہے کسی نے مجھے اٹھایا نہیں۔'' اس نے خود سے کہا اور بستر سے نکل آئی۔ وہ نیچے آئی تو میز پر احمر بھائی، ماہین بھابھی اور دانیال، ہادیہ، مام ڈیڈ نہیں تھے۔ صبا کو آتا دیکھ کر سب اٹھ کر چلے گئے سوائے ہادیہ کے۔

''ہادی! یہ سب ایسے کیوں ہو رہے ہیں؟'' صبا نے سوال کیا۔

''تمہاری رات کی حرکت کی ری ایکشن ہے اور کیا ہے!'' ہادیہ نے جواب دیا۔

''مگر میں نے کیا کیا تھا رات کو!'' صبا نے پوچھا۔

''یہ میں بتاؤں صبا!'' ہادیہ کے انداز میں غصہ تھا۔

''ہادی! مجھے رات کی تقریب کا ایک بھی لمحہ یاد نہیں میں کب وہاں پہنچی، وہاں کون آیا، کیا ہوا میں واپس کب آئی؟'' صبا نے ایک ہی سانس میں پوری

بات کہہ دی۔

''صبا تمہیں سچ مچ کچھ یاد نہیں؟'' ہادیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اور اسے وہاں سوائے سچ کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔

''ہادی! گاڈ پرامس۔'' مجھے سچ میں کچھ یاد نہیں۔'' صبا روہانسی ہوگئی۔

''اچھا میں بتاتی ہوں۔ تمہیں۔'' پھر ہادیہ نے اسے رات کا تمام واقعہ بتادیا۔

صبا نے وہ سب سن کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا۔ ''یہ سب میں نے کیوں کیا، یااللہ! انجانے میں مجھ سے یہ کیا ہوگیا، میری وجہ سے مام، ڈیڈ، بھائی، بھابھی اور سب کو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی ہوگی۔'' پھر وہ دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی اور زندگی میں پہلی بار وہ اپنے ڈیڈ کے کمرے میں بغیر ناک کئے دھڑا کے سے چلی گئی۔ اس کے مام، ڈیڈ چونک گئے صبا دوڑتی ہوئی عظمت علی کے بستر پر دراز قدموں میں جاگری۔ ''آئی ایم سوری ڈیڈ! مجھے نہیں پتہ رات مجھے کیا ہوگیا تھا میں نے وہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا تھا مجھے تو یاد تک نہیں کہ میں وہاں کب گئی ہاں جانے سے پہلے میری طبیعت ضرور خراب ہوئی تھی، آپ اپنی صبا کو جانتے ہیں ناں ڈیڈ؟ وہ ایسی حرکت کیسے کرسکتی ہے؟ میں پھر بھی اپنے کئے پر نادم ہوں۔'' صبا پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور اس کے آنسو عظمت علی کے پیروں کو بھگو رہے تھے۔

صبا کے الفاظ عظمت علی کے دل پر لگ رہے تھے وہ واقعی اپنی صبا کو جانتے تھے بیس سالہ صبا نے زندگی کے کسی بھی موڑ پر انہیں کبھی شرمندہ نہیں کیا۔ سوائے گزشتہ رات کے واقعہ کے، صبا اتنا رو رہی تھی کہ باقی لوگ بھی وہاں آگئے اس کی آواز سن کر۔

''ڈیڈ! صبا کی زندگی کی پہلی غلطی سمجھ کر اسے معاف کردیں۔'' ہادیہ نے عظمت علی کے آگے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا۔ صبا کے ساتھ ساتھ وہ بھی رو رہی تھی آخر وہ اور صبا ایک جان دو قالب تھے اور پھر عظمت علی کا کانپتا ہوا ہاتھ صبا کے سر پر آیا تو صبا بے اختیار ان کے سینے سے لگ کر دھاڑیں مارنے لگی سب نے باپ بیٹی کو اکیلا چھوڑ دیا۔

☆......☆......☆

''ماہین! میرا فون نہیں مل رہا ہے۔'' احمر نے ادھر ادھر ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''نہیں تو دیکھا تھا میں نے شاید بیڈ پر تھا۔'' ماہین نے کلائی میں جڑاؤ کنگن پہنتے ہوئے کہا۔ ''ماہین بیٹا!'' رابعہ بیگم نے اسے آواز دی تھی۔

''جی مام، ابھی آئی۔'' ماہین نے احمر سے کہا۔ ''آپ دیکھئے میں جارہی ہوں۔'' اور کمرے سے نکل گئی احمر نے بیڈ پر دیکھا، تکیہ اٹھا کر دیکھا مگر فون کہیں نہیں تھا۔ اتنے میں ملازم آیا اور بولا۔ ''احمر صاحب ساری گاڑیاں نکل رہی ہیں۔ سیٹھ صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''ان سے کہو کہ آپ لوگ چلیں میں فون لے کر اپنی گاڑی میں آجاؤں گا۔'' اور پھر سب لوگ چلے گئے احمر نے کچھ دیر کمرے میں اپنا فون ڈھونڈا مگر فون نہیں ملا تو اس نے شانے اچکائے اور خود بھی کمرے سے نکلنے لگا ایکدم اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے اپنے موبائل کی رنگ سنائی دی وہ تیر کی طرح پلٹا اور بے تاب نگاہوں سے آواز کی سمت کا تعین کرنے لگا۔ پھر جو اس کی تلاش ختم ہوئی تو آواز بیڈ کے نیچے سے آرہی تھی۔ احمر نے بیڈ کے نیچے جھک کر قالین کا کونا ہٹایا تو موبائل پڑا تھا مگر اب وہ خاموش ہوچکا تھا۔ احمر نے فون اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا اور جانے کے لئے مڑا مگر فوراً ہی رک گیا۔'' سامنے ایک عورت کھڑی تھی گہرا میک اپ کئے سرخ رنگ کی ساڑھی باندھے۔ ''جی آپ کون ہیں محترمہ؟'' احمر نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''منجوشا۔'' اس نے ہونٹوں کو گول کرتے ہوئے اپنا نام بتایا۔ وہ منہ میں پان چبائے جارہی تھی احمر کو اس کا یہ عامیانہ انداز بہت ناگوار گزرا۔ ''میرا مطلب ہے آپ یہاں کیسے آئیں، پہلے تو آپ کو نہیں دیکھا۔'' احمر نے کہا۔

’’اب تو دیکھ لیا ناں۔‘‘ اس نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

’’کیا مطلب ہے آپ کا؟‘‘ احمر کی آواز میں غصہ تھا۔

’’آپ تو ناراض ہوگئے، میں آپ کی بہن کے ساتھ ہوتی ہوں سب چلے گئے صرف آپ ہیں یہاں تو میں یہاں چلی آئی۔‘‘ اس نے ساڑھی کا پلو دانتوں میں دبا کر مٹکتے ہوئے کہا۔

’’معاف کیجیے گا میں نے آپ کو کبھی پہلے نہیں دیکھا کہ آپ صبا کی دوست ہیں آپ لیٹ ہوگئیں ہیں صبا تو اب جا چکی ہے۔‘‘

’’تم لے چلو ناں اپنے ساتھ۔‘‘ اس نے ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے کہا احمر کو جھجک آئی پھر صبا کی دوست ہونے کی وجہ سے وہ منع بھی نہیں کرسکتا تھا اس نے مجبوراً اس کو اپنے ساتھ چلنے کہا۔ ’’چھن...... چھن...... چھن‘‘ کی آواز احمر کو اپنے پیچھے آتی محسوس ہوئی احمر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر لڑکی کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا مگر وہ ایکدم گاڑی کا شیشہ بجا کر اسے کھولنے کا اشارہ کرتی اس کے برابر میں موجود تھی۔ ’’یہ کب باہر آئی میں نے تو نہیں دیکھا۔‘‘ احمر چونکا۔ ’’بیٹھیے۔‘‘ احمر نے جھک کر اپنے برابر والا دروازہ کھولا جیسے ہی وہ گاڑی کے اندر بیٹھی بے انتہا غلیظ بدبو کا بھبکا احمر کی ناک سے ٹکرایا۔ احمر کو الٹی آنے لگی اس نے فوراً ائیر فریشنر اسپرے کیا اور گاڑی کا شیشہ کھول کر باہر منہ کرلیا پھر اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔

تھوڑی دیر بعد احمر نے بیک ویو مرر میں دیکھا تو اسے ایک جھٹکا لگا وہ عورت گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لیٹی مسکرا رہی تھی احمر نے گاڑی روک دی وہ اس عورت سے پوچھنے کے لئے پیچھے مڑا تو ایک دفعہ پھر جھٹکا لگا وہ عورت اس کی برابر والی سیٹ پر موجود تھی۔ مگر اس کا منہ دوسری طرف تھا۔ ’’کون ہو تم؟‘‘ احمر نے ہمت کر کے پوچھا اور جواب میں جب اس عورت نے منہ احمر کی طرف کیا۔ ’’اوہ! وہاں عورت کے بجائے ایک بے انتہا سیاہ جلا ہوا مکروہ چہرہ تھا۔ احمر نے باہر نکلنے کے لئے گیٹ کھولا تو اس نے احمر کے بال مٹھی میں جکڑ لئے احمر نے زور لگایا اور زبردستی باہر نکل گیا مگر اس کے منہ سے چیخ نکل پڑی کیوں کہ اس کے بال اس مکروہ عورت کی مٹھی میں رہ گئے تھے احمر زمین پر گر پڑا تھا پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا تو وہ دھک سے رہ گیا وہ سیاہ چہرے کی عورت بالکل اس کے سامنے تھی اس نے ایک زوردار تھپڑ احمر کے منہ پر مارا کہ احمر کا جبڑا تراخ کی آواز سے چیخ گیا۔ احمر درد کی شدت سے لرزنے لگا وہ گہرے گہرے سانس لے کر تڑپ رہا تھا۔

’’تیری اتنی ہمت کہ منجوشا کی چیز پر ہاتھ اٹھائے!‘‘ وہ اپنی آنکھوں سے شعلے اگلتی اس کے سر پر آ پہنچی پھر اس نے احمر کو ٹانگوں سے گھسیٹا اور ہوا میں اٹھا کر گاڑی کے سامنے موجود شیشے پر پھینکا تو احمر کا جسم شیشہ توڑتا ہوا آدھا اندر گھس گیا اس کی ڈوبتی آنکھوں نے آخری منظر جو دیکھا اس میں وہ مکروہ عورت تالیاں پیٹ پیٹ کر ناچ رہی تھی اور قہقہے لگا رہی تھی۔

ادھر ولیمے کی تقریب شروع ہوچکی تھی وہاں اتنی گہما گہمی تھی کہ پہلے تو کسی کو بھی احمر کی غیر موجودگی محسوس نہ ہوئی لیکن جب تھوڑی دیر گزری اور پھر فوٹو سیشن اسٹارٹ ہوا تو سب کے پوز بننے لگے جو پیئرز تھے وہ الگ جو سنگل تھے وہ الگ۔

ماہین احمر کو ڈھونڈنے لگی مگر کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ احمر کہاں ہے؟ پھر جب سب کو پتہ چلا کہ احمر تقریب میں نہیں ہے تو سب باری باری اس کا نمبر ٹرائی کرنے لگے مگر احمر کال ریسیو نہیں کررہا تھا اور کرتا بھی تو کیسے؟ وہ تو اس دنیا میں ہی نہیں تھا۔

پھر ماہین نے گھر کا نمبر ملایا تو ملازم نے بتایا کہ احمر صاحب تو آپ کے پیچھے ہی نکل گئے تھے۔ اب تو سب پریشان ہوگئے تقریب میں ڈی ایس پی صاحب بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے فوراً کال کر کے احمر کی تلاش کا حکم دے دیا پولیس فوراً حرکت میں

آ گئی اور کچھ ہی گھنٹوں میں احمر تک پہنچ گئی کیونکہ انہوں نے گھر سے ولیمے کے وینیو تک جاتے علاقے کی سب سے پہلے چھان بین کی اور ایک ویران جگہ پر انہیں احمر اپنی گاڑی سمیت مل گیا۔

عظمت علی اور دانیال گئے اور احمر کو لے آئے گھر میں کہرام مچ گیا شادی کا گھر ماتم کدہ بن گیا ماہین کسی سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی پولیس کو احمر کی ہر چیز مل گئی تھی گاڑی، فون، گھڑی پیسے کچھ بھی تو غائب نہیں ہوا تھا، پولیس کا خیال تھا کہ کسی نے ذاتی دشمنی کی بنا پر احمر کو قتل کیا ہے مگر اس بات کا کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا احمر جیسے سیدھے سادھے آدمی کی کسی سے دشمنی کیسے ہوسکتی ہے؟

ایک طرف حادثہ یہ تھی جس کے ہاتھوں کی مہندی ابھی تازی تھی جبکہ دوسری طرف ماہین نے بیوگی کا سفید لبادہ اوڑھ لیا تھا عظمت علی اور رابعہ بیگم بالکل بکھر گئے تھے ابھی تو ارسل کی جدائی کا زخم بھرا بھی نہیں تھا کہ احمر بھی انہیں چھوڑ کر چلا گیا لوگ تعزیت کرنے آ رہے تھے مگر سب کے الفاظ ان کے کانوں میں جا کر بھی ان کو صبر نہیں دے رہے تھے آمنہ خاتون جو کہ رشتے میں صبا کی دادی لگتی تھیں وہ بھی آئی ہوئی تھیں وہ عظمت علی کی خالہ تھیں اور اسلام آباد سے آئی تھیں وہ رکیں ہوئی تھیں ان کے آنے سے صبا کے گھر والوں کو بہت ڈھارس ملی تھی۔

تہجد کا وقت ہوگیا تھا آمنہ خاتون نیچے والے بڑے کمرے میں ٹھہری ہوئی تھیں انہوں نے وضو کی غرض سے نل کھولا تو پانی نہیں آ رہا تھا وہ باہر آئیں اور دوسرے باتھ روم میں جانے لگیں تو انکے کانوں میں اوپر کی راہداری سے ''چھن ...... چھن۔'' کی آواز آتی پڑی۔ وہ آواز پر چونک گئیں۔''اس وقت کون ہوسکتا ہے؟ وہ بھی چھن چھن کرتا، گھر میں تو کوئی بھی پازیب نہیں پہنتا۔'' انہوں نے سیڑھی چڑھنی شروع کی تو آواز اور تیز ہوگئی پھر انہوں نے اوپر پہنچ کر دیکھا۔

''ایک عورت پیروں میں گھنگھرو باندھے، ساڑھی پہنے چلتی ہوئی جا رہی تھی۔''

آمنہ خاتون نے اسے آواز دینی چاہی مگر وہ ٹھٹھک کر رک گئیں کیونکہ وہ عورت صبا کے کمرے کے بند دروازے سے پار چلی گئی آمنہ خاتون بری طرح چونکیں اور اس کے پیچھے چلی گئیں پھر انہوں نے دروازے لاک کے سوراخ سے اندر جھانکا۔ اندر ایک انتہائی مکروہ شکل کی سیاہ عورت زمین پر اکڑوں بیٹھی ہوئی تھی اس کا جسم جل کر سیاہ کوئلہ بن چکا تھا پھر وہ اٹھی اور صبا کے وجود میں پر چڑھ گئی اور صبا کے گرد سیاہ دھند کی چادر پھیل گئی

آمنہ خاتون نے جھرجھری لی اور تیزی سے نیچے چلی گئیں انہوں نے وضو کر کے نماز تہجد ادا کی اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگیں۔''اے اللہ اس بچی کی حفاظت کر۔'' وہ فجر تک پڑھتی رہیں اور پھر فجر کی نماز ادا کر کے انہوں نے عظمت علی اور رابعہ بیگم کے کمرے پر دستک دی دروازہ تھوڑی دیر میں کھلا کیونکہ دونوں گہری نیند میں تھے دروازے پر وہ آمنہ خاتون کو دیکھ کر چونک گئے۔''خالہ امی آپ اس وقت؟ خیریت تو ہے ناں!'' رابعہ بیگم کی آواز سن کر عظمت علی بھی اٹھ بیٹھے۔''اندر آیئے۔'' رابعہ بیگم نے انہیں اندر آنے کا کہا۔

''بیٹا بات اس نوعیت کی ہے کہ میں نے فوراً بتانا مناسب سمجھا۔'' انہوں نے کہا۔

''تم دونوں میری بات سنجیدگی سے سنو اور وقت کو ضائع کیے بغیر کوئی راہ نکالو۔''

''ہم آپ کی بات سمجھے نہیں۔'' عظمت علی اور رابعہ بیگم نے ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا ارسل اور احمر کی موت کا وقت تو طے تھا مگر ان کا سبب بننے والی چیز ٹھیک نہیں ہے اس کو روکو ورنہ ایک ایک کر کے سب ختم ہو جائے گا۔'' آمنہ خاتون خاموش ہوئیں تو رابعہ بیگم جلدی سے بولیں۔''کیا چیز ''؟

''صبا بیٹی کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے کوئی نادیدہ چیز اس پر قبضہ کرے ہوئے ہے جس کو میں نے

آج رات اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بیٹا جلدی کرو ،اس مسئلے کا حل کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ ساری زندگی پچھتاؤ۔'' آمنہ خاتون نے سنجیدگی سے کہا۔ عظمت علی اور رابعہ بیگم یقین و بے یقینی کی کیفیت میں سوچ میں غرق ہوگئے۔

☆......☆......☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب لائٹ چلی گئی تھی ماہین کی آنکھ اے سی بند ہو جانے سے کھلی تھی لگتا ہے بہت دیر سے لائٹ گئی ہوئی ہے جو روم میں کولنگ نہیں ہے اس نے کہا اور بالکونی کا دروازہ کھول دیا کمرے میں گھٹن ہو رہی تھی یہ جنریٹر کیوں نہیں آن ہوا؟ ماہین نے سوچا کیونکہ ان کے گھر میں آٹومیٹک جنریٹر لگا ہوا تھا وہ بالکونی میں آ کر کھڑی ہوئی تو اسے بہت سکون ملا وہاں ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں ۔''فریش ائیر کی بات ہی الگ ہوتی ہے۔'' اس نے کہا اور وہاں لگے جھولے میں بیٹھ گئی ایک دم اسے احمر کی یاد آئی جب وہ دونوں فرصت کے لمحات میں یہاں بیٹھ کر باتیں کرتے تھے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے چہرے کو تر کرنے لگے۔ ''آہ'' ایک دم ماہین کے منہ سے چیخ نکل گئی اس کے سر کے بال بے حد زور سے کھینچے تھے کسی نے۔ چچ چچ چچ!!!! اپنے مرے ہوئے خصم کی یاد آ رہی ہے۔'' ماہین کو اپنے پشت پر بھاری آواز میں یہ جملہ سنائی دیا پھر اس کے بال ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو حیرت کے مارے اس کا منہ کھلا رہ گیا۔

''وہ ایک عورت تھی بے حد خوف ناک جلے ہوئے چہرے کے ساتھ جو اپنی ساڑھی کے پلو کو ہوا میں گول گول گھما رہی تھی۔'' کون ہو تم؟'' ماہین نے سوال کیا۔

''منجوشا'' اس نے جھولا جھولتے ہوئے کہا ،ماہین جھولے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور بولی۔

'' کون منجوشا؟ اور اس وقت تم یہاں کیا کر رہی ہو، بلکہ تم گھر کے اندر آئیں کیسے؟'' ماہین سختی سے بولی۔

''اوہ منجوشا ڈر گئی!'' اس نے سہم کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے کو بھینچتے ہوئے کہا اور پھر رک کر قہقہے لگانے لگی وہ اتنی خوف ناک لگ رہی تھی کہ ماہین ڈر گئی ماہین چیخی اس عورت نے ماہین کو بالوں سے پکڑ کر جھولے کے پائپ پر اس کا سر زور سے دے مارا پائپ لوہے کا تھا ماہین کے ماتھے سے خون کا فوارہ بلند ہو گیا درد سے اس کا پورا وجود جھنجھنا گیا۔'' کیا ہوا میری رانی؟'' اس عورت نے ٹھمکے لگاتے ہوئے کہا۔

ماہین اسے تکے جا رہی تھی کہ آخر یہ ہے کہ کون؟ پھر اس عورت نے ماہین کو بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور بولی ''فکر مت کر تجھے تیرے خصم کے پاس بھیج رہی ہوں۔'' اور پھر ماہین کو بالکونی سے نیچے دھکا دے دیا ماہین کے بال اس کی مٹھی میں رہ گئے اور اسکا جسم دھب کی آواز سے سنگ مرمر کی پکی زمین پر گرا ماہین نے آخری ہچکی لی اور ختم ہوگئی اس کے جسم کے گرد خون کا تالاب سا بن گیا تھا۔

رابعہ بیگم نیند میں تھیں کہ انہیں ماہین کی آواز سنائی دی وہ انہیں آواز دے رہی تھی مام!'' وہ ہڑ بڑا کر اٹھ گئیں کمرے میں خاموشی تھی اور لائٹ گئی ہوئی تھی یہ میرا وہم تھا کہ ماہین نے سچ مچ مجھے آواز دی تھی۔ انہوں نے عظمت کو اٹھایا ''کیا ہوا؟'' انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔

''مجھے ماہین کے چیخنے کی آواز آئی تھی۔'' رابعہ بیگم بولیں۔ ''آپ دیکھئے یہ جنریٹر آن کیوں نہیں ہوا۔ ملازم بھی اپنے کوارٹرم میں ہوں گے۔''

''اچھا میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں اور کسی ملازم کو کہتا ہوں۔'' انہوں نے ٹارچ جلائی اور سیڑھیاں اترنے لگے عظمت علی اور رابعہ بیگم کا بیڈ روم سیکنڈ فلور پر تھا اسی فلور پر احمر اور ماہین سے چھوٹے بھائی دانیال اور ارسل کا کمرہ تھا، جبکہ فرسٹ فلور پر احمر ماہین اور صبا کا روم تھا اس سے پہلے کہ وہ سیڑھیاں اترتے انہیں ''چھن چھن'' کی آواز سنائی دی عظمت علی نے فوراً ٹارچ بند کر دی۔ ''اندھیرے میں کوئی چل رہا تھا جس کے چلنے

سے چھن چھن کی آواز آ رہی تھی انداز اس کا لہراتا ہوا تھا پھر آواز صبا کے کمرے کے سامنے غائب ہوگئی۔

وہ دونوں وہیں سیڑھیوں پر ساکت بیٹھے رہ گئے ان کے کانوں میں آمنہ خاتون کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''علی! میں پہلے بھی اس طرح کی آواز سن چکی ہوں مگر میں نے اس پر دھیان نہیں دیا تھا مگر اب خالہ امی کی بات یاد آ گئی۔ ان کا کہنا بالکل ٹھیک ہے۔'' رابعہ بیگم بولیں اتنے میں لائٹ خود بخود جل گئیں۔ راہداری اب خالی تھی۔ ''چلیں بیگم! ماہین کو دیکھتے ہیں۔'' پھر دونوں رابعہ بیگم اور عظمت ماہین کے کمرے کی طرف گئے رابعہ بیگم نے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر آواز دی۔ ''ماہین بیٹا!'' مگر کوئی جواب نہ آیا تو انہوں نے دروازہ دوبارہ ناک کیا مگر نہ کوئی جواب آیا نہ دروازہ کھلا تو رابعہ بیگم نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا پہلے وہ خود اندر گئیں لائٹ آن کیں وہاں کوئی نہ تھا اور اٹیچ باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا ماہین وہاں بھی نہیں تھی پھر رابعہ بیگم نے عظمت علی کو آواز دی وہ اندر آئے سب جگہ دیکھا مگر وہ نظر نہ آئی پھر بالکونی کے دروازے سے جھولے کی چوں چوں کی آواز آئی جیسے کوئی جھول رہا ہو۔ ''اچھا تو یہ وہاں بیٹھی ہے۔'' رابعہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا اور دونوں بالکونی کی جانب بڑھ گئے مگر وہاں خالی جھولا آگے پیچھے جھولتا انہیں منہ چڑا رہا تھا ''یہاں بھی نہیں ہے ماہین۔'' انہوں نے کہا۔

''جیسے ہی عظمت علی واپس جانے کے لئے مڑنے لگے تو ان کی نظر سامنے بالکونی کی گرل پر پھنسے دوپٹے پر پڑی تو تیزی سے وہاں آئے اور وہاں اس دوپٹے کو نکالنے کے لئے جھکے تو ان کی نظر نیچے گئی اور وہ سناٹے میں آ گئے نیچے ماہین کا وجود خون کے تالاب میں پڑا ہوا تھا۔ ''رابعہ! ادھر آؤ۔'' انہوں نے گھبراتے ہوئے کہا۔ رابعہ بیگم دوڑ کر آئیں اور نیچے دیکھ کر وہ بھی سن ہوگئیں ان کے گھر میں یہ تیسری موت تھی دونوں دوڑ کر نیچے آئے اور پھر سارے گھر کو ماہین کی موت کا پتہ چل گیا۔

دانیال اور ہادیہ پریشان ہوگئے اور صبا کو بتانے اس کے کمرے میں گئے مگر صبا سو رہی تھی ہادیہ نے اسے جگایا اور جب صبا کی آنکھیں کھلیں تو ہادیہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ''صبا کی آنکھوں میں ڈیلوں کی جگہ خلا تھا۔ دفع ہوجا!'' صبا کے منہ سے بھاری آواز نکلی۔

ہادیہ الٹے قدموں کمرے سے باہر چلی گئی مگر اس نے باہر آکر کسی کو نہیں بتایا کیونکہ اس وقت سچویشن بہت نازک تھی سب کو اس نے یہ ہی کہا صبا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے اسے نہیں جگایا۔

آمنہ خاتون تو پہلے ہی اسلام آباد جا چکی تھیں ان کی عمرے کی فلائٹ تھی پولیس کی کارروائی کے بعد عظمت علی نے اپنے پارٹنر سلمان آفاقی سے مسئلے کا ذکر کیا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ سلمان آفاقی اس معاملے میں ان کی مدد کرسکتے ہیں، سلمان آفاقی نے انہیں اگلے دن کال کرنے کا کہا پھر انہوں نے عظمت علی کو اپنے گھر آنے کا کہا عظمت علی ان کے پاس چلے گئے انہوں نے بات شروع کی۔ ''عظمت! تم نے مجھے ساری بات بتائی ہے اس کا ذکر میں نے ایک بہت خاص انسان سے کیا ہے ان کا نام ہے ''عمر حیات'' وہ بہت ہی نیک، پرہیز گار اور قابل انسان ہیں بہت علم ہے ان کے پاس دینی اور دنیاوی دونوں طرح کا۔ اللہ نے انہیں سب کچھ دیا ہے دولت، عزت، علم، ان کے والد بہت بڑے عالم دین تھے۔ وہ ان کے شاگرد بھی رہے ہیں لوگ انہیں شاہ صاحب کہتے ہیں ہم انہیں کے پاس جا رہے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ وہ صبا بیٹی کے معاملے کے وقت ملک میں موجود ہیں ورنہ وہ مشکل سے ہی ملک میں ہوتے ہیں پوری دنیا میں ان کا آنا جانا لگا رہتا ہے لیکچرز ہوتے ہیں اور باقی وقت وہ تبلیغ کرتے ہیں اتنا سب ہونے کے باوجود، وقت بچے تو اللہ کے بندوں کی پریشانی ختم کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔'' سلمان آفاقی نے تفصیل سے ان کے بارے میں بتایا۔

''میری بچی ٹھیک ہوجائے گی ناں کیونکہ کل

ہادیہ نے اسے عجیب حالت میں دیکھا تھا اس وقت تو کچھ نہ بولی مگر اس نے رات کو سب گھر والوں کو صبا کے بارے میں بتایا۔"

"انشاء اللہ! بیٹی ضرور اچھی ہو جائے گی۔"

پھر دونوں طے شدہ وقت پر شاہ صاحب عمر حیات سے ملنے ان کے گھر پہنچ گئے گاڑی جب ایک شاندار بنگلے کے سامنے رکھی تو عصر کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ اندر گئے تو ملازم نے انہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھایا اور انتظار کرنے کا کہا۔ تھوڑی دیر بعد اس کمرے میں ایک شخصیت نمودار ہوئی سفید شلوار قمیض میں ملبوس سرخ وسفید رنگت اور سفید داڑھی کے پیچھے ایک نورانی سا چہرہ انہیں دیکھ کر عظمت علی ان کی شخصیت میں گم ہو گئے۔

انہوں نے سلمان آفاقی سے ہاتھ ملا کر جب عظمت علی کی جانب ہاتھ بڑھایا تو وہ کھوئے ہوئے تھے۔" السلام علیکم! جناب۔" انہوں نے زور سے عظمت علی کو مخاطب کیا تو وہ جھینپ گئے اور جلدی سے ان کے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کیا پھر وہ سب صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"عظمت صاحب، سلمان صاحب نے مجھے آپ کے بارے میں سب تفصیل سے بتا دیا ہے اگر اس کے علاوہ کوئی خاص بات آپ بتانا چاہیں تو ضرور بتائیں۔" شاہ صاحب نے کہا۔

"نہیں جناب کچھ بھی نہیں بتانے کے لئے، میں تو خود پریشان ہوں کہ آخر یہ سب ہو کیا ہو رہا ہے اور ہمارا کیا واسطہ ان چیزوں سے۔" عظمت علی بولے۔

"کوئی ایسی چیز ہے جو اس عرصے میں آپ کے گھر آئی ہو۔" شاہ صاحب نے سوال کیا۔

"نہیں جناب ارسل کی موت سے پہلے سے ہمارے گھر میں کوئی نئی چیز نہیں آئی، نہ ہی کوئی فرنیچر وغیرہ چینج ہوا ہے۔" عظمت نے یاد کر کے بتایا۔

"اچھا! ٹھیک ہے پھر تو معلوم کرنا پڑے گا، آپ ٹھہریئے۔" انہوں نے کہا اور کمرے سے چلے گئے ان کی واپسی کافی دیر میں ہوئی ان کے ہاتھ میں ایک سفید تہہ کیا ہوا کاغذ تھا وہ انہوں نے عظمت علی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔" جمعرات کے روز مغرب سے کچھ پہلے اس کاغذ کو جس جگہ آپ نے وہ سایہ دیکھا تھا کسی بھاری چیز کے نیچے دبا دیجیے گا۔ پھر دیکھتے ہیں کیا معاملہ ہے، ادھر میں اپنے طور سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" پھر وہ لوگ واپس آ گئے اور عظمت علی نے ان کی ہدایت کے مطابق وہ کاغذ مطلوبہ جگہ پر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

وہ صبا کے کمرے میں آئی اور چونک گئی پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور جھٹ سے کھول دیں۔ وہ غصے سے پھنکار رہی تھی۔" منجوشا کو کھوجنا چاہتے ہو؟ کچھ معلوم نہیں کر سکو گے، اس کھوج میں لگے رہو میں اپنی چیز لے جاؤں گی بس تین دن کی تو بات رہ گئی ہے۔" پھر جھٹ سے زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گئی اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس کے ہونٹ تیزی سے حرکت کرنے لگے اچانک کمرے کے چاروں کونوں سے بال نمودار ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا کمرہ بالوں سے بھر گیا پھر اس نے آنکھیں کھول کر ان بالوں پر پھونک ماری تو ان بالوں کا رخ صبا کے بستر کی طرف ہو گیا بال بڑھ رہے تھے اور اس نے زور زور سے تالیاں پیٹ کر ناچنا شروع کر دیا۔

اگلی صبح جب ملازمہ صبا کو ناشتے کے لئے بلانے گئی تو اس کے کمرے کے دروازے پر" بالوں سے جال بنا ہوا تھا۔" اس نے انہیں دیکھا تو واپس آ کر سب کو بتایا۔

دانیال اوپر بھاگا اس نے ان بالوں کو کاٹ کر ہٹانا چاہا مگر وہ نہ ہٹے پر انہوں نے صبا کو آواز دی مگر صبا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

عظمت علی نے جلدی سے فون نکالا کہ وہ عمر حیات شاہ صاحب سے بات کریں اتنے میں انہیں کی کال آ گئی عظمت علی نے انہیں جلدی سے آنے کا کہا۔

تھوڑی دیر میں شاہ صاحب آ گئے انہوں نے ایک گلاس پانی منگوایا اور اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور اس پانی کو ان بالوں پر چھڑکا تو وہ جلنے لگے اور جل کر چرمر ہو گئے انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر گئے اندر کا منظر دیکھ کر رابعہ بیگم کی چیخ نکل گئی۔ پورا کمرہ بالوں میں جکڑا ہوا تھا اور صبا کے پورے وجود پر بالوں کا جال بنا ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے سب کو کمرے کی چوکھٹ تک محدود رہنے کا کہا اور اندر گئے کمرے میں ہر شے بالوں سے جکڑی ہوئی تھی سوائے ایک ''مورتی''۔

شاہ صاحب نے اس مورتی کو اٹھایا اور کمرے سے باہر آ گئے۔ انہوں نے مورتی کو اپنے گھر لا کر پڑھائی شروع کی اور پھر انہوں نے عظمت علی کو بتایا کہ ''کچھ پردہ ہے جو انہیں معلوم نہیں کرنے دے رہا۔ آپ نے جہاں سے مورتی کو کھوجا ہے وہیں سے کچھ معلوم ہو سکے گا۔'' پھر وہ لوگ یزدانی کے سالے سے ملے اس نے بتایا کہ انہوں نے اس زمین کو بنجاروں سے خالی کرایا ہے اب وہ ریل کی پٹری کے دوسری طرف ایک بستی میں رہتے ہیں پھر عظمت علی اور عمر حیات دونوں ان بنجاروں کی بستی میں گئے اور ان کے گرو سے معلومات کیں اس نے بتایا کہ۔ ''اس بارے میں اس کی ماں پدما دیوی آپ لوگوں کی مدد کر سکتی ہے۔''

پھر شاہ صاحب نے پدما دیوی کو وہ مورتی دکھائی اور پوچھا۔ ''آپ اس کے بارے میں کچھ جانتی ہیں۔''

پدما دیوی ایک بوڑھی عورت تھی اس نے پہلے تو غور سے مورتی کو دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں خوف لہرایا اور اس کے ہونٹوں سے نکلا ''منجوشا۔''

''یہ منجوشا کون ہے؟'' عظمت علی نے سوال کیا۔

''اس کو کیوں نکالا ہے بابو جی! اب بڑا ظلم ہو گیا اور خون کی ہولی پھر سے شروع ہو جائے گی۔'' اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

''اس لئے تو آپ کے پاس آئے ہیں یہ جاننے کے لئے کہ یہ کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟''

پھر پدما دیوی بولنا شروع ہوئی۔ ''ہمارا یہ ٹولا بہت پرانا ہے منجوشا کی ماں اور میری ماں بہنیں تھیں ہمارا پیشہ ناچ گانا ہے جب منجوشا نے جنم لیا تو وہ بے حد بدصورت تھی اس کی ذات میں ایک بہت بڑی خرابی تھی کہ اس کا تعلق ''تیسری جنس'' سے تھا پہلے ہی وہ بدصورت تھی پیدائشی وہ گنج تھی اوپر سے یہ کہ وہ عورت تھی نہ مرد، یہ چیز اسے بہت دکھ دیتی تھی اوپر سے لوگوں کا یہ جاننے کے بعد اس کے ساتھ رویہ اچھوتوں جیسا ہو گیا تھا۔

جیسے جیسے منجوشا بڑھتی گئی اس کی بدصورتی میں اضافہ ہوتا گیا پھر اس نے اپنی ساری توجہ ناچ سیکھنے میں لگا دی وہ اتنا اچھا ناچتی تھی کہ گرو کی چہیتی بن گئی وہ ہمیشہ لڑکی کا روپ دھارن کئے رہتی تھی اس کی دلی اچھا تھی کہ وہ ایک سندر ناری میں بدل جائے۔ اس چکر میں وہ پاگل ہوتی جا رہی تھی اس نے کیا کچھ نہیں کیا اس کے لئے منتیں مانی، پوجا پاٹ کی، چڑھاوے چڑھائے مگر بھگوان کی اچھا کے آگے کس کی چلی ہے۔

میں اس کو بہت سمجھاتی مگر اس کے بھیجے میں بس یہی چیز گھسی ہوئی تھی کہ کسی طرح وہ خوبصورت ناری بن جائے۔

ایک روز ایک بہت بڑے ٹھاکر کے یہاں سے ناچ کا بلاوا آیا۔ گرو نے منجوشا کو جانے کا کہا۔ منجوشا نے گہرے نیلے رنگ کی ساڑھی باندھی، گہرا میک اپ کیا اور مصنوعی چٹیا لگانے لگی۔ ''پدما میں نے ایک وید سے بات کی ہے بہت جلد وہ ایک لیپ بنا کر دیں گے جس سے میرے سر پر بال نکل آئیں گے ٹخنوں تک رکھوں گی میں اپنی چوٹی۔'' اس نے لہراتے ہوئے کہا اور پھر ہم محفل میں جانے کی تیاری کرنے لگے۔

اس رات منجوشا نے پوری رات رقص کیا پوری محفل جھوم اٹھی مگر اس ٹھاکر کے کمینے غنڈوں نے منجوشا کے رقص کے پیسے دینے سے انکار کر دیا تھا بہت جھگڑا ہو گیا۔

اس روز گرو نے ہمیں واپس چلنے کا کہا۔ ہمیں کیا پتہ تھا کہ وہ کمینے دل میں خار رکھ کر بیٹھ جائیں گے

اور پھر ایک روز انہوں نے ایک محفل سے آتے ہوئے منجوشا کو اغوا کرلیا، پہلے اس کے ساتھ ظلم کیا، اس کو خوب مارا اتنا کہ اس کی ٹانگ توڑ دی اور پھر اس کے منہ پر تیزاب پھینک دیا۔

منجوشا کی حالت بہت بری ہوگئی تھی بہت عرصہ وہ ہل بھی نہ پائی تھی پھر وہ جب اٹھنے کے قابل ہوگئی تو گرو نے اس کی ماں سے کہا۔ ''تو جانتی ہے ہم غریب ہیں جتنا ہمارے بس میں تھا ہم نے کیا، اب تو منجوشا کو لے کر کہیں اور چلی جا، اب یہ ناچ گی کہاں اور اسے کھلائے گا کون؟ سب کے ساتھ اپنا اپنا پیٹ لگا ہے اور بھی لوگ ہیں میرے سر پر پہلے سے ہی۔''

اور یوں منجوشا اور اس کی ماں ہمارے ٹولے سے الگ ہوگئیں۔ کافی سمے تک وہ نظر نہ آئی پھر ایک بار رات کو محفل سے آتے ہوئے میری نظر جنگل سے نکلتی ایک عورت پر پڑی میں نے غور کیا تو وہ منجوشا تھی میں بیل گاڑی سے اتری اور اس کے پاس گئی۔

''منجو!'' میں نے آواز دی تو وہ رک گئی اتنی رات کو اکیلی کہاں سے آرہی ہے موسی کیسی ہے؟ میں نے پوچھا۔ ''گئی اس پاپی سنسار سے!'' اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''ہے بھگوان'' میں نے کہا۔ ''تو یہاں؟''

''ہاں میں اپنے گرو کے کہنے پر یہاں آئی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''کیا تو کسی اور ٹولے میں چلی گئی ہے میں نے پوچھا اتنے میں ہوا چلی تو اس کی چادر اتر گئی اس کا تیزاب سے جھلسا چہرہ سامنے آگیا مجھے اسے دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ پھر میری نظر اس کی بغل میں دبی ایک ''مورتی'' پر پڑی۔ ''یہ کیا ہے منجو؟'' میں نے سوال کیا۔

''یہ! یہ میری زندگی ہے، میری اچھا بلکہ میری آخری اچھا۔'' منجوشا جذبات سے لبریز لہجے میں بولی۔

''میں سمجھی نہیں۔'' میں نے کہا۔

''سن پدما تجھے بتا رہی ہوں جب ہم ٹولے سے نکلے تو جنگل میں رہ پڑے وہاں، ایک تانترک تھا وہ کوئی عمل کر رہا تھا اس کا نام تھا ''ستیہ یادیو۔'' اس نے مجھے دیکھا تو اسے مجھ پر ترس آیا اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھے ایک سندر ناری کا روپ دے سکتا ہے مگر اس کے لئے مجھے کسی اپنی پیاری چیز کی بلی دینی پڑے گی، تو میں نے ماں کی بلی دے دی۔'' یہ سن کر میں سکتے میں آگئی۔

پھر وہ بولی۔ ''اس یادیو نے مٹی اٹھائی اور اسے میری ماں کے خون سے گوندھ کر یہ مورتی بنائی اس نے بتایا کہ ایک عمل کر میں اس کی طرح سندر ناری بن جاؤں گی اور وہ عمل ہر اماوس کو کرنا ہے کل میرا آخری اماوس ہے پھر میں اپنی ''آخری اِچھا'' پوری کرلوں گی اور پھر منجوش وہاں سے چلی گئی۔''

اگلے ہی روز سورج ڈھلنے سے پہلے جنگل میں بنی اس کی جھونپڑی میں جانے کیسے آگ لگ گئی اور منجوشا اس میں بری طرح جل گئی اس کی حالت بہت خراب تھی، سب ٹولے والے اس سے ملنے گئے اس کو دیکھ کر مجھے بہت دیا آئی اس سنسار میں اس نے کچھ نہیں پایا بس کھویا ہی کھویا تھا اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے مرگئی۔

اس کے گرو نے بتایا کہ منجوشا کے مرنے کے بعد اس مورتی کو کہیں گاڑ دو کیونکہ اس میں منجوشا کی آخری اِچھا بسی ہوئی ہے پہلے ہی وہ بہت خون دے چکی ہے، اس مورتی کو، اور اس کا عمل بس مکمل ہونے والا تھا شکتیاں تو اسے مل چکی ہیں اگر بھولے سے بھی اس ''مورتی پر خون پڑا کسی خوبصورت ناری کا'' منجوشا کی آتما اس میں سما جائے گی اور پھر وہ اپنی آخری اِچھا کو پورا کرنے کے لئے مرتیو کا کھیل شروع کردے گی۔''

ہم نے اس کو اسی وقت زمین کھود کر بہت گہرائی میں دبا دیا تھا مگر اب یہ باہر آگئی ہے تو ضرور منجوشا آزاد ہوجائے گا۔'' پدما بولی۔

''آزاد ہوجائے گی نہیں بلکہ ہوچکی ہے۔''

شاہ صاحب بولے۔ ''خیر آپ کا شکریہ آپ نے میری پریشانی حل کردی۔'' اور پھر دونوں واپس آگئے۔ ''عظمت علی میں کل آپ کے گھر آؤں گا۔ فیصلہ کل ہی ہوگا۔'' شاہ صاحب نے کہا اور اپنے

گھر چلے گئے۔

دوسرے دن شاہ صاحب آئے اور بولے۔

''عظمت علی! صبا کے خون نے منجوشا کو آزاد کیا ہے اور اب اس کی نظر صبا پر ہے وہ اسے مار کر اپنی آتما اس مورتی سے صبا کے جسم میں ڈال دے گی۔ اور ایک خوبصورت لڑکی بننے کی خواہش پوری کرے گی اور اس سارے عمل کو کرنے کے لئے اسے طاقت چاہئے جس کے لئے اس نے بالوں کا ایک بہت خطرناک عمل کیا ہے اور یہ عمل وہ مرنے والے کے بالوں پر کرتی جارہی ہے۔ تین راتیں بچی ہیں اس کے عمل میں، جن میں سے آج دوسری رات ہے۔ ہمیں جو کرنا ہے آج ہی کرنا ہے۔'' شاہ صاحب نے عظمت علی کو بتایا۔

پھر وہ صبا کے کمرے کی طرف گئے کمرے کا پورا دروازہ بالوں سے جکڑا ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے پڑھائی شروع کی اور ان بالوں کو مٹھی میں پکڑا، انکے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے، وہ بال بال راکھ بن کر بکھر گئے پھر وہ اندر گئے اور سامنے منجوشا کو زمین پر بیٹھے دیکھا تو مسکرانے لگے۔

''مجھے روکنے آیا ہے۔'' اس نے سوال کیا وہ اب بھی ایک بجی ہوئی عورت کے روپ میں تھی۔

شاہ صاحب نے کلام الٰہی کا ورد شروع کیا تو منجوشا پہلو بدلنے لگی پھر شاہ صاحب نے اس کی جانب پھونک ماری تو منجوشا کا اصلی روپ سامنے آ گیا۔ گنجا سر، تیزاب سے ادھڑا چہرہ، پورا جسم جل کر کوئلہ ہو رہا تھا اس کا۔

''اپنی اصلیت پہچان یہ ہے تیرا اصل روپ۔'' شاہ نے کہا۔

منجوشا نے حیرانی سے اپنے وجود کو ٹٹولا اور اپنے جلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھا تو اسے جنون آ گیا اس نے اپنے آپ کو نوچنا اور اپنے منہ پر تھپڑ مارنا شروع کر دیا۔

''یہ میں نہیں ہوں۔!'' اس کی آواز میں اتنا درد تھا کہ ایک لمحہ کو شاہ صاحب بھی لرز گئے۔ انہوں نے دل میں اپنے رب سے معافی مانگی ایسا انہوں نے منجوشا کا عمل روکنے کے لئے کیا تھا اسکی بدصورتی کا مذاق نہیں اڑایا تھا۔ منجوشا رو رو کر چیخ رہی تھی۔ ''تم پاپی لوگوں نے میرا یہ حال کیا ہے۔''

''ٹھہر جا!'' شاہ صاحب کے کہنے پر وہ ایکدم رک کر اپنی جگہ اکڑوں زمین پر بیٹھ گئی۔

''جو کچھ لوگوں نے تیرے ساتھ کیا وہ ظلم کی انتہا تھی مگر تو نے جو کیا وہ تو بہت غلط ہے۔ تو نے تو اپنی ماں کو نہ چھوڑا۔'' شاہ صاحب بولے۔

''میں اپنی آخری اِچھا کے لئے کچھ بھی کر گزروں گی۔'' اس نے تالیاں پیٹتے ہوئے کہا۔

''تو اچھی، بری جو بھی تھی اپنے حصے کی زندگی جی لی، اب تیرا اس دنیا میں کوئی کام نہیں، آزاد کر دے اس بچی کو اپنے جال سے، ہم تیرے لئے جانے کا آسان راستہ دے دیں گے۔'' شاہ صاحب نے کہا۔

منجوشا نے...... ''ناں......'' میں گردن ہلائی۔

''ٹھیک ہے جیسے تیری مرضی، تیری مہلت اب ختم۔'' اور پھر شاہ صاحب نے اپنے پیچھے سے وہی مورتی نکالی اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کلام الٰہی پڑھنا شروع کر دیا۔

منجوشا مورتی کو دیکھ کر طوفان کی رفتار سے شاہ صاحب کی جانب بڑھی مگر کسی ان دیکھی دیوار سے ٹکرا کر دور جا گری پھر اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمودار ہونے لگے اور پھر کمرے میں زوردار دھماکہ ہوا اور مورتی کے پرخچے اڑ گئے۔ منجوشا کے جسم میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

صبا اور عاشر کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھی مہمانوں میں عمر حیات شاہ صاحب بھی موجود تھے عظمت علی نے نوکروں کو حکم دیا اگر کوئی غریب یا ''تیسری جنس'' کے افراد آئیں تو انہیں دھتکارنے کے بجائے کھانا اور پیسے دے دینا، شاہ صاحب نے عظمت علی کی یہ بات سنی تو دھیرے سے مسکرا دیئے۔

انوکھی ہمدردی

ساجدہ راجہ۔ ہندواں سرگودھا

کمرے کے ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دینے والے اندھیرے میں نوجوان محو خواب تھا کہ اچانک کسی نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ نوجوان گھری نیند کے باوجود اٹھ تو گیا مگر حواس باختہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا، موت سامنے کھڑی تھی......

موت کے آہنی پنجے میں تڑپتے ہوئے ایک نوجوان کی خوفناک اور لرزیدہ حقیقی روداد

بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک اور کڑک دل کو دہلائے دے رہی تھی، ہوائیں شور کرتی، چنگھاڑتی پہاڑوں اور درختوں سے ٹکراتی تھیں، عجیب اور بھیانک شور پیدا کررہی تھیں، سیاہ بادلوں نے تاریک رات کو مزید تاریک کردیا تھا اور حقیقتاً ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

ایسے طوفانی موسم میں وہ دونوں ہاتھ پکڑے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھاگے پھر رہے تھے، ایسے حالات میں وہ کیا پناہ گاہ تلاش کرپاتے لیکن ایک موہوم امید کے تحت وہ بھاگتے جارہے تھے، کسی گھنے درخت کے نیچے یا کسی پہاڑ کے ابھرے ہوئے چھجے کے نیچے...... تھوڑی بہت ہی سہی کچھ تو پناہ مل جاتی۔

بارش کسی بھی لمحے متوقع تھی اور وہ اس سردی میں بارش میں بھیگنا نہیں چاہتے تھے ورنہ ان کا جوحشر

ہوتا وہ انہیں بخوبی معلوم تھا۔ وہ پہاڑی علاقہ شمالی افریقہ میں واقع تھا جو گھنے جنگلات سے بھرا پڑا تھا اوران جنگلات میں خطرناک ترین جانور اور درندے اپنی پوری ہیبت ناکی سے موجود تھے۔

افریقہ ہر دور میں لوگوں کے لئے خاص طور پرایڈونچر پسند لوگوں کے لئے پرکشش ترین مقام رہا ہے، اور آج بھی اس کی کشش یونہی لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔خطرناک جنگلات و پہاڑ، درندوں، دلدلی علاقوں خطرناک پودوں اوروحشی قبائل کی موجودگی کے باوجود لوگ وہاں جانے سے باز نہیں آتے کیونکہ یہ خطہ خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی خوبصورت بھی ہے،فطرت کے حسین ترین مناظر ہر جگہ بکھرے پڑے ہیں ان جنگلات کی حسین صبح اور خوبصورت لیکن رگوں میں لہو منجمد کردینے والی رات بہت سے منچلوں کو اپنی طرف بلاتی ہےاوروہ خطرات کی پرواہ کئے بغیر قدرت کی ان حسین کارگزاری کوملاحظہ کرنے آتے ہیں۔

راجہ اوروان کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے، جوخاصی ایڈونچر پسند طبیعت کے مالک ہوتے ہیں اوراسی طبیعت کی وجہ سے اپنا نقصان اٹھانے کے باوجود باز نہیں آتے۔

وہ دونوں بھی افریقہ کے حسن کواپنی آنکھوں سے دیکھنے آئے تھےاوروہاں آکرمسحور ہوگئے تھے۔

وہ دونوں جنگل میں بہت آگے آگئے تھےاوراب واپس لوٹنے کا ارادہ کیاتولرز کررہ گئے وہ افریقہ کے خطرناک ترین جنگل میں راستہ بھول چکے تھے۔لوگوں سے سنے ہوئے واقعات ذہن میں تازہ ہوگئے کہ جولوگ ان جنگلوں میں راستہ بھٹک گئے ان کے ساتھ کیاہوا۔

وان کے چہرے پرسراسیمگی پھیلی ہوئی تھی پریشان توراجر بھی تھالیکن اس نے چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیاوہ جانتا تھا کہ وان کچھ بزدل ہے حالانکہ اس نے کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھالیکن راجراس کے چہرے کی طرف دیکھ کرہی اس کے اندر کا حال جان لیتا تھا۔ اگروہ فطرت کا شوقین نہ تھا۔توکبھی راجر کے ہمراہ اس خطرناک خطے کارخ نہ کرتا۔بہرحال اب توسرپرپڑی تھی جونبھانی تھی کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

رات گزارنے کے لئے انہوں نے ایک درخت کاانتخاب کیا،انہیں خطرہ تھا کہ سوتے ہوئے کوئی جنگلی جانورانہیں نقصان نہ پہنچادے، اس لئے انہوں نے درخت پرچڑھنے کوترجیح دی گوکہ وہاں بھی سانپ وغیرہ کا خطرہ تھالیکن خطرہ مول لئے بغیر گزارہ بھی نہیں تھا۔

راجر نے وان کومحتاط رہنے کی تاکید کی اور آنکھیں موندلیں رات میں کسی عجیب وغریب غراہٹ سے اس کی آنکھ کھلی اس نے چونک کرنیچے دیکھا جس درخت کے اوپروہ بیٹھے تھےاسی کے نیچے ایک شیرادھر ادھر پھررہا تھا شاید اس نے انسانوں کی بوبھانپ لی تھی اس لئے وہ غرارہا تھا کبھی کبھار وہ اوپرمنہ کرکے غرانا شروع کردیتا راجر سانس روکے بیٹھا تھا وہ صرف یہی سوچ رہا تھا کہ اگروہ درخت کے نیچے سورہے ہوتے تواب تک کیاہوچکا ہوتا۔؟

وان گہری نیند میں تھا راجر نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھاوہ بھی خوف زدہ ہوجاتا۔

شیرتھوڑی دیرتک وہاں ٹہلتا رہا پھرغراتا ہواایک طرف کوچل دیا۔

اس نے سکون کا سانس لیااورآنکھیں موندلیں۔

☆......☆......☆

’’یار میں توچلتے چلتے تھک گیاہوں تھوڑی دیربیٹھ کرسانس تودرست کرنے دو۔‘‘

وان نے تھکن سے چور لہجے میں راجر سے کہا لیکن راجر پراس کی التجا کا کوئی اثر نہیں ہواوہ مستقل چلتا رہا۔

’’خدا کے لئے رک جاؤ راجر۔‘‘وان بولا۔

’’تمہیں پتہ ہے یہ کتنا خطرناک علاقہ ہے یہاں ایک پل کے لئے رکنا اپنی موت کودعوت دینے کے مترادف ہےاوپر سے رات ہونے والی ہے اگررات کوکچھ ہوگیاتوپھرکیا کروگے۔؟‘‘

اس علاقے کی فضاپرغورکروکتنی وحشت سی چھائی

ہوئی ہے دن کو بظاہر بے ضرر نظر آنے والا علاقہ رات میں بہت پر ہیبت ہو جاتا ہے میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا اور ذرا غور کرو۔" راجر نے ایک پل کو مڑ کر وان کی طرف دیکھا اور خوف زدہ انداز میں کہا۔

"یہاں کسی جانور کی موجودگی بھی محسوس نہیں ہو رہی حتیٰ کہ کسی پرندے کی آواز تک نہیں آ رہی اس سے تمہیں پتہ چلنا چاہئے کہ اس علاقے میں کچھ ہے۔؟"

اس کا لہجہ سراسیمگی لئے ہوئے تھا وان نے خوف زدہ نظروں سے راجر کی طرف دیکھا۔

"تم مجھے ڈرا رہے ہو......؟"

"نہیں حقیقت بتا رہا ہوں......اب چلو۔"

یہ کہہ کر راجر آگے بڑھ گیا وان بھی چارو ناچار اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"بس اب اور نہیں۔" وان نے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لئے اور جھک کر زور زور سے سانس لینے لگا مجبوراً راجر کو بھی رکنا پڑا۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے رکوں گا صرف دس منٹ اس کے بعد ایک لمحہ بھی نہیں۔"

وان کے لئے یہی بہت تھا ابھی انہیں بیٹھے دو تین منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ انہیں عجیب سی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔

"یہ کیسی آواز ہے؟"

"معلوم نہیں۔"

"یار یہ تو مجھے اپنے بہت قریب سنائی دے رہی ہے۔"

وان چونکنے انداز میں بولا۔

"راجر کی نظر اوپر گئی اور اس کی آنکھیں فرط خوف سے پھیل گئیں جس درخت کے نیچے وان آرام کی غرض سے بیٹھا تھا اس کی اونچائی گو کہ بہت زیادہ تھی لیکن جو بات دل کو دہلائے دینے والی تھی وہ یہ تھی کہ اس درخت کی شاخیں تیزی سے نیچے کی طرف آ رہی تھیں اور ان کے نیچے آنے کا انداز ایسے تھا جیسا وہ وان کو جھپٹ لینا چاہتی ہوں بالکل عقاب کے پنجوں کی مانند۔

"آدم خور درخت......"

دونوں کے دماغ میں بیک وقت کلک ہوا۔ان درختوں کے بارے میں ان دونوں نے بہت کچھ پڑھ رکھا تھا جو انسان کو اپنے پاس سے گزرتے وقت اپنی شاخوں میں جھپٹ لیتے تھے اور اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک اس کا خون نہ چوس لیں۔

ان درختوں کی شاخیں انسان کے جسم میں پیوست ہو جاتی ہیں اور خون چوسنے کے بعد جب وہ مردہ انسان کو نیچے پھینکتی ہیں تو وہ دیکھنے کے قابل بھی نہیں ہوتا ان گنت بڑے بڑے سوراخ پورے جسم پر محیط ہوتے ہیں اگر کوئی اس مردے کو دیکھ لے تو دہشت سے بے ہوش ہو جائے۔

اب وہی درخت وان کو نشانہ بنانا چاہتا تھا۔وان بالکل ساکت سا اپنے قریب آنے والی موت کو تک رہا تھا موت کے خوف سے اسے بالکل ساکت کر ڈالا تھا شاید وان کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا تھا جو موت سے ڈر کر بھاگنے کی بجائے خود کو آرام سے موت کے بے رحم پنجوں میں دے دیتے ہیں۔

آخر راجر کو ہی ہوش آیا اس نے وان کو بھاگنے کو کہا لیکن وہ مجسمے کی مانند شاخوں کو لحہ بہ لحہ اپنے قریب آتا دیکھ رہا تھا۔

راجر تیزی سے اٹھا اور وان کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

یہ سب بس چند سیکنڈ میں ہوا اگر لمحہ بھر کی بھی دیر ہو جاتی تو وان اوپر شاخوں میں بے بسی سے لٹکا ہوتا۔

جیسے ہی راجر نے وان کو کھینچا شاخیں یکدم ہی اس جگہ جھپٹیں جہاں وان پہلے موجود تھا پھر تیزی سے اوپر چلی گئیں۔

وہ دونوں حیرت اور خوف سے اس عجیب و غریب درخت کو دیکھ رہے تھے جس کے پتے، تنا اور شاخیں سب سرخ رنگ کی تھیں ایسے جیسے ابھی خون ٹپک پڑے گا۔

راجر نے آس پاس نظریں دوڑائیں ایسے اور بھی بہت سے درخت وہاں موجود تھے اب انہیں سمجھ آئی کہ

اس علاقے میں جانور وغیرہ کیوں موجود نہیں ہیں۔

''اب بتاؤ جناب۔ کیا حال ہے؟''

وان جواباً بالکل خاموش رہا اس کی رنگت زرد سی پڑ گئی تھی راجر کو اس پہر بہت ترس آیا، اس نے وان کو مزید کچھ بھی نہ کہا۔

''اب جلدی سے یہاں سے نکلو ایسا نہ ہو کہ رات کو بے خبری میں کسی اور مجبوب درخت کا شکار ہو جائیں۔ ''راجر بولا۔

وان اب اچھی طرح اس علاقے کی دہشت ناکی سے واقف ہو چکا تھا اس لئے وہ راجر کی تقلید میں تیز تیز چل رہا تھا اور شام ہونے سے پہلے وہ اس خیر ناک علاقے سے نکل چکے تھے لیکن مصیبتیں تو ابھی شروع ہوئی تھیں۔

''بھاگو بھاگو وان۔ جلدی کرو۔'' راجر تیزی سے بھاگتے ہوئے وان سے بولا جو راجر سے کچھ پیچھے تھا اس کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت گر سکتا ہے لیکن زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی۔؟

وان حقیقت میں تیز بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن خوف اور دہشت سے اس کے پیر لرزیدہ پڑ رہے تھے۔

ایک پاگل ہاتھی چیختا چنگھاڑتا ان دونوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور وہ زندگی بچانے کی کوشش میں موت کے زیادہ قریب ہوتے جا رہے تھے راجر خاصی حد تک حواس میں تھا لیکن وان کی حالت بہت خراب تھی موت سے زیادہ موت کا خوف اسے مارے ڈال رہا تھا۔

مست ہاتھی کسی بھی لمحے ان تک پہنچ سکتا تھا وہ چھوٹے بڑے درخت پودوں کو روندتا ان تک آ رہا تھا اور یہ ساری مصیبت وان کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے پیش آئی۔ بانسوں کے جھنڈ کے پاس سے گزرتے وان کو نہ جانے کیا سوجھی اس نے زور سے سیٹی بجائی سیٹی کے جواب میں ہاتھی کی تیز چنگھاڑ نے ان کے دل دہلا دیئے راجر نے وان کو وہاں سے بھاگنے کا مشورہ دیا۔

وہ دونوں تیزی سے بھاگنے لگے پاگل ہاتھی انہیں دیکھ چکا تھا اور اب آدھے گھنٹے سے ان کے پیچھے تھا۔

وہ کسی طرح بھی ان دونوں کو بخشنے کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔

راجر اکیلا ہوتا تو کب کا کہیں سے کہیں نکل چکا ہوتا لیکن وان کی وجہ سے اسے اس کا ساتھ دینے کے لئے اپنی رفتار کم رکھنی پڑ رہی تھی۔

وان گر چکا تھا راجر نے اس کی چیخ سنی اس نے دہشت سے مڑ کر دیکھا ہاتھی کسی بھی وقت اس تک پہنچ سکتا تھا اگر وہ وان کو اٹھانے کے لئے پیچھے جاتا تو خود بھی ہاتھی کی وحشت ناکی کا شکار ہو جاتا لیکن وہ وان کو اس مصیبت میں اکیلا چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ تیزی سے وان کی طرف آیا لیکن ہاتھی اس سے بھی زیادہ تیزی سے وان تک پہنچا اور اپنی سونڈ سے وان کو اٹھا کر قریبی درخت کے موٹے تنے پر پٹخ دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مسلسل سونڈ میں جکڑے کبھی اس درخت پر تو کبھی اس درخت پر پٹختا رہا۔ وان کی چیخیں ارد گرد کو دہلائے دے رہی تھیں اور پھر آہستہ آہستہ تمام چیخیں دم توڑ گئیں۔

وان خون میں لت پت بے حس و حرکت ہو چکا تھا اس کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ جسم کی کوئی ہڈی سلامت نہیں رہی ہوگی۔

راجر آنکھیں پھاڑے وحشت سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا اس کا پیارا دوست اس کے سامنے اتنی اذیت ناک موت کا شکار ہوا تھا اور وہ کچھ بھی نہ کر پایا۔

ہاتھی کی خوف ناک چنگھاڑ نے اسے ہوش کی دنیا میں لا پھینکا۔ وہ وان کو نہیں بچا پایا تھا اور نہ ہی اس پاگل سے بچا سکتا تھا پھر بھی وہ خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہاتھی اس کی طرف متوجہ ہوتا وہ وہاں سے بھاگ پڑا۔

وان کی اذیت ناک موت نے اس کے دل کے ٹکڑے کر دیئے تھے وان کی موت سے وہ بددل تو ہو چکا تھا لیکن وہاں ٹھہر کر ہاتھی کے ہاتھوں اتنی بھیانک موت کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ بہت تیزی سے بھاگا لیکن ہاتھی اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا وہ وان کی لاش کو چھوڑ کر اس کے پیچھے لپکا۔ فاصلہ قدم بہ قدم کم ہو رہا تھا لیکن راجر اب کسی صورت اس کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا لیکن ایک نئی مصیبت منہ کھولے کھڑی تھی۔

جس جگہ راجر کھڑا تھا۔ وہاں اچانک زمین ختم ہو رہی تھی اور نیچے گہرائی میں ندی اپنی تیز رفتاری سے بہتی دل کی دھڑکن تیز کر رہی تھی۔

راجر کے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا پیچھے تو ہر صورت موت تھی سو فیصد۔

ندی میں کودنے کی صورت میں بچنے کی امید تو تھی چاہے ایک فیصد ہی سہی۔ نے ایک فیصد پر رسک لینے کا سوچا اور خداوند کو یاد کرتے ہوئے ندی میں چھلانگ لگا دی صرف چند سیکنڈ اور ہاتھی اس کی سابقہ جگہ کھڑا اسے نیچے گرتا ہوا دیکھتا رہا اور پھر واپس مڑ گیا۔

چھپاک کی آواز سے راجر تیز بہتے ہوئے پانی میں گرا اور دور تک بہتا چلا گیا آخری خیال جو اس کے ذہن میں تھا کہ وہ کسی چٹان سے ٹکرانے کی صورت میں موت کے منہ میں جانے کی بجائے وہ پانی میں گرا تھا۔

اب موت اور زندگی کا چانس ففٹی ففٹی تھا۔

پانی کی تیزی میں خطرناک حد تک شدت تھی وہ خاصی حد تک تیرنا جانتا تھا لیکن اس شدت کے پانی میں نہیں۔ اس نے خود کو سنبھال کر کنارے پر جانے کی کافی کوشش کی۔

لیکن وہ کسی صورت کامیاب نہ ہوا خود کو بچاتے بچاتے بھی اس کا سر کسی پتھر سے تیزی سے ٹکرایا اور وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر بے ہوشی کی گہری کھائیوں میں گرتا چلا گیا یا شاید موت کی۔

☆......☆......☆

کسی بہت ہی عجیب سے شور سے اس کی آنکھ کھلی چند لمحے اپنی حالت پر غور کرتا رہا پھر گزرے واقعات یاد آئے تو بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ آس پاس نظر دوڑائی گھاس پھوس کی جھونپڑی میں وہ لیٹا تھا۔

وہ بے ہوش ہو گیا تھا اور پھر یقیناً تیرتا ہوا کسی قبیلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہو گا اور ان لوگوں نے اسے ندی سے نکال لیا ہو گا۔ یہ راجر کی اپنی سوچ تھی جو سو فیصد درست تھی عجیب و غریب آوازیں باہر سے آ رہی تھیں یہ کوئی جنگلی قبیلہ تھا راجر اٹھ کر باہر آیا۔

ننگ دھڑنگ مرد عورتیں بچے بوڑھے وہاں موجود تھے اور اپنی بولی بول رہے تھے جس کی راجر کو ذرا بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اسے دیکھتے ہی سب خاموش ہو گئے اور راجر کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے وہ گھبرا کر پھر اندر آ گیا۔

”کیا...... یہ آدم خور قبیلہ تو نہیں۔؟“

یہ سوچ آتے ہی اس کے جسم میں سرد سی لہر دوڑ گئی خوف کی وجہ سے۔

شام ہو چکی تھی رات کا اندھیرا پھیلے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اسے آہٹ محسوس ہوئی وہ چونک کر متوجہ ہوا وہ ایک جوان لڑکی تھی لباس سے بے نیاز اس کے ہاتھ میں کھانے کو کچھ تھا راجر نے غور کیا تو وہ جنگلی پھل تھے انہیں دیکھتے ہی راجر کو بھوک یاد آ گئی وہ کتنے وقت سے بھوکا تھا لڑکی ہلکا سا مسکرائی اور راجر کے سامنے بیٹھ کر پھلوں کو اس کے سامنے رکھ دیا۔

راجر کو حوصلہ ہوا وہ پھلوں پر ٹوٹ پڑا۔ وہ جب اچھی طرح سیر ہو چکا تو لڑکی کی طرف متوجہ ہوا وہ بے باک نظروں سے اس کی طرف تکے جا رہی تھی۔ بھوک کی وجہ سے راجر کو اس کی بے لباسی کا خیال نہ آیا لیکن جب پیٹ بھر گیا تو ہر منظر جیسے واضح ہو گیا لڑکی کافی پرکشش تھی اس کی بے لباسی راجر کے نزدیک کوئی نئی بات نہ تھی اپنے ملک میں وہ اس طرح کے مناظر دن میں کئی بار دیکھتا تھا آزادی کے نام پر اور ساحل سمندر پر سن باتھ لینے کی غرض سے ننگی عورتوں کو۔

لڑکی کھسک کر اس کے نزدیک ہوئی راجر اس کا ارادہ بھانپ کر مسکرایا اس نے ہاتھ بڑھا کر لڑکی کو اپنے قریب کر لیا۔

جذبات کا طوفان تھا تو لڑکی چپکے سے باہر نکل گئی۔ راجر آسودہ سا مسکراتا ہوا سونے کے لئے لیٹ گیا۔

بہر حال یہ خاطر تواضع اس کی توقع سے بڑھ کر ہوئی تھی لیکن وہ آنے والے خطرے کی چاپ نہیں سن پا رہا تھا۔

رات کا آخری پہر اختتام پذیر ہونے کو تھا جب کسی نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا وہی لڑکی اسے اشارے سے اٹھنے کا کہہ رہی تھی اس کے چہرے پر سراسیمگی طاری تھی راجر کو کسی انہونی کا دھڑکا لگ گیا وہ جلدی اٹھا لڑکی نے اس کا بازو پکڑا اور تیزی سے ایک جانب لے جانے لگی راجر کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرنے والی ہے ایک جگہ دھواں اٹھتا دکھائی دے رہا تھا۔ لڑکی نے اشارے سے اسے چپ رہنے کا کہا اور پودوں سے راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھنے لگی پھر رک کر ہاتھ سے آہستہ سے پودوں کو ہٹایا راجر نے ایک عجیب منظر دیکھا آگے درختوں کے درمیان بالکل صاف میدان تھا جیسے درختوں پودوں کو کاٹ کر بنایا گیا ہو، درمیان میں جگہ کھود کر آگ جلائی گئی تھی اور اس کے اوپر لوہے کا ایک بہت بڑا برتن رکھا ہوا تھا کھلے منہ والا کہ ایک آدمی کو اس میں با آسانی لٹایا جا سکتا تھا آگ کی روشنی میں راجر نے اس میں ابلتے تیل نما مادے کو بھی دیکھ لیا تھا تین آدمی اس کے پاس تھے اور مسلسل آگ جلا رہے تھے تیل کی کھولن میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

لڑکی اسے لے کر واپس پلٹی وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن لڑکی نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

کافی دیر چلنے کے بعد وہ ندی کے کنارے پہنچ گئی۔ جو ایک چوڑے پاٹ کی وجہ سے دریا کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

صبح کی سپیدی نمودار ہو رہی تھی راجر نے ندی کے کنارے ایک چھوٹی سی کشتی کو بھی دیکھ لیا۔

وہ سوالیہ نظروں سے لڑکی کی طرف پلٹا اور پھر لڑکی نے اشاروں کی زبان میں اسے جو سمجھایا وہ اس کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی تھا۔

اس بڑے سے کڑاہ میں تیل راجر کے لئے کھولا جا رہا تھا، اس قبیلے کو بھی آدم خور کہا جاتا تھا لیکن یہ شکار کو کچا کھانے کی بجائے تیل میں بھون کر ضیافت کا لطف اٹھاتے تھے۔

راجر کے بارے میں بھی وہ یہی کرنے والے تھے جیسے ہی تیل شدید گرم ہو جاتا وہ زندہ راجر کو اس میں پھینک دیتے اور پھر جب اس کا جسم روسٹ ہو جاتا تو اسے تیل سے نکال کر ٹھنڈے ہونے پر مزے سے کھاتے۔

راجر جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ لڑکی اسے نہ جانے کیوں بچانا چاہتی تھی شاید راجر اسے اچھا لگا تھا کیونکہ راجر نے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے وہ جذبہ دیکھ لیا تھا جسے لوگ پیار کا نام دیتے ہیں۔

اس نے راجر کو کشتی میں جلد از جلد سوار ہونے کا کہا کشتی کی طرف جانے سے پہلے راجر نے لڑکی کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اچانک ہی راجر کے دل میں اس لڑکی کے لئے پیار کے جذبات امڈ پڑے جو اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے بچانا چاہتی تھی اگر اس کے قبیلے والوں کو علم ہو جاتا کہ ان کے شکار کو فرار کرانے میں اس لڑکی کا ہاتھ ہے تو وہ بھلا اسے زندہ چھوڑتے۔؟

راجر لڑکی کے قریب آیا، لڑکی کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اس کے ہونٹوں کو بوسہ دیا اور کشتی کی طرف بڑھ گیا۔

لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بڑی تیزی سے گر رہے تھے۔ کشتی کو گہرے پانی میں لا کر اس نے لڑکی کی طرف دیکھا وہ ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کر رہی تھی راجر نے جواباً ہاتھ ہلایا اور اداس مسکراہٹ کے ساتھ کشتی کو آگے بڑھانے لگا۔

وہ جانتا تھا کہ وطن کے ساتھ ساتھ اس جنگلی لڑکی کی پیاری بلکہ انوکھی ہمدردی اسے ہمیشہ ستائے گی۔

نئی قبر

ایس امتیاز احمد-کراچی

نوجوان جو کہ گورکن تھا اس نے محنت مشاقہ سے ایک قبر تیار کی، قبر کے ارد گرد طرح طرح کے پھول کے پودے لگائے، پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو معطر کرتی تھی اور پھر ایک دن......

ایک نوجوان کا عجیب وغریب سمجھ میں نہ آنے والا دل دہلاتا رونگٹے کھڑے کرتا مشغلہ

مردہ خوب صورت ہونے کی شکل میں اس کا جی کھل اٹھتا تھا۔ نہلاتے وقت وہ مولوی صاحب سے بھی بڑھ چڑھ کر سرگرمی دکھاتا تھا پھر اسے اپنے ہاتھوں پہ اٹھا کر قبر میں اتارتا اور بڑی ہی احتیاط سے اینٹیں چنتا، مٹی ڈالتے وقت لوگوں کو اس سے زیادہ اجازت نہ ہوتی تھی کہ وہ تین مٹھی بھر کر مٹی قبر کی طرف اچھال لیں۔ اس کی بڑی بڑی انگلیاں فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ مٹی سے کھیلتیں اور دیکھتے ہی دیکھتے قبر سانچے میں ڈھالی ہوئی معلوم ہونے لگتی۔

وہ گورکن تھا اور ہوش سنبھالتے ہی اس نے قبر بنانا سیکھ لیا تھا۔ اسے قبر بنانے کا شوق تھا۔ خوب صورت اور دلکش قبریں، ایسی قبریں جنہیں دیکھ کر لوگوں کو مرنے کی آرزو ہو۔

کبھی کبھار وہ نمونے میں تبدیلی بھی کردیا

کرتا تھا۔ تاہم ایسا بہت کم ہوا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک صرف دو بار ایسا ہو سکا تھا کہ ایک قبر اس کے باپ کی تھی اور دوسری اس بڑھیا کی جو صائمہ کی ماں کی تھی۔ پوری دنیا میں اس سے دو چیزوں سے عشق تھا۔ قبر اور صائمہ۔

وہ اپنی جھونپڑی میں اکثر چھوٹی چھوٹی قبریں بنایا کرتا تھا۔ جنہیں بار بار بنانے اور مٹانے سے ہر طرف مٹی بکھری رہتی تھی۔ لوگ اسے پاگل کہتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے تاہم اس نے کبھی بھی کسی کی پروا نہیں کی تھی۔ وہ ہر شے سے بے نیاز اپنے کام میں مشغول رہتا تھا۔ اس پوری کائنات میں اگر اسے کسی کی پروا تھی تو وہ صائمہ کی تھی جو کبھی بھی اس پہ نہیں ہنسی تھی۔ اگرچہ آغاز میں اسے یہ قبروں کا سلسلہ بڑا ہولناک لگا تھا اور وہ اس فراخ پیشانی اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والے آدمی کی طرف حیران نظروں سے تکتی رہتی تھی جو قبروں کے بارے میں کمال مسرت اور دلچسپی سے باتیں کرتا تھا۔ آخرکار اس کا خوف بھی آہستہ آہستہ دور ہو گیا تھا اور وہ اس کی باتوں میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

انہیں آپس میں ملتے پانچ سال ہو گئے تھے۔ اور اس پانچ سال کے عرصے میں ایک رات بھی ایسی نہیں آئی تھی جب صائمہ اس کی جھونپڑی میں نہ آئی ہو۔

وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح اسے جھونپڑی سے باہر ہی آملا تھا اور اس سے لپٹ گیا تھا۔ پل بھر کے توقف کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ ''جب میں تھکن سے چور ہو جاتا ہوں تو میرے اندر تمہیں دیکھنے کی خواہش کتنی شدید ہو جاتی ہے۔'' اس نے صائمہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیا تم جانتی ہو؟'' وہ اس کے رخساروں پر جھک گیا۔

صائمہ چادر کی بکل میں ذرا کسمسائی۔ اس نے سلامت کی تیز تیز سانسوں کو چہرے پر محسوس کیا۔ پھر اس نے سرگوشی کی۔ ''میں آ تو گئی ہوں، پھر تم ایسا کیوں سوچتے ہو!'' اس کے لہجے میں دکھ کی چاشنی تھی۔

سلامت نے اسے اپنے سینے کے ساتھ چمٹائے رکھا اور اس کے بالوں کی خوشبو اپنے پھیپھڑوں میں بھرتا رہا۔ ذرا دیر کے بعد وہ جھونپڑی میں چلے گئے، زنگ آلود لالٹین کی دھیمی دھیمی روشنی میں ہر شے دھندلائی ہوئی تھی، جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی چمنی کو کاغذ کے ساتھ جوڑا ہوا تھا اور جھونپڑی کے دائیں کونے میں بوسیدہ سا ٹرنک پڑا تھا جس کے رنگ کی جگہ زنگ نے لے لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی چارپائی بچھی تھی، دیوار پر دو کیلیں تھیں ایک پر قمیض اور دوسری پر لالٹین لٹکا دی گئی تھی دیوار کا وہ حصہ جہاں لالٹین ٹنگی ہوئی تھی کالا ہو چکا تھا، جھونپڑی کے کچے فرش پر متعدد جگہ چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے اور مٹی بکھری ہوئی تھی۔

صائمہ چارپائی پر بیٹھ چکی تھی، اس نے ٹانگیں لٹکائی ہوئی تھیں، جنہیں اب وہ ہولے ہولے ہلا رہی تھی، اس نے ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹھوری جمائی تھی اور اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی طویل اور خمیدہ پلکوں کو بار بار جھپک رہی تھی۔ اس کی بکل ڈھیلی ہو گئی تھی اور دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا تھا۔

''صائمہ!'' سلامت نے اسے ٹہوکا دیا۔

صائمہ نے جواباً اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اوپر اٹھا دیں۔ اس کی مسکراہٹ کا عکس اس کی آنکھوں سے بھی جھلک رہا تھا۔ ہم نے جو قبروں کے گرد پھول لگائے تھے ناں۔ وہ کھل گئے ہیں کیا تم دیکھو گی؟''

''ہاں۔'' صائمہ نے بکل کو درست کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم کہو گے تو میں ضرور دیکھوں گی۔''

وہ دونوں جھونپڑی سے باہر نکل آئے۔ سلامت اسے قبروں کے اس حصے کی طرف لے آیا تھا جہاں انہوں نے پھول لگائے تھے اور جنہیں وہ ہر روز پانی دیا کرتے تھے۔

بھینی بھینی خوشبو اب ان کے نتھنوں میں محسوس ہونے لگی تھی۔ ذرا دیر کے لئے وہ بے خود ہو گئے تھے۔ کسی نے کسی سے بات نہیں کی۔ آخرکار صائمہ نے سکوت توڑا۔ ''میرا جی خوشی سے پھولوں ایسا ہو رہا ہے۔'' اس کا

چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔
''تم دیکھ لینا۔'' سلامت نے کہا۔ اس کی آواز بھاری ہوگئی تھی اور وہ اس وقت بڑا ہی جذباتی ہو رہا تھا۔
''میں اسے باغ سے زیادہ خوبصورت بنادوں گا۔ لوگ یہاں دفن ہونا قابل فخر تصور کریں گے۔'' اس کے ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔
''کیا میں ایک پھول توڑلوں۔'' صائمہ نے پوچھا وہ چہکنے لگی تھی۔
''نہیں نہیں۔'' ایکا ایکی وہ گھبرا گیا۔ اس نے عجیب طریقے سے ہاتھ کو جھٹکا اس کی آنکھوں سے نہ معلوم خوف جھانکنے لگا تھا اور اس کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔ ''تم ایسا نہ کروگی۔'' وہ ایک لمحے کے لئے رک گیا۔ تاہم اس نے جملہ مکمل کرنے میں دیر نہیں کی۔ ''تم نہیں جانتیں یہ سب......'' اس نے قبرستان کا احاطہ کیا۔
''یہ سب کچھ مجھے کس قدر عزیز ہے۔'' پھر وہ زمین پر بیٹھ گیا اس نے پھولوں پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرا پھول تو دیکھنے کے لئے ہوتے ہیں نا۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ اس کا لہجہ بالکل کسی خوف زدہ بچے کی طرح تھا تاہم اس کا رنگ جو ذرا دیر پہلے زرد ہوگیا تھا۔ اب معمول پر آچکا تھا وہ ذرا دیر تک بیٹھا رہا۔ اس کی طبیعت آہستہ آہستہ اعتدال پر آرہی تھی۔ آخر کار وہ کھڑا ہوگیا۔ اس نے صائمہ کو بازو سے پکڑلیا۔ وہ جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ چپ چاپ چل رہے تھے اور ان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایکا ایکی وہ رک گیا اس کی نظریں داہنی جانب والی قبر پر رک گئی تھیں۔
صائمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
''کیا ہوا؟''
اس نے فوراً جواب نہیں دیا۔ ذرا دیر کے لئے وہ ہونٹ کاٹتا رہا۔ ''یہ قبر بیٹھ گئی ہے۔'' اس نے ایک پرانی قبر کی طرف اشارہ کیا۔
''تو اس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے؟''
اس کا چہرہ ایکا ایکی سرخ ہوگیا اور آنکھیں ابلنے لگیں...... گھبرانے کی بات اس نے دہرایا۔ ''تمہارے لئے اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔'' وہ بیٹھ گیا۔
''ایک بنائی ہوئی قبر کا بیٹھ جانا کیا معنی رکھتا ہے اسے صرف میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔'' اس نے ہونٹ دانتوں میں دبالیا اس کے چہرے پر کرب کی بہت ہی تیز لہر دوڑ گئی ''اس کا مطلب ہے......'' وہ رک گیا اس نے وحشت کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا۔ ''میں اناڑی ہوں۔'' اس نے بڑی ہی تکلیف کے ساتھ یہ جملہ ادا کیا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے قبر کو ٹٹولا...... پھر وہ کھڑا ہوگیا اس کے چہرے پر سختی سی آگئی تھی۔ میں اسے ابھی درست کروں گا۔ کل سے پہلے ملاقات کی کوئی صورت نہیں ہوسکے گی۔'' اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا جھونپڑی کی طرف چلا گیا۔
صائمہ جواب تک بت کی طرح ساکت وجامد تھی اسے دیکھتی رہی۔ وہ یکا یکی اپنے آپ کو اداس محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے جھونپڑی کی طرف دیکھا اپنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں سے ان آنکھوں سے جن کی چمک ایک ہی لمحے میں گم ہوگئی تھی اور جن میں اداسی اور ویرانی رات کی سیاہی کی طرح آپ ہی آپ امنڈتی چلی آرہی تھی پھر وہ تھکے تھکے قدموں سے گاؤں جانے والی پگڈنڈی پر چلنے لگی۔
سلامت جلد ہی واپس آگیا اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور چال میں لڑکھڑاہٹ تھی قبر کے سرہانے اس نے کدال اور کھرپا رکھ دیا۔ ''آخر یہ سب کیا ہے؟'' اس نے سوچا ''یہ جو خواہش تھی اپنے کام میں کمال حاصل کرنے کی جس کے لئے میں نے اپنی زندگی وقف کردی، آخر اس سب کا کیا بنا؟ کچھ بھی نہیں۔'' اس نے تاسف کے ساتھ سر ہلایا اور بڑے ہی دکھ کے ساتھ سوچا۔ ''میں نے محض اپنا وقت برباد کیا ہے۔'' اس نے کھرپا اٹھالیا اور ہولے ہولے مٹی ہٹانے لگا۔ ''تو کیا میں اسے خیر آباد کہہ دوں؟'' اس نے سوچا۔
''نہیں نہیں۔'' اس کا دل تڑپنے لگا۔ ''یہ نہ ہوسکے گا۔ اور کبھی ایسا ہوگیا تو اس کے لئے بہت بڑے

طوفان کی ضرورت ہوگی۔'' تاہم ناکامی کا کربناک احساس اسے ڈس رہا تھا۔ آخری تاریخوں کا چاند مشرقی افق سے ہولے ہولے جنم لے رہا تھا وہ سرخ تھا اور اس میں روشنی کو بھی نہ تھی۔

سلامت بڑا اداس اور پژمردہ لگ رہا تھا، اس نے شام تک قبر کو صاف کر دیا تھا، قبر کو بند کرنے والی اینٹیں ٹوٹ چکی تھیں وہ ایک دم مسرت سے کھل اٹھا۔ ذرا دیر کے لئے جو اسے خلاف توقع خوشی ملی تھی ہاتھ پیر پھول گئے۔ کافی دیر وہ چپ چاپ بیٹھا تھا۔ آخر جب اس کی طبیعت اعتدال پر آئی تو اس نے فوراً ہی قبر کو مٹی سے برابر کر دیا۔ پھر اس نے کھرپے کی پشت سے تھپکیاں دے کر قبر کے کونے نکالے۔ ''اب اس کا روپ نکھر آیا ہے۔'' وہ بڑبڑایا پھر اس نے انگوٹھے کے ساتھ پسینہ پونچھا اور اوزار اٹھا کر جھونپڑی میں آ گیا مسکراہٹ سے اس کے ہونٹ پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے اوزاروں کو دھو کر سرسوں کا تیل لگایا، اس کا مزاج بڑا خوشگوار ہو گیا تھا، اور غم کی گھٹاؤں سے جو تاریکی اس نے اپنی روح پر چھائی ہوئی محسوس کی تھی، مسرت کے نور میں دم توڑ گئی تھی وہ چارپائی پر دراز ہو گیا اس کا جسم دکھ رہا تھا، تاہم وہ خود کو بڑا ہی ہلکا محسوس کرنے لگا تھا۔

اگلے دن وہ کافی دیر تک سوتا رہا، جب وہ اٹھا تو سورج کافی بلندی پر پہنچ چکا تھا اس روز وہ سارا دن قبروں کے درمیان سے گھاس کھودتا رہا۔ شام کے وقت وہ نہا کر جھونپڑی میں آ گیا اور چارپائی پر لیٹ گیا۔ وہ اپنے نئے ڈیزائن کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔

ان دنوں وہ ایک نئی قبر بنانے کی فکر میں تھا کافی دنوں سے اس کے ذہن میں ایک ڈھانچہ سا ابھر رہا تھا، بلکہ اب تو کافی حد تک مکمل ہو گیا تھا، اس نے ایک بار صائمہ سے دعویٰ بھی کیا تھا اور وہ اس وقت بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔

''تم دیکھ لینا ایسی قبر ساری دنیا میں نہیں ملے گی۔ میں اسے اپنے خون سے سینچوں گا۔'' اس نے دونوں ہاتھ کمر پر باندھ لئے تھے اور جھونپڑی میں ٹہلنے لگا تھا، اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آ گئی تھی۔

''تو وقت آ گیا ہے کہ اسے شروع کر دیا جائے۔'' اس نے چارپائی پر لیٹے لیٹے سوچا۔ ''اور اب اس محبوبہ کو جسے ہر روز میں تصور کی آنکھ سے دیکھتا ہوں میرے ہاتھوں زمین کے اس ٹکڑے پر جنم لینا ہوگا، جو مدت سے اس کا منتظر ہے میں اسے کل ہی شروع کر دوں گا، مجھے اپنا آپ پھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا ہے۔'' وہ اٹھ کر جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ اس کے رخسار تمتمانے لگے تھے۔ ''اور ہاں میں اسے کل ہی شروع کر دوں گا۔'' اس نے بلند آواز سے کہا، پھر وہ چلتا ہوا اس جگہ تک گیا جہاں اس شاہکار کے لئے عرصے سے زمین پڑی ہوئی تھی، یہ جگہ بقول اس کے پورے قبرستان میں جنت کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہاں چھوٹے سے قطعے کو لمبے اور گھنے درختوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا، اور زمین پر گھاس اگ آئی تھی جو بڑی دلکش لگتی تھی اس نے نرم نرم گھاس پر ہاتھ پھیرا جس پر اوس کے موتی پڑے ہوئے تھے، اس پر قبر کے نشانات لگائے اور واپس آ گیا۔

جھونپڑی کے وسط میں کھانا رکھا تھا جو کوئی اس کی غیر موجودگی میں رکھ گیا تھا اس نے کھانا کھا کر برتن کونے میں رکھ دیئے اور دوبارہ لیٹ گیا۔ وہ اپنے اس شاہکار کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ کافی دیر کے بعد جب وہ اس سوچ کے سمندر سے نکلا تو رات بھیگ چکی تھی اور ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے قبرستان کے درختوں کو سانس لیتے ہوئے محسوس کیا۔ اس نے اٹھ کر پانی پیا، پھر وہ جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ اس نے ستاروں کی مدد سے جان لیا تھا کہ صائمہ کو دیر ہو گئی ہے۔

''وہ کہیں ناراض نہ ہو گئی ہو؟'' ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا۔ ''آخر مجھے اس طرح الوداع کہنے کا کیا حق تھا۔''

وہ قبروں کے درمیان سے ہو کر گزرنے والی پگڈنڈی پر گاؤں کی طرف چلنے لگا تاہم اس نے قبرستان کی حد عبور نہیں کی، اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے سر اٹھانے لگے تھے اور وہ دل جو ابھی ابھی

مسرت کے نغمے گا رہا تھا اب ہلکے ہلکے اضطراب سے دوچار ہونے لگا تھا بے چینی اور انتظار کی شدید کوفت اس نے پہلی بار محسوس کیا، وہ اس پگڈنڈی پر دیر تک چکر لگاتا رہا۔ جب کافی دیر گزر گئی تو ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں ایک سایہ ابھرا جو بکل میں لپٹا لپٹایا جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

آج اس نے صائمہ کو کافی فاصلے پر ہی جالیا تھا، وہ ذرا دیر تک چپ چاپ کھڑے رہے۔ آخر سلامت نے ہاتھ تھام لیا اور وہ دھیرے دھیرے چلنے لگے۔ ابھی تک سلامت نے لالٹین نہیں جلائی تھی۔

''کس قدر اندھیرا ہے۔'' صائمہ نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

''جب تم نہیں آتی ہو تو یہاں کی ہر شے اجالے کی کرن تک کو ترس جاتی ہے، میرا دل ڈوبنے لگتا ہے اور کوئی بھی شے مجھے اچھی نہیں لگتی۔''

سلامت نے لالٹین جلادی اور کمرے میں دھیمی دھیمی روشنی پھیل گئی، صائمہ ابھی تک کھڑی تھی۔ اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔

''یہاں میرے پاس آؤ۔'' سلامت نے چارپائی پر ہاتھ سے جگہ بنائی۔ صائمہ اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ کیا تم ناراض ہوگئی ہو؟

صائمہ نے پلکیں اٹھائیں اور سلامت کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں تم سے ناراض نہیں ہوسکتی۔'' اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔ وہ مسکرائی اور اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔ سلامت نے اپنی طرف کھینچا وہ اس کی چھاتی سے ڈھے سی گئی مگر وہ سہمی ہوئی چڑیا کی طرح چمٹ گئی تھی۔

جب تم دیر سے آتی ہو تو میری روح پھڑپھڑانے لگتی ہے۔ میرا جی کسی کام میں نہیں لگتا۔ ہر شے مجھے تنہائی کا احساس دلاتی ہے۔'' اس نے صائمہ کے بالوں کو چوما۔

''میرا بھی تو جی نہیں لگتا۔'' وہ اداس ہوگئی تھی اور اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا، اس کی آواز دھیمی مگر غمگین

تھی۔ "سارا دن دل بجھا بجھا سا رہتا ہے، اور ہر چیز کو اس طرح کھوئی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوں، جیسے کچھ کھو گیا ہے۔" اس کی طویل اور خمیدہ پلکیں بھیگ گئیں۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ اس کی ٹھوری پر ننھے ننھے گڑھے پڑ گئے تھے اور اپنی آنکھوں کو اس نے بڑے ہی کرب کے ساتھ بند کرلیا تھا۔

"میں نہیں جانتی میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ اس کی گود میں گر گئی اور سسکنے لگی۔

"تم رویا نہ کرو۔" اس نے صائمہ کا چہرہ جو آگ کی طرح دہک رہا تھا ہاتھوں میں اٹھالیا۔ "تمہارے آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتے۔ سلامت نے اس کی آنکھوں رخساروں اور لرزتے ہوئے ہونٹوں کو چوما۔ پھر اس نے صائمہ کی آنکھوں میں جھانکا جو سرخ ہوگئی تھیں، اور پپوٹے معمول سے بھاری تھے، شاید وہ رات بھر نہیں سوئی تھی۔

باہر ہوا تیز ہوگئی اور درختوں کے پتے بری طرح کھڑکھڑانے لگتے تھے۔

وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھے رہے، جب کافی وقت گزر گیا تو وہ پھول دیکھنے قبروں کی طرف چلے گئے۔

آٹھ دن کی مسلسل جدوجہد کے بعد اس نے قبر مکمل کرلی تھی۔ اس کا جسم مشل ہوگیا تھا، اور مضبوط ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے تاہم وہ بے پناہ مسرت سے دوچار ہوا تھا۔

اس نے قبر پر اس طریقے سے پھول لگائے تھے کہ قبر پھولوں سے گندھی ہوئی معلوم ہوتی تھی، اس نے پھولوں کے پودے اوپر سے نیچے کی طرف لگائے تھے اور ان کا درمیانہ فاصلہ ایک انچ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس طرح پھولوں کے ڈنٹھل نظر نہیں آتے تھے اور پھول پر پھول چڑھ گئے تھے یوں لگتا تھا جیسے پھولوں کی چادر بچھادی گئی ہو۔ یہ سلسلہ ابھی ایک طرف ہی ہوا تھا۔ کیونکہ نیچے کی طرف سے قبر کھلی تھی، تاہم اس نے زمین پر پھول لگادیئے تھے تاکہ ضرورت کے وقت پھول تیار ہوچکے ہوں۔ اس کے علاوہ ذرا ذرا سے فاصلے پر انار اور بادام کے درخت لگادیئے گئے تھے، جنہوں نے قبر کا چاروں طرف سے احاطہ کرلیا تھا۔ درخت کافی بڑے تھے اور وہ انہیں شہر سے خرید کرلایا تھا۔ ان چیزوں کو خریدنے کے لئے اس نے کپڑوں کا اکلوتا اور نیا جوڑا بمعہ ٹرنک کے فروخت کردیا تھا وہ بے حد خوش تھا، ایسی خوشی اور ایسا اطمینان اس نے زندگی میں پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا، اس کے ہونٹوں سے ایک شعر غیر اختیاری طور پر پھوٹ پڑا۔ پھر اپنے جسم کو بے معنی انداز میں حرکت دی۔ اس کا جی چاہا وہ ناچے لیکن اپنی اس خواہش کو وہ عملی جامہ پہنا نہیں سکا۔ اس نے جھونپڑی اور قبر تک کئی چکر لگا ڈالے۔ وہ صائمہ کا انتظار کررہا تھا۔ وہ اسے اپنا شاہکار دکھانا چاہتا تھا جس کے لئے وہ عرصے سے تڑپ رہا تھا۔ آخر جب اسے صائمہ دکھائی دی تو اس نے دور ہی سے پکار کر کہا۔ "میں نے وہ قبر مکمل کرلی ہے۔"

اس نے مزید گفتگو کے بغیر ہی اس کا رخ قبر کی جانب پھیر دیا۔ صائمہ اس کے پیچھے چلنے لگی تھی۔ اس نے خلاف معمول صرف دوپٹہ ہی اوڑھ رکھا تھا، اس کی کمر پتلی اور خمیدہ تھی۔ جس سے چلتے وقت اس کے دونوں حصے الگ الگ چلتے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔

صائمہ اسے دیکھ کر واقعی مسحور ہوگئی تھی۔ بادام اور انار کے درختوں پر کلیاں کھل رہی تھیں۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی اور آس پاس کی ہر شے کو ٹکر ٹکر دیکھے جارہی تھی۔

سلامت بڑا جذباتی ہورہا تھا، اس کا سانس تیزی سے چل رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک قبر کی تعریف میں تقریر کرتا رہا، آخر کار وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں رات یہیں گزارنا چاہوں گا تم یہیں ٹھہرو۔"

اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا اور جھونپڑی کی طرف بھاگ گیا۔

صائمہ کھڑی تھی اور سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے لطف اندوز ہورہی تھی، ذرا ہی دیر کے بعد سلامت

بھی آ گیا۔ اس نے چارپائی اٹھا رکھی تھی۔ اس نے قبر سے ہٹ کر پھولوں کی کیاریوں کے بالکل ساتھ چارپائی بچھا دی۔ وہ دونوں چارپائی پر بیٹھ گئے۔

''یہ ابھی مکمل نہیں ہے بہرحال جلد ہو ہی جائے گی۔'' اس کا تنفس ابھی تک غیر متوازن تھا وہ صائمہ کے قریب ہی لیٹ گیا۔ ''میں تھک گیا ہوں۔'' اس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

صائمہ قبر کی تعریف میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے اور کیسے کہے اس کی آنکھیں اضطرابی انداز میں گردش کر رہی تھیں۔ وہ اپنا ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ اور اس کی انگلیاں بھی ایک دوسرے میں الجھ گئی تھیں۔

ایکا ایکی گاؤں سے چیخنے اور چلانے کی آوازیں بلند ہوئیں رات کے سناٹے کو عورتوں کے بین بھنبھوڑ رہے تھے، اور فضا ہولناک شور سے لرز اٹھی تھی۔

''مجھے جانے دو ہمارا پڑوسی فوت ہو گیا ہے۔'' وہ تڑپ کر اٹھی اور پگڈنڈی پر بگٹٹ بھاگنے لگی۔

''تو کیا یہ مکمل ہو گئی؟'' اس نے اپنے شاہکار کے بارے میں سوچا۔ آج ہی رات اس پر آخری پھول لگا دیئے جائیں گے۔ وہ اٹھا اور مٹی کے ڈھیلے باریک کرنے لگے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ بالٹی میں پانی لایا۔ آخر میں اس نے قبر تک نالی کھینچی جو نلکے سے پانی لاتی تھی کام ختم کر کے سامان اس نے جھونپڑی میں رکھ دیا۔

''تو کیا اس قبر میں جسے میں نے اپنے خون سے سینچا ہے ایک بڈھا آرام فرمائے گا۔'' اسے کچھ کراہیت سی ہوئی۔ ''نہیں نہیں۔'' اس نے فوراً ہی تردید کر دی میں اس کی تکمیل میں تاخیر برداشت کر لوں گا۔ لیکن اس میں کوئی اتنا ہی خوبصورت بدن بھی ہو گا۔''

اس نے فیصلہ کر لیا اور نئی قبر کھودنے میں مصروف ہو گیا۔ اس آدمی کو نئی قبر میں دفنا دیا گیا۔ تاہم سلامت کے دل میں کھد بد رہنے لگی۔ قبر کے مکمل ہونے کا تجسس اضطراب میں بدل گیا تھا۔

''مجھے اس معیار کا مردہ کبھی نہ مل سکے گا۔'' وہ اب اکثر سوچنے لگا تھا، اور بے چینی جس میں دکھ کی آمیزش ہوتی ہے اسے تنکے کی طرح کریدنے لگی تھی، روز بروز ہنسی اس کے چہرے سے رخصت ہوتی جا رہی تھی، اس کی آنکھوں کی چمک بجھ گئی تھی اور چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا، کبھی کبھی اچانک ہی ایک ہی مسکراتا ہوا چہرہ فضا میں ابھرتا، خوب صورت اور دلکش چہرہ جو واقعی اس کے معیار پر پورا اترتا تھا اور جس کے ایک بال میں بھی کبھی اس نے کسی خامی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ ''نہیں نہیں۔'' وہ اپنا بوجھل سر جھٹکتا اس کے جبڑے بھینچ جاتے اور آنکھیں حلقوں سے باہر ابلنے لگتیں۔ ''میں کس قدر کمینہ ہوتا جا رہا ہوں۔'' وہ سوچتا اور اس خیال سے پیچھا چھڑانے کے لئے دیوانوں کی طرح قبروں میں بھاگنے لگتا جو اس کے ذہن میں اپنے دانت گاڑنے لگا تھا۔

کبھی کبھی اسے یہ وہم بھی ستانے لگا تھا کہ وہ اسی طرح سوچتے سوچتے مر جائے گا اور لوگ اس جگہ پر کسی بھی ایسے آدمی کو دبا دیں گے جس کی اہمیت اس کے نزدیک ذرا بھی نہ ہو گی۔

کافی دن وہ اسی غم میں گھلتا رہا وقت کے ساتھ ساتھ اس کی صحت بھی گرتی جا رہی تھی۔

''زندگی کی ہر خوشی تو پوری نہیں ہو سکتی اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ زندگی کا ساتھ ہی چھوڑ دیا جائے۔'' اب وہ زندگی سے مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ ''میں اپنے غم کو'' اس نے فیصلہ کر لیا۔ صائمہ کی محبت کے سائے میں بھلا دوں گا اور اس قبر کو کل ہی ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گا جو مجھ سے ہر شے چھینے جا رہی ہے۔'' وہ پگڈنڈی پر ٹہلنے لگا۔ اس نے چاند کی طرف دیکھا جو کمان کی طرح تنا ہوا تھا۔ اس نے ہوا میں دو تین لمبے لمبے سانس لئے اور سوچا ''رات کتنی حسین'' ہے۔ وہ گنگنانے لگا دھیمی دھیمی مگر غمگین آواز میں جو صاف مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی پھر اس نے پل بھر کے لئے سیٹی بجائی اور تال کے لئے سر کو ہلایا۔ ایکا ایکی اس نے محسوس کیا کہ وہ ایکٹنگ کر رہا ہے۔ حالانکہ ان چیزوں کے لئے اس کے دل

میں رتی بھر جگہ نہیں۔

اچانک وہ صائمہ سے ٹکرا گیا جو چادر کے بکل میں سمٹی سمٹائی کھڑی تھی، وہ چوروں کی طرح ٹھٹک گیا اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ صائمہ نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے سلامت کو دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ پاؤں کے انگوٹھے سے زمین کریدنے لگی تھی۔

''تم آ گئی۔'' سلامت نے بجھی بجھی آواز میں پوچھا اس کا رنگ اڑا ہوتا تھا اور آج پہلی بار وہ نظریں ملانے سے گریز کر رہا تھا۔ ''ہاں۔''

وہ جھونپڑی میں چلے گئے۔ سلامت نے لالٹین جلانے کے لئے اتاری تو اس کی چمنی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ اس نے بغیر چمنی کے ہی لالٹین جلالی اور کانچ کے ٹکڑے باہر پھینک دیئے۔ پھر وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنا جسم چرا رہا تھا، صائمہ کا چہرہ قدرے دبلا اور زرد ہو گیا تھا۔ سلامت ابھی تک خاموش تھا اور یہ بالکل ہی خلاف معمول تھا۔

''کیا میں اب تم کو اچھی نہیں لگتی؟'' صائمہ نے پوچھا۔ وہ مرجھائی ہوئی اور پژمردہ سی لگ رہی تھی۔

''میں اب صرف تمہارے سہارے سے جی رہا ہوں!'' اس کی آواز بھاری تھی اور اس کے چہرے پر تھکن کے گہرے تاثرات تھے پل بھر کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ ''مجھے عجیب عجیب خیال آتے ہیں کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے آنے والے لمحے میں میرے جسم کی دھجیاں اڑ جائیں گی، میں تم سے کہنا چاہتا تھا کہ اب...... اعتماد مجھے خود اپنی ذات پر بھی نہیں رہا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ دو چیزوں کے درمیان آ کر میں پس جاؤں گا۔'' اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ ''یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم لیٹ جاؤ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

وہ لیٹ گیا کوئی سایہ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا وہ تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے جبڑے بھینچ گئے تاہم جلد ہی اس نے خود پر قابو پا لیا اور صائمہ کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے صائمہ کی پتلی کمر پر ہاتھ پھیرا اس کی گوری گوری لمبی انگلیوں کو ہاتھوں میں لے کر دبایا، اس کے گلاب جیسے ہونٹوں کو چوما پھر اس نے صائمہ کو اپنے ساتھ چمٹا لیا۔

ایسا لگتا تھا جیسے وہ صائمہ کو اپنے سینے میں پیوست کر لینا چاہتا ہو، پھر وہ چارپائی پر لیٹ گیا اور اسے کندھے سے پکڑ کر کھینچا۔ صائمہ نے اپنے رخسار اس کے سینے میں پیوست کر دیئے اس نے صائمہ کی سانس کو اپنے سینے پر پھیلتے محسوس کیا۔ اس نے صائمہ کے بھرے بھرے گالوں کو گدگدایا۔ پھر اس کی گردن پر ہونٹ رکھ دیئے اس کی سانس تیز ہو گئی تھی، اس نے اپنے اندر ایک عجیب سی آگ کو پھیلتے محسوس کیا۔

ایکا ایکی وہ تڑپ کر کھڑا ہو گیا، اس کے حلق سے بڑی ہی عجیب وغریب آواز نکلی جو کراہ سے ملتی جلتی تھی، صائمہ اسے پاگلوں کی طرح تکنے لگی تھی۔ ''کیا ہوا؟''

اس نے جواب نہیں دیا، وہ دروازے تک گیا اور اپنے بالوں کو مٹھی سے نوچا۔ پھر ایکا ایکی وہ پلٹ آیا اور صائمہ کے ساتھ دوبارہ لیٹ گیا وہ پاگلوں کی طرح اسے چومنے لگا تھا، اس کے ہاتھ صائمہ کو جگہ جگہ سے اٹھا کر ہونٹوں کے قریب لا رہے تھے۔

صائمہ پر مدہوشی سی چھا گئی تھی، اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا تھا، وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس پر مکمل خود سپردگی کی حالت طاری ہو چکی تھی، سلامت نڈھال سا ہو رہا تھا اور اس کا پورا جسم کانپنے لگا تھا، تاہم اس نے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے صائمہ کے گال ملے اور تھپتھپائے پھر اس کی کانپتی کپکپاتی انگلیاں گردن کی طرف سرک گئیں۔

اگلے دن لوگوں نے دیکھا کہ قبرستان میں نئی قبر مکمل ہو چکی تھی۔ گورکن کا کہیں نشان تک نہیں تھا۔ تاہم اس کے اوزار قبر کے بکھرے ٹوٹے پڑے تھے۔

خونی ہیولے

شائستہ سحر۔ راولپنڈی

اچانک روشن کمرے میں ایک پرہیبت شخص نمودار ہوا، اور اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں، پھر اس نے آگے بڑھ کر نوجوان کو دبوچ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے نوجوان کے نرخرے پر اپنے دانت گاڑ دیئے۔

خوف واسرار کے افق پر تہلکہ مچاتی اپنی نوعیت کی لرزہ براندام ناقابل فراموش کہانی

میں جیسے ہی آفس پہنچا میرے باس نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا، میں گہرا سانس لے کر باس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''جی سر آپ نے مجھے بلایا۔'' میں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ باس نے ایک طائرانہ نگاہ مجھ پر ڈالی اور ایک چھوٹی سی کاغذ کی پرچی میری طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ ''فیصل یہ جائے وقوعہ کا ایڈریس ہے اس پر تم نے رپورٹ تیار کرنی ہے یہاں گزشتہ رات ایک ہی خاندان کے تین افراد کا قتل ہوا، تم اسی وقت اس جگہ روانہ ہو جاؤ، مجھے آج ہی یہ کام مکمل چاہیے۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' میں پرچی تھامتے ہوئے بولا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد میں جائے وقوعہ کے سامنے موجود تھا۔ کیا شاندار بنگلہ تھا وہ، جہاں لوگوں کے ہجوم سمیت پولیس کی نفری موجود تھی پولیس نے بنگلے کو

سیل کر رکھا تھا۔ کسی عام بندے کو بنگلے کے اندر جانے نہیں دیا جا رہا تھا، چونکہ میں ایک نامی گرامی اخبار کا کرائم رپورٹر تھا اس لئے میرا پریس کارڈ دیکھتے ہی پولیس نے مجھے نہیں روکا اور میں اس شاندار بنگلے کے مرکزی گیٹ میں داخل ہو گیا۔

بنگلے کے اندر بھی پولیس اہلکاروں کی کافی تعداد موجود تھی۔ جن میں میرا بہترین دوست انسپکٹر شہباز بھی شامل تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ آگے بڑھا اور مجھے کیس کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

ڈرائنگ روم میں خون میں لتھڑی ہوئی نوجوان کی نعش زمین پر آڑی ترچھی حالت میں پڑی تھی جو شدید سرد موسم کی وجہ سے بالکل اکڑ چکی تھی۔

چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ اس نوجوان کی گردن کو اس قدر برے طریقے سے بھنبھوڑا گیا تھا کہ یوں گمان ہوتا تھا کسی آدم خور درندے نے اسے بھنبھوڑ دیا ہو۔

یہ صورت حال دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آ گئی۔

میں مزید آگے بڑھا اور شہباز کی رہنمائی میں ایک کمرے میں داخل ہوا جو کہ غالباً بیڈ روم تھا۔ وہاں دو اور مرد و عورت کی خون میں لت پت لاشیں موجود تھیں جو آپس میں میاں بیوی تھے اور باہر ڈرائنگ روم میں پڑے نوجوان کے والدین تھے۔ ان دونوں میاں بیوی کی لاشوں کی حال اس نوجوان کی نعش سے برا تھا۔ ان دونوں کا دوسرا بیٹا نعمان پولیس کی حراست میں تھا میرے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی اسے اسپتال پہنچایا گیا تھا وہ ڈرائنگ روم میں اس نوجوان کی نعش کے نزدیک ہی بے ہوش حالت میں پایا گیا تھا۔

نعمان پر شک کیا جا رہا تھا کہ اس نے ہی اپنے والدین اور بھائی کا قتل کیا ہے کیونکہ اس کے منہ اور کپڑے پر جگہ جگہ خون کے نشانات تھے اس پر غشی کی کیفیت اس قدر بری طرح سوار تھی کہ وہاں موجود پولیس اہلکاروں کی کوششوں کے باوجود ہوش میں نہیں آ رہا تھا چنانچہ اسے اسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔

نعمان کے متعلق اس الزام میں کس حد تک صداقت تھی یہ تو پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔ سگے والدین اور بھائی کا قتل کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں تھی ہمارے معاشرے میں ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے نعمان پر ٹھہرے قتل کا شبہ یقینی ہو سکتا تھا۔

میں نے اپنے کیمرے سے ان تینوں نعشوں کی تصویریں بنائیں اور اسی دن رپورٹ تیار کر کے باس کے حوالے کر دی۔

ابھی اس کیس پر حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی تھی بہت سے حقائق پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد سامنے آنے تھے۔

نعمان کو بالآخر ہوش آ گیا وہ ہوش میں آتے ہی بری طرح چیخنے لگا یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی چیز سے خوف زدہ ہو، ڈاکٹر نے اس کی حالت کے پیش نظر اسے بے ہوشی کا انجکشن لگا دیا۔

ایک روز بعد پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی سامنے آ گئی، تحیر آمیز رپورٹ پر گویا عقل ششدر رہ گئی تھی ذہن تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق عطیہ بی بی جو اس ہولناک سانحہ میں قتل ہوئی تھی اس کا خون پیا گیا تھا اسی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی تھی، اس کا خون پینے والا بے رحم درندہ کوئی اور نہیں بلکہ خود اس کا اپنا شوہر نواز تھا۔

مقتول نواز کا خون اس کے چھوٹے بیٹے بلال نے پیا تھا، اس دوران بلال نے بری طرح سے نواز کی گردن کو کاٹ کھایا تھا جس سے نواز فوراً ہلاک ہو گیا تھا۔

مقتول بلال کا خون پینے والا اور اسے قتل کرنے والا اس کا بڑا بھائی نعمان تھا۔

اس رپورٹ نے ہر طرف تہلکا مچا دیا تھا اس خبر کو سننے والا ہر فرد لرزہ براندام تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں ایسے بھی درندے پائے جاتے ہیں جو کسی رشتے کے تقدس کا خیال نہیں کرتے۔ انسانی خون پینا اور وہ بھی اپنے قلبی رشتوں کا یہ کوئی آسان کام نہیں کوئی بھی نارمل اور باشعور بندہ یہ کام نہیں کرسکتا یہ سفاکانہ اور بربریت زدہ فعل کسی ایک شخص کا ہوتا تو اسے خارج الذہن کہا جاسکتا تھا۔

کیا اس فیملی کے سارے افراد پاگل ہوچکے تھے جو راتوں رات ایسا خون ریز قدم اٹھا بیٹھے؟

یہ وہ سوال تھا جس نے میرے دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

میں نے اپنی زندگی میں کئی خطرناک واقعات دیکھے تھے کئی لوگوں کی کربناک اموات دیکھی تھیں مگر ایسا انوکھا کیس میرے سامنے پہلی بار آیا تھا۔ اس خونی سانحہ کی وجوہات کیا تھیں یہ صرف مجرم نعمان ہی بتا سکتا تھا مگر دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد اس نے مکمل خاموشی اختیار کرلی تھی۔

نعمان کو فوری طور پر گرفتار کرلیا گیا اور اس سے پوچھ گچھ شروع کردی گئی تاہم وہ کچھ بھی بتانے کو تیار نہ تھا نعمان کا کیس عدالت میں پیش ہوا اور عدالت نے نعمان کا ریمانڈ جاری کردیا امید تھی پولیس جلد نعمان سے اصل حقائق اگلوا لے گی۔

تاریخ کا یہ انوکھا سانحہ کئی روز تک مختلف اخبارات اور نجی ٹی وی چینلز کا موضوع بحث بنا رہا مقتول نواز کے پڑوسیوں سے ملنے والی معلومات کے مطابق نواز اور اس کی فیملی انتہائی شریف اور پڑھی لکھی فیملی تھی کئی سالوں سے وہاں رہائش پذیر تھے کوئی ایسی ویسی مشکوک بات اور حرکت ان میں دیکھنے میں نہیں آئی تھی آس پاس کے تمام پڑوسی ان کی بہت تعریف کررہے تھے۔

پھر ایسا کیا ہوا تھا جس نے ایک شوہر کو اپنی بیوی کو قتل کرنے، ایک بیٹے کو اپنے باپ کو قتل کرنے اور بھائی کو اپنے سگے بھائی کو بے دردی سے قتل کرنے پر مجبور کردیا تھا اور ان سب نے درندوں کی طرح ایک دوسرے کا خون بھی پیا تھا یہ وہ سوالات تھے جن کا جواب صرف اور صرف نعمان کے پاس تھا مگر وہ کچھ بھی بتانے کو تیار نہ تھا۔

عدالت سے جب وہ پولیس اہلکاروں کی حراست میں واپس آرہا تھا تو میں اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا وہ لگ بھگ انیس بیس سال کا نوجوان تھا اس کا معصوم چہرہ کہیں سے بھی ایک سفاک قاتل کا چہرہ نہیں لگتا تھا مجھ سمیت میڈیا کے کئی نمائندے اس کے اردگرد جمع ہوگئے اور اس سے کرید کرید کر سوالات کرنے لگے مگر وہ بالکل خاموش تھا کسی گہرے صدمے میں غرق خلاء میں گھورے جارہا تھا عدالت نے نعمان کا ریمانڈ جاری کردیا تھا۔

پولیس کے بہیمانہ رویہ اور تشدد پسندانہ سلوک سے تو ہر پاکستانی واقف ہے نعمان سے سچ اگلوانے کے لئے اسے ہر طرح سے ٹاچر کیا گیا مگر وہ نوجوان تو جیسے گوشت پوست کا تھا ہی نہیں وہ ٹس سے مس نہ ہوا اس کے لبوں پر چھائے گہرے جمود کو پولیس کا کوئی حربہ نہ توڑ سکا۔

بہرحال نعمان کا کیس کئی روز تک عدالت میں زیر سماعت رہا اور پھر ایک روز انسپکٹر شہباز نے مجھے بتایا کہ ''نعمان کے کمرے کی تلاشی کے بعد ان کو کچھ تعویز اور ایک عامل کا وزیٹنگ کارڈ بھی ملا ہے، وہ عامل چونکہ ایک نامی گرامی بندہ تھا اس لئے پولیس اس سے پوچھ گچھ کرنے سے کترا رہی تھی اس لئے شہباز نے یہ ذمہ داری میرے اوپر سونپی تھی اور اس سلسلے میں مجھے تحقیقات کرنے کو کہا تھا۔

میں وزیٹنگ کارڈ لے کر اس سے ملنے پہنچ گیا۔

عامل تراب شاہ ایک بہت شاندار کوٹھی میں رہائش پذیر تھا میرا یہی خیال تھا کہ وہ بڑی سی سفید داڑھی والا سفید کرتا شلوار میں ملبوس ساٹھ ستر سالہ بزرگ ہوگا تاہم جب وہ میرے سامنے آیا تو میں گویا ششدر ہی رہ گیا وہ میرے اس خیالی سراپے کے بالکل برعکس تھا وہ چالیس سالہ خوش شکل کلین شیو بندہ تھا جس نے کریم کلر کی شلوار قمیض زیب تن کر رکھی تھی وہ کہیں سے بھی عامل نہیں لگتا تھا، اسے دیکھ کر مجھے خود پر تعجب ہوا

کہ کہیں میں غلط ایڈریس پر تو نہیں آ گیا؟ تاہم اس نے اپنا تعارف کروا کر میری پریشانی دور کردی، میں نے جواباً اپنا تعارف کرایا۔

''میں مقامی روزنامہ کا کرائم رپورٹر ہوں اور نواز مرڈر کیس کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔''

میری بات سن کر عامل تراب شاہ کے چہرے پر کئی الجھن زدہ کیفیات ابھرنے لگیں وہ کچھ پریشان سا دکھائی دینے لگا تھا۔

''مگر اس مرڈر کیس کے سلسلے میں آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟'' وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں اس کی کیفیت دیکھ کر مسکرایا۔ ''آپ گھبرائیں نہیں مجھے کچھ معلومات چاہئیں آپ سے پلیز! آپ پریشان نہ ہوں اس سلسلے میں آپ کا نام میں ہرگز سامنے نہیں آنے دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔''

میں اس کو پورا یقین دلاتے ہوئے بولا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ ''آپ کی بات ٹھیک ہے مگر میرا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟''

میں سپاٹ نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''دراصل نعمان نامی قاتل کے کمرے سے آپ کا وزیٹنگ کارڈ اور چند تعویزات ملے ہیں جو کہ غالباً آپ ہی نے اسے دیئے تھے۔''

''ہاں بالکل، میں نے ہی دیئے تھے اسے۔''

اچانک یاد آنے پر اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

میں بات بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''کیا آپ اس سلسلے میں میری رہنمائی کریں گے کہ وہ نوجوان آپ کے پاس کیوں آیا تھا؟''

وہ تصدیقی انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے اس سلسلے میں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں وہ نوجوان واقعی میرے پاس آیا تھا اس کا مسئلہ بڑا گھمبیر تھا۔ کاش کہ قدرت اس کو اور مہلت دیتی اور میں اس کا مسئلہ حل کر پاتا۔''

''ایسا کیا مسئلہ تھا اس کے ساتھ؟ آپ اس سلسلے میں ہر بات سے مجھے آگاہ کریں پلیز!'' میں تجسس آمیز لہجے میں بولا۔

''بالکل میں آپ کو بتاتا ہوں۔'' اس نے بتانا شروع کیا۔

''اب سے چند روز قبل نعمان نامی وہ نوجوان میرے پاس آیا تھا، اس نوجوان نے بتایا کہ اس کو اور اس کی فیملی کو ہر رات عجیب طرح کے ہیولے نظر آتے ہیں جو روشنی میں سیاہ اور اندھیرے میں انگاروں کی مانند دہکتے ہوئے سرخ محسوس ہوتے ہیں کان کے پردے چیرنے والی آوازوں کے ساتھ وہ اسے رات بھر سونے نہیں دیتے، وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔

میں نے اسے کہا کہ ''میں تین راتوں کا عمل کر کے بتاؤں گا کہ اس تمام حالات کی وجہ کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے؟'' لیکن وہ بضد تھا کہ ''میں فی الحال اسے کچھ ایسا دوں جس سے اس کو نیند اچھی آ سکے اور وہ ہیولے نظر نہ آئیں۔''

میں نے اس کو ٹالنے کے لئے تعویز دے دیئے جن کو تکیہ کے نیچے رکھنے سے وہ گہری نیند سو سکتا تھا وہ چلا گیا میں نے جمعہ کی شب کو یہ عمل شروع کرنا تھا مگر اگلے دن ہی یہ خبر منظر عام پر آ گئی کہ اس لڑکے نے اپنی فیملی کو قتل کر دیا ہے، اس لئے میں نے وہ عمل نہیں کیا۔''

میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''پلیز! آپ اس عمل کو پورا کریں اس عمل کے لئے جو ہدیہ درکار ہوگا میں آپ کو دوں گا۔''

عامل تراب شاہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''کل جمعہ ہے آج رات بارہ بجے کے بعد یہ عمل شروع کروں گا آپ تین دن بعد میرے پاس آئے گا۔''

میں اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے نکل آیا۔

اب میرا ارادہ نعمان سے ملاقات کا تھا۔ ملاقات کا ٹائم میں پہلے ہی لے چکا تھا اور پھر شہباز کو بھی عامل کی ملاقات سے آگاہ کرنا تھا۔

نعمان سے جب میں ملا تو اس سے ہونے والی گفتگو میرے لئے انتہائی عجیب وغریب اور حیرت انگیز تھی جس سے میرے ذہن پر چھائے لاعلمی اور مایوسی

کے بادل چھٹنے لگے تھے جس کا احوال کچھ یوں تھا۔

نعمان میرے سامنے کرسی پر گم صم بیٹھا تھا اس کی رنگت بالکل زرد ہوچکی تھی اور چہرے پر جگہ جگہ نیل کے نشانات تھے اور کہیں سے جلد پھٹ کر زخم بن گئی تھی یقیناً اس کے پورے جسم پر اس طرح کے تشدد کے نشانات موجود تھے۔

پولیس نے اس کے ریمانڈ میں کوئی رعایت نہیں برتی تھی مگر اس کے چہرے پر کسی قسم کی تکلیف کے آثار نہیں تھے۔ وہ خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا میں اس کو مخاطب کرکے بولا۔ ''میں جانتا ہوں تم انتہائی ڈھیٹ انسان ہو جس نے پولیس کے ہر حربے کے سامنے زبان نہ کھولی ہو وہ بھلا میرے سامنے کیا بولے گا مگر پھر بھی تم سے کچھ امید ہے مجھے۔'' میں نے بات ختم کرکے اس کی طرف دیکھا وہ بدستور چپ رہا۔

''تم کچھ نہیں بولو گے؟'' میں نے یکلخت پوچھا۔

وہ تلخی سے بولا۔ ''میرے کچھ کہنے سے کیا ہوگا ،کون میری بات پر یقین کرے گا میں اب مرجانا چاہتا ہوں۔'' اس نے شکستگی سے سر جھکالیا۔

''تمہیں ذرا برابر بھی ترس نہیں آیا اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کرتے ہوئے اس کا خون پیتے ہوئے؟'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

نعمان نے تڑپ کر میری طرف دیکھا اس کے چہرے پر دکھ اور تکلیف کے کئی مہیب اور گہرے سائے لہرانے لگے تھے، صاف محسوس ہو رہا تھا میری بات نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ ہذیانی آواز میں بولا۔ ''میں نے اپنے بھائی کا نہ تو خون پیا ہے اور نہ ہی اسے قتل کیا ہے، میں ایسا کرہی نہیں سکتا۔''

''تو پھر کس نے قتل کیا ہے؟ پوسٹ مارٹم رپورٹ ثبوت ہے اس بات کا۔'' میں نے تیز نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

وہ میری بات کے جواب میں چپ رہا۔ میں خود ہی بول پڑا۔ ''تمہیں اور تمہاری فیملی کو کچھ عجیب طرح کے ہیولے دکھائی دیتے تھے کیا یہ سچ ہے؟''

مجسم دُعا

کیا آپ نے کبھی دعا کو مجسم دیکھا ہے۔ شاید آپ حیران ہوں کہ دعا تو دعا ہوتی ہے۔ کوئی چیز کوئی وجود تو نہیں۔ مجھے بھی اس کا ادراک تب ہوا جب وہ مجسم دعا میرے پاس نہ رہی۔ ہر غم اور مصیبت کے سامنے ایک پردہ سا تن جاتا ہے۔ یقیناً وہ پردہ ماں کی دعا سے ہی بنتا ہے۔ دُنیا میں ماں کے سوا کوئی نہیں جو اپنی ہر سانس کے ساتھ آپ کو دعاؤں میں یاد رکھے۔ اولاد تو اپنی زندگی کے سفر میں آگے ہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پیچھے ماں کے دل کی دھڑکن دعاؤں میں ڈھل کے اس کے چہرے پر جھریوں کی صورت نمودار ہونے لگتی ہیں...... اس مجسم دعا کے ہوتے ہوئے آپ دعاؤں کے اس حصار کو محسوس نہیں کرسکتے...... مگر جب وہ حصار نہیں رہتا تو زمانے کے سرد و گرم ہم سے ٹکرانے لگتے ہیں۔ تب احساس ہوتا ہے کہ کس پناہ میں تھے۔

کوئی خطرہ قتل آیا جو یونہی مجھ پر جھپٹنے کو
مجھے اپنے پروں میں لیا ماں کی دعاؤں نے

(شرف الدین جیلانی۔ٹنڈوالہ یار)

میں نے دریافت کیا۔

میری بات سن کر اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اس کے چہرے پر حیرت اور پریشانی کی کئی متضاد کیفیات ابھرنے لگی تھیں اسے اپنے متعلق میری معلومات پر بے حد حیرانی تھی مگر وہ چپ رہا۔

''کیا یہ سچ ہے؟'' میں نے اپنا سوال دہرایا۔

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں یہ سچ ہے مگر آپ کو یہ سب کیسے پتہ چلا؟''

میں اس کے سوال کو رد کرتے ہوئے بولا۔ ''اس بات کو چھوڑو، تم یہ بتاؤ، وہ ہیولے تمہیں کب سے دکھائی دے رہے تھے؟''

میرے سوال کے جواب میں وہ سوچ میں پڑ گیا وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ اپنے حقائق سے مجھے آگاہ کرے یا نہ کرے۔

میں اس کی کیفیت دیکھ کر زیرلب مسکرایا۔ ''اب سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں نعمان! جو کچھ تمہارے دماغ میں ہے مجھے بتاؤ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ سہی مگر میرے کئی سوالات حل ہو جائیں گے جو مجھے مسلسل الجھا رہے ہیں۔'' میں اس بار قدرے نرم لہجے میں بولا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور آنکھیں موند کر اپنے ذہن میں موجود ان تمام واقعات کو یکجا کرنے لگا جو اس پر بیت چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا تو اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

''چند ماہ قبل میں میرا چھوٹا بھائی اور ممی ڈیڈی سوات کی سیر کو جا رہے تھے۔ اس دن ہم سب بہت خوش تھے کیونکہ میں اپنی پڑھائی کے سلسلے میں ہوسٹل میں رہتا تھا اور بہت کم وقت مجھے اپنی فیملی کے ساتھ گزارنے کو ملتا تھا، سو چھٹیوں میں جب بھی گھر آتا ہم ضرور کہیں نہ کہیں سیر کرنے جاتے تھے، سو سوات جانے کا خیال بھی میرا ہی تھا میرے ڈیڈی میری کوئی خواہش رد نہیں کرتے تھے وہ فوراً ہی ہمیں لے کر سوات کی طرف روانہ ہو گئے۔ مجھے کار خود ڈرائیو کرنے کا شوق ہے اس روز میں ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا، سب کچھ ٹھیک تھا مگر پھر راستے میں عجیب صورت حال ہوئی ایک روڈ سے گزرتے ہوئے ہمیں یوں لگا جیسے پورا علاقہ کسی ہولناک زلزلے کی زد میں آ گیا ہو۔

میں نے خود کو اور گاڑی کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی مگر میری آنکھوں کے سامنے ناچنے والے عجیب و غریب ہیولوں نے گویا مجھے اندھا کر دیا۔ میں ان کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

یکلخت ان کی کھرکھراتی ہوئی آوازیں۔ مجھے اپنے کان کے پردے چیرتی ہوئیں محسوس ہوئی مجھے لگا جیسے میری شریانیں پھٹ جائیں گی مگر پھر اچانک میرے حواس معطل ہونے لگے میری آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرا چھانے لگا اور پھر مکمل خاموشی ہو گئی۔ مجھے کافی دیر بعد جب ہوش آیا تو گاڑی روڈ کے بالکل درمیان میں کھڑی تھی۔ ماحول بالکل پرسکون تھا کچھ دیر قبل پیش آنے والی خوف ناک صورت حال کسی بھیانک خواب کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے فوراً فرنٹ سیٹ پر دیکھا ڈیڈی کا سر ایک جانب ڈھلکا ہوا تھا پچھلی نشستوں پر ممی اور چھوٹا بھائی بھی بے ہوش پڑے تھے۔

میں نے فوری طور پر ان تینوں کو ہوش میں لایا تو وہ بھی میری طرح ہی سخت خوف زدہ تھے کیونکہ جس قسم کے ہیولے میں نے دیکھے تھے وہی صورت حال ان پر بھی بیت چکی تھی۔

ہم چاروں اس قدر خوف زدہ تھے کہ فوراً گھر کی راہ لی یہ واقعہ ناقابل یقین اور خوف ناک تھا کہ ہم نے کسی اور سے اس کا ذکر نہ کیا اگر ذکر کرتے بھی تو کون اس بات پر یقین کرتا۔

چند ہی دنوں میں ہم اس واقعہ کو بھول گئے تقریباً ایک ماہ پہلے میں اپنے امتحانات سے فارغ ہو کر گھر واپس آیا تو میری امی کچھ پریشان سی تھیں کیونکہ رات کو اکثر وہی ہیولے انہیں دکھائی دیتے تھے اور وہ خوف زدہ ہو کر چیخنے لگتی تھیں میں یہ جان کر بے حد فکر مند ہوا مگر اسی رات وہی ہیولے مجھ سمیت میرے ابو اور بھائی کو بھی دکھائی دینے لگے وہ اپنی بے ہنگم آوازوں کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے منڈلاتے رہتے۔

ہماری آنکھیں پتھرا جاتی تھیں، کوئی نادیدہ طاقت ہمیں زبردستی ان ہیولوں کو دیکھتے رہنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ مجھ سمیت میرے گھر والے ساری رات نہیں سو پاتے تھے۔ ڈیڈی نے اس مسئلے کو سلجھانے کی خاطر کئی عاملوں سے رابطہ کیا مگر کسی عامل کی کوشش ہمیں اس بھیانک اور تکلیف دہ صورتحال سے نہ نکال سکی۔

عامل تراب شاہ کے متعلق میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا۔ میں اس عامل سے تعویز لے کر آیا جس شام میں تعویز لایا تھا اسی رات یہ خونریز واقعہ پیش آیا تھا۔

اس رات میں بڑی پرسکون نیند سویا تھا۔ میں یہ سمجھا یہ کمال ان تعویزوں کا ہے مگر دراصل یہ کمال ان بلاؤں کا تھا جو ہیولوں کی صورت ہمیں دکھائی دیتی تھیں۔

اس رات میں نہیں جانتا ڈیڈی اور چھوٹے بھائی کی کیفیت کیا ہوئی ہو گی تاہم میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ اس رات جو کچھ میں نے محسوس کیا بالکل ویسا ہی انہوں نے بھی محسوس کیا ہو گا۔

میں اس رات اپنے کمرے میں سویا تھا مگر جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ڈرائنگ روم میں پایا، میں وہاں اوندھے منہ پڑا تھا، خود کو اس حالت میں دیکھ کر میں فوراً حیرت سے اٹھ کر بیٹھ گیا یکدم مجھے آہٹ سنائی دی۔ بے ساختہ میری نظریں داخلی دروازے کی طرف اٹھ گئیں، میرا چھوٹا بھائی بلال کمرے میں داخل ہو رہا تھا وہ اس وقت جس حالت میں تھا اسے دیکھ کر میں خوف سے کانپ اٹھا تھا۔

اس کا منہ خون سے تر تھا اور لباس پر جگہ جگہ خون کے دھبے موجود تھے۔ وہ خود بالکل ٹرانس کی کیفیت میں تھا۔

وہ جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا ایک قدآور شخص اس کے عقب سے نمودار ہوا وہ سائے کی طرح دکھتا تھا میں نے اس کی چمکتی ہوئی سرخ آنکھیں اور سفید نوکیلے دانت واضح طور پر دیکھا تھا وہ سایہ بلال پر جھپٹا تو میں نے چیختے ہوئے اس سائے کو روکنا چاہا مگر میری آواز گویا خلق میں پھنس کر رہ گئی تھی میرے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لئے تھے، میں اپنی جگہ ہل نہ سکا، اس سائے نے چشم زدن میں میرے بھائی کو دبوچ لیا، بلال کسی بے جان کھلونے کی طرح اس کی گرفت میں آ گیا، اس نے ذرا برابر بھی مزاحمت نہ کی۔

اگلے ہی لمحے اس خوف ناک سائے نے اپنے نوکیلے دانت بلال کی گردن میں گاڑ دیئے، یہ وہ لمحہ تھا جب بلال ٹرانس کی کیفیت سے باہر آ چکا تھا اس کے منہ سے کربناک چیخ برآمد ہوئی اور اس کا وجود کسی ذبح ہوتے جانور کی طرح تڑپنے لگا اور وہ اذیت ناک چیخوں کے ساتھ اس شخص کی گرفت میں سے نکلنے کے لئے مزاحمت کرنے لگا۔

میں کچھ فاصلے پر کھڑا یہ ہولناک منظر دیکھ رہا تھا اور اپنی بے بسی پر روتے ہوئے اپنے تمام اعصاب کو یکجا کر کے حرکت کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بے سود! میں کوئی بھی ارادی حرکت کرنے سے قاصر تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بلال کی مزاحمت دم توڑتی جا رہی تھی، وہ سایہ نما شخص مسلسل بلال کا خون پی رہا تھا اور پھر جب وہ طلسمی کیفیت ٹوٹی اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو میری گرفت میں بلال تھا، مجھے اسی وقت ابکائی آئی اور میرے منہ سے تازہ خون قے کی صورت میں باہر آ گیا۔ یہ خون بلال کا تھا۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آواز غم سے پھٹ سی گئی وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر دکھ سے سسکنے لگا۔

میں خاموشی سے اسے روتا دیکھ رہا تھا، اس کی کہی ہوئی باتیں مجھ پر سکتہ طاری کر چکی تھیں۔ وہ کچھ دیر بعد خود ہی چپ ہو گیا۔ پھر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ ”میں جانتا ہوں میری کی ہوئی باتیں آپ کو غیر یقینی لگ رہی ہوں گی اگر میں بھی آپ کی جگہ ہوتا اور کوئی مجھ سے ایسی باتیں کرتا تو میں بھی یقین نہ کرتا۔“

میں گہرا سانس لے کر بولا۔ ”تمہاری سوچ غلط ہے مجھے پورا یقین ہے یہ سب تمہارے ساتھ پیش ضرور آیا ہو گا تم آگے بتاؤ۔“

وہ بات کا سلسلہ جوڑتے ہوئے بولا۔ ”میرا منہ اور لباس بلال کے خون سے تر ہو چکے تھے تو کیا میں اتنی دیر سے اپنے بھائی کا خون پی رہا تھا؟“ اس وقت میں نے کرب سے سوچا اور خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں یہ اس قدر بھیانک انکشاف تھا کہ صدمے سے وہیں بے ہوش ہو گیا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں ہاسپٹل میں تھا، میں ابھی تک اپنے اور اپنی فیملی کے ساتھ ہونے والے اس ناقابل یقین سانحہ کو نہیں سمجھ سکا۔ جتنا اس بارے میں سوچتا ہوں اتنا ہی دماغ الجھتا جاتا ہے۔“ نعمان نے بات ختم کر کے اپنے سر کو تھام لیا۔

میں بڑے انہماک سے نعمان کی روداد سن رہا تھا اس کی ہر بات انتہائی حیرت ناک اور نا قابل یقین تھی اگر میں عامل سے نہ ملا ہوتا تو مجھے ہر گز نعمان کی سچائی کا یقین نہ آتا یہ کوئی آسیبی چکر تھا، وہ خونی بلائیں نعمان اور اس کی فیملی کے پیچھے کیوں پڑی تھیں؟ یہ سوال ابھی بھی باقی تھا گو کہ نعمان کی روداد نے بہت سے حقائق کھول کر رکھ دیئے تھے مجھے اس سوال کا جواب عامل تراب شاہ سے ہی مل سکتا تھا۔

تین دن بعد میں عامل کی کوٹھی میں موجود تھا۔

''اس سلسلے میں کچھ پتہ چلا آپ کو؟'' میں سوالیہ نگاہوں سے انہیں گھورتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔ بالکل اب ہر بات واضح ہوگئی ہے، آپ ضرور حیران ہوں گے حقیقت جان کر۔'' عامل پورے وثوق سے بولا۔

''ہوسکتا ہے ایسا ہو آپ پلیز ،بتانا شروع کریں۔'' میں بے چینی سے بولا۔

عامل فوراً بولا۔ ''وہ لڑکا نعمان اپنی فیملی کے ساتھ کہیں سیر کے لئے جارہا تھا، یہ بد قسمتی تھی کہ وہ نا سمجھی میں گاڑی کو ایک ایسے راستے پر لے گیا جہاں لوگوں کا گزر بہت کم ہوتا تھا اسی وجہ سے ایک سفلی علم کا عامل اس راستے کے قریب ہی بیٹھا خطرناک عمل کرنے میں مصروف تھا اس عمل کی شرط تھی کہ عمل کرنے والے کے علاوہ کسی اور انسان کا دور دور تک نام ونشان نہ ہو۔ نعمان اور اس کی فیملی کی بدقسمتی انہیں اس راستے پر لے آئی، جہاں وہ شخص عمل کررہا تھا ان کی آمد اس عامل کے عمل کو الٹا کرنے کا باعث بن گئی اور اس کے نتیجے میں ان خطرناک شیطانی چیزوں نے نا صرف اس عامل کو بے دردی سے مار ڈالا بلکہ نعمان سمیت اس کی فیملی کے پیچھے پڑگئیں اور تین افراد کو مار ڈالا۔''

''اوہ! یہ تو بہت برا ہوا ان بے چاروں کے ساتھ۔'' میں افسوس ناک لہجے میں بولا۔

عامل مزید بتاتے ہوئے بولا۔ ''اکثر شیطانی چیزیں انسان کو ذہنی اذیت دے کر لطف اٹھاتی ہیں یہی وجہ تھی کہ ان شیطانی بلاؤں نے نعمان سمیت اس کے گھر والوں کو کچھ عرصہ تک ذہنی اذیت میں مبتلا رکھا اور میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نعمان اب بھی اس ذہنی اذیت سے دوچار ہوگا کیونکہ ابھی ان کا انتقام پورا نہیں ہوا۔''

میں گہرا سانس لے کر بولا۔ ''اگر تمام حالات پر غور کیا جائے تو اس تمام معاملے میں نعمان بالکل بے قصور ہے جو کچھ ہوا ان شیطانی قوتوں کے زیر اثر ہوا، عدالت میں نعمان کو ذہنی مریض ثابت کیا جاسکتا ہے اور ہوسکتا ہے اس طرح ہم نعمان کے لئے ان شیطانی قوتوں سے نجات کا کوئی حل نکال لیں۔''

عامل فوراً بولا۔ ''وہ زندہ رہے گا تو ہی اس کے لئے کچھ کیا جاسکتا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔

''دراصل وہ شیطانی چیزیں نعمان کی بھی جان لینے کے درپے ہیں آپ کسی طرح سے یہ تعویز نعمان کو دے دیں اگر وہ یہ تعویز اپنے پاس رکھے گا تو وہ شیطانی چیزیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتیں۔'' اس نے وہ تعویز میری طرف بڑھایا میں تعویز کو پکڑتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے میں یہ تعویز نعمان کو دے دوں گا۔'' تراب شاہ تیز لہجے میں بولا۔ ''دیر مت کرو میرا مشورہ ہے کہ ابھی اس سے ملاقات کی اجازت لو اور یہ تعویز اس تک پہنچادو۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ گیا، اب میرا ارادہ انسپکٹر شہباز سے ملنے کا تھا۔ تا کہ وہ میری نعمان سے ملاقات کا بندوبست کرسکے۔ میں جلد از جلد شہباز کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا مگر راستے میں بے پناہ ٹریفک تھی جو مجھے کوفت میں مبتلا کررہی تھی میں تیز رفتاری سے بائیک چلا رہا تھا اور پاکستانیوں کے اصول کے مطابق جدھر راستہ مل رہا تھا وہیں بائیک گھسا دیتا تھا کہ اچانک ایک چوک کراس کرتے ہوئے ایک سفید رنگ کی کرولا میرے سامنے آگئی، میں نے اس بار بھی بائیک دائیں بائیں گھمانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔

کرولا کی ٹکر سے میں فضاء میں اچھلا اور بائیک میرے ہاتھوں سے نکل گئی، میں فضاء میں فٹ بال کی طرح گھومتا ہوا فٹ پاتھ پر جا گرا۔ نیچے گرنے سے مجھے کہاں کہاں اور کتنی چوٹ آئیں اور اس وقت درد کی شدت کیا تھی اس بات کو جانے دیں غنیمت یہ تھی کہ میں بچ گیا تھا۔

کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی گرنے کے فوراً بعد میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا نعمان تک وہ تعویز پہنچانے کی جلدی مجھے اپنی تکلیف سے بے نیاز کر رہی تھی۔ تاہم اس حادثے کے دوران میرے بازو اور کمر پر شدید خراشیں آئی تھیں کئی لوگ بھاگتے ہوئے میرے پاس جمع ہو گئے شاید انہیں امید نہیں تھی کہ میں خود کھڑا ہو پاؤں گا جو لوگ میرے پاس تھے وہ میری خیریت معلوم کر رہے تھے کچھ مشورہ بھی دے رہے تھے کہ ''ٹانگیں ہلاؤ جلاو بازو ہلا کر چیک کرو تاکہ خون نہ جمے۔'' میں ان سب کی ہمدردیاں سمیٹتا ہوا بائیک تک پہنچا۔

ایک نوجوان میری بائیک کو پہلے ہی سیدھا کر چکا تھا اس حادثے میں بائیک کا بھی حشر نشر ہوا تھا مگر خدا کا شکر ہے وہ بھی میری طرح چلنے کے قابل تھی میں بائیک پر بیٹھا اور سیدھا شہباز کی طرف روانہ ہو گیا میں جیسے ہی جیل کے اندر پہنچا تو وہاں مجھے کچھ ہلچل سی نظر آئی کئی پولیس اہلکار بدحواس ہو کر ایک جانب بھاگتے ہوئے نظر آئے اسی لمحے مجھے ایمبولینس کی ہارن کی چنگھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی وہ ایمبولینس جیل کے مرکزی گیٹ کے باہر رکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد دو پولیس اہلکار ایک شخص کو اٹھا کر لائے تو میں اسے دیکھتے ہی پہچان گیا وہ نعمان تھا جو نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا اس کا وجود اپنے ہی لہو میں نہایا ہوا تھا۔

نعمان کو اسٹریچر پر لٹایا گیا مگر افسوس کہ وہیں دم توڑ گیا، نعمان کی نعش کو پھر بھی ایمبولینس میں ڈال کر اسپتال لے گئے، میں حیرت اور دکھ سے اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا کہ کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ شہباز تھا۔

''یہ سب کیسے ہوا شہباز۔'' میں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

شہباز خود بھی ذہنی کشمکش کا شکار تھا وہ پریشانی سے بولا۔

''جو کچھ میں نے اور میرے ساتھیوں نے دیکھا ہے وہ انتہائی حیرت انگیز اور ناقابل یقین ہے۔'' نعمان کو خطرناک قیدی قرار دیئے جانے کے بعد اسے باقی قیدیوں سے الگ رکھا گیا تھا تاکہ وہ کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے مگر میں نہیں جانتا تھا وہ اپنے ساتھ اس قدر جارحانہ سلوک کرے گا ابھی آدھا گھنٹہ پہلے اس نے نجانے کیسے ایک تیز دھار چاقو حاصل کیا اور اپنے جسم کو بڑی بے رحمی سے اس چاقو سے کاٹتا چلا گیا وہ بالکل جنونی ہو چکا تھا اور اس قدر بے دردی سے اپنی ہی ہڈیوں سے اپنا گوشت الگ کر رہا تھا کہ مجھ سمیت وہاں موجود تمام پولیس اہلکار سکتے کی حالت میں آ چکے تھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی انجانی قوت نے ہمارے حواس معطل کر دیئے ہیں، ہم سب کچھ اپنی آنکھوں سے تو دیکھ رہے تھے مگر ہمارے ذہنوں میں اس کو اس جارحانہ عمل سے روکنے کا خیال تک نہ پیدا ہو سکا۔

نعمان مسلسل اپنے جسم پر چاقو کے وار کر رہا تھا اور اس کے چہرے پر تکلیف کا کوئی تاثر تک نہ تھا بلکہ وہ اس دوران بڑے بھیانک انداز میں قہقہے بھی لگا رہا تھا، ہمیں ہوش تب آیا جب نعمان نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا۔'' یہاں تک بول کر شہباز خان خاموش ہو گیا۔

میں حیرت کے عالم میں نعمان کی بھیانک موت کا واقعہ سن رہا تھا اور خود کو کوس رہا تھا کہ اگر میں آدھا گھنٹہ پہلے آ جاتا تو نعمان کی جان بچ سکتی تھی مگر ان شیطانی قوتوں نے مجھے نعمان تک کسی صورت بھی پہنچنے نہیں دیا تھا، میں نے تاسف بھرے انداز میں اپنی مٹھی میں موجود اس تعویز کو دیکھا جس کے نعمان تک پہنچنے سے پہلے ہی شیطانی قوتوں نے اس کی جان لے لی تھی۔

تحریر: اے وحید

قسط نمبر: 113

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

یہ سب چند ثانیے میں ہوا تھا۔ اس جگہ جہاں چاروں طرف مردہ جسموں کا انبار لگا ہوا تھا اور کونے کونے میں ہیبت ناک خاموشی طاری تھی اس سکوت کو توڑنے والا وہ قہقہہ بھی کم بھیانک نہ تھا اور پھر اس مردہ جسم نے جس طرح مانی کو اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ رکھا تھا۔ عین اسی وقت مانی کے کان میں سرگوشی سنائی دی۔ مانی بیٹا...... اپنا مخصوص داؤ لڑاؤ۔ وہ آواز کس کی تھی یہ سوچنے کا مانی کے پاس وقت نہیں تھا۔ مانی نے اپنی طاقت صرف کر کے گھمایا اور مردہ کے گردن میں کہنی پھنسا کر قینچی بنا ڈالی۔ یہ تھا داؤ کہ اچانک مردے کی آنکھیں چڑھ گئیں اور آواز نکلی...... بدبخت مجھے چھوڑ دے...... میں زالوشا...... ہوں اور یقیناً یہ داؤ تجھے التمش نے بتایا ہوگا اور آناً فاناً مانی نے گردن چھوڑ دی اور پھر کمرے میں دھواں دھواں ہوگیا اس سے فائدہ اٹھا کر زالوشا فرار ہوگیا۔ اس جگہ سے فرار ہوکر زالوشا...... اپنا مقدس جاپ کرنے کے لئے ایک غار میں بیٹھ گیا۔ اسی غار میں زالوشا نے...... دینو بابا کو قید کر رکھا تھا۔ دینو بابا کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مانی بہت پریشان تھا۔ خیر انتھک کوشش اور دردسری سے مانی کو اس غار کا پتہ چل ہی گیا اور مانی گرتا پڑتا اور جان جوکھوں میں ڈال کر اس غار میں پہنچ گیا اور دینو بابا کو آزاد کرالیا۔ اس غار میں ایک بہت بڑا چوہا تھا اسے دیکھ کر دینو بابا بولے۔ مانی بیٹا...... یہی چوہا دراصل زالوشا...... کا دیوتا ہے اس کا نام شابولا ہے۔ اس چوہے کو دیکھ کر دینو بابا گھبرائے ہوئے تھے کہ اتنے میں زالوشا...... کی آواز سنائی دی۔ اب تم دونوں فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ شابولا کا اپنا حصار ٹوٹ گیا۔ اب میں دوبارہ شابولا کے لئے جاپ کروں گا اس وقت میں دشت عجائب کا شہنشاہ بن جاؤں گا اور پھر اس وقت میں التمش عرف دینو بابا سے دو، دو ہاتھ ضرور کروں گا اور یہ بولتے ہی اس جگہ سے زالوشا...... غائب ہوگیا۔ خیر دینو بابا اور مانی اپنے گھر پہنچ گئے۔ مانی اپنے گھر میں دینو بابا کے سامنے بیٹھا ہوا بولا۔ دینو بابا آپ فکر نہ کریں...... ایک صاحب ہیں...... وہ بہت پہنچے ہوئے ہیں اور لوگوں سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے اور سنا ہے کہ ان کے در سے کوئی مایوس، ناکام نہیں لوٹتا، ان کا نام ''رولوکا'' ہے۔

(اب آگے پڑھیں)

مانی کی بات سن کر دینو بابا بولے۔ ''مانی بیٹا میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے کہ میں تمہارے پاس سے بہت دور چلا جاؤں، کیونکہ میری وجہ سے تمہیں بھی پریشانی لاحق ہورہی ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اور بھی زیادہ پریشانی میں تم گھر جاؤ۔''

مانی بولا۔ ''دینو بابا! آپ اپنے ذہن سے یہ بات نکال دیں کہ آپ کی وجہ سے مجھے کسی قسم کی پریشانی ہے یا پھر میں کسی وقت بھی پریشانی میں گھر سکتا ہوں، آپ کی وجہ سے اگر میری جان بھی چلی جائے تو میرے لئے باعث فخر ہوگی۔''

''مانی بیٹا تمہارے سامنے ابھی پوری زندگی پڑی ہے، تم اپنے مستقبل پر نظر رکھو، اور اب یہ کوشش کرو کہ تمہارا مستقبل روشن ہو، ارے میرا کیا ہے، زندگی کا زیادہ حصہ تو کٹ گیا، تھوڑی سی زندگی رہ گئی، یہ بھی کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جائے گی۔ بس مجھے صرف تمہارا ہی ہر وقت خیال رہتا ہے، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، میرا تو مشورہ ہے کہ کھاؤ پیو اور خوش رہو، میرا ایک اور مشورہ ہے کہ اب جتنی جلدی ہوسکے شادی کرلو تاکہ زندگی کی گاڑی بہ احسن وخوبی دوڑنے لگے۔'' دینو بابا بولے۔

مانی مسکرانے لگا اور پھر گویا ہوا۔ ''دینو بابا یہ قطعی نہیں ہوسکتا کہ میں آپ کو کہیں اور جانے دوں گا، آپ نے اب ہر صورت میں میرے ساتھ ہی رہنا ہے۔ ہم

دونوں مل جل کر زندگی کی گاڑی کھینچتے رہیں گے۔"

مانی کی بات سن کر دینو بابا خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولے۔"مانی بیٹا چلو خیر میں تمہاری خوشی میں خوش ہوں، لیکن ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ کہیں...... زالوشا...... تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا بیٹھے۔"

"دینو بابا آپ فکر نہ کریں......اور اگر آپ چاہیں تو اپنے علم سے پتا کر سکتے ہیں کہ میں نے جن صاحب یعنی رولوکا صاحب کا نام لیا ہے وہ کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم پڑتا ہے کہ وہ یقیناً اس معاملے میں ہماری مدد ضرور کریں گے، میں نے کئی اور لوگوں سے بھی معلوم کیا ہے کہ وہ ہر جائز کا ساتھ دیتے ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے......اس طرح کے لوگ دنیا میں بہت کم ملتے ہیں جو بغیر کسی لالچ کے کسی کا کام کرتے ہیں......میں کل ضرور ان کے پاس جاؤں گا اور مجھے قوی امید ہے کہ وہ میری بات ضرور سنیں گے......اور مدد بھی کریں گے۔"

"بیٹا تمہاری بات درست ہے......میرا بھی دل کہتا ہے کہ رولوکا صاحب یقیناً تمہاری باتوں پر غور کریں گے، اور جہاں تک ان کی طاقت کا سوال ہے تو میں نے اپنے تیئں معلوم کرلیا ہے کہ وہ حقیقت میں تعریف کے قابل ہیں اور ہر کام کو تندہی سے کرتے ہیں......اور یہ بات بھی درست ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندے بے لوث لوگوں کی خدمت کرتے ہیں......اور کسی سے کچھ نہیں لیتے، وہ واقعی بہت پہنچے ہوئے ہیں روحانیت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں......تم جلد ان کے پاس جاؤ...... اور جہاں تک ہوسکے...... اپنی حفاظت کے لئے ان سے درخواست کرنا......تاکہ کسی بھی وقت زالوشا...... تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

میری تو خیر ہے......اور جہاں تک میرا دل کہتا ہے کہ اب زالوشا......ایک طویل عرصہ تک میرے قریب نہیں آئے گا کیونکہ اسے معلوم پڑ گیا ہے کہ میں اس سے ہر وقت چوکنا رہوں گا، لہٰذا انہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے یا پھر ذہنی پریشانی میں مبتلا کردے۔

کل جب تم رولوکا صاحب کے پاس جاؤ تو خاص طور پر یہ التجا کرنا کہ وہ تمہاری ذات کے لئے کوئی ٹھوس ایسا معاملہ کردیں کہ زالوشا......تمہارے قریب نہ آئے اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچانے کا سوچ سکے۔ میری خیر ہے......

اور اگر وہ کہیں کہ کیا التمش تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے......؟ تو ان سے کہنا کہ میں کافی حد تک اپنی مخفی قوتوں سے دست بردار ہوچکا ہوں......اور پھر یہ بھی ہوا ہے کہ جب میں نے اپنا قبیلہ چھوڑا تو میرے قبیلہ کے رو سے مجھ سے بہت ساری قوتیں سلب کرلی گئیں......

اور جب میری طاقت سلب کی گئی تو میں نے دوبارہ اپنی طاقت کو حاصل کرنے کے لئے تگ ودو نہیں کی، یعنی میں نے اپنی طاقتوں کی بحالی کے لئے دوبارہ سے خفیہ جاپ نہیں کیا......اگر میں خفیہ جاپ کرلیتا تو میری طاقتیں بحال ہوجاتیں۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب کوئی زیادہ طاقت ور ہوجاتا ہے تو پھر وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے یا پھر یوں سمجھو کہ جب کسی کے پاس زیادہ دولت آجاتی ہے تو وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر کھل کر لوگوں کے سامنے آجاتا ہے......لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے بجائے لوگوں کو اذیت پہنچانے لگتا ہے......یا پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی کے پاس زیادہ تر ہتھیار آجاتے ہیں تو وہ ان ہتھیاروں سے اپنے سے کمزور لوگوں کو ملیامیٹ کرنے کے لئے طرح طرح کے بہانے ڈھونڈنے لگتا ہے اور کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ کر کمزوروں پر چڑھائی کرتا ہے۔

جیسا کہ زالوشا......کی مثال ہے۔

زالوشا...... جب سرکشی پر اتر آیا تو قبیلہ والوں نے اسے پہلے تو سرزنش کی......اسے ہر طرح سے سمجھایا کہ دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان کا ایک حد مقرر ہے اور جو اپنی حد سے تجاوز کرتا ہے وہ مٹ جاتا ہے...... یا مٹادیا جاتا ہے......

لیکن زالوشا...... نے ان باتوں پر دھیان نہ دیا...... اپنی طاقت کے زوم میں دندناتا پھرتا رہا...... لہٰذا باعث مجبوری...... قبیلہ کے قانون کے مطابق...... ایک بہت بڑی محفل منعقد کی گئی...... جس میں زالوشا کے کرتوتوں کو سامنے رکھا گیا......

سردار نے قبیلہ کے قانون کے مطابق تقریر کی اور قبیلہ کے محترم...... لوگوں سے مشورہ مانگا کہ اب آپ لوگ بتائیں کہ زالوشا...... کے لئے کون سا راستہ اپنایا جائے تاکہ زالوشا...... راہ راست پر آجائے...... لیکن زالوشا...... کو راہ راست پر لانے کے لئے ہر طرح سے اسے سمجھایا جاچکا ہے مگر زالوشا...... کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی......

زالوشا...... اپنی طاقت کے بل بوتے پر تمام نصیحتوں کو بالائے طاق رکھ کر دندناتا پھر رہا ہے...... کسی کی ایک نہیں سنتا......"

سردار نے یہ بھی کہا کہ...... میں نے کئی مرتبہ اس کی طاقت سلب کرلی...... مگر جاپ کر کے دوبارہ...... وہ اپنی خفیہ طاقت بحال کرلیتا ہے...... اور خفیہ طاقت تو کوئی بھی حاصل کرسکتا ہے جاپ کر کے...... اگر یہ قبیلہ کے قانون کے خلاف ہے...... اب مجھے آپ تمام قبیلہ والوں کی رائے درکار ہے کہ زالوشا...... کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے......؟"

تو متفقہ طور پر قبیلہ کے تمام لوگوں نے مشورہ دیا کہ "اب صرف زالوشا کے لئے ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ...... زالوشا...... کو قبیلہ بدر کردیا جائے۔"

قبیلہ والوں کی باتیں سن کر سردار بولا۔ "آپ تمام قبیلہ والوں کی باتیں سرآنکھوں پر...... اور میں نے بھی اپنے تئیں یہی فیصلہ کرلیا ہے کہ اسے قبیلہ سے باہر کردیا جائے......

لیکن جہاں تک آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ خفیہ جاپ "شابولا" والا کر کے اپنی طاقت کو بحال کرلے گا...... اور یہ بھی آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس عمل پر کسی کی اجارہ داری نہیں...... جو بھی یہ جاپ مکمل کرلے گا تو وہ...... "شابولا" کو اپنے زیر اثر کرسکتا ہے...... چونکہ یہ عمل بہت ہی جان لیوا، محنت طلب...... اور کٹھن مرحلے سے گزر کر حاصل ہوتا ہے لہٰذا ہر کسی کے بس کی بات نہیں...... ویسے میں نے کافی حد تک زالوشا...... کی خفیہ طاقتوں کو سلب کرلیا ہے اور آپ لوگوں کے مشورے سے میں اور بھی اس کی طاقتیں سلب کرلوں گا......

اور ہر صورت زالوشا...... کو آج ہی قبیلہ بدر کردیا جائے گا...... میں اب زالوشا...... کو آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔"

یہاں تک بول کر سردار نے اپنے خاص محافظوں کو اشارہ کیا تو محافظ سردار کا اشارہ پاتے ہی ایک طرف کو چلے گئے...... اور پھر چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ زالوشا...... کو لے آئے...... زالوشا...... زنجیروں میں جکڑا پڑا تھا۔

زالوشا...... کا انداز بہت ہی زیادہ مغرورانہ تھا...... اس کی گردن اکڑی ہوئی تھی......

زالوشا...... کو دیکھ کر سردار بولا۔ "زالوشا...... مجھے زیادہ افسوس ہے کہ میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود تم پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا......

ہم مانتے ہیں کہ ہم بے دین جنات ہیں...... لیکن بے دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنی حدود سے تجاوز کریں...... کیونکہ دنیا کا جو خالق و مالک ہے اس نے اپنی تمام مخلوقات کے لئے ایک آخری حد مقرر کر رکھی ہے، اور جو بھی مخلوق اپنی حدوں سے باہر نکلتی ہے اور لازوال طاقتوں کے مالک کے حکم کی نافرمانی کرتی ہے تو اذیت سے دوچار ہوجاتی ہے بلکہ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ بے شمار سرکش قومیں نیست و نابود ہوگئیں......

ان قوموں کی سرکشی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ اپنے آگے اور اپنی مرضی کے آگے کسی بھی محترم ہستی کی نہیں سنتے تھے۔

اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے دنیا بنانے والے نے اپنے پسندیدہ لوگوں کو ان کے پاس بھیجا مگر لاکھ کوشش کے ان لوگوں نے اس نیک ہستی کی ایک نہ

سنی لہٰذا ان لوگوں کو اذیت ناک نا قابل برداشت حالات سے دوچار کرکے آئندہ آنے والی قوموں کے لئے عبرت کا نشانہ بنادیا گیا۔

زالوشا...... میں نے بلکہ قبیلے کے ذی شعور لوگوں نے اور پھر تمہارے والدین و رشتہ داروں نے ہر جتن کئے تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ...... اور اپنی سرکشی وضدی طبیعت کو چھوڑ دو مگر تم نے کسی کی بھی نہیں سنی اور قبیلے کے تمام قانون کو اپنے پیروں تلے روند دیا۔

آج سے دو سال پہلے والا واقعہ تو تمہیں یاد ہی ہوگا کہ تم نے کیا قدم اٹھایا تھا جس کی وجہ سے ہمیں بلکہ تمام قبیلہ والوں کا سر شرمندگی سے جھک جاتا ہے، اگر تمہیں نہیں یاد تو میں تمہیں یاد دلاتا ہوں۔ مگر اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی تم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

تم نے مخالف قبیلہ کی ایک خوبرو جنی سے عشق کا پینگا بڑھالیا۔

وہ تو عورت تھی اسے نہیں پتا...... کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کی عقل ناقص ہوتی ہے مگر تم تو عقلمند تھے...... بہادر تھے...... اپنے قبیلہ کے رواج سے باخبر تھے۔ تمہاری اوچھی حرکت بڑھتی رہی اور پھر یہاں تک ہوا کہ تمہارے عشق نے ایک نیا گل کھلایا۔

اور تمہیں مخالف قبیلہ والوں نے پکڑ کر قید کردیا۔

اور اس قبیلہ کے رواج کے مطابق سوموار کے دن تمہاری گردن اڑادی جاتی...... اور سوموار کے آنے میں کوئی تین دن باقی تھے اور یہ بھی اچھا ہوا کہ قبیلہ کا سردار میری عزت کرتا ہے۔ عزت اپنی جگہ مگر ہر قبیلہ کا اپنا رواج ہوتا ہے......

اس سردار کی شرافت تھی کہ اس نے میرے پاس خبر بھیج دی......

اور تم ہی کیا تمام قبیلہ یہ جانتا ہے کہ کسی بھی قبیلہ کے کسی کی گردن مخالف قبیلہ والے اڑادیں۔ اور جس قبیلہ کے کسی فرد کی جب اس طرح گردن اڑائی جاتی ہے تو وہ قبیلہ نا قابل برداشت اذیت وشرمندگی سے دوچار ہوجاتا ہے۔

اور اسی شرمندگی سے بچنے کے لئے تمہاری دو بہنوں نے اپنی قربانی دی، اور تمہاری گردن اس طرح بچ گئی۔

تمہاری دو بہنوں نے پورے قبیلہ والوں کی عزت بچالی۔

لیکن اس کے باوجود بھی تم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تمہیں اپنی بہنوں اور بوڑھے والدین کا ذرا بھی خیال نہ رہا اور پھر چند ہی دن گزرے تھے کہ تم نے پھر اپنی سرکشی شروع کردی۔

تمہاری ہر حرکت میرے علم میں آتی رہی۔

میں نے تمہیں اکیلے میں اپنے پاس بلایا اور تمہیں سمجھایا کہ ''زالوشا...... اب بھی وقت ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ...... تمہاری وجہ سے پورے قبیلے کی ناک کٹ گئی...... کسی قبیلہ کی کسی عورت جب جرمانے کے طور پر کسی مخالف قبیلے کے حوالے کردی جاتی ہے تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایسا کرنے سے اس قبیلہ کی عزت کس قدر پاؤں تلے روند دی جاتی ہے۔

اور اگر تمہاری بہنوں نے اپنی قربانی نہ دی ہوتی تو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر دو قبیلوں میں جنگ چھڑ جاتی تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا...... تمہیں کیا نہیں معلوم کہ جب جنات کے دو قبیلوں میں جنگ چھڑتی ہے تو وہ جنگ کس قدر خوفناک اور ہولناک ہوتی ہے۔ برسہا برس تک یہ جنگ چلتی رہتی ہے، کئی کئی نسلیں وجود میں آتی ہیں اور کئی کئی نسلیں ختم ہوجاتی ہیں، مگر جناتی قبیلوں کی جنگ اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ جنگ کی لپیٹ میں آکر دونوں قبیلے تباہ و برباد ہوجاتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ تو نیست و نابود ہوکر رہ جاتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کمزور قبیلے کی تمام جن عورتوں کو جنات اپنا غلام بنالیتے ہیں اور اپنی ہوس کی تکمیل کرتے ہیں اور جنات مرد کو اپنا خدمت گار بنالیتے ہیں۔ مگر بہت افسوس ہے زالوشا...... کہ تم پر کسی کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا......

تمہیں بھی پتا ہے کہ تم جیسے نافرمانوں کی سزا کیا ہوتی ہے...... اس کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے...... مگر تمام قبیلے والوں کے مشورے سے تمہیں ایک ایسی سزا کا مستحق قرار دیتا ہوں کہ تم اپنی پوری زندگی اذیت میں گزاردو گے...... تمہیں کہیں بھی چین نہ ملے گا...... تم پوری زندگی سرگرداں رہو گے...... چند دن تمہیں چین تو ملے گا مگر وہ چین تمہارے لئے دائمی نہ ہوگا۔

تمہاری ٹکر کے بہت سے لوگ ملیں گے جو تمہیں قدم قدم پر ہلکان کریں گے...... تم چین وسکون کے لئے بھاگتے پھرو گے...... اور سکون کے لئے ترسو گے۔

تمہیں قبیلہ بدر کیا جاتا ہے...... اور تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبیلہ میں داخلہ بند کیا جاتا ہے......'' اور یہ بول کر سردار نے محافظوں کو کہا۔'' اسے لے جا کر قبیلہ کی حدود سے باہر کردو...... اور اس کے لئے قبیلہ کے گرد مضبوط حصار قائم کردینا تاکہ یہ کبھی بھی قبیلہ کی حدود پار نہ کرسکے اور اگر کبھی ہمت کرے تو جل کر خاکستر ہوجائے۔''

یہاں تک بول کر دینو بابا خاموش ہوگئے۔ پھر بولے۔'' مانی بیٹا یہ تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتا ہی چکا ہوں کہ میں شروع ہی سے نرم طبیعت کا حامل تھا۔ میں چاہتا تھا کہ میرا پورا قبیلہ دین دار ہوجائے یا کاش کہ میں دین دار قبیلہ کا فرد ہوتا...... اور پھر جب مجھے اپنے قبیلے کا رسم ورواج ٹھیک نہ لگا تو میں نے اپنے قبیلے کو خیر باد کہہ دیا اور تمہاری دنیا میں وقت گزارنے لگا۔

پھر ایک طویل عرصہ بعد ایک دن اچانک زالوشا...... سے مڈبھیڑ ہوگئی...... اور پھر وہ دن اور آج کا دن ہم دونوں میں ٹھن گئی...... اور دینو بابا خاموش ہوگئے۔

مانی بولا۔'' دینو بابا...... آپ کی خوشی میری خوشی ہے...... آپ کی خوشیاں ہر صورت واپس آئیں گی، آپ آزاد فضا میں سانس لیں گے...... وہ دن دور نہیں اور مجھے پکا یقین ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں گا۔

میں رولوکا صاحب کے پاؤں پڑ جاؤں گا...... آپ کی خوشی کے لئے...... میرا دل کہتا ہے کہ بہت جلد زالوشا...... کا خاتمہ ہوجائے گا...... کیونکہ جو مخلوق خدا کو اذیت میں مبتلا کرتا ہے اس کا نام و نشان بہت جلد مٹ جاتا ہے۔

دینو بابا اب آپ آرام کریں...... میں ذرا کارخانے تک جاتا ہوں...... کیونکہ آج مزدوروں کو پیسے دینے ہیں۔ وہ میرا انتظار کررہے ہوں گے۔'' اور یہ بول کر مانی کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

مانی کے جانے کے بعد دینو بابا کے منہ سے نکلا۔ '' مانی بیٹا خدا تمہیں خوشیوں سے نوازے...... اور تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔'' یہ بول کر دینو بابا چارپائی پر لیٹ گئے۔

دوسرے دن صبح کے کوئی دس بجے مانی دلی میں حکیم وقار کے مطب میں رولوکا سے ملنے کے لئے پہنچ گیا۔ اور انتظار گاہ میں بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔ کوئی آدھا گھنٹہ بعد ملازم مانی سے بولا۔'' جناب آپ تشریف لے چلیں۔'' یہ سن کر مانی اپنی جگہ سے اٹھا اور اس ملازم کے ساتھ حکیم وقار کے کمرے میں پہنچ گیا۔

حکیم وقار اپنے کمرے میں کرسی پر براجمان تھے۔ مانی کو دیکھ کر حکیم وقار کے ہونٹوں پر شفقت بھری مسکراہٹ ابھری اور اپنی کرسی سے اٹھ کر مانی سے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ آگے کو بڑھا دیا۔

مصافحہ کے بعد حکیم وقار بولے۔'' جناب تشریف رکھیں۔'' اور پھر ملازم سے بولے۔'' سلیم ٹھنڈا پانی لاکر آپ کو پلاؤ۔''

یہ سنتے ہی ملازم الٹے پاؤں پانی لینے کے لئے چلا گیا۔ حکیم وقار ہر آنے والے سے سب سے پہلے مصافحہ کرتے اور آنے والے کو ٹھنڈا پانی ضرور پلاتے تھے۔ اور آنے والا جب پانی پی چکتا تو پھر اس سے حال احوال اور آنے کا مقصد دریافت کرتے تھے۔

جب مانی پانی پی چکا تو حکیم وقار گویا ہوئے۔
'' جناب آپ کا اسم گرامی؟''

"جی مجھے مانی کہتے ہیں۔"

یہ سن کر حکیم وقار مسکرائے اور بولے۔ "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ مشہور و معروف مانی پہلوان تو نہیں...... کیونکہ میں نے دو ماہ پہلے کشتی کے دنگل کے لئے پوسٹر پر آپ کی تصویر دیکھی تھی۔"

"جی...... آپ نے صحیح اندازہ لگایا ہے...... میں مانی پہلوان ہوں۔" مانی بولا۔

"تو پہلوان صاحب میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں...... ویسے آپ میرے مطب میں تشریف لے آئے آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مطب میں آ کر عزت بخشی...... لیکن میں اندازہ لگا رہا ہوں کہ شاید آپ کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں۔ کیا میرا اندازہ درست ہے؟"

یہ سن کر مانی مسکرانے لگا۔ پھر گویا ہوا۔ "حکیم صاحب آپ کا اندازہ سو فیصد درست ہے کہ مجھے کوئی جسمانی تکلیف نہیں...... دراصل میں "رولوکا صاحب" کی شہرت کے پیش نظر حاضر ہوا ہوں، ایک روحانی مسئلہ درپیش ہے...... جس نے ہماری رات کی نیند اور دن کا چین و سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ آپ کی نوازش ہوگی کہ آپ برائے مہربانی رولوکا صاحب سے سفارش کر دیں کہ میرے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور فرمائیں۔"

یہ سن کر حکیم وقار مسکرانے لگے اور بولے۔ "اچھا اب میں سمجھا...... انہیں حکیم کامل بھی کہتے ہیں...... اور جہاں تک مجھے یقین ہے کہ کسی بھی مسئلے کے لئے ان سے سفارش کی ضرورت نہیں پڑتی...... وہ ہر آنے والے کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور فرماتے ہیں...... اور آنے والا اپنے مسئلے مسائل سے فراغت کے بعد خوشی محسوس کرتا ہے اور ہنستے مسکراتے واپس جاتا ہے۔

حکیم کامل بہت ہی ملنسار، اچھے دل و دماغ اور دوست صفت انسان ہیں...... یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ وہ کسی سے پائی پیسے تک نہیں لیتے اور ہر کسی کا کام اپنا کام سمجھ کر کرتے ہیں...... وہ بہت ہی شفیق و ہمدرد طبیعت کے مالک ہیں۔

اس وقت اپنے کمرے میں موجود ہیں...... ان کے ساتھ چند صاحبان موجود ہیں...... آنے والوں کے ساتھ کوئی پیچیدہ مسئلہ ہے اس سلسلے میں حکیم کامل مصروف ہیں۔ ویسے میں آپ کو لئے چلتا ہوں...... آپ جا کر خاموش ایک طرف بیٹھ جایئے گا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ یقیناً آپ کی طرف متوجہ ہوں گے آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔" اور یہ بول کر حکیم وقار اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

اور اپنے پیچھے مانی کو آنے کا اشارہ کیا تو مانی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

حکیم وقار کے ملحقہ بڑے کمرے میں رولوکا موجود تھا۔ حکیم وقار مانی کو لے کر اس کمرے میں پہنچے، کمرے میں رولوکا کے سامنے ایک نوجوان بیٹھا تھا، اس کے علاوہ کمرے میں چار شخص اور بھی تھے۔ حکیم وقار کو دیکھ کر رولوکا حکیم وقار کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ "حکیم صاحب...... خیریت تو ہے ناں؟"

حکیم وقار بولے۔ "یہ دلی کے نامی گرامی مانی پہلوان ہیں...... اپنے کسی مسئلہ کے تحت آپ کے پاس تشریف لائے ہیں...... آپ فارغ ہو جائیں تو ان کی بھی سن لیجئے گا۔"

یہ سن کر رولوکا نے مانی کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور بولا۔ "آپ آرام سے تشریف رکھیں، میں تھوڑی دیر میں فارغ ہو کر آپ سے بات کرتا ہوں۔"

مانی سے حکیم وقار بولے۔ "مانی صاحب آپ آرام سے ایک طرف تشریف رکھیں، میں چلتا ہوں، مریض میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" اور یہ بول کر حکیم وقار وہاں سے چلے گئے۔

مانی ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا۔ اور پھر رولوکا اس نوجوان کی طرف متوجہ ہو گیا جو کہ رولوکا کے سامنے بیٹھا تھا۔ رولوکا نوجوان پر اپنی نگاہیں گاڑ کر بغور دیکھنے لگا۔

اچانک نوجوان کی کھرکھراتی ہوئی بھاری اور کرخت آواز سنائی دی۔ "میں کسی بھی صورت تیری

گیدڑ بھبکی میں نہیں آؤں گا......اگر تو اپنی خیریت چاہتا ہے تو مجھے جانے دے......نہیں تو اپنے انجام کے لئے تیار ہو جا۔“ نوجوان کی آنکھوں میں جیسے چنگاریاں کوند رہی تھیں۔

نوجوان کی باتیں سن کر رولوکا پر کسی بھی ردعمل کا اثر نہیں ہوا، رولوکا بدستور نوجوان پر اپنی نظریں مرکوز کئے بیٹھا تھا۔

نوجوان کی گردن نیچے کو جھک گئی...... چند لمحے وہ گردن نیچی کئے بیٹھا رہا کہ پھر تیزی سے اس نے اپنی گردن اوپر کو اٹھائی اور زور سے سانس اندر کو کھینچا، اس کے بعد اسی تیزی سے اس نے جب اپنا سانس باہر کو خارج کیا تو سانس کے ساتھ اس کے منہ سے زبردست چنگاریاں نکل کر رولوکا کی طرف بڑھیں۔ مگر یہ کیا......

وہ چنگاریاں رولوکا کے چہرے تک پہنچ نہیں پائیں بلکہ وہ تمام چنگاریاں آگے کے بجائے پیچھے کو پلٹ پڑیں اور نوجوان کے منہ میں داخل ہوگئیں۔

چنگاریوں کا منہ میں داخل ہونا تھا کہ نوجوان کی دلدوز فلک شگاف چیخ اس کے منہ سے خارج ہوئی کہ جیسے کسی بہت بڑے اور زبردست جانور کے گلے پر چھری پھیر دی گئی ہو، نوجوان کی چیخ اتنی زوردار تھی کہ کمرے میں بیٹھے ہوئے مانی سمیت چاروں شخص اپنی اپنی جگہ لرز کر رہ گئے اور ڈر و خوف ان کے چہرے پر واضح نظر آنے لگا تھا۔

مگر ابھی تک رولوکا خاموش نوجوان پر اپنی نظریں گاڑے بیٹھا تھا۔ پھر چشم زدن میں نوجوان کے سر کے سارے بال کسی تنکے کی طرح کھڑے ہوگئے، اور تمام بالوں سے چنگاریاں نکل کر فضا میں تحلیل ہونے لگیں، اس کے باوجود رولوکا اپنی جگہ خاموش بیٹھا تھا اور اس کی نظریں یک ٹک نوجوان پر ٹکی ہوئی تھیں۔ کہ نوجوان کی آواز گونجی۔ ”دیکھ اب بھی وقت ہے میری بات مان لے۔“

اور پھر یہ بولتے ہی وہ جیسے طیش میں اپنی جگہ سے اٹھا اور بھاگ کر کمرے کے ایک کونے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ منہ سے کف بہنے لگا۔ آنکھوں سے سفید دھواں خارج ہونے لگا اور پھر منہ و آنکھ سے زبردست چنگاریاں نکلنے لگیں۔ پھر وہ بولا۔ بھاری بھرکم آواز میں۔ ”میں تیرا حشر نشر کردوں گا۔ جتنی جلدی ہوسکے یہاں سے چل اور مجھے بھی جانے دے......ورنہ......“ اور اس کی آواز اس کے حلق میں دب کر رہ گئی۔

نوجوان کی بات سن کر رولوکا مسکرایا اور بولا۔ ”زیادہ اچھل کود نہیں کر اور آ کر اپنی جگہ بیٹھ جا اور یہ تو تو جانتا ہی ہے کہ تو کتنے پانی میں ہے۔

میں ابھی تک تیرے ساتھ شرافت کا برتاؤ کر رہا ہوں۔ اگر میں نے سختی کی تو تیرا جو حال ہوگا یہ بھی تو جانتا ہے......چل جلدی سے آ کر اپنی جگہ بیٹھ جا۔“

رولوکا کی بات سن کر نوجوان کے منہ سے آواز نکلی۔ ”اگر تیری یہ خواہش ہے کہ میں تیرے سامنے بیٹھ جاؤں تو چل میں تیری یہ خواہش بھی پوری کردیتا ہوں۔“

اور یہ بولتے ہی اس کے منہ سے بہت ہی فلک شگاف آواز نکلی۔ ”شامولا۔“ اس آواز کا نکلنا تھا کہ اس نوجوان کے قریب جہاں وہ کھڑا تھا۔ گاڑھا گاڑھا دھواں اٹھنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے ایک ٹھوس شکل اختیار کرلی۔

”اوہ! خدا کی پناہ۔

اس قدر عجیب الخلقت اور کریہہ صورت انسان اور جانور کے مشابہہ ایک وجود ظاہر ہوا۔ اور پھر اس نے زبردست قہقہہ لگایا۔ اس کی آواز سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے بہت ہی قوی بھیڑیا غرا رہا ہو۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے چاروں شخص اور مانی پر سراسیمگی طاری ہوچکی تھی اور وہ پانچوں اندر ہی اندر لرزہ براندام تھے، اور اس چیز کو رولوکا نے بخوبی بھانپ لیا تھا۔

پھر رولوکا بولا۔ ”شامولا! تیرا یہاں آنا بالکل بھی سود مند نہیں......اور اگر تو اپنی خیریت چاہتا ہے تو فوراً یہاں سے چلا جا......نہیں تو اس کے ساتھ ساتھ تیرا حشر

بھی بہت خراب ہوگا۔ اور اگر تو دیکھنا چاہتا ہے تو میں دکھاؤں...... بول...... تو کیا چاہتا ہے۔"

پھر شامولا کی آواز نے کمرے میں موجود لوگوں کو دہلا دیا۔ آواز بہت بھاری اور غراتی ہوئی تھی۔ "تو مجھے کیا دکھائے گا...... بلکہ میں اب اپنا چمتکار دکھلاتا ہوں...... تیرا تو وہ حشر کروں گا کہ دیکھنے والے تجھ سے عبرت پکڑیں گے اور کیا تو سمجھتا ہے کہ میں اکیلا ہوں...... ارے میرے ساتھ سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد ہے۔

تو اپنی جگہ ٹھہرا رہ میں اپنے ساتھیوں کو لینے جا رہا ہوں...... اور تجھے یاد کرا دیتا ہوں کہ میرے دوبارہ آنے سے پہلے پہلے اپنا بوریا بستر باندھ کر چلتا بن نہیں تو......" اور اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ وہ اپنی جگہ سے غائب ہو چکا تھا۔

جب نوجوان نے دیکھا کہ وہ عجیب الخلقت جس کا نام شامولا تھا اپنی جگہ سے غائب ہوگیا تو وہ اپنی گردن نیچی کیے نڈھال قدموں سے چلتا ہوا رولوکا کے سامنے اپنی سابقہ جگہ پر آ کر بیٹھ گیا اور اپنی گردن نیچے جھکائے رکھی۔

رولوکا کی آواز سنائی دی۔ "تو نے اپنا سارا زور لگا لیا۔ خود اپنی طاقت کے ساتھ...... اپنے مددگار کو بھی بلا کر دیکھ لیا...... وہ تو اپنی دم دبا کر بھاگ نکلا۔ اب تو شرافت سے میرے سوالوں کا بالکل ٹھیک جواب دے......

اور اگر تو نے میرے سوالوں کا صحیح جواب نہ دیا تو میں تیرا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے رکھ دوں گا۔ میری باتیں اپنے دماغ میں بیٹھا لے اور ویسے بھی تجھے میری طاقت کا اندازہ تو ہو ہی گیا ہے۔"

رولوکا کی باتوں کا ابھی تک اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

اب وہ رولوکا کے سامنے گردن جھکائے لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ پھر اس کی سانس لینے کی آواز اتنی تیز ہوگئی کہ رولوکا سمیت کمرے میں بیٹھے پانچوں شخص واضح طور پر سن رہے تھے۔ رولوکا کے علاوہ پانچوں اپنی اپنی جگہ بہت زیادہ خوفزدہ تھے۔

کہ اس نوجوان کے منہ سے اچانک ایک زبردست پھنکار سنائی دی اور اس کی زبان ایک خوفناک اور دہشت ناک سانپ میں تبدیل ہو کر منہ سے باہر کو لپکی اور وہ فوراً رولوکا کے سامنے سے پشت کی جانب گھوم گیا ان پانچوں کی طرف جو کہ سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ سانپ اپنا پھن کاڑھے زبردست طریقے سے پھنکار رہا تھا۔ جسے دیکھ کر ان پانچوں کی حالت بہت زیادہ غیر ہو رہی تھی۔

رولوکا نے فوراً بھانپ لیا کہ اب نوجوان کمرے میں موجود لوگوں کو ہراساں کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ لوگ خوفزدہ ہو کر کمرے سے بھاگ کھڑے ہوں یا پھر رولوکا کو کچھ کرنے سے روک دیں۔

اتنے میں رولوکا نے اپنے سیدھے ہاتھ سے نوجوان کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ ایسا کرتے ہی اچانک نوجوان نارمل حالت میں آیا اور پھر پشت سے سامنے کو گھوم کر گردن جھکا کر بیٹھ گیا تو رولوکا گویا ہوا۔ ان پانچوں لوگوں سے جس میں کہ مانی بھی شامل تھا۔

جناب آپ لوگ بالکل بھی گھبرائیں نہیں، یہ میری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتا، یہ صرف آپ لوگوں پر اپنی دہشت بیٹھانا چاہتا ہے، آپ لوگ جو کچھ بھی سوچ کر اسے میرے پاس لائے اس پر قائم رہیں۔ ہر صورت میں اس خبیث نے اس نوجوان کو چھوڑنا ہے۔ میں دراصل یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ کہاں تک اچھل کود کرسکتا ہے۔

میں دراصل یہ چاہ رہا ہوں کہ یہ شرافت سے مان جائے اور اس کی جان چھوڑ دے ورنہ اس کا تیاں پانچاں کرنا پڑے گا۔ میں چونکہ اس کے اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں سے واقف ہوں لہٰذا مجھے تو متاثر کر نہیں سکتا، صرف یہ آپ لوگوں کو ڈرا رہا ہے۔" یہ باتیں رولوکا کر ہی رہا تھا کہ وہ غضبناک حالت میں بھیڑیا کی آواز میں غرانے لگا اور پھر طیش میں رولوکا پر جھپٹا۔

نوجوان کے ہاتھ رولوکا کی گردن تک پہنچتے کہ اس سے پہلے ہی درمیان میں ایک زبردست شعلہ لپکا اور نوجوان کے دونوں ہاتھوں میں لپٹ گیا۔

شعلہ کا اس کے ہاتھوں میں لپٹنا تھا کہ ذبح کئے ہوئے بھینسے کی آواز میں وہ ڈکرانے لگا۔ اس کی آواز کرب واذیت سے دوچار ہوگئی۔ غراہٹ بھرے لہجے میں اس کے منہ سے آواز نکلنے لگی۔ ''مجھے چھوڑ دے......اوہ......اوہ......میں مرا......مجھے چھوڑ دے۔ م......م......مجھ......مجھ......مجھ......''

اس کی کربناک آواز سن کر رولوکا نے اس کے ہاتھوں پر پھونک ماری تو آناً فاناً وہ شعلے اس کے ہاتھوں سے غائب ہوگئے......اور وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

اتنے میں رولوکا کی آواز سنائی۔ ''میرے سوالوں کا جواب دے گا۔''

''ہاں......پوچھ......میں جواب دوں گا......''

''غلط تو نہیں بولے گا......اگر غلط بولا تو!!''

''میں وعدہ کرتا ہوں......صحیح......صحیح......جواب دوں گا۔ پوچھ کیا پوچھنا چاہتا ہے۔'' نوجوان کے منہ سے آواز نکلی۔

''تیرا نام کیا ہے؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''میرا نام لوقاف ہے۔''

''کیا تیرا کسی جنات قبیلے سے واسطہ ہے۔''

''ہاں میرا واسطہ جنات قبیلے سے ہے، میرا تعلق کافر جنات قبیلے سے ہے۔''

''تیرے قبیلے کا پڑاؤ کس علاقے میں ہے؟''

''ہمارے قبیلے کا پڑاؤ ہمالیہ کی ترائی میں جو جنگل ہے وہاں پر ہے۔''

''کتنے سال سے تیرے قبیلے کا یہاں رہنا سہنا ہے۔''

''اس وقت میری عمر تین ہزار سال ہے اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے اپنے قبیلے کا رہنا سہنا اس جگہ پر دیکھا ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ہمارے قبیلے کا اس جگہ رہنا سہنا کوئی آٹھ ہزار سال سے اسی جگہ پر ہے۔ ویسے ہم جناتوں کی عمریں کئی کئی ہزار سال کی ہوتی ہیں۔''

''کیا تو شادی شدہ ہے؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''نہیں ابھی میری شادی نہیں ہوئی، ویسے ابھی میں نے نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہے۔ کم از کم چار ہزار سال کے بعد ہماری شادیوں کے متعلق سوچا جاتا ہے۔'' نوجوان پر سوار جن بولا۔

''کیا تیرے خاندان میں تیرے والدین اور مزید بہن بھائی بھی ہیں؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''ہاں میرے والدین کے علاوہ میرے دو بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ مجھ سے دو چھوٹے بھائی اور دو بہنیں اور ہیں۔''

کیا تجھے اپنے گھر والوں سے لگاؤ نہیں رہا کہ تو نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس نوجوان کو جکڑ لیا۔ تیرے ساتھ سختی یا پھر تیرا خاتمہ بھی تو کوئی کرسکتا ہے۔'' رولوکا بولا۔

''اوئے! منہ سنبھال کر بات کر......کسی میں دم نہیں کہ میرا خاتمہ کردے۔'' نوجوان پر سوار جن طیش سے بولا۔

''کیا تجھے پکا یقین ہے کہ تیرے ساتھ کوئی برا سلوک یا پھر تیرا خاتمہ نہیں کرسکتا۔ یہ تو تجھے معلوم ہی ہوگا کہ سیر پر سوا سیر ہوتا ہے، کیا یہ زیب دیتا ہے کسی جن کو کہ وہ کسی آدم زاد کو خوامخواہ تکلیف دے اور یہی نہیں بلکہ کسی کو جان سے ماردے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''یہ انسان بہت ظالم ہیں......یہ کسی کو بھی نہیں چھوڑتے......یہ انسان اپنی طاقت کے زعم میں دندناتے پھرتے ہیں......یہ کبھی کبھی اس قدر ظالم بن جاتے ہیں کہ جس کی مثال نہیں ملتی......جب یہ لڑنے بھڑنے اور جنگ و جدل پر اتر آتے ہیں تو خون کی ندیاں بہادیتے ہیں......طاقتور طاقت کے بل بوتے پر لوگوں کے منہ سے نوالے چھین لیتے ہیں......اپنی خواہش اور مطلب برابری کے لئے غریب و کمزور کو اپنے پاؤں تلے روندیتے ہیں کبھی کبھار تو تفریح طبع اور

دل بہلانے کے لئے بھی لوگوں کی جان لینے پر بھی نہیں چوکتے۔ میری نظر میں انسان سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق اتنی ظالم نہیں۔“ جن بولا۔

”تو نے اس نوجوان کو کیوں جکڑ رکھا ہے؟“ رولوکا نے پوچھا۔

”میں ایک گھنے درخت کی ڈالی پر آرام کررہا تھا۔ میں گہری نیند میں تھا کہ اس نوجوان نے کلہاڑی سے درخت کی وہ ڈال کاٹ ڈالی اور میں دھڑام سے نیچے گر پڑا۔“ جن بولا۔

”قدرت نے انسان کی نظر ایسی نہیں بنائی کہ انسان مخفی و پوشیدہ چیزوں کو دیکھ سکے، یعنی اس طرح انسان سمجھو کہ اندھا ہے۔ اگر یہ نوجوان تمہیں دیکھ لیتا تو کبھی بھی وہ ڈالی نہیں کاٹتا۔ نہ تم نیچے گرتے۔

اکثر جنات یہ شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ اس نے مجھ پر پاؤں رکھ دیا۔ اس نے مجھے فلاں فلاں طریقے سے نقصان پہنچایا۔

تو یہ نادیدہ قوتوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کو جنات یا مخفی قوتیں کسی صورت بھی نظر نہیں آتی ہیں، لہٰذا انسان ایسی صورت میں غلطی کرتا ہے۔

خیر میرا یہ کہنا ہے کہ اب تم اس نوجوان کی جان چھوڑ دو اور اپنا راستہ لو...... ورنہ......“ اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

فوراً وہ جن بولا۔ ”ورنہ...... کیا...... اوئے تو اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں اس کی جان چھوڑ دوں گا۔ اس کی جان تو اس صورت میں چھوٹے گی کہ میرا خاتمہ ہوجائے۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے کہ میں کسی بھی صورت اس کی جان نہیں چھوڑنے والا۔

اور اگر تو نے مجھے زیادہ تنگ کیا تو میں اس کی جان لے کر ہی اسے چھوڑوں گا۔

تو کسی غلط فہمی میں نہ رہ...... ابھی تھوڑی دیر میں میرے قبیلے والے آنے والے ہیں...... اب تو اپنی جان کی خیر منا...... تیری اسی میں بھلائی ہے کہ اس نوجوان کو اپنے پاس سے چلتا کر اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو بہت پچھتائے گا۔“

اور پھر اس نوجوان پر سوار جن نے ایک زبردست نعرہ لگایا۔ کسی اور زبان میں جو کہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس کی آواز اتنی زوردار تھی کہ حکیم وقار کے مطب میں کام کرنے والے ملازم اور پھر حکیم وقار بھی اس کمرے میں چلے آئے۔

کمرے کے دروازے پر لوگوں کو دیکھ کر نوجوان قہقہہ لگانے لگا اور پھر رولوکا سے مخاطب ہوا۔

”دیکھ لے میں نے ایک آواز نکالی ہے...... میری آواز میں کتنا زور ہے...... اور اگر میں نے پوری قوت سے آواز نکالی تو تیرا یہ تمام جھونپڑا زمین بوس ہوجائے گا۔“

یہ سن کر رولوکا بولا۔ ”لگتا ہے تو شرافت کے الفاظ سے ناآشنا ہے۔ اب مجھے بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ تو نے اپنی حماقت دکھلا دی...... اب میں بھی تجھے اپنی طاقت دکھلا دوں...... پھر فیصلہ تو خود ہی کرے گا...... اب سنبھال اپنے آپ کو......“

اور یہ بول کر رولوکا نے اپنی شہادت کی انگلی سے فضا میں ایک دائرہ بنایا پھر چشم زدن میں وہ ان دیکھا دائرہ سفید دھوئیں میں منتقل ہوگیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ وہ دائرہ نوجوان کے سر کے اوپر آکر فضا میں ٹھہر گیا، پھر آہستہ آہستہ وہ دائرہ نیچے کو کھسکنے لگا۔

نوجوان مسکراتے ہوئے اس دائرے کو دیکھتا رہا، پھر اس نے اپنے ہاتھ کی انگلی اوپر کو اٹھائی...... مگر یہ کیا اس کی انگلی کو کسی نادیدہ قوت نے بڑے زور سے نیچے کو موڑ دی۔

اور پھر اتنی دیر میں سفید دھوئیں کا دائرہ اس نوجوان کے سر کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

اس کے بعد نوجوان کی فلک شگاف چیخ اچانک بلند ہوئی...... ”اوئے مجھے چھوڑ دے...... ارے اوئے میں مرگیا...... مجھے چھوڑ دے...... مجھے جانے دے...... میں اس کی جان چھوڑ کر چلا جاتا ہوں۔“

نوجوان اس طرح کے الفاظ میں چیختا رہا کہ پھر

ایک اور منظر رونما ہوا...... اچانک ایک گول چھوٹی گیند سے مشابہہ گولا نظر آیا جو کہ آہستہ آہستہ اوپر سے آ کر نوجوان کے سر کے اوپر گول گول گھومنے لگا اور پھر وہ گولا نوجوان کے سر پر ٹک گیا۔

گولے کا نوجوان کے سر پر ٹکنا تھا کہ نوجوان دھپ سے فرش پر گر گیا اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اتنے میں رولوکا نے اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا تو وہ نوجوان فرش سے اوپر کو اٹھا اور پھرکی کی طرح فرش پر بڑے زور سے گھومنے لگا۔

ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ نوجوان نہیں بلکہ اس نوجوان سے مشابہہ کوئی بڑا لٹو گھوم رہا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ گول گول گھومنے کی اس کی رفتار کم ہوتی چلی گئی...... لیکن نوجوان پر سوار جن کی چیخیں بلند ہوتی رہیں کہ جیسے اسے ذبح کیا جا رہا ہو۔

اور پھر ایک وقت آیا کہ وہ بالکل ساکت ہوگیا۔ اس کے ساکت ہوتے ہی سفید دھوئیں کا دائرہ اور اس میں موجود روشنی کا گولا الگ ہو کر ہوا میں تحلیل ہوگئے۔

اور پھر وہ نوجوان دھپ سے فرش پر گر کر بے ہوش ہوگیا تو رولوکا کے منہ سے نکلا۔ ''خس کم جہاں پاک۔''

اس کے بعد اپنے پاس پڑے گلاس میں سے چلو میں پانی لیا اور نوجوان کے چہرے پر چھڑک دیا۔ ''پانی کا نوجوان کے چہرے پر گرنا تھا کہ اچانک وہ نوجوان کسمساتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور اس جگہ موجود سب کو اس کے علاوہ رولوکا کو بھی اچنبھے کی حالت میں دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

پھر رولوکا نے اس کے بعد گلاس میں بچے ہوئے پانی پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور نوجوان سے بولا۔ ''صاحبزادے یہ سارا پانی پی جاؤ۔''

یہ سنتے ہی نوجوان نے ہاتھ بڑھا کر گلاس پکڑا اور گلاس کو منہ سے لگا کر گلاس کا سارا پانی ایک ہی سانس میں پی گیا۔

پانی پینے کے بعد نوجوان لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس کے بعد رولوکا نوجوان کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں سے بولا۔ انہیں کسی بھی طرح جگانا نہیں ہے۔ یہ خود اپنی نیند سے جاگ جائیں گے تو انہیں ایک گلاس گرم گرم دودھ دینا ان سے کسی قسم کا سوال جواب نہ کرنا۔ انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہے گا...... تمام باتیں ان کے دماغ سے مٹ چکی ہوں گی۔

اور ویسے اگر بعد میں باتوں باتوں میں ذکر چل جائے تو کوئی بات نہیں۔

جو کچھ بھی تھا ان کے ساتھ آپ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ بہت ہی ہٹ دھرم جن تھا۔ حالانکہ میری تمام کوشش تھی کہ وہ میری بات مان لے اور اس کی جان چھوڑ دوں، دراصل اسے اپنی اور اپنے قبیلہ والوں کی طاقت پر گھمنڈ ہوگیا تھا۔

جب اس کا ایک ساتھی جس کا نام شامولا تھا۔ جب وہ یہاں سے گیا تو میں نے اپنے کئی کارندوں کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ میرے کارندے اس کے پیچھے پیچھے اس کے قبیلہ تک گئے اور پھر انہوں نے اس نوجوان جن نام جس کا لوقاف تھا اس کی پوری روداد اس قبیلہ کے گوش گزار کردی تو سردار نے اپنے تئیں اس نوجوان جن سے خفیہ طور پر رابطہ کیا مگر وہ نوجوان جن اپنی ضد پر اڑا رہا۔ کسی صورت بھی اس نے اپنے سردار کی بات نہیں مانی تو سردار نے مجھ سے دماغی رابطہ کیا اور بولا کہ ''اس بدبخت کا آپ خاتمہ کردیں۔''

لہٰذا میں نے اس کا خاتمہ کردیا۔ دراصل میری اپنی مرضی قطعی نہیں تھی کہ میں اس کا خاتمہ کردوں مگر وہ اپنی ضد پر ڈٹا رہا۔ اور پھر اس نے اپنے سردار کی بات نہیں مانی تو پھر ایسا انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔ اور اگر اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تو اس نے فوراً اس نوجوان کا خاتمہ کردیتا اور ساتھ ہی اس کے پورے گھرانے کا بھی خاتمہ کردیتا۔

جب ایسا مرحلہ آتا ہے تو کسی عامل یا عالم کی یہ مرضی نہیں ہوتی کہ ارواح خبیثہ یا پھر کسی جن کو جلا کر خاکستر کردیا جائے یا پھر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کہیں قید کردیا جائے۔

اور قید کرنے میں یہ ڈر رہتا ہے کہ ایک طویل عرصہ بعد یا پھر کسی بھی وجہ سے وہ نادیدہ قوت آزاد ہو جاتی ہے تو وہ انتقام پر اتر آتی ہے، اتنے عرصہ میں وہ عامل بقید حیات تو نہیں رہتا یا پھر وہ اس جگہ سے کہیں دور جا چکا ہوتا ہے تو وہ نادیدہ قوت اس سے بغیر انتقام لئے شانت نہیں ہوتی اور یہی نہیں بلکہ اسے اور اس کے گھرانے کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

اس لئے سمجھدار عامل ہمیشہ کسی قوت کو قید کرنے سے کتراتے ہیں...... زیادہ تر تو یہ کوشش کرتے ہیں کہ قسم وغیرہ کھلا کر چھوڑ دیتے ہیں...... اور قسم ہمیشہ ''حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام'' کی ہوتی ہے۔ یعنی جن بولتا ہے۔ ''میں قسم کھاتا ہوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی کہ میں آئندہ ادھر کا رخ نہیں کروں گا یا پھر میں آئندہ اس کو یا اس کے کسی گھر والے کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔'' اس قسم کے بعد جن کوئی اور قدم نہیں اٹھاتا۔

خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب آپ لوگ بے فکر ہو کر گھر جائیں اور انہیں ساتھ لے جائیں، یہ بالکل ٹھیک ہو چکے ہیں۔ کسی قسم کا بھی اندیشہ نہ کریں۔'' اور یہاں تک بول کر رولوکا خاموش ہو گیا۔

وہ چاروں شخص اٹھے اور نوجوان کو بھی پکڑ کر اٹھایا اور پھر انہوں نے باری باری رولوکا سے مصافحہ کیا اور رولوکا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے حکیم وقار کے مطب سے باہر کو نکلتے چلے گئے۔

جب پانچوں شخص کمرے سے نکل گئے تو رولوکا مانی کی طرف متوجہ ہوا۔ ''جناب سب سے پہلے تو میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔ خیر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نوجوان پر سوار جن کتنا ہٹ دھرم تھا۔ اگر شرافت سے بات مان لیتا تو اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتا۔ خیر جوانی اور نوجوانی میں چاہے انسان ہوں یا پھر کوئی اور مخلوق ایسا ہی مزاج ہوتا ہے۔

اچھا اب آپ سنائیں کہ کیسے آنا ہوا۔ یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ آپ مشہور و معروف مانی پہلوان ہیں۔ آپ کے ساتھ کیا مسائل ہیں۔ تفصیلات بتائیں تاکہ میں اس پر غور کر سکوں۔'' رولوکا بولا۔

رولوکا کی بات سن کر مانی گویا ہوا...... اور پھر مانی نے شروع سے لے کر آخر تک کی اپنی اور اپنے استاد التمش عرف دینو بابا کی روداد سنا دی۔

پوری روداد سننے کے بعد رولوکا بولا۔ ''آپ بالکل بھی فکر نہ کریں اور جا کر دینو بابا کو بتا دیجئے گا کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک ہو سکا پہلے تو میں اپنے تئیں زالوشا کو خفیہ طریقے سے تولوں گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور موجودہ اس کی طاقت کتنی ہے...... اور ان دنوں وہ کس حال میں اور کس علاقے میں موجود ہے اور اگر موجود ہے تو کس شکل میں ہے اور اس کی موجودہ مصروفیات کیا ہیں۔ یا پھر وہ کس طرح کے پروگرام کو مرتب دے رہا ہے اور آنے والے وقتوں میں وہ کیا کرنا چاہتا ہے......

اور پھر یہی نہیں بلکہ اس کے دماغ میں آپ اور دینو بابا کے لئے کیا خیالات ہیں اور ان پر وہ کیا عمل کرے گا اور اس کے لئے وہ کیسا قدم اٹھائے گا۔'' یہ بول کر رولوکا چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر گویا ہوا۔

''میرا دماغ کہتا ہے کہ زالوشا...... عجلت میں کوئی قدم اب نہیں اٹھائے گا...... کیونکہ وہ دینو بابا سے مات کھا چکا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ اسے دوبارہ ''شابولا'' کو جو کہ اس کی مخفی طاقت کا سرچشمہ ہے اسے حاصل کرنے کے لئے طویل جاپ کرنا پڑے گا۔

بغیر شابولا کے وہ ادھورا ہے۔ تو سب سے پہلے وہ شابولا کو حاصل کرے گا اس کے بعد کہیں جا کر وہ آپ کے اور دینو بابا کے متعلق سوچے گا۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ دشمن کو کسی حال میں کمزور نہ جانو۔ اپنے خطرناک دشمن کی طرف سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے۔

آپ جس امید کے ساتھ میرے پاس آئے ہیں تو جہاں تک مجھے امید ہے کہ آپ کو مایوس نہیں ہونا پڑے

گا۔ میری حتیٰ الامکان کوشش ہوگی کہ زالوشا سے آپ کی اور دینو بابا کی جان چھوٹ جائے۔

دراصل طریقہ یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اپنے دشمن کی طاقت کے معاملے میں مکمل معلومات حاصل کی جائے کہ میرا دشمن اندرونی اور بیرونی طور پر کتنی طاقت رکھتا ہے۔ اور وقت پڑنے پر وہ کون کون سے حربے استعمال کرسکتا ہے۔

اس کی اپنی طاقت کے علاوہ بھی کوئی ایسا ہے جو بروقت اس کی مدد کو آجائے اور پھر ایسی صورت میں حملہ آور پسپا ہوجاتا ہے۔

عقلمند اور ذی شعور لوگ ہمیشہ اپنے دشمن کے متعلق پوری معلومات حاصل کرتے ہیں تب کہیں جا کر اپنے دشمن کی طرف بڑھتے ہیں۔ مگر وہ ڈائریکٹ حملہ نہیں کرتے بلکہ پہلے وہ کوئی نہ کوئی ایسا بہانہ ڈھونڈتے ہیں جس سے دشمن کو پتا لگے کہ اس نے واقعی غلطی کی ہے۔

اور پھر اس بنا پر اس کا مدمقابل اس کے سامنے آ گیا ہے۔ اور ایسی صورت میں وہ دشمن نفسیاتی طور پر اندر ہی اندر اپنے آپ کو قصوروار گردانتا ہے اور اس طرح وہ ذہنی طور پر کمزور خود کو محسوس کرنے لگتا ہے اور یہی سامنے والے کی کامیابی ہوتی ہے۔

مانی صاحب آپ کی سنائی ہوئی تمام باتوں سے میں نے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ زالوشا...... بہت شاطر ہے اور بہت سوچ سمجھ کر اپنے مدمقابل کی طرف بڑھتا ہے۔

اور ایک بات یہ بھی اٹل ہے کہ جو اپنے دشمن کے گرد جب کوئی جال بچھاتے ہیں تو سامنے کے علاوہ سب سے پہلے اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی پشت پر کوئی دبنگ ٹائپ کی قوت ہے جو کہ وقت پڑنے پر اس کی مدد کو آجائے گی۔

ایسی صورت میں اس طاقت کے راستے میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں یا پھر مضبوط بند باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ پشت پناہی کرنے والی قوت اس تک بر وقت نہ پہنچ پائے اور پھر سامنے والے کی پسپائی ہوجائے یا پھر اس کا خاتمہ ہوجائے۔

لہٰذا سب سے پہلے میں خفیہ طور پر زالوشا...... کی نگرانی پر اپنے کارندوں کو لگاؤں گا تاکہ اس کی مکمل معلومات مجھے دیں کہ وہ کیا شے ہے، روزمرہ کی اس کی معمولات کیا ہیں...... اور اس کی اصل طاقت کیا ہے......

اور جب یہ معلوم ہوجائے گا تو اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ہوجائے گا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ دونوں کی حفاظت بھی میری ذمہ داری میں شامل ہوگی کہ کہیں زالوشا...... آپ دونوں کی طرف نہ دوڑ پڑے۔

اور جب کسی طاقتور نادیدہ قوت کے گرد گھیرا تنگ کیا جاتا ہے تو اسے فوراً پتا لگ جاتا ہے کہ اس کے گرد گھیرا ڈال دیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے تئیں بڑی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس گھیرے کو توڑ ڈالے اور فرار حاصل کرلے اور اگر وہ زیادہ طاقتور ہوتا ہے تو گھیرا ڈالنے والے کو پچھاڑ دیتا ہے یا اگر کمزور ہوتا ہے تو طاقتور قوت کے ہاتھوں زیر ہوجاتا ہے۔

اور جب زالوشا...... کے گرد کسی قسم کا گھیرا ڈالا جائے گا تو وہ ہر صورت کوشش کرے گا کہ اس گھیرے کو توڑ ڈالے۔ اور گھیرا ڈالنے والے کو نیست و نابود کرڈالے۔

یہی نہیں بلکہ مجھے تو اس کے قبیلے والوں سے بھی رابطہ کرنا پڑے گا کیونکہ ان کے گوش گزار کرنا پڑے گا کہ آپ کے نکالے ہوئے فرد نے لوگوں کی عام زندگی میں زہر گھول رکھا ہے وہ آئے دن مخلوق خدا کو طرح طرح کی اذیت میں مبتلا کررہا ہے......

اور جب اس پر سختی ہوگی تو تھک ہار کر وہ اپنے قبیلہ کی جانب بھاگے گا اور جب اس کی جان پر بن آئے گی تو اپنے قبیلہ کے سردار کے پاؤں پڑ کر التجا کرے گا کہ میں آئندہ آپ کے بنائے ہوئے قانون پر من وعن عمل کروں گا، آپ کی ہر بات کی تعمیل کروں گا۔ آپ مجھے بچالیں...... اور آپ نے میری مدد نہ کی تو ایک عام آدم زادم مجھے ہلاک کردے گا۔"

وہ روئے گا چلائے گا گڑگڑائے گا...... اور جب وہ پاؤں پر پڑ کر گڑگڑائے گا تو یقیناً سردار کو اس پر رحم و ترس

آئے گا اور پھر اس کی بچت کے لئے اس عامل کی طرف بڑھے گا جو کہ اس کے گرد گھیرا ڈال رہا ہے جب کسی نادیدہ قوت کو اپنے قبضے میں کیا جاتا ہے یا پھر اسے زیر کر کے اپنا غلام بنایا جاتا ہے تو وہ نادیدہ قوت شروع شروع میں تو بہت اچھلتی کودتی ہے۔

طرح طرح کے حربے آزماتی ہے۔ عامل اور زیر کرنے والے فرد کو ڈراتی دھمکاتی اور عجیب الخلقت شکلوں میں آتی ہے تا کہ عامل ڈر کر اور خوف کھا کر بھاگ جائے۔ اور ایسی صورت میں وہ نادیدہ قوت اسے اپنی گرفت میں لے کر اس کا خاتمہ کر دیتی ہے، یا پھر کبھی کبھی وہ قوت کمزور عامل یا زیر کرنے والے کو پوری زندگی اذیت دیتی رہتی ہے۔

لہٰذا ایسے کرنے والے بہت سوچ سمجھ کر کسی پر ہاتھ ڈالتے ہیں...... اور جو بغیر سوچے سمجھے کسی پر ہاتھ ڈال بیٹھتے ہیں تو وہ بعد میں بہت پچھتاتے ہیں۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ بغیر منجھے ہوئے اور بغیر استاد والے عامل عموماً جانی و مالی نقصان اٹھاتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اسی لئے ضروری ہے کہ بہت پہنچے ہوئے شخص کو اپنا استاد بنانا چاہئے اور استاد یا پیر و مرشد اتنا پہنچا ہوا ہو کہ اپنے چیلے کی پوری خبر رکھتا ہو کہ میرا چیلا اندرونی طور پر کتنا مضبوط ہے اور کون سا عمل کرایا جائے کہ وہ اس عمل پر پورا اترے گا۔

کسی بھی نادیدہ قوت یا پھر کسی جن پر قابو پانا بہت جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔

مانی صاحب آپ میری باتیں سن کر فکر مند نہیں ہونا...... بس ایسی باتیں کر کے میں نے سمجھا دیا کہ ایسے کاموں کو بہت زیادہ آسان نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ ہر کام کو انجام تک پہنچانے کے طور طریقے ہوتے ہیں اور جب کوئی طریقے سے وہ کام کرتا ہے تو اس میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

آپ بے فکر ہو کر گھر جائیں اور دینو بابا سے کہہ دیجئے گا کہ وہ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔

آج سے آپ دونوں کی حفاظت میری ذمہ داری میں شامل ہے۔ میں اپنے تئیں کسی بھی وقت آپ کے دینو بابا سے بھی مل لوں گا۔

اور اپنے کارندوں کے سپرد یہ کام لگا دوں گا کہ وہ سرسری طور پر یہ معلوم کریں کہ زالوشا...... آج کل کس کونے کھدرے میں پڑا ہوا ہے۔

سب سے پہلا کام زالوشا...... کا ٹھکانہ معلوم کرنا پڑے گا...... پھر کہیں جا کر اس کی نگرانی شروع ہوگی۔‘‘

یہاں تک بول کر رولو کا خاموش ہو گیا۔

پھر مانی بولا۔ ’’حکیم صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری عزت رکھ لی اور آپ ہماری خوشی کے لئے اپنے آپ کو ہلکان میں ڈالیں گے، ہم تو اس قابل نہیں کہ اس کام کا کوئی اجر دے سکیں......

بس ہم آپ کے لئے صرف دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے...... اور آپ کو ہر کام میں کامیابی عطا کرے اور آپ کو اور زیادہ طاقت و قوت دے کہ آپ لوگوں کی پریشانیاں دور کر سکیں۔

اچھا اب میں چلتا ہوں...... میں نے آپ کا کافی وقت لیا۔‘‘ اور پھر مانی نے رولوکا سے مصافحہ کیا اور رولوکا کے کمرے سے نکلتا چلا گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد اپنے گھر پہنچ گیا۔

گھر میں دینو بابا اس کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ مانی کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ مانی کے چہرے سے بھی خوشی عیاں ہو رہی تھی۔

جب مانی گھر سے نکلا تو اس نے دینو بابا کو بتا دیا تھا کہ میں حکیم وقار کے مطب جا رہا ہوں جہاں کہ رولوکا صاحب سے ملنا ہے۔

دینو بابا نے مانی کو فوراً چارپائی پر بیٹھایا اور اس کے لئے دوڑ کر گھڑے سے ٹھنڈا پانی لے آئے۔ مانی کو واقعی بہت شدت کی پیاس لگی تھی۔ گلاس ہاتھ میں لیتے ہی گلاس کا سارا پانی غٹا غٹ پی گیا۔ پانی پینے کے بعد اس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور پھر دینو بابا پر نظریں گاڑے مسکرانے لگا۔

پھر وہ گویا ہوا۔ ”دینو بابا میں نہ کہتا تھا کہ رولوکا صاحب بہت زیادہ شفیق و مہربان ہستی ہیں...... وہ اس قدر مہربان ہیں کہ اس کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

آج میں چشم دید ان کی کرامات اور طاقت کو دیکھ کر آ رہا ہوں...... میرے سامنے انہوں نے ایک نوجوان پر سے ایک سرکش اور ضدی جن کو جلا کر خاکستر کردیا۔ شروع شروع میں تو وہ اس جن کو بہت پیار و محبت اور نرمی سے سمجھاتے رہے...... مگر وہ جن اپنی ضد پر اڑا رہا۔

رولوکا صاحب کی حتیٰ الامکان کوشش تھی کہ وہ ان کی بات مان لے اور اس نوجوان کی جان چھوڑ دے مگر عجیب وہ جن تھا، رولوکا صاحب پر اس جن نے کئی حملے کئے مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ آخر میں اس جن نے بول دیا کہ ”اگر تجھ میں طاقت ہے تو مجھے مار دے، ورنہ میں کسی صورت بھی اس نوجوان کو نہیں چھوڑوں گا۔ اور اگر تو زیادہ ضد کرے گا تو میں خود اس نوجوان کو جان سے مار ڈالوں گا۔“

اور جب ایسی صورت آگئی تو پھر رولوکا صاحب نے مجبوراً نہ چاہتے ہوئے اسے جلا کر خاک کردیا۔ اور ایسا کرنے کے بعد وہ کافی دیر تک افسوس کرتے رہے اور بولتے رہے کہ ”کاش! یہ سرکش اپنی سرکشی اور ضد چھوڑ دیتا تو اپنے اس انجام کو نہ پہنچتا۔“ اور یہ بول کر مانی خاموش ہوگیا پھر چند لمحے بعد گویا ہوا۔

آج سے پہلے میں نے اپنی زندگی میں ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی سنا تھا۔ انہوں نے سردار جن سے ذہنی طور پر رابطہ کیا اور ساری باتیں ہو بھی گئیں۔ یہ تو بالکل اچنبھے والی باتیں ہیں کہ ایک شخص سیکڑوں بلکہ ہزاروں میل دور بیٹھا ہے اور بغیر کسی مدد سے تمام باتیں کہہ رہا ہے اور اس کی سن بھی رہا ہے۔

چشم زدن میں جب وہ اس کام سے فارغ ہوئے تو پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔ ”محترم میں معذرت خواہ ہوں، کہ میری وجہ سے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ دراصل وہ خبیث جن تھا ہی اس قدر ہٹ دھرم کہ مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا قدم اٹھانا پڑا۔

خیر ایسا تو بعض اوقات ہوتا ہے۔ آپ فرمائیں کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔“

اس کے بعد میں نے اپنی اور آپ کی ساری باتیں ان کے گوش گزار کردیں۔ انہوں نے بہت ہی دلجمعی اور لگن سے میری ساری باتیں سنیں، اس کے بعد بہت ہی مفصل طور پر زالوشا...... سے چھٹکارہ پانے کے راستے بتائے۔

ان کا کہنا ہے کہ ”سب سے پہلے میں زالوشا...... کی طاقت کو تولوں گا تاکہ مجھے معلوم ہوجائے کہ وہ کتنے پانی میں ہے، کتنی طاقت کا وہ حامل ہے، کہاں تک وہ جاسکتا ہے اور کیا کیا اوچھے ہتھکنڈے کرسکتا ہے۔ آج کل کس کونے کھدرے میں پڑا ہے اور روز مرہ کی مصروفیات کیا ہیں اور پھر یہی نہیں بلکہ اس کے قبیلہ کے سردار سے بھی رابطہ کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب میں اس کی ساری حقیقت جان کر اس کے گرد تنگ گھیرا ڈالوں تو وہ وقت اور اپنی اذیت سے بلبلا اٹھے اور ایسی صورت میں جب اسے کہیں اور جائے پناہ نہ ملے تو مجبوراً اپنے قبیلہ کی طرف بھاگ کھڑا ہو، اور قبیلہ کے سردار کے پاؤں پڑ کر گڑگڑانے لگے اور توبہ تلا کرنے کے بعد کہے کہ ”سردار مجھ پر رحم کرو...... سردار مجھے بچالو...... سردار آئندہ میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا، اور نہ ہی آپ کی کسی بات کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں گا۔

اور پھر اس صورت میں سردار اسے معاف کردے اور پھر سردار ہی نہیں بلکہ پورا قبیلہ میرے پیچھے بھاگ کھڑا ہو جبکہ وہ سارا قبیلہ ہو اور میں تن تنہا۔

تو کیا ایک فرد پورے قبیلے کا مقابلہ کرسکتا ہے، ہرگز نہیں، لہٰذا سب سے پہلے زالوشا کی تمام غلط حرکتوں کے متعلق سردار کو بتانا پڑے گا کہ جناب آپ کے قبیلے کا یہ فرد انسانی بستی میں گھس کر جو نہ کرنے کو وہ کررہا ہے...... آدم زاد کو خواہ مخواہ اذیت و کرب سے

دو چار کر رہا ہے، صرف اور صرف اپنی خواہش کے پیش نظر...... آپ برائے مہربانی اسے لگام دیں...... ورنہ آپ ہمیں یہ اجازت دیں کہ ہم خود اسے لگام ڈال دیں۔

اس صورت میں یقیناً سردار کوئی اہم قدم اٹھائے گا، اس سے رابطہ کرے گا یا پھر اس کے اوچھے ہتھکنڈوں کے متعلق اپنے قبیلہ کے محترم لوگوں سے گفت وشنید کرے گا۔ اس کے بعد اس کے متعلق کوئی اہم فیصلہ کرنے کے بعد مجھے اجازت دے گا کہ وہ ہر صورت میں نافرمان ہے...... ہم نے بھی بہت کوشش کر لی تھی مگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہا اور پھر مجبوراً ہم نے اسے قبیلہ بدر کر دیا۔

لہٰذا یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ جو چاہیں اس کے ساتھ سلوک کریں۔

ایسی صورت میں اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ہو جائے گا...... اور اگر وہ راہ راست پر آ جائے تو ٹھیک ورنہ پھر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس کا خاتمہ لازمی ہوگا۔"

اس کے بعد وہ چند لمحے خاموش ہوئے پھر گویا ہوئے۔ "مانی صاحب آپ اپنے استاد دینو بابا سے کہہ دیجئے گا کہ وہ زیادہ دیر فکر مند نہ ہوں، میں کسی بھی وقت ان سے خود رابطہ کر لوں گا اور پھر ان کی زبانی کچھ جاننے کے بعد حتمی قدم اٹھاؤں گا۔

بہرحال میں وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کا کام ہو جائے گا، دراصل ہر بڑے کام کے لئے پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے، تب کہیں جا کر اس کام میں کامیابی ملتی ہے۔ بغیر کسی تیاری کے کوئی بھی بڑا کام اپنے انجام کو بہ احسن وخوبی انجام پذیر نہیں ہوتا اور جو لوگ بغیر کسی تیاری اور اپنی حفاظت کے بغیر دریا میں کود پڑتے ہیں، وہ ہر صورت پریشانی اٹھاتے ہیں، اور اکثر ناکام بھی ہوتے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے خوشی خوشی مجھے رخصت کیا اور بولے۔ "آپ لوگ قطعی فکر نہ کریں، آپ لوگوں کا کام بہت جلد اپنے انجام کو پہنچے گا اور دینو بابا بخیر و عافیت اپنی زندگی پوری کریں گے۔" اور اس کے بعد میں نے ان سے مصافحہ کیا اور گھر آ گیا۔

مانی کی باتیں سن کر دینو بابا بہت خوش ہوئے اور بولے۔ "مانی بیٹا اس سنسار میں مجھ سے کہیں زیادہ اعلیٰ ظرف لوگ موجود ہیں جو دوسروں کی خوشیوں کے لئے اپنی جان کو ہلکان میں ڈالتے ہیں اور بغیر کسی لالچ کے دوسروں کے کام آتے ہیں، جس دن یہ دنیا اچھے لوگوں سے خالی ہو جائے گی اس روز اس دنیا کا خاتمہ بھی ہو جائے گا۔

اس دنیا میں زالوشا...... جیسے بھی ہیں جو کہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے دوسروں کا گلا کاٹتے ہیں، دوسروں کو اذیت دے کر خوش ہوتے ہیں دوسروں کے کام میں خواہ مخواہ اڑنگا اڑاتے ہیں اور پھر دور بیٹھے تماشہ دیکھتے ہیں۔

اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب کسی کے پاس زیادہ طاقت آ جائے یا پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا پیروکار بن جائے، شیطان کا ہر کام مصلحت سے خالی ہوتا ہے، ہر کام میں شیطان رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے، کسی بھی اچھے کام کو انجام پذیر نہیں ہونے دیتا، خاص طور پر وہ کام جو کہ نیکی کے لئے کیا جائے، ہر نیکی کے کام میں شیطان زبردست رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے، اس کام کو روکنے کے لئے دلوں میں وسوسے ڈال دیتا ہے...... خون خرابہ اور جنگ وجدل کرا دیتا ہے۔

کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ سامنے والے کے دماغ میں گھس کر انا کا مسئلہ بنا دیتا ہے اور پھر اس انا کے چکر میں طاقتور بپھر جاتا ہے اور اپنے سامنے کے کمزور پر پل پڑتا ہے اور پھر اسے طاقت کے زوم میں مسل ڈالتا ہے۔ تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو خون کی ندیاں بہنے لگتی ہیں، اور پھر یہ سلسلہ برسوں تک چلتا رہتا ہے، لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ہر وقت اپنے دشمن پر سبقت لے جانے کی خاطر طرح طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں۔

خاص طور پر شیطان مذہبی معاملے میں زیادہ

رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔لوگوں کو مذہب کے معاملے میں الجھا کر دور کھڑا تماشہ دیکھتا رہتا ہے۔ جیسے کہ زالوشا جیسے۔

مانی تم اب ایسا کرو کہ جا کر نہالو اور پھر اس کے بعد کھانا کھاؤ، پھر تھوڑا آرام کرنے کے بعد کارخانے جا کر دیکھ بھال کر لینا کیونکہ تمہارا منشی آیا تھا...... اس کا کہنا ہے کہ مانی صاحب جیسے ہی تشریف لائیں تو ان سے کہہ دیجئے گا کہ ذرا کارخانے کا چکر لگا لیں۔ چند اہم کام ایسے ہیں کہ ان کا مشورہ ضروری ہے، بلکہ مانی صاحب کے بغیر وہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔'' دینو بابا نے بتایا۔

تو مانی بولا۔''ٹھیک ہے دینو بابا...... میں سب سے پہلے تو جا کر غسل کرتا ہوں اس کے بعد کھانے سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر آرام، پھر کارخانے کا چکر، میں چلا تو جاتا مگر آج گرمی کچھ زیادہ ہی عروج پر ہے۔''

اور یہ بولتے ہوئے مانی اٹھا اور صاف کپڑے لے کر غسل خانے میں جا گھسا۔

غسل سے فارغ ہو کر اس نے کھانا کھایا اور پھر چارپائی پر لیٹ کر آرام کے لئے اپنی آنکھیں موند لیں، وہ تو پہلے ہی تھکا ہوا تھا، چارپائی پر لیٹتے ہی نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

نیند میں یعنی اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہت ہی سرسبز اور خوب صورت وادی میں کھڑا ہے...... تاحد نگاہ ہر طرف ہرا ہی ہرا ہے...... خوشنما پرندے اپنی اپنی بولیاں بولتے ہوئے اڑتے پھر رہے ہیں۔

جابجا درختوں پر پھل لگے پڑے ہیں...... پکے پھلوں کی خوشبو ہر طرف رچی بسی ہے...... ٹھنڈی فرحت بخش ہوائیں چل رہی ہیں۔ جدھر بھی نگاہ اٹھتی ہے اس سمت طرح طرح کے پھول کھلے ہیں اور پھر ان پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے۔

مانی سوچ میں پڑ گیا کہ ایسی جگہ تو میں نے آج سے پہلے کبھی دیکھی نہیں، یہ کون سی جنت نظیر جگہ ہے۔ اتنی بڑی خوب صورت وادی اور پھر سوائے پرندوں کے کوئی اور نظر نہیں آ رہا ہے بلکہ صرف اور صرف میں ہی موجود ہوں۔

پھر اتنے میں اسے کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ فوراً پشت کی جانب پلٹ کر دیکھتا ہے کہ ایک سفید براق گھوڑا موجود ہے، اس پر زین کسی ہوئی ہے۔ گھوڑا خراماں خراماں چلتا ہوا اس کے قریب آ رہا ہے، چند گز اس سے دوری پر آ کر گھوڑا ٹھہر جاتا ہے کہ اتنے میں ایک مترنم آواز سنائی دیتی ہے۔ محترم شہزادے یہ گھوڑا صرف اور صرف آپ کے لئے ہے۔ آپ اس پر چڑھ جائیں اور پھر اس جنت نظیر وادی کی سیر کریں اور اس وادی کی دلکش نظارے سے لطف اندوز ہوں۔

یہ وادی بھی آپ ہی کی ہے، آپ ہی اس کے مالک و مختار ہیں۔ درختوں پر لگے ہوئے تمام پکے اور شیریں پھل آپ کے لئے ہیں۔ آپ ان پھلوں کو کھا کر شکم سیر ہو سکتے ہیں۔

بس آپ جس چیز کی بھی خواہش کریں گے تو پلک جھپکتے ہی وہ چیز آپ کے سامنے ہوگی، آپ اس وادی میں تنہا نہیں بلکہ بے شمار لوگ آپ کی خدمت کے لئے موجود ہیں، مگر سب کے سب آپ کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ آپ کسی بھی چیز کی خواہش کر سکتے ہیں۔''

یہ سن کر مانی تو بہت خوش ہوا...... اور اس کے دل میں آیا کہ اتنی خوب صورت اور دلکش وادی میں یقیناً آبشار ہونا چاہئے تھا۔ یہ سوچنا تھا کہ اس کی نظر جب سامنے اٹھی تو دیکھا کہ آبشار موجود ہے جس میں صاف و شفاف پانی رواں دواں ہے۔

پھر اس کے دماغ میں آیا کہ چلو اچھا ہے میں گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہوں۔ لیکن اتنی خوب صورت وادی اس قدر بے مثال گھوڑا...... اور میں عام لباس میں یہ کچھ جچ نہیں رہا کہ پھر جب اس کی نظر اپنے لباس پر پڑی تو حیران رہ گیا کیونکہ وہ زرق برق شہزادوں والے لباس میں موجود تھا، اتنے میں آواز سنائی دی، شہزادے آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں تاکہ یہ گھوڑا آپ کو پوری

وادی کی سیر کرائے۔ گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے آپ بالکل بھی نہ ہچکچائیں...... یہ گھوڑا آپ کی خواہشوں کے مطابق ہر قدم اٹھائے گا۔''

اس کے بعد مانی گھوڑے کی طرف بڑھا اور گھوڑے کا لگام پکڑ کر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ وہ جیسے ہی گھوڑے پر سوار ہوکر اس کی لگام ڈھیلی چھوڑی تو گھوڑا خود بخود ایک طرف کو دلکی چال سے چلنے لگے۔

پوری وادی میں دھوپ نہیں تھی بلکہ ایسا لگتا تھا کہ صبح کا ساماں ہو۔

تا حد نگاہ پھیلی ہوئی خوشبو سے لبریز خوب صورت وادی اور ایک بھی انسان کا موجود نہ ہونا بات تو تھی اچنبھے والی۔

مانی کے دل میں خیال آیا کہ ''کاش وادی میں کوئی خوب صورت لڑکی ہوتی؟''

مانی کا اتنا سوچنا تھا کہ وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک حسن کا مرقع لڑکی سامنے ٹہل رہی ہے جو کہ ہر بات سے بیگانہ نظر آرہی تھی۔ گھوڑا خود بخود اس لڑکی کی طرف خراماں خراماں بڑھنے لگا اور پھر اس لڑکی کے قریب جاکر سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔

لڑکی کی نظر جیسے ہی مانی پر پڑی تو اس کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ نمودار ہوئی اور لڑکی کی مترنم آواز مانی کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''شہزادے میں کافی دیر سے صرف آپ کا انتظار کررہی ہوں...... آپ گھوڑے سے نیچے اتریں...... آپ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہوں گے۔'' اور یہ بولتے ہی اس لڑکی نے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور اپنا سر خم کرتے ہوئے اشارہ کیا کہ اب آپ گھوڑے سے اتر جائیں۔

لڑکی کا اشارہ پاتے ہی مانی گھوڑے سے نیچے اترا...... تو لڑکی نے جھٹ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑلیا اور بولی۔ ''اب آپ گھوڑے کو چھوڑ دیں...... یہ آپ کا گھوڑا ہے اور یہ کہیں اور نہیں جائے گا بلکہ گھاس چرتا رہے گا جب آپ نے جانا ہوگا تو یہ آپ کے قریب خود بخود آجائے گا۔''

یہ سنتے ہی مانی نے گھوڑے کو تھپکی دی تو تھوڑا ایک طرف کو چلنے لگا۔ اس لڑکی نے ابھی تک مانی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

لڑکی کیا تھی لگتا تھا کہ آسمان سے اتری ہوئی اپسرا ہے۔ ہلکے گلابی رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔ لڑکی کی رنگت بے مثال ایسا کہ جیسے میدے کو گوندھ کر اس میں برائے نام ہلکا گلابی رنگ ملا دیا گیا ہو، دلکش ہونٹ مثل گلاب کی پنکھڑی جیسے، جھیل جیسی گہرائی لئے ہوئے غزالی آنکھیں، لمبے سیاہ بل کھاتے ہوئے بال جو کہ کمرے سے نیچے کو آرہے تھے...... ستواں ناک، عجیب دلکش دلفریب صراحی دار گردن...... کہ اچانک مانی کے دماغ میں یہ شعر ابھرا۔

سو بار بنا کر مالک نے سو بار مٹایا ہوگا
تب جا کر یہ حسن مجسم اس رنگ پر آیا ہوگا

مانی کی نظریں تھیں جو کہ اس حسن مجسم پر ٹک کر رہ گئی تھیں...... مجال ہے کہ مانی کی نظریں اس پر سے ایک پل کو بھی جھکیں کہ اتنے میں لڑکی نے مانی کی نظروں کی تپش محسوس کرلی اور پھر ایک ادائے ناز سے مسکراتے ہوئے بولی۔ شہزادے آپ اس طرح یک ٹک کیوں دیکھ رہے ہیں۔ میں بھی تو آپ ہی کی ہوں، میں صرف اور صرف آپ کی خدمت گار ہوں۔

سر خم تسلیم ہے جو مزاج آپ میں آئے

ارے ہاں میں تو بھول ہی گئی آپ کو یقیناً بھوک بھی لگی ہوگی۔ آپ چند پل ٹھہریں میں آپ کے لئے شیریں پھل لے آتی ہوں۔''

یہ سنتے ہی مانی بولا۔ ''نہیں آپ میرے قریب رہیں...... آپ کی دوری میرے لئے ناقابل برداشت ہوگی...... میں چاہتا ہوں کہ میں یک ٹک آپ کو دیکھتا رہوں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ۔

تم قدرت کا وہ حسین شاہکار ہو، جسے دل چاہتا ہے کہ سونے کے فریم میں سجا کے اور تمہارے حسن کی دلکشی میں کھو کر اسے ابدی فتح بنالوں۔''

یہ سن کر لڑکی بولی۔ شہزادے میرا نام چاندنی

ہے...... میں امن پور کی شہزادی ہوں...... بس یہ سمجھ لیں کہ میں آپ سے ملن کے لئے جنم جنم سے انتظار کررہی ہوں...... میں نے کہاں کہاں آپ کو تلاش نہ کیا...... میں نے چپہ چپہ چھان مارا...... مگر آپ کا دیدار نہ ہوا...... اور آج میرے من کی آرزو پوری ہوگئی کہ آپ مجھے مل گئے...... اب آپ سے میری دوری مجھے ہلاک کردے گی۔''

پھر چاندنی نے اپنے ہاتھوں سے تالی بجائی تو چشم زدن میں کئی لڑکیاں وہاں نمودار ہوگئیں، ان لڑکیوں کو دیکھ کر چاندنی بولی۔ ''کنیزوں شہزادے کے آرام کے لئے محل کے دروازے کھول دو...... شہزادے کافی تھکے ہوئے ہیں اور اب یہ آرام فرمائیں گے۔''

یہ سن کر کنیزیں بولیں۔ ''شہزادی صاحبہ ہم نے محل کا دروازہ پہلے ہی کھول دیا ہے۔ آپ شہزادے سے کہیں کہ وہ محل میں تشریف لے چلیں۔''

چاندنی بولی۔ ''شہزادے آپ محل میں تشریف لے چلیں۔'' اور یہ بولتے ہی چاندنی نے مانی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سامنے کی طرف اپنے قدم بڑھادیئے۔

ابھی وہ چند قدم ہی چلے تھے کہ مانی نے دیکھا کہ ایک عالیشان محل سامنے موجود ہے۔

خیر مانی کا ہاتھ پکڑے ہوئے چاندنی مانی کو لے کر محل میں داخل ہوگئی۔ اور پھر راہداریوں سے ہوتی ہوئی ایک کمرے کے سامنے جارکی اور بولی۔ ''شہزادے یہ آپ کا کمرہ ہے آپ اندر تشریف لے چلیں۔'' اور پھر دونوں اس کمرے میں داخل ہوگئے۔

اندر سے کمرہ اتنا خوب صورت اور سجا ہوا تھا کہ اسے دیکھ کر مانی کی آنکھیں چندھیانے لگیں، وہ حیرت سے ہر ایک شے کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں چاندنی نے مانی کا ہاتھ پکڑ کر آرام دہ دبیز مخملی بستر پر بیٹھادیا اور خود اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

تمام کنیزیں دروازے کے باہر ہی رک گئی تھیں۔ کیونکہ چاندنی نے ان سب سے کہہ دیا تھا کہ جب تک میں آواز نہ دوں کوئی بھی اندر قدم نہ رکھے۔ یہ سن کر کنیزوں نے جواب دیا کہ ''جی شہزادی صاحبہ۔''

پورے کمرے میں بھینی بھینی دل موہ لینے والی دلکش خوشبو رچی بسی تھی۔ آرام دہ دبیز بستر، دلکش خوشبو اور حسین چاندنی کا قرب!!

مانی کے پورے جسم میں اور دل و دماغ پر خمار چھانے لگا، اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں، چاندنی اس کے اور قریب...... اور قریب ہوگئی اور اپنی نرم و نازک انگلیاں مانی کے بالوں میں پھیرنے لگی، اس عمل سے مانی کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس کا من ہواؤں میں اڑنے لگا، اس پر سرشاری کی کیفیت طاری ہونے لگی اور پھر جب اس سے اپنی اندرونی کیفیت ناقابل برداشت ہونے لگی تو اس نے چاندنی کو اپنے بازوؤں کے حصار میں دبوچ لیا۔

اور پھر وہ ہیجانی کیفیت سے دوچار ہوکر چاندنی کے چہرے پر جھکتا چلا گیا۔ اور پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر چاندنی کے حسن کے سمندر میں غوطہ زن ہوگیا۔

مانی کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا...... ''چاندنی میں کسی صورت بھی تم سے دور نہیں ہوسکتا...... ایک پل کی بھی تم سے دوری میں برداشت نہیں کرسکتا...... تمہاری......'' اور مانی کی بات ادھوری رہ گئی۔

کیونکہ دینو بابا کا ہاتھ اس کے ماتھے پر تھا...... ''مانی بیٹا...... اذان ہوچکی ہے...... چلو اٹھ کر نماز فجر ادا کرو......''

اور پھر مانی کی آنکھ فوراً کھل گئی...... اور جب مانی کی نظر دینو بابا پر پڑی تو دینو بابا کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی...... آج دینو بابا بہت زیادہ مسکرارہے تھے۔

خیر مانی جھٹ اپنے بستر سے اٹھا اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد وضو کیا اور پھر نماز فجر کے لئے مسجد کی جانب چل پڑا۔

مسجد سے جب لوٹا تو صبح کا اجالا ہر سو پھیل رہا تھا۔ گھر آیا اور ناشتہ کیا۔

دینو بابا کی نظریں اس پر عجیب انداز سے مرکوز تھیں...... اور دینو بابا اسے دیکھ کر مسکرائے جارہے تھے۔

''دینو بابا...... آج آپ زیادہ مسکرا رہے ہیں...... خیر تو ہے ناں؟'' مانی نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا...... بات ہی ایسی ہے...... آج نیند میں تم یہ چاندنی...... چاندنی...... میں تم سے ایک پل کے لئے بھی دوری برداشت نہیں کرسکتا......'' بار بار دہرا رہے تھے۔ اب تم بتاؤ کہ خیر تو ہے ناں...... یہ اچانک تمہارے خیالوں میں چاندنی کہاں سے آ گئی...... اور یہ چاندنی ہے کون؟ جو کہ ہمارے بیٹے کو نیند میں بھی تنگ کررہی ہے۔'' دینو بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دینو بابا دراصل میں ایک بہت ہی دلکش اور حسین خواب دیکھ رہا تھا۔'' ...... اور پھر مانی نے شروع سے آخیر تک خواب دینو بابا کو سنا دیا...... پھر بولا۔ ''دینو بابا حالانکہ آج رات سے پہلے اس قسم کا خواب مجھے کبھی بھی نظر نہیں آیا۔''

یہ سن کر دینو بابا اور زیادہ مسکرانے لگے اور بولے۔ ''مانی بیٹا اس خواب کا مطلب تو میرے دماغ میں یہ آ رہا ہے کہ اب تم دیر نہ کرو جتنی جلدی ممکن ہو سکے شادی کرلو۔''

یہ سن کر مانی بولا۔ ''دینو بابا...... میں اس وقت تک شادی نہیں کرسکتا...... جب تک میں آپ کی ساری خوشیاں واپس نہ لے آؤں...... میں ہر صورت اور ہر حال میں آپ کی جان زالوشا سے چھڑا کر ہی دم لوں گا......

زالوشا...... چاہے دنیا کے کسی بھی کونے میں جا چھپے...... میں زالوشا...... کو چھوڑوں گا نہیں...... بس صرف مجھے آپ کی دعائیں چاہئیں۔

جس دن آپ کی جان زالوشا سے چھوٹ جائے گی...... اس کے فوراً بعد میں شادی کرلوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ زالوشا...... اب کسی صورت بھی بچ نہیں سکتا......

اور ویسے بھی اب رولو کا صاحب نے زالوشا...... کو آخری انجام تک پہنچانے کا وعدہ کیا ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ وہ زالوشا...... کو بالکل بھی اس طرح آزاد نہیں چھوڑیں گے کہ وہ دلی یا پھر دلی سے باہر دندناتا پھرے...... میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ اب زالوشا...... کے گنے چنے دن رہ گئے ہیں۔

ایک آدھ دن میں رولو کا صاحب یقیناً آپ سے بھی ملاقات کرنے آسکتے ہیں...... ان کے کہنے کے مطابق میں نے گھر کا پتہ لکھ کر انہیں دے دیا ہے۔'' مانی بولا۔

''مانی بیٹا تمہاری بات درست ہے...... اب میں نے بھی اٹل فیصلہ کرلیا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اب زالوشا سے فیصلہ کن دو دو ہاتھ ہو جائیں...... یہ آئے دن کا چپقلش ختم ہو جانا چاہئے۔ کئی مرتبہ دل میں آیا کہ میں کسی روز اپنے قبیلہ میں سردار کے پاس جاؤں اور زالوشا...... کی شرانگیزوں اور خون خرابہ کے متعلق سردار کے کان کھولوں۔

اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ سردار زالوشا...... کے کرتوت کے متعلق سن کر چھان پھٹک ضرور کرے گا اور پھر اپنے تئیں زالوشا...... کو لگام بھی ڈالے گا۔

یہ تو حقیقت ہے کہ ہمارے قبیلے کا سردار بہت ہی انصاف پسند...... اور غیر شرپسندیوں کے بہت خلاف ہے۔

سردار کا کہنا ہے کہ اس طرح ہمارے قبیلے کی زیادہ بدنامی ہوتی ہے...... یا پھر کسی روز بھی کوئی سرپھرا ٹکرا سکتا ہے۔ جس کی ذات سے پورے قبیلے کو نقصان پہنچ جائے۔

اور ایسا ہونے سے پہلے یعنی پوری جنات برادری کو نقصان پہنچے کیوں نہ ہم اس ذات کا خاتمہ کردیں جس کی ذات سے معصوم لوگوں کو اذیت پہنچ رہی ہے۔

میں مانتا ہوں کہ ہمارا قبیلہ کافر جنات سے تعلق رکھتا ہے، مگر ہمارا سردار بہت ہی حقیقت پسند ہے۔ مگر ایک دل پھر کہتا ہے کہ خواہ مخواہ زالوشا...... کے مسئلے میں الجھنا ٹھیک نہیں...... کیونکہ سردار مجھے بھی بول سکتا ہے کہ ''تم زالوشا...... کی شکایت لے کر تو آ گئے...... اور پھر تم کون سا انصاف پسند ہو کہ تم نے قبیلے کا اٹل قانون مانا

نہیں اور اس سے انحراف کیا۔"

خیر جو ہوگا دیکھا جائے گا...... جہاں تک ممکن ہوسکا...... میں خود بھی رولو کا صاحب کا ہاتھ بٹاؤں گا۔ اور میرا دل بھی اب گواہی دے رہا ہے کہ رولو کا صاحب اب واقعی زالوشا...... کو لگام ڈال دیں گے......" یہ بول کر دینو بابا خاموش ہوگئے...... پھر گویا ہوئے...... "بیٹا اب تم کارخانے چلے جاؤ...... آج تم نے کارخانے کے لئے کچھ چیزیں بھی خریدنی ہیں...... جو کام کرنا ہے وہ جلدی انجام پذیر ہوجائے تو اچھا ہے۔ اب تم چلے جاؤ......"

اور مانی کارخانہ جانے کے لئے گھر سے نکلتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دینو بابا اپنی چارپائی سے اٹھے اور دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی دینو بابا نے دیکھا کہ دستک دینے والے کے ہونٹوں پر ایک بہت ہی معنی خیز اور دلکش مسکراہٹ تھی...... اتنے میں وہ گویا ہوا۔ "اگر مجھے مغالطہ نہیں ہورہا تو یقیناً آپ التمش عرف دینو بابا ہیں۔"

اور پھر جھٹ مسکراتے ہوئے دینو بابا بولے۔ "اور جہاں تک مجھے اندازہ ہے کہ آپ ضرور...... رولو کا صاحب ہیں۔"

"جی بالکل صحیح فرمایا آپ نے...... مجھے رولو کا کہتے ہیں۔" اور پھر دونوں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھادیا۔ مصافحہ کے بعد دینو بابا بولے۔ "آپ اندر تشریف لے آئیں۔" اور پھر رولو کا کمرے میں آگیا اور دینو بابا کے اشارے سے ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔

دینو بابا بولے۔ "مانی بیٹا نے آپ کی بہت تعریف کی ہے اور جہاں تک میری معلومات کا دخل ہے تو آپ حقیقت میں تعریف کے قابل ہیں۔"

یہ سن کر رولو کا بولا۔ "محترم میری حیثیت اتنی اہم نہیں اور نہ ہی میں اپنے آپ کو تعریف کے قابل سمجھتا ہوں بس اوپر والے نے تھوڑے بہت علم سے نواز دیا ہے اور یہ اسی کا کرم ہے کہ میں ضرورت مندوں کے کام آتا ہوں۔ یعنی جو پریشان ہوتے ہیں...... تو میں کوشش کرتا ہوں کہ اگر میری ذات سے کسی کی پریشانی دور ہوجاتی ہے تو اس میں میرا کیا جاتا ہے...... اوپر والے نے انسان بلکہ اپنی تمام مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ تمام مخلوق اس کا گن گائے...... اس کی اپنی اپنی زبان میں تعریف کرے اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے اور اس کے حکم سے انحراف نہ کرے اور اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔" رولو کا بولا۔

"جی بالکل صحیح آپ نے فرمایا اور یہی اوپر والے کی منشا ہے۔ اوپر والے نے کسی بھی مخلوق کو اجازت نہیں دی ہے کہ وہ اپنی ذات سے کسی کو دکھ تکلیف اور اذیت دے......

اور جہاں تک مجھے معلوم پڑتا ہے کہ آپ نے میرے متعلق جان لیا ہوگا کہ میرا تعلق کس مخلوق سے ہے، میری پسند ناپسند کیا ہے میری خواہشات کیا ہیں...... میرا تعلق جس مخلوق سے ہے اس کے متعلق تو آپ جانتے ہی ہیں...... اس مخلوق میں بھی کچھ شرانگیزی اور شرپسندی ہے...... اور میں نے شروع ہی سے شر انگیزی کو ناپسند کیا...... دوسروں کے دکھ درد کو زیادہ محسوس کیا...... میں نے مانا کہ ہمارے قبیلے کے دیگر جنات جو کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں...... اگر اوپر والے نے انہیں نادیدہ قوت دے رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس طاقت سے وہ ناجائز فائدہ اٹھائیں۔

اگر انسان کے پاس وسعت نظر نہیں...... اتنی طاقت انسان کے پاس نہیں جو کہ جنات کے پاس ہے، میری نظر میں زیادہ تر انسان بہت معصوم اور بے ضرر ہیں...... انسانوں کی زیادہ تر تعداد یہ ہے کہ وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں...... ہر کسی کے کام میں ٹانگ نہیں اڑاتے۔

اور سب سے بڑی برتری انسان کی یہ ہے کہ اوپر والے نے انسان کو "اشرف المخلوقات" کا درجہ دیا ہے۔ اور یہی وہ تمام باتیں تھیں کہ مجھے اپنے قبیلہ سے نفرت ہوگئی...... اور میری یہ خواہش زور پکڑگئی کہ میں

انسانوں میں رہوں گا...... اور میں اپنی جناتی صفت کو خیر باد کہہ دوں گا۔

اور جب میں نے یہ اعلان کیا کہ میں بہت جلد جنات برادری کو چھوڑ کر انسانوں کی بستی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا اور اپنی بقیہ تمام زندگی انسانوں میں رہ کر گزاروں گا...... اور اپنی حقیقت کو انسان پر ظاہر نہ ہونے دوں گا......'' میری باتیں سن کر قبیلے کے سارے جنات میرے مخالف ہوگئے، مگر ہمارے انصاف پسند اور حقیقت پسند سردار نے لوگوں کو جواب دیا......'' ٹھیک ہے اگر التمش جنات برادری کو خیر باد کہنا چاہتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

اوپر والے نے اپنی تمام مخلوق کو یہ کھلی اجازت دی ہے کہ وہ آزادی سے اپنی زندگی گزاریں...... کسی کو دکھ تکلیف نہ دیں...... اور جہاں تک ہو سکے دوسروں کو اپنی ذات سے فائدہ پہنچائیں۔

التمش ہم تمام جنات برادری کی طرف سے اجازت ہے کہ اگر تم انسانوں میں رہنا چاہتے ہو تو بخوشی جاؤ اور اپنی زندگی ان میں گزارو...... ہم ضرور کافر جنات ہیں مگر ہمارے قبیلے اور خاص طور پر میرا اصول ہے کہ ہم سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے......

میں تم سے جناتی طاقتیں سلب کرتا ہوں...... مگر تمام نہیں...... جائز مقصد کے لئے جتنی طاقتیں تم میں ونی چاہئیں وہ تم میں موجود ہوں تاکہ وقت بے وقت اگر تم پر کوئی ظلم کرے تو تم اپنی طاقت سے اپنا یا پھر کسی اور کا بچاؤ کر سکتے ہو۔''

پھر میں تمام قبیلے والوں اور سردار سے مل کر انسانوں کی بستی میں آ گیا...... اس وقت سے لے کر اور آج جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنی ذات سے کسی کو ناجائز دکھ نہیں پہنچایا۔

اور مانی بیٹا کے ساتھ رہائش پذیر ہوں...... مانی کو بھی میری حقیقت کا پتہ نہیں تھا مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ زالوشا...... مانی کے راستے میں نہ آتا تو میری حقیقت مانی پر آشکار نہ ہوتی۔

رولوکا صاحب آپ جس مقام پر ہیں اوپر والے نے آپ کو جس قابل بنایا ہے اس علم کے ذریعہ آپ مجھے پرکھ سکتے ہیں۔''

''التمش آپ بالکل بھی فکر نہ کریں...... میں نے ویسے بھی آپ کو اندرونی طور پر جانچ لیا ہے...... اور جہاں تک میری کوشش ہوگی کہ زالوشا...... کا جلد از جلد انجام اپنے اختتام کو پہنچے...... کیونکہ وہ لوگوں کو بے جا دکھ اور تکلیف دینے لگا ہے۔ اور یہ میرے نزدیک بہت دکھ کا مقام ہے کہ معصوم اور کمزور لوگوں کو دکھ پہنچایا جائے۔ میں زالوشا...... کے گرد آہستہ آہستہ گھیرا تنگ کروں گا۔

اور کسی مقام پر مجھے آپ کی مدد کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے...... تو یقیناً آپ میری مدد کریں گے...... اور اس کے لئے میں آپ کو بتاؤں گا...... آپ میری خیر خواہی میں کوئی بھی قدم زالوشا...... کے خلاف نہیں اٹھائیں گے کیونکہ اس صورت میں ایسا نہ ہو کہ ہم تینوں کی طاقتیں آپس میں ٹکرا جائیں...... جس کی وجہ سے ہم دونوں میں سے کسی کو ناتلافی نقصان پہنچے۔'' رولوکا بولا۔

''جی بہت اچھا...... کہ آپ نے مجھے حقیقت سے آگاہ کیا...... میں کسی صورت بھی آپ کے حکم کے خلاف کوئی بھی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔

بس میری التجا ہے کہ آپ برائے مہربانی...... مانی بیٹا پر نظر کرم رکھئے گا...... کیونکہ زالوشا...... کے لئے مانی ہی زیادہ کمزور ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کی نظروں میں مانی رہے گا تو زالوشا...... اس کی طرف رخ نہیں کرے گا۔'' دینو بابا بولے۔

''آپ فکر نہ کریں...... مانی کی حفاظت بھی میری ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ پھر آئندہ بھی ہماری ملاقات ہوتی رہے گی...... اور ہاں ایک بات یاد آئی کہ......''

اور رولوکا کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ کمرے میں اچانک ایک گرجدار آواز گونجی۔

(جاری ہے)

لفٹ

ساحل دعا بخاری۔ بصیر پور

برستی بارش میں ایک دس سالہ بچہ سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ دور سے آتی کار کو رکنے کا اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کار رک گئی، ڈرائیور نے بچے کو کار میں بیٹھالیا مگر یہ کیا کار میں بیٹھا بچہ اچانک غائب ہوگیا۔

خوف وہراس کے سمندر میں غوطہ زن مصنف کے قلم کی شاہکار بے مثال لاجواب کہانی

تارکول کی سیاہ سڑک پر بارش زوروں کی برس رہی تھی۔رات اندھیری تھی اور تاریکی گہری...... اس ویران سڑک کے اطراف شاہ بلوط کے بلند قامت پیڑ تھے مگر اس وقت وہ اپنا وجود کھو چکے تھے۔اس وقت سڑک بھی اپنا وجود کھو چکی تھی صرف تاریکی کا وجود باقی تھا۔بادلوں کے تیور جارحانہ تھے سہمی ہوئی بجلی ان سے خوف زدہ ہوکر بار باران کے شکنجے سے نکلنے کی کوشش کرتی تھی مگر بادل فوراً ہی اسے اپنی آہنی گرفت میں دبوچ لیتے تھے۔ جب بجلی آزاد ہونے کی کوشش کرتی تھی تو چند لمحے کو ہر منظر بجلی کے چمکیلے وجود سے روشن ہوجاتا تھا۔ سیاہ سڑک ،جس پر بوندیں کی گولیوں تڑتڑاہٹ کے اندازے سے گر رہی تھیں اور سڑک پر چمکتا پانی...... اطراف میں بلند قامت پیڑ اور...... اور وہاں کھڑا ایک سرخ وسفید بچہ......اس کی عمر یہی کوئی

آٹھ نو برس رہی ہوگی۔ بادلوں نے بجلی کو غصہ دکھایا تو وہ ہراساں ہوکر چلاتی ہوئی باہر کو لپکی۔ اس کی چمک سے منظر روشن ہوا تھا بچے کے پیشانی پر بکھرے سنہرے بال اس کی کھڑی ناک...... اور اس کا بلیو ٹراؤزر اور ہاف سلیوز بلیک ٹی شرٹ کو فوراً ہی اندھیرے نے ڈھانپ لیا تھا کیونکہ بادل فوراً ہی بجلی کو دبوچنے میں کامیاب ہوگئے تھے چند لمحے بارش میں بھیگتے گزر گئے۔ بجلی نے بادلوں کا تشدد نہ سہتے ہوئے پھر باہر نکلنے کی کوشش کی تھی۔ بچے کی نیلگوں، سبز آنکھیں سڑک پر جمی تھیں گویا وہ کسی کا انتظار کررہا تھا۔

وہ بے نیازی سے کھڑا تھا۔ خطرناک موسم سے قطعاً بے نیاز...... بجلی پھر بادلوں میں چھپ گئی سرسراتی ہوا بارش سے بچنے کی خواہاں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر چھپنے کی کوشش کررہی تھی۔ لیکن بارش اسے کسی طور پر بخشنے کو تیار نہ تھی۔ اچانک سڑک پر ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس نمودار ہوئیں۔ انجن کا شور تو بادلوں کی گڑگڑاہٹ، بارش کی تڑتڑاہٹ اور ہواؤں کی زبردست سرسراہٹ میں دب چکا تھا۔

گاڑی قریب آئی تو بادلوں کے جواب میں بجلی بھی غضب ناک انداز میں دھاڑ اٹھی۔ دور دور تک بجلی کی پتلی پتلی، لمبی بے ترتیب انگلیاں آسمان کو ٹٹولتی چلی گئیں۔ مکڑی کے جالے جیسی، دراڑوں جیسی انگلیاں...... غالباً وہ آسمان پہ کوئی ہتھیار ٹٹول رہی تھیں کہ بادلوں سے اپنا دفاع کرسکیں۔ بجلی کی ان دراڑوں سی انگلیوں کی روشنی میں کار ڈرائیو نے سڑک کنارے کھڑے اس بچے کو دیکھ لیا جو ہاتھ لہرا کر اسے رکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ اب انجن کا ہلکا سا شور سنائی پڑ رہا تھا ڈرائیور ایک نوجوان تھا۔ اس نے کار روک کر گلاس ونڈو سرکائی بچہ اس کے قریب آچکا تھا۔

''انکل! آپ مجھے لفٹ دے سکتے ہیں؟ بارش بہت تیز ہے اور میں مام کی دوا لینے آیا تھا۔ اگر مجھے دیر ہوگئی تو مام مرجائیں گی۔'' الفاظ کے برعکس، لہجہ ذرہ بھر بھی تشویش زدہ نہ تھا بلکہ کسی بھی تاثر سے یکسر عاری تھا۔

لیکن ڈرائیور یہ بات محسوس نہ کرپایا تھا اس نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے دروازہ کھول دیا اور اس بچے کو بیٹھنے کا اشارہ کیا بچہ گھوم کر آیا اور فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوگیا۔ دروازہ زوردار آواز سے بند ہوا تھا۔ ڈرائیور اس جانب متوجہ نہیں تھا۔ ورنہ یہ دیکھ کر ششدر رہ جاتا کہ دروازہ خودبخود بند ہوا تھا۔

''بیٹا کہاں جانا ہے آپ نے؟'' ڈرائیور نے ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کئے کئے پوچھا۔ موسم کے تیور بھیانک تھے۔ سڑک پر پانی کا تالاب سا بن گیا تھا ایسے میں ذرا سی بھی غفلت خطرناک حادثے کا سبب بن سکتی تھی بچے کی طرف سے کوئی جواب نہ پاکر اس نے اپنا سوال دہرایا۔ جواباً بدستور خاموشی رہی۔

''اے......'' اس نے گردن موڑ کر تیکھے پن سے کچھ کہنا چاہا مگر...... الفاظ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئے منہ حیرت کی زیادتی سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا پورے جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگی تھیں فرنٹ سیٹ خالی تھی۔ بچہ اپنی جگہ سے غائب تھا۔

اس نے پلکیں جھپکیں تو اب بچہ اپنی جگہ موجود تھا۔ اس نے ہاتھ میں ''انہیلر'' تھام رکھا تھا اور وہ سوالیہ نظروں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھ سے کچھ کہا انکل؟'' اس کی نیلگوں مائل سبز آنکھوں میں عجیب سرد سا تاثر تھا خون رگوں میں منجمد کردینے والا تاثر...... پھر اس کے گلابی لبوں پر ایک سفاک مسکراہٹ بکھر گئی بچے نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی...... اگلا منظر بے حد حیرت انگیز تھا ڈرائیور کو لگنے والا حیرت کا جھٹکا ازحد شدید تھا۔ اسے جھٹکا لگا تھا تو گاڑی کو بھی ویسا ہی جھٹکا لگا تھا۔ گاڑی ایک دھماکے سے الٹ گئی۔

☆......☆......☆

مہروز بخت ایک ڈاکٹر تھا۔ اس کی پوسٹنگ گزشتہ دنوں دیہی علاقے میں ہوگئی تھی اگرچہ اس نے اس بات پہ کافی ناک بھنوں چڑھائی تھی مگر ملازمت میں نخرے نہیں چلتے۔ اور اسے بھی یہ حکم ماننا ہی تھا اس کی

بیوی کو بھی دیہات میں اس کی پوسٹنگ زہر لگی تھی اس وقت تو اس نے یہ کہہ کر اسے ٹال دیا تھا کہ وہ جلد ہی دوبارہ واپس آنے کی کوشش کرے گا۔ اس کا تین سالہ بیٹا تیمور ماں سے زیادہ اس سے اٹیچ تھا۔ خود اس کی اپنے بیٹے میں جان تھی۔ اسی لئے وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ لیکن آج شام اسے سختی سے تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ آج بھی روانہ نہ ہوا تو اسے ملازمت سے برطرف کردیا جائے گا۔ فی الحال یہ ملازمت ہی اس کی کفالت کا واحد سہارا تھی۔ لہٰذا وہ اسے کھونے کا رسک نہیں لے پایا ویسے وہ اپنا ذاتی کلینک بنانے کے لئے روپے جمع کررہا تھا۔ کچھ اس کے باپ کی زمین تھی، بوڑھا باپ جو اپنے دوسرے بیٹے کے پاس رہتا تھا اور مہروز کی نافرمان اور خودغرضی کے باعث اس سے قطع تعلق کرچکا تھا۔ ''مجھے میرا حصہ چاہئے۔'' اس نے باپ سے ترشی سے کہا تھا۔

''میں اپنے جیتے جی تو تمہیں ایک پائی بھی نہیں دوں گا۔ میری موت کا انتظار کرو۔ یا پھر خود ماردو۔'' باپ نے تلخی سے سر جھٹکا تھا۔

اب وہ ''اتنا'' بھی خودغرض نہ تھا کہ باپ کو ماردیتا۔ سو اس نے دوسرے آپشن کا انتخاب کیا اور باپ کے مرنے کا انتظار کرنے لگا۔

اب کچھ روپے وہ جمع کرلیتا اور کچھ باپ کی وراثت میں ملنے والی زمین بیچ کر وہ چھوٹا سا کلینک بنالیتا۔ فی الحال وہ مجبور تھا۔ اسی لئے برستی بارش میں سفر کررہا تھا۔ شام کو جب وہ گھر سے روانہ ہوا تو اس کی بیوی نے کہا تھا کہ ''آج مت جاؤ۔ آسمان بادلوں کی زد میں ہے۔''

مگر اس نے کہا ''کوئی بات نہیں ہوسکتا ہے بارش نہ ہو۔ اگر ہوئی بھی تو بھی جانا تو پڑے گا۔ ورنہ ملازمت جانے کا خدشہ ہے، ویسے بھی محض ڈھائی گھنٹے کا تو سفر ہے۔'' اسے تسلی دے کر اور تیمور کو پیار کرکے وہ گاڑی میں جابیٹھا۔ اسے سفر کرتے بمشکل پچیس منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ ہوائیں چنگھاڑنے لگیں، بادل دہاڑے، بجلی چلائی اور موسلادھار بارش شروع ہوگئی۔ اس نے گاڑی کی رفتار کم کردی کہ زیادہ رفتار حادثے کا سبب بن سکتی ہے مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ حادثہ مقدر میں لکھ دیا جاتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے۔ ہونی کو کون ٹال سکتا ہے بھلا؟

وائپر مسلسل دھندلی ہوتی اسکرین کو صاف کرنے کی سعی میں مصروف تھے۔ بارش بھی بلا کی ضدی تھی کہ فوراً ہی وائپرز کی کارگزاری پہ پانی پھیردیتی تھی بجلی نے بادلوں کو منہ چڑایا تو فضا لحظہ بھر کو روشن ہوگئی۔ ایسے میں مہروز کی بھٹکتی نگاہ سڑک کنارے کھڑے بچے پر پڑی اسے تعجب ہوا کہ وہ اکیلا اس خطرناک موسم میں یہاں کیا کررہا ہے؟ بادل عالم طیش میں چنگھاڑے تو بجلی جواباً کھلکھلا اٹھی۔ فضا پھر روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی بچہ ہاتھ لہرا کر اسے رکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ اس کے گاڑی روکتے ہی بچہ لپک کر اس تک آیا۔ ''انکل! آپ مجھے لفٹ...... دے سکتے ہیں؟'' بچے کا لہجہ سرد تھا۔

مہروز خدمت خلق کا قائل نہیں تھا۔ مگر اس بچے میں نجانے کیا بات تھی کہ وہ مثبت جواب دینے پر مجبور ہوگیا بچہ گھوم کر آیا اور اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اب سست رفتاری سے آگے بڑھنے لگی۔ ''کہاں اتاروں تم کو؟'' نظر سامنے جمائے جمائے اس نے پوچھا۔

''آپ کو مجھے کہیں بھی اتارنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' بچے کے گلابی لبوں پر پراسرار سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''کیا مطلب؟'' مہروز نے بھنوئیں اچکائیں۔

اگلا پل بے حد حیرت انگیز تھا۔ مہروز کی بصارتوں نے ایسا منظر اس سے قبل کبھی نہ دیکھا تھا۔ سو اس کا ششدر رہ جانا فطری تھا۔ اس کی ساری توجہ، تمام ترحسیات آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں۔ توجہ ڈرائیونگ سے ہٹی تو گاڑی بے قابو ہوکر لڑھکتی چلی گئی۔

چند لمحوں بعد جب بجلی نے پلکیں جھپکیں تو گاڑی

کچھ اس طرح پچک چکی تھی کہ اس میں موجود کسی بھی فرد کا زندہ بچ جانا قطعاً ناممکن تھا۔

☆......☆......☆

زاہد نے کوفت زدہ نظروں سے برستی بارش کو دیکھا۔ اس بارش کی وجہ سے وہ گاڑی ست روی سے چلانے پر مجبور تھا۔ جبکہ اسے جلدی تھی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر چھ سات سالہ بچہ لیٹا تھا اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے زاہد کچھ عرصہ قبل تک ایک بیروزگار نوجوان تھا ماں مرچکی تھی صرف باپ تھا جو نان پکوڑے کا ٹھیلہ لگاتا تھا اور اسے بھی اپنے ساتھ کام پہ لگانا چاہتا تھا۔ مگر زاہد کو وہ کام سخت ناپسند تھا۔ اس لئے وہ ابا کی لاکھ گالیوں اور طعنوں تشنوں کے باوجود کبھی اس کے ساتھ نہ گیا تھا چھ ماہ قبل اس کے پاس اس کے محلے کا راشد آیا۔ کرخت نقوش اور گھنی مونچھوں والے راشد کو دیکھ کر اس کی سخت مزاجی کا اندازہ ہوتا تھا۔ چہرے کے چند زخم اس کی لڑاکا طبیعت کی تصدیق کرتے تھے اور رہی سہی کسر اس کا کھردرا لہجہ پوری کر دیتا تھا۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا بھی غنڈہ ٹائپ نوجوانوں کے ساتھ تھا۔ ’’پیسہ چاہئے؟‘‘ اس نے آتے ہی پوچھا۔

’’پیسہ کس کو نہیں چاہئے؟‘‘ اس نے حیرت سے راشد کو دیکھا۔ ’’کس کو چھوڑو۔ میں تمہاری بات کررہا ہوں۔‘‘

’’تو مجھے کیا پیسہ کاٹتا ہے۔؟ عجیب آدمی ہو یار!‘‘

’’ایک کام ہے۔ اس کا تمہیں بیس ہزار ملے گا۔‘‘ راشد کی بات نے اسے اچھلنے پر مجبور کر دیا۔ کیونکہ اس وقت اس کے پاس بیس روپے بھی نہ تھے۔ ’’کیا کام ہے؟‘‘ اس کی باچھیں پھیل گئیں۔ راشد اسے کام کی نوعیت سمجھانے لگا۔

زاہد کچھ متذبذب سا ہوگیا کیونکہ کام بچوں کو اغوا کرکے شہر سے باہر ایک کوٹھی میں پہنچانے کا تھا۔ ’’نہیں اس میں کوئی خاص خطرہ نہیں ہے۔ بس احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں پچھلے ڈیڑھ سال سے یہی کام کررہا ہوں۔ اور دیکھ لو کیسے ٹھاٹ سے زندگی گزار رہا ہوں۔‘‘

راشد سفاکی سے مسکرایا۔ ’’اور ہاں بعد میں رقم بڑھ جائے گی فی بچہ تیس ہزار۔‘‘

زاہد کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس نے اسی شام ایک بچے کو ’’پار‘‘ کرلیا۔ اس نے احتیاطاً چند محلے چھوڑ کر کام کیا تھا۔ وہ پانچ چھ سالہ بچہ تھا۔ جو ایک شاپ کے سامنے کھڑا کینڈیز اور چاکلیٹس کو حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا گھسا ہوا کرتہ اس کی مفلسی کا شاہد تھا۔

زاہد نے کچھ روپے ایک دوست سے ادھار لئے تھے انہی میں سے اس نے بیس کا ایک نوٹ نکالا اور کینڈیز لے کر واپس مڑا تو بچے کو ایک ٹافی پکڑا دی۔ پھر اسے اشارے سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا مزید کے لالچ میں بچہ فوراً اس کے پیچھے لپکا۔ آگے کا کام بھی بے حد آسانی سے ہوگیا تھا کہ بچہ بآسانی اس کے ساتھ جانے پر رضامند ہوگیا تھا۔ جہاں سے وہ مزید چیزیں کھاتا اور لے کر گھر واپس آتا...... مگر ’’اچھے انکل‘‘ نے اسے اپنی مطلوبہ جگہ چھوڑا اور جیب میں بیس ہزار لئے پلٹ گئے۔ خرچہ بیس روپے، منافع بیس ہزار...... واہ...... پھر اس کا کام چل نکلا۔ اور اب تک کبھی پکڑا نہیں گیا تھا۔

بچوں کو بہلانا پھسلانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا راشد سے پوچھنے پر اسے پتلا تھا کہ ان بچوں کا خون، گردے، آنکھیں اور دیگر کام کی اشیاء یعنی اعضاء نکال لئے جاتے تھے اور ’’باقیات‘‘ پالتو کتوں کے کام آتیں۔ اس کا معاوضہ اب بڑھ گیا تھا۔ وہ اپنے کام سے مطمئن تھا۔

مگر...... ان بچوں کے ماں باپ ’’مطمئن‘‘ نہیں تھے۔ انصاف، ’’مطمئن‘‘ نہیں تھا۔ بچے اغواء ہونے کی وارداتیں بڑھیں تو چیکنگ بھی بڑھ گئیں لیکن ’’چیکر‘‘ بھی ’’انسان‘‘ تھے اور ’’انسان‘‘ تو ہے ہی خطا کا پتلا...... لہٰذا ان سے خطا ہونا کوئی غیر معمولی بات تو نہ تھی ان کا بھی دل تھا گھر تھا بیوی بچے تھے اور ان کو آسائشیں دینا ان کا فرض تھا اب چاہے دوسروں کا کلیجہ نوچا جائے تو اس میں کیا بڑی بات ہے؟ ویسے بھی اتنے لوگ بم

دھماکوں میں، ٹارگٹ کلنگ میں بھی تو مرتے ہیں اس لئے اگرانہوں نے ''روپے'' لے کر چیکنگ سے ''آنکھیں موند''لیں تو کیا گناہ کیا؟

زاہد کو چیکنگ سے اس لئے کوئی خطرہ نہ تھا۔خطرناک بس موسم کے تیور تھے بجلی چمکی تو اس نے سڑک کنارے کھڑے اس سرخ وسفید بچے کو دیکھا وہ بظاہر تو اکیلا دکھائی دیتا تھا اس کے ہاتھ لہرانے پر اس نے گاڑی روک دی۔

''انکل! آپ مجھے لفٹ دے سکتے ہیں؟''

''تم اکیلے ہو؟''اس نے ونڈو کا گلاس نیچے کیا تو بارش کی پھوار کو ہوا نے اندر دھکیل دیا۔''جی انکل۔''

''آجاؤ۔''زاہد کا دل خوشی سے دھڑک اٹھا۔بچہ صحت مند تھا۔اور مزے کی بات کہ خود''لفٹ'' لینے آیا تھا۔یہ الگ بات کہ بچے کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ یہ لفٹ اسے ''کہاں'' لے جائے گی۔''کیا کروں بچے، میرا لفٹ دینے کا اسٹائل ہی یہی ہے۔''وہ خباثت سے مسکرایا۔

''اور میرا لفٹ لینے کا اسٹائل بھی آپ کے سان وگمان سے باہر ہے زاہد انکل۔'' بچے کی آواز اور خصوصاً بات نے اسے اچھلنے پر مجبور کردیا۔جو بات اس نے سوچی تھی وہ بچے نے کیسے جان لی؟ اور......اور اس کا نام بھی؟

''یہ دیکھئے......''اس نے بچے کی بات پے اس کی طرف دیکھا اور اس کی گھگھی بندھ گئی اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے۔

''یہ......یہ''خوف کے ناگ نے اس کے حلق کوڈسا تھا۔جس کے سریع الاثر زہر سے الفاظ نے حلق سے نیچے ہی دم توڑ دیا تھا۔

ہوا میں سرسراہٹ ایک دم ہی بڑھ گئی تھی بادل چنگھاڑ رہے تھے، بجلی چیخ رہی تھی اور ہوائیں دہاڑ رہی تھیں۔لگتا تھا گویا ہزاروں عورتیں مل کر بین کررہی ہوں خوف کا زہر اس کے پورے وجود میں خون کے ساتھ ساتھ گردش کرنے لگا تھا۔

موت سامنے دیکھ کر اس کی روح فنا ہوگئی ایک جھماکہ ہوا اور پچھلی نشست پر دراز بچہ غائب ہوگیا پراسرار طور پر اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ پھر بادل دہاڑے...... اور ایک دھماکہ ہوا گاڑی اچھلی اور قلا بازیاں کھاتی ہوئی سڑک سے نیچے لڑھک گئی۔زاہد کا جسم اچھل کر پتھریلی زمین پر گرا اور گاڑی کو آگ نے پکڑلیا۔ بلکہ ''جکڑ''لیا......زاہد سنگلاخ زمین پر گرنے سے قبل ہی دم توڑ چکا تھا اور بارش میں مزید شدت آگئی تھی۔ گاڑی سے اٹھتے شعلوں کو بارش بجھانے سے قاصر تھی ان شعلوں کی روشنی زاہد کے بے جان، کٹے پھٹے چہرے پر پڑ رہی تھی پاس ہی وہ بلیو ٹراؤزر اور ہاف سلیوز بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس کھڑا بچہ یک ٹک زاہد کو دیکھ رہا تھا پھر اس کے لبوں پر نفرت میں بجھی ایک پرسکون مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس بچہ نے لفٹ لینے کے بہانے زاہد جیسے مکار، عیار، سنگدل اور شقی القلب شخص کو''زندگی'' کی شاہراہ سے''موت'' تک لفٹ دے دی تھی۔زندگیوں کا سودا کرنے والا فرعون آج کسی حقیر مینڈک کی مانند پانی میں پڑا تھا۔اور مینڈک اس کی لاش پر اچھل رہے تھے۔

☆......☆......☆

''یاسر علی''

''یس سر؟''کانسٹیبل یاسر علی فوراً مودب سا گویا ہوا۔''آج اس سڑک پر کتنے حادثے ہوگئے۔''ایس پی فہد رضا نے بغور یاسر علی کو دیکھا۔

''گیارہواں سر۔''

''اور ان میں خاص بات کیا ہے؟ یہ کہ حادثہ اسی رات ہوتا ہے جب بارش ہورہی ہو۔'' فہد رضا پیپر ویٹ ہاتھ میں گھمارہا تھا۔

''سر یہ بھی حادثہ صرف ان لوگوں کے ساتھ پیش آتا ہے جو لوگ گاڑی میں ہوں اور تنہا ہوں۔ورنہ موٹر بائیکس یا ان لوگوں کی گاڑیاں بخیریت گزر جاتی ہیں جن کے ساتھ فیملی ہو۔''یاسر علی سر جھکائے بول رہا تھا۔

''ہوں......اور ٹریفک پولیس کیا کہتی ہے؟''

فہد رضا نے پیپرویٹ ٹیبل پر رکھے پیپرز پر رکھا اور ٹیبل پر کہنی ٹکا کر قدرے جھک کر پوچھنے لگا۔

''ان کا کہنا ہے سر! کہ وہ اسی روڈ پر ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی گاڑی ان کے منع کرنے کے باوجود رکتی نہیں تو کچھ آگے جا کر حادثے کا شکار ہوجاتی ہے اور سر! وہ جو اعظم خان ہے!'' یاسر علی نے ایک ٹریفک کانسٹیبل کا نام لیا۔ اس سے فہد رضا کی بھی اچھی دعا سلام تھی فہد رضا نے محض اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''اس نے ایک عجیب ہی واقعہ سنایا ہے۔!''

''کیا؟'' فہد رضا نے بھنوئیں سکیڑیں۔

''وہ آخری حادثے کے بارے میں کہہ رہا تھا سر! کہ وہ ڈیوٹی پر موجود تھا کہ اس نے ایک گاڑی آتے دیکھی وہ چوکس ہوگیا اور سوچنے لگا کہ اس گاڑی کو آگے نہیں جانا چاہئے یا پھر وہ خود اس گاڑی کے ساتھ جائے گا اور اس خونی جگہ سے آگے تک چھوڑ کر لوٹ آئے گا۔ مگر چند فرلانگ کے فاصلے سے گاڑی غائب ہوگئی۔''

''غائب ہوگئی؟'' فہد چونک کر سیدھا ہوا۔

''جی سر! بقول اعظم خان...... کہ وہ آنکھیں پھاڑے سڑک کو دیکھتا رہا اور اچانک ایک دھماکہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ اسی جگہ کے پاس گاڑی شعلوں کی لپیٹ میں تھی۔''

''فہد رضا کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ اپنی کوتاہی پر پردہ ڈالنے کے لئے اچھا قصہ گھڑا ہے خان صاحب نے ویسے تو اچھا خاصا سمجھدار آدمی ہے خیر...... آج سے تم وہاں ڈیوٹی دو گے۔ ایسا کرو کہ شیر افگن اور نعیم کو بھی ساتھ لے لینا۔''

''او کے سر!'' یاسر نے اسے سلیوٹ پیش کر کے باہر نکل گیا جبکہ فہد رضا اعظم خان کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اعظم خان ایسی بے تکی حرکت کرسکتا ہے؟ کیونکہ وہ سنجیدہ کھرا اور ایماندار شخص تھا اور ایسے لوگ کم کم ہی ہوتے ہیں اس کی ایمانداری اس کے محکمے کے لوگوں کے گلے میں ہڈی بن کر اٹکی ہوئی تھی اور اس کے خلاف سبھی کے دل میں بغض تھا پھر وہ ایسی غیر سنجیدہ بات کیوں کرنے لگا؟

اسے سوچوں کے گرداب سے اس کے سیل فون کی گنگناہٹ نے نکالا۔ ''جی شاہ صاحب! کہیے کیسے یاد کیا؟'' اس کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔ کال اس کے کلوز فرینڈ امجد حسین شاہ کی تھی۔

''جی بس...... ایک کیس کی الجھی گتھیاں سلجھا رہا ہوں۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔

''او کے! شام میں ملتے ہیں۔'' وہ شگفتگی سے مسکرایا۔

☆......☆......☆

فراز نے برستی بارش کے باوجود گاڑی کی رفتار تیز رکھی تھی۔ محض دو گھنٹے قبل اس نے اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ایک بینک میں کامیاب ڈاکہ ڈالا تھا۔ وہ لوگ پچھلے کئی سالوں سے ایک ساتھ کام کررہے تھے۔ لیکن ان کا کام راہ چلتے لوگوں سے موقع دیکھ کر والٹ، موبائل یا موٹر سائیکل چھیننے تک محدود تھا۔ یا حد سے حد کوئی گاڑی چھین لی۔ مگر ایک تو اس کام میں رسک بہت تھا دوسرے چوری کی بائیکس اور گاڑیاں مارکیٹ سے آدھی قیمت پر سیل ہوتی تھیں اور اس میں بھی تین حصے ہوجاتے تھے اس لئے وہ کسی مناسب واردات کے چکر میں تھا ایک ہی بار لمبا ہاتھ...... اور پھر...... دیر تک آرام...... بینک ڈکیتی کا آئیڈیا بھی اسی کا تھا کئی دن معمولات کا جائزہ لینے کے بعد اس نے مربوط پلان بنایا تھا وہ لوگ اس وقت اندر داخل ہوئے جب بینک بند ہونے والا تھا۔ اسد نے گارڈز کو اس وقت باندھا جب کہ فراز بینک منیجر کو گن پوائنٹ پر لے چکا تھا۔ اور وہ ایک کسٹمر کے روپ میں داخل ہوا تھا۔

نعمان نے بریف کیس میں کیش بھرا، سب کچھ ٹھیک ہی رہا تھا کیمرے آتے ہی ناکارہ بنادیئے گئے تھے۔ لیکن جب منیجر کو بھی گارڈز کے ساتھ باتھ روم میں بند کیا جانے لگا تو اس نے مزاحمت کی۔ اسد کے پسٹل نے شعلہ اگلا جو اس کی کھوپڑی میں سوراخ کرگیا پھر وہ نکل بھاگے ڈرائیونگ نعمان کررہا تھا گاڑی ایک ویران

راستے پر دوڑ رہی تھی آس پاس بنجر زمین پر اگی تشنہ جھاڑیوں کے سوا اکا دکا درخت ہی تھے۔ ''ہمارا ایک ساتھ رہنا خطرناک ہے۔ رقم تین حصے کرلیں اور الگ الگ ہوجاتے ہیں۔'' فراز کی بات معقول تھی۔ اس لئے تینوں نیچے اتر گئے۔

رقم سے بھرا بریف کیس اسد کے پاس تھا۔ وہ لوگ ایک بڑی جھاڑی کے عقب میں چلے گئے خاموش فضا میں دو مرتبہ ''ٹھک'' کی آواز ابھری تھی چند لمحے جھاڑی کے عقب میں جھانکنے کی کوشش کرتے سرک گئے پھر جھاڑی کی اوٹ سے فراز نکلا۔ بریف کیس اس کے ہاتھ میں تھا اور سرشاری کے عالم میں چل رہا تھا وہ گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے روانہ ہوگیا آگے جاکر اس نے گاڑی سے چھٹکارہ حاصل کرلیا۔ اور اس وقت وہ ایک یلو کیب میں ٹیکسی ڈرائیور کے روپ میں سفر کررہا تھا ٹیکسی کا مالک اپنے گیرج میں ''زیرزمین'' سو رہا تھا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں اس نے کانسٹیبل کو دیکھا جو اسے رکنے کا اشارہ کررہا تھا اس کا دل دھڑک اٹھا کیونکہ رقم سے بھرا بریف کیس ڈگی میں موجود تھا۔ اس نے جب پلکیں جھپکیں تو کسی کانسٹیبل کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

''اتنی کامیاب واردات کے بعد بھی یہ وہم میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہا......'' اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔

''دیکھا انکل! کس صفائی سے آپ کو تلاشی سے بچالیا میں نے؟'' ایک بچے کی آواز نے اسے اچھلنے پر مجبور کردیا۔ بچہ فرنٹ سیٹ پر براجمان تھا۔

بچے نے اپنا ہاتھ اس کی گردن پر جمادیا...... فراز کے حلق سے گھٹی گھٹی کراہیں نکلنے لگیں۔ گردن پر گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔ انسانوں کو کچھ دیر قبل تک چیونٹی کی طرح مسلنے والا اب خود کسی حقیر چیونٹی کی طرح مسلا جاچکا تھا۔ البتہ گاڑی حادثے سے محفوظ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا؟ یاسر علی! میں تمہیں اب تک ایک فرض شناس اور سچا انسان سمجھتا رہا ہوں لیکن تم نے بھی اعظم خان والا بھونڈا بہانہ بنا کر میرے خیال کو باطل ثابت کردیا ہے۔'' فہد رضا کا لہجہ تاسف سے بھرپور تھا یاسر کی گردن جھک گئی اب وہ کیسے یقین دلاتا کہ وہ جو کہہ رہا ہے، سچ کہہ رہا ہے۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک گاڑی تمہاری نظروں کے سامنے ہے وہ یکا یک غائب ہوجاتی ہے۔ پھر جب تم دیکھتے ہو تو وہ کافی آگے جاچکی ہوتی ہے۔ تم قریب جاتے ہو ڈرائیور خود اپنے ہاتھ سے اپنا گلا گھونٹ رہا ہوتا ہے؟ ایسا کیونکر ممکن ہے؟'' بولتے بولتے وہ آخر میں بھنچی بھنچی آواز میں چلایا۔

''جی سر! ایسا ہی ہوا۔''

''یوشٹ اپ...... بکواس بند کرو۔'' وہ شدت اشتعال سے چلایا تو یاسر سر جھکا کر ہونٹ کچلنے لگا۔

''شیرافگن اور نعیم تو اس وقت پاس نہیں ہونگے نا؟'' طنزیہ لہجہ تصدیق طلب تھا۔

''نن...... نو سر۔'' یاسر علی ہچکچایا۔

''دفع ہوجاؤ ادھر سے۔'' اس نے سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے انگلی سے اشارہ کیا۔

یاسر نے سست ہاتھوں سے سلیوٹ کیا اور باہر نکل گیا ''من گھڑت قصے سنا کر سمجھتے ہیں کہ بے وقوف بنالیں

گے۔ اونہہ...... !آج میں خود جاؤں گا۔ بارش بھی ہونے کا امکان ہے۔'' اس نے سوچا اور تنفر سے سر جھٹک کر سامنے رکھی فائل کی جانب متوجہ ہوگیا۔

اس رات فہد رضا وہاں خود نگرانی کرتا رہا، مگر...... مطلع صاف تھا۔ چاند اگرچہ کہیں پاتال کی کھائیوں میں چھپا ہوا تھا مگر ستارے مسکراتے ہوئے پلکیں جھپک رہے تھے۔ ''آپ گھر چلے جاؤ بارش نہیں ہوگا۔'' اعظم خان کی نظریں روشن آسمان پر تھیں۔ جہاں لاتعداد ستارے براجمان تھے۔ ''اعظم خان !تم اچھے بھلے سمجھدار ہو پھر کیوں جھوٹ بولا تم نے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''صاحب !ام جھوٹ نہیں بولتی وہ کار سچ میں غائب ہوگیا تھا۔ اور پھر......''

''بس کرو...... میں جارہا ہوں۔ تم لوگ ڈیوٹی دھیان سے دینا۔ آج کل پھر اسمگلنگ بڑھ گئی ہے کوئی بھی گاڑی، خواہ وہ کسی آفیسر کی ہی ہو بنا چیکنگ نہیں گزرنی چاہئے؟ انڈراسٹینڈ؟''

''جی......!'' اعظم خان کا لہجہ افسردہ تھا۔ فہد اپنی گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے چل دیا۔

☆......☆......☆

آسمان بادلوں کے باعث مزید تاریک لگ رہا تھا۔ بادلوں کی رنگت یقیناً سرمئی رہی ہوگی۔ لیکن اس وقت وہ تاریکی میں گھلے گہرے سیاہ لگ رہے تھے۔ ان بادلوں میں محوخواب بجلی کی دیوی کبھی کبھی کروٹ بدلتے ہوئے دکھائی دے جاتی تھی۔ ''بس اب تب میں بارش ہونے والی ہے۔'' امجد شاہ نے آسمان پہ تاحد نگاہ پھیلے بادلوں کا جائزہ لیا۔ ''ہاں۔ لگ تو یہی رہا ہے۔''

ابھی فہد کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ بادل گرجے، بجلی بھی جواباً کڑک اٹھی اس کے ساتھ ہی بارش شروع ہوگئی۔ وہ لوگ ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ باتوں کے دوران وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا۔ ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے انہیں چونکا دیا، فہد تیزی سے گاڑی کی طرف لپکا۔ مگر گاڑی کسی کشتی کی طرح سڑک پر گرتے۔ رواں دواں پانی پہ پھسلتی چلی گئی کچھ آگے جاکر گاڑی رک گئی تب تک امجد شاہ اور فہد رضا دونوں پانی میں جاگتے ہوئے گاڑی کے قریب پہنچ چکے تھے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شخص کی حالت نے انہیں بری طرح چونکایا۔ منظر کچھ ایسا خوف ناک وحیرت ناک تھا کہ وہ سناٹے میں رہ گئے اس شخص نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی گردن دبا رکھی تھی۔ اور...... اس کی انگلیاں گردن کے آر پار ہورہی تھیں جیسے کوئی گندھا ہوا آٹا مٹھی میں لے کر...... کچھ ہی دیر میں وہ شخص مرچکا تھا۔

امجد حسین شاہ کی نظریں گاڑی سے باہر نکلی تھیں۔ ان نظروں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ ''کون ہو تم؟'' فہد رضا نے پاگلوں کی طرح اردگرد کسی وجود کو کھوجا۔ کہ جس سے امجد شاہ پوچھ رہا تھا کہ وہ کون ہے؟ مگر وہاں تو کوئی مکھی بھی نہ تھی۔

''فرحان خان......!'' امجد شاہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا اور پھر گویا ہوا۔ ''یہ سب کیوں کررہے ہو؟'' جواباً خاموشی ہی رہی مگر امجد شاہ کے تاثرات سے عیاں تھا کہ کسی کی جانب پوری طرح متوجہ ہیں فہد آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ ''اوکے۔'' وہ کہہ کر فہد کی جانب مڑا۔ ''عملے کو حادثے کی اطلاع دے کر یہ لاش بھجوادو۔ فارغ ہوکر آتے ہیں آج یہ حادثے کا معاملہ حل ہوجائے گا۔''

☆......☆......☆

میرا نام فرحان ہے۔ میرا باپ میری پیدائش سے قبل مرگیا تھا۔ صرف ماں تھی وہ لوگوں کے گھروں میں جھاڑو پونچھا کرتی تھی۔ اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ کر اچھا آدمی بن جاؤں۔ وقت کسی ضعیف العمر بوڑھے کی طرح لمحوں کی لاٹھی تھامے، رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ میں اسکول جاتا تھا۔ اور دل لگا کر پڑھتا تھا ماں بیمار رہنے لگی...... اتنے پیسے نہیں تھے کہ کسی اچھی جگہ علاج کرواتی۔ بس محلے کے ڈسپنسر سے دوا لے لیتی اور کچھ وقت کے لئے افاقہ ہوجاتا......

زیادہ بیمار ہوئی تو بڑے اسپتال گئی۔ اس کا سانس اکھڑنے لگتا تھا۔ ڈاکٹر نے کچھ دوائیاں اور لمبا چوڑا بل دیا۔ ساری جمع پونجی ایک ہی بار خرچ ہوگئی تھی۔ دوبارہ اس اسپتال میں جانے کے پیسے نہ تھے وقت گزرتا رہا۔

ماں سے زیادہ کام نہ ہوتا تھا۔ اب وہ صرف دوگھروں میں کام کررہی تھی میں بھی ایک ورکشاپ پہ کام کرنے لگا۔ ماں نے بہت ڈانٹا۔ میں نے یہ کہہ کر اسے چپ کرادیا کہ ''ماں میں ساتھ ساتھ پڑھتا رہوں گا۔''

اس دن موسم بہت خراب تھا۔ ماں کا ''انہیلر'' جو وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھا کرتی تھی۔ وہ کچن کی سلیب پہ رکھا تھا۔ ماں برتن دھورہی تھی نجانے کیسے انہیلر پھسل کر پانی کی نالی میں گرگیا۔ ماں نے میری فرمائش پہ دال چاول بنائے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے اسے کھانسی کا دورہ پڑگیا۔ اور سانس اکھڑنے لگی۔ ''ماں !انہیلر کہاں ہے؟'' اسے پانی پلانے کی کوشش کرتے ہوئے میں نے پوچھا۔

''وہ...... پانی کی نالی...... میں۔'' اس سے بولا بھی نہ جارہا تھا۔

''میں نیا لے آتا ہوں۔ تو اپنا خیال رکھنا۔''

میں نے جلدی سے الماری سے پیسے نکالے۔ ''فرحان بیٹا! موسم خراب ہے!'' ماں نے تشویش سے گرجتے بادلوں کو دیکھا۔

''میں بس یوں گیا اور یوں آیا۔'' میں نے چٹکی بجائی اور باہر نکل گیا گھر سے کافی دور ایک میڈیکل اسٹور تھا شام کے ملگجے، جالے پر رات کا اندھیرا حاوی ہورہا تھا اور رات کے اندھیرے پہ سیاہ بادل غالب آرہے تھے اکا دکا دکانیں ہی کھلی تھیں۔ میڈیکل اسٹور پر پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہوچکی تھی میں بارش میں شرابور ہوگیا تھا انہیلر لے کر میں واپس پلٹا۔ تیز ہوا قدم اکھاڑنے کے درپے تھی۔ ایک گاڑی سست رفتاری سے چل رہی تھی میں کچھ سوچ کر جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا۔ گاڑی میں ایک ہی شخص تھا۔ ''انکل! آپ مجھے لفٹ دے سکتے ہیں؟'' پیدل جانے میں، آدھا گھنٹہ تو لازمی لگتا تھا بلکہ بارش کی وجہ سے وقت مزید بڑھ جانا لازم تھا جبکہ گاڑی میں محض چند منٹ لگتے۔

''ہاں کیوں نہیں...... آؤ بیٹھو۔''

''تھینک یو انکل!'' میں مسکرا کر بیٹھ گیا محض چند لمحے بعد ایک تیز ناگواری سی بو میری سانسوں میں اتر گئی۔ میرا سر اس قدر بھاری ہوگیا۔ میرا ذہن اندھیروں میں چکراتا چکراتا کہیں گہرائیوں میں ڈوب گیا...... پھر...... پھر...... میری آنکھیں کھلیں تو میں ایک تنگ سی کوٹھری میں تھا۔ وہاں ایک شخص ڈاکٹر والا لباس پہنے اسٹریچر پہ جھکا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر مجھے ماں یاد آگئی اور اس کے ساتھ ہی وہ شخص بھی جس نے مجھے لفٹ دی تھی۔ میں نے آس پاس دیکھا۔ انہیلر کہیں نہیں تھا۔

''ڈاکٹر انکل! آپ کے پاس انہیلر ہے؟'' میں نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

ڈاکٹر بدستور اسٹریچر پر جھکا کسی بے ہوش وجود کا غالباً آپریشن کررہا تھا۔

''ڈاکٹر انکل!'' میں اس کے قریب چلا گیا۔

اس نے مجھے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

''ڈاکٹر انکل!'' میں حلق کے بل چلایا۔ مگر اس پہ میری چیخ کا بھی کوئی اثر نہ ہوا کیا وہ بہرہ تھا؟ یقیناً وہ بہرہ ہی رہا ہوگا ورنہ میری چیخ سن کر تو مردے بھی اٹھ جاتے۔ ''ڈاکٹر انکل!'' میں اسے جھنجھوڑ ڈالا اور...... اور سناٹے میں رہ گیا۔

میں اسے چھو بھی نہ پایا تھا۔ میرے ہاتھ اس کے جسم کے اردگرد سے یوں گزر گئے تھے جیسے...... جیسے ہوا کا جھونکا...... میں خود کو محسوس بھی ہوا ہی کی طرح ہلکا پھلکا سا کررہا تھا۔

میری روح پر یکبارگی کسی نے منوں برف لادی تھی گویا...... تب میں نے بغور جائزہ لیا اور میرا وجود......

نہیں بلکہ میری روح آندھیوں کی زد میں آگئی۔

ڈاکٹر جس پر جھکا تھا وہ میں تھا...... ہاں......

بلاشک حقیقت وہ میں ہی تھا۔ پاس رکھے شیشے کے چھوٹے سے مرتبان میں پڑی اشیاء دیکھ کر میں پاگل ہوا تھا قصہ مختصر یہ کہ میرے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا گیا تھا دل، گردے اور جگر...... آنکھیں سب کا سب نکال لیا گیا تھا۔ میں روتا رہا۔ چلاتا رہا۔ لیکن ڈاکٹر اپنے کام میں مگن رہا......

میں وہاں سے باہر نکل گیا۔ پہلے میں تھوڑا پریشان ہوا تھا کہ میں کسی ٹھوس شے کو چھو نہیں سکتا۔ تو دروازہ کیسے کھول لوں گا؟ لیکن میں دروازے سے یوں گزر گیا جیسے دروازہ نامی کوئی شے راہ میں حائل ہی نہ ہوئی ہو۔ گھر پہنچا تو ماں مجھے دروازے میں ہی مل گئی میں روتے ہوئے اس کے سینے سے لگ گیا۔ ''بس...... بس ...... میرا بیٹا۔'' وہ میرا سر چومتے ہوئے بولی ۔یکا یک مجھے ہزاروں وولٹ کے کرنٹ نے آن لیا۔

''جب وہ ڈاکٹر مجھے دیکھ پایا نہ میری آواز سن سکا تھا۔ اور نہ میں کسی ٹھوس شے کو چھو سکا تھا تو...... تو ماں مجھے کیسے آغوش میں ......؟'' میں نے سر ایک جھٹکے سے اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

''تو کیا وہ بھی......؟''

''ہاں...... میں بھی مر چکی ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا، میں یوں تڑپا جیسے کسی نے مجھے جلتے انگاروں پر لٹا دیا ہو۔

''سن بیٹا! تجھے ان ظالموں سے انتقام لینا ہے۔ ان سب کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے تاکہ...... تاکہ مزید کوئی فرحان یوں نہ مرے......'' پھر وہ مجھے سمجھانے لگی کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔؟

''میں اب جا رہی ہوں۔ تم اپنا کام مکمل کر کے آجانا۔'' میں نے اس کا ہاتھ جکڑ لیا۔

''میں اکیلا؟ ماں مجھے ڈر لگے گا۔''

''کوئی بھی اکیلا نہیں ہوتا بیٹا! اللہ سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ بھی ہے۔ ویسے بھی ''اب'' تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟'' ماں نے میری پیشانی چومتے ہوئے مجھے سمجھایا تھا۔

''لیکن ماں......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں میں تمہارا انتظار کروں گی۔'' وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور پھر ماں کا روشنی لٹاتا وجود دھیرے دھیرے فضا میں تحلیل ہو گیا۔

☆......☆......☆

''لیکن تمہیں انتقام تو انہی لوگوں سے لینا تھا نا پھر؟ پھر یہ باقی لوگ کیوں تمہارا نشانہ بنتے ہیں؟'' امجد حسین شاہ نے فرحان کو تاسف سے دیکھا...... ''یہ سب لوگ اسی کام میں ملوث ہیں۔ بلواسطہ یا بلاواسطہ......'' فرحان کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

''کسی عامل وغیرہ کو بلانے کی ضرورت نہیں فہد انکل!'' فہد کا ذہن عاملوں کے گرد ہی چکرا رہا تھا فرحان کی روح کی بات نے اسے اچھلنے پر مجبور کر دیا۔

''میں بلاؤں گا اگر مزید اسی طرح حادثے ہوتے رہے تو......اور میری کارکردگی صفر رہی تو میں معطل کر دیا جاؤں گا۔'' فہد رضا اپنے ہی انداز میں سوچ رہا تھا۔

''مجھے صرف ایک ہفتہ مزید چاہئے۔ پھر میں اپنے اصل مجرم سے۔ یعنی اسی شخص سے انتقام لے کر چلا جاؤں گا جس سے میں نے لفٹ لی تھی۔'' فرحان کی روح نے گویا استدعا کی تھی۔ ''لیکن میں مزید یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اب جبکہ مجھے پتہ بھی چل گیا ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔'' فہد نے اٹل انداز میں کہا۔

''تم فکر مت کرو فہد! اسے ایک ہفتہ مزید دے دینا چاہئے۔'' امجد شاہ نے مداخلت کی۔

''لیکن......''

''بس......'' امجد شاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا کچھ اس طرح سے کہ فہد کے پاس بحث کی گنجائش ہی نہ رہی۔

''تھینک یو شاہ انکل!'' فرحان اداسی سے مسکرایا اور غائب ہو گیا، بارش اب ہلکی پھوار کی صورت برس رہی تھی۔

☆......☆......☆

رمیض کی گاڑی بھیگی سڑک پہ سست روی سے رینگ رہی تھی۔ آسمان تاریک تھا۔ آسمان تاریک تھا...... بادل اسے تاریک بنائے ہوئے تھے۔ باہر سوائے تاریکی اور برستی بارش کے کچھ بھی نہ تھا۔ کم ازکم رمیض کوتو یہی لگ رہا تھا لیکن اسے ''غلط'' لگ رہا تھا۔ باہر تاریکی اور برستی بارش کے علاوہ بھی ''بہت کچھ'' تھا۔ وہ اس وقت ایک دوست کے گھر سے واپس آرہا تھا۔ آج کل وہ بہت اداس تھا۔ اور اداسی کی وجہ اس کے پاس کام ''نہ'' ہونا تھی۔

وہ پچھلے کئی سالوں سے بردہ فروشی میں ملوث تھا۔ ویسے تو اس کے کام میں مردوزن، بوڑھے بچے کی کوئی خاص ڈیمانڈ نہ تھی مگر یہ بات وہ بخوبی جانتا تھا کہ بچوں کو ایک تو قابو کرنا آسان ہوتا ہے اتنا آسان جتنا کہ سامنے رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پینا...... اور دوسرے عموماً بچے ہر بیماری سے پاک ہوتے ہیں ورگرنہ آج کل تو کون شخص ہے جو بیمار نہیں وہ عموماً اسی وجہ سے بچوں کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کام نے اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر بیٹھا دیا تھا۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ ''اس'' طرح سے عرش پر پہنچنے والے محض ایک جھٹکے میں عرش سے فرش پر آن پہنچتے ہیں وہ بھی عرش سے فرش پر پہنچنے والا تھا۔ مگر...... وہ اس بات سے بے خبر تھا۔

بہرحال اس وقت وہ اداس تھا کہ اسے کام کرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے کیونکہ ان دنوں چیکنگ میں بے حد سختی تھی کوئی نیا پولیس آفیسر آیا تھا۔

بہرحال یہ کوئی نئی بات نہ تھی اکثر ایسے سرپھرے آفیسر آتے رہتے تھے ان کا علاج ان لوگوں کے پاس موجود تھا ان میں سے کچھ تو حالات کی کروٹ کے بل خود بھی سمت بدل لیتے تھے کیونکہ پیسے میں بڑی کشش ہے جو لوگ پہلے حربے کو ناکام بنا دیتے تھے ،ان کی پوسٹنگ کہیں اور کردی جاتی تھی۔ جو اور بھی ''سخت جان'' ہوتے تھے انہیں سرے سے معطل کردیا جاتا تھا۔ اور جو لوگ ''دردسر'' بن جاتے تھے، وہ خاموشی سے ''غائب'' ہوجاتے تھے جیسے بجلی غائب ہوجاتی ہے لیکن نیا آفیسر فہد رضا ان کے لئے مسئلہ یوں بن گیا تھا کہ وہ ایک وزیر کا بھیجتا تھا اس لئے اسے یوں غائب کردینا آسان نہ تھا۔ اس پر پوری پلاننگ سے ہاتھ ڈالنے کی ضرورت تھی۔ اور اس کے دوست کے گھر میٹنگ بھی اسی پلاننگ کے سلسلے میں تھی۔ وہ اپنے خیالات سے چونکا تب، جب ایک بچے کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔ ''انکل! آپ مجھے لفٹ دے سکتے ہیں؟'' صحت مند سرخ وسفید بچہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''آجاؤ۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بھائی کیا تھا جو وہ کچھ عرصے کے لئے شکار سے ''پرہیز'' کررہا تھا اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا نا! کہ شکار اگر خود اس کی کچھار میں آئے گا تو وہ تب بھی ''پرہیز'' کرے گا۔؟

بچہ آکر فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تو اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔ ''آپ کو یاد ہے انکل! میں ایک بار پہلے بھی آپ سے لفٹ لے چکا ہوں۔'' اس نے چونک کر بچے کو دیکھا تھا۔

''ہاں......''

اور وہ لفٹ میں کبھی بھول نہیں پاؤں گا۔'' بچے کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔

''کیوں؟'' اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''کیونکہ آپ کی ''لفٹ'' نے مجھے زندگی کی سڑک پار کروا کے...... موت کی سرحدوں میں دھکیل دیا تھا۔'' بچے کا سرد لہجہ اپنے اندر پتھریلا تاثر لئے ہوئے تھا۔

رمیض کے دماغ کو لگنے والا جھٹکا بے ساختہ تھا۔ ''یہ دیکھئے انکل!'' فرحان نے معصومیت سے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا اس نے سر گھما کر دیکھا اور...... اندر تک ہل گیا......

فرحان کا سر...... دھڑ سے الگ تھا۔ سر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ ''تم خود بھی ایک

تندرست آدمی ہو، بینائی بھی تمہاری کمزور نہیں ہے دل اور جگر بھی ٹھیک ٹھاک ہے اور خون تو...... لوگوں کا خون پی پی کر کچھ زیادہ ہی جمع ہوگیا ہے تمہارے اس ناپاک وجود میں۔'' وہ سر کو ہاتھوں میں کسی فٹ بال کی طرح گھماتے ہوئے بول رہا تھا۔

رمیض کا ذہن جب اس کی بات سمجھنے کے قابل ہوا تو پوری جان سے لرز اٹھا خوف نے یکبارگی اس پر اپنا جال پھینکا تھا۔ ''مم...... مجھے معاف...... معاف...... کردو۔'' لفظ کانٹوں کی طرح اس کے حلق میں اٹک رہے تھے۔

''اپنے کرتوت دیکھو، کیا تم معافی کے قابل ہو؟ اور اگر میں تمہیں معاف کر بھی دوں، تو کیا وہ سب لوگ تمہیں معاف کردیں گے جو تمہارے ظلم کا شکار ہوئے ہیں؟'' فرحان کی روح کا کاٹ دار لہجہ تلوار کی طرح اس کے دل کو چیر گیا تھا۔

خوف کے جال کا شکنجہ سخت تر ہوگیا اسے لگنے لگا کہ اس کی رگیں ایک زوردار جھٹکے سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گی۔ اس نے رحم طلب نظروں سے فرحان کو دیکھا...... مگر اس کے معصوم چہرے یا آنکھوں میں رحم کی جھلک دیکھنے میں کامیاب نہ ہوپایا۔ ''اور جو لوگ رحم نہیں کرتے، ان پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

☆......☆......☆

بارش بدستور جاری تھی مگر اس کی شدت میں کمی آگئی تھی۔ بوندیں اب جارحیت چھوڑ کر مصالحانہ انداز پر اتر آئی تھیں۔ چاند بادلوں کے بیچ سے ایک درز بنا کر نیچے جھانکنے کی کوشش کررہا تھا۔

امجد شاہ اور فہد رضا ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ اچانک فرحان کا روشن ہیولہ ان کے سامنے نمودار ہوا اس کے تاثرات پرسکون تھے سبزی مائل نیلگوں آنکھوں میں جہاں اس سے قبل انتقام کی سرخ آگ دہکا کرتی تھی وہاں اب اطمینان ہلکورے لے رہا تھا اسکے چہرے یا آنکھوں میں کسی قسم کی بے چینی کا شائبہ تک نہ تھا۔

''تھینک یو شاہ انکل!'' اس نے ممنون نظروں سے امجد شاہ کو دیکھا۔ ''اگر آپ فہد انکل کو منع نہ کرتے تو...... میں شاید اپنا انتقام نہ لے پاتا کیونکہ بے شک میں ایک روح ہوں مگر...... میرے پاس زیادہ طاقت نہیں ہے اس لئے کوئی بھی عامل باآسانی مجھ پر قابو پاکر مجھے واپس بھیج دیتا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ مجھے اپنے بس میں کرلیتا اور...... میں ہمیشہ کے لئے اس کا غلام بن کررہ جاتا۔ آپ بہت اچھے ہیں شاہ انکل! آپ کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ دنیا میں اچھے لوگ اب بھی موجود ہیں۔ صرف رمیض جیسے برے لوگ ہی نہیں ہیں۔ ایک بار پھر آپ کا بہت بہت شکریہ...... میں اب جارہا ہوں...... مجھے سکون مل گیا ہے اور اس میں ہاتھ آپ کا بھی ہے اگر میں انتقام نہ لے پاتا تو ہمیشہ بے چین رہتا...... قیامت تک انتظار کرنا پڑتا...... اور تب تک میں تڑپتا ہی رہتا......'' اس کے گلابی ہونٹوں پر بجی سرشاری مسکراہٹ اس کی خوشی کی شاہد تھی۔ اس کی آنکھوں میں ''شاہ انکل!'' امجد حسین شاہ کے لئے عقیدت وازحد تشکر تھا۔ ''میں چلتا ہوں، ماں انتظار کررہی ہوگی اور فہد انکل! آپ اطمینان رکھئے اب کبھی ''لفٹ'' والا حادثہ نہیں ہوگا اللہ حافظ۔'' فہد کو تسلی دے کر وہ پھر امجد حسین شاہ کی طرف مڑا...... ''اللہ حافظ شاہ انکل۔''

''اللہ حافظ'' وہ جواباً مسکرائے۔ فرحان کا روشن ہیولہ دھندلا ہونے لگا اور دھندلاتے ہوئے بالآخر غائب ہوگیا۔

''چلو...... گھر چلتے ہیں۔'' امجد حسین شاہ نے گم صم...... ساکت کھڑے فہد کو ٹہوکا دیا اور وہ واپسی کے لئے چل پڑے۔ ان دونوں کے انداز میں اطمینان تھا کیونکہ...... اب کوئی لفٹ لے کر...... موت سے ہمکنار کرنے والا نہیں تھا۔

جادوئی چکر

مدثر بخاری۔شہر سلطان

پورے علاقے میں ہو کا عالم تھا اور بھائیں بھائیں کرتا قبرستان میں ایک سایہ داخل ہوا، پھر وہ ایک بوسیدہ قبر کے پاس رک گیا، اس نے قبر میں نہ جانے کونسی چیز ڈالی کہ قبر سے ایک فلک شگاف چیخ بلند ہوئی۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔حقیقت اور ثبوت کہانی میں موجود ہے

صبح ہو چکی تھی بچے اسکول اور بڑے آفس جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ مزدور اپنی مزدوری کے لئے اور گھروں میں کام کرنے والی خواتین گھروں سے نکلنے کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔ اس پر رونق محلے میں سب ہی چہرے خوش باش اور زندگی سے بھرپور نظر آ رہے تھے یہ محلہ تھا ہی پر رونق اور خوش باش لوگوں کا مسکن۔ لوگ اس محلے کو ،امن محلے کا نام دیتے تھے ایک عرصہ ہو گیا یہاں کے مکین پیار و محبت کی عملی تصویر بنے نظر آتے تھے۔ خوش اخلاق اور زندگی گزارنے کے اصل فن سے آشنا لوگ اس محلے میں رہنے والوں کے درمیان حقیقی محبت نے امن کی مثال قائم کردی تھی۔ امن محلے میں سب کچھ تھا سوائے نفرت، جھوٹ، منافقت اور حسد جیسی غلیظ برائیوں کے۔ نماز فجر کے بعد مزدور طبقہ ناشتہ کرتا اور مزدوری کی تلاش میں گھر سے نکل جاتا۔

کچھ گھر امراء کے بھی تھے مگر انتہائی سادہ طرز زندگی نے ان کی زندگی کو مزید پرکشش اور حسین بنا دیا تھا۔ امراء صرف دولت کے ہی امراء نہ تھے بلکہ دل کے سخی اور ہمدرد انسان تھے دکھ سکھ کے سچے مگر مخلص محلے دار محلے کے امراء

میں ایک حاجی رمضان بھی تھے جو غریبوں کی خدمت کو اولین مقصد سمجھتے تھے انہوں نے محلے کے تمام بچوں کے لئے اسکول وین کا انتظام اپنی جیب سے کر رکھا تھا۔ پک اینڈ ڈراپ کی بہترین سہولت نے محلے کے تمام بچوں کو تعلیم کے حصول میں اہم کردار ادا کیا۔ خود ان کے اپنے بچے بھی اسی وین میں اسکول جاتے۔ حالانکہ ان کے پاس ہنڈا سیوک بھی مگر وہ امتیاز نہ رکھنا چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ اسکول وین کی مرمت اور پیٹرول اور ڈرائیور کے سارے اخراجات بھی اپنی جیب سے خرچ کرتے جو کہ ایک احسن قدم تھا۔

محلے میں صفائی کا خوب انتظام تھا۔ ایسا ہرگز نہ تھا کہ میونسپل کمیٹی کا وہاں اثر ورسوخ نہ تھا۔ بلکہ خود اپنی مدد آپ کے تحت سارا کوڑا کرکٹ ایک مخصوص جگہ اکٹھا کیا جاتا۔ میونسل کمیٹی کو مطلع کر کے ہفتہ بھر کا سارا کچرا اٹھوالیا جاتا۔ ہفتہ میں ایک دن صحت وصفائی کا دن منایا جاتا۔ ہر گھر میں خصوصی صفائی ہوتی، مرد چھٹی کے مخصوص دن گھر کے ساتھ پورے محلے میں صفائی کرتے۔

اس محلے میں خالہ رضیہ کا گھر بھی تھا ان کا کام سادہ اور صاف ستھرا تھا محلے کی نوجوان کنواری لڑکیوں کا اچھی جگہ رشتہ کرانا بخوبی جانچ پڑتال کرنا دونوں پارٹیوں کو ملانا بات چلانا اور پھر احسن طریقے سے ان کی شادی کروانا یہ ان کا ایک اعزاز تھا کہ انکی طے کرائی ہوئی شادی نہ صرف کامیاب ہوتی بلکہ شادی کے بندھن میں بندھنے والا جوڑا ہمیشہ خوش رہتا اعلیٰ اخلاق اور سچائی کا بول بولا واقعی اس محلے کا خاصا تھا۔ دو گھر چھوڑ کر دائیں طرف آنٹی صالحہ کا گھر تھا۔ آنٹی پڑھی لکھی، سگھڑ، معاملہ شناس اور عقلمند خاتون تھیں۔ محلے کے اکثر چھوٹے بڑے گھریلو معاملات وہ خود حل کرتیں۔ شاذ ونادر ہی ایسے معاملات سامنے آتے جو آنٹی صالحہ اپنی فہم وفراست سے ایسا حل کرتیں کہ سب دنگ رہ جاتے اور ان کی بات مانی بھی جاتی تھی گویا ہر کسی کو سر تسلیم خم ہوتا ان کے فیصلے کے آگے ان کے دو بچے تھے بڑا لڑکا ڈاکٹر تھا حال ہی میں ڈاکٹر عرفان نے ڈاکٹریٹ مکمل کی تھی۔ جبکہ ایک لڑکی رخشندہ بی اے آنرز کے آخری سال میں تھی آنٹی صالحہ خود ایک فاؤنڈیشن سے منسلک تھیں ان کے خاوند سجاد علی محلے میں ڈپارٹمنٹل اسٹور چلاتے تھے بہت ہی ایماندار اور نیک صفت تھے کوئی ایسا نہ تھا جو ان کی تعریف نہ کرتا ہو۔ ان کی نیک نامی ہی تھی کہ ہر کوئی ان کو عزت واحترام سے دیکھتا۔

☆......☆......☆

رات کے گھٹا ٹوپ سیاہ اندھیرے میں ایک سایہ انتہائی ہوشیاری اور چستی سے قبرستان کی جانب رواں دواں تھا۔ رات ڈھائی کا عمل رہا ہوگا۔ لوگ خواب خرگوش کی بجائے گھروں میں دبک کر لائٹ کا انتظار کر رہے تھے۔ البتہ ایک سایہ انتہائی تیز رفتاری سے ٹارچ کی روشنی میں قبرستان کی جانب رواں دواں تھا۔ قبرستان کا مغربی دروازہ بند تھا مگر یہ کوئی مسئلہ نہ تھا اس نے برق رفتاری سے دیوار تک رسائی حاصل کی اور پھر دوسری جانب جمپ لگادی ہلکی سی آواز پیدا ہوئی مگر شہر خموشاں کے باسی بے خبر سوتے رہے۔

وہ تیزی سے ایک قبر کی جانب مڑا۔ اس نے جیب سے ایک آلہ نکالا یہ ڈرل مشین جیسی ایک گراؤنڈ کٹر تھی اس نے سائیڈ بٹن دبایا مشین اسٹارٹ ہوگئی اس نے چاروں طرف سے اس قبر کو کھود ڈالا۔

جلد ہی قبر کا مردہ ظاہر تھا اس نے جلدی سے مردے کی گردن کاٹ کر بیگ میں ڈالی قبر بند کی اور قبرستان سے باہر آگیا۔

☆......☆......☆

امن محلہ کے لوگ خوش وخرم تھے اعلیٰ اخلاق اور سچائی کے ساتھ محبت وخلوص کے مالک۔

یہاں مزدور عبدالرزاق کا گھر بھی تھا۔ جس کے دو بیٹے تھے دونوں ہی اسکول جاتے تھے جبکہ اسکی بیوی گھروں میں کام کرتی تھی۔ گزر بسر اچھی ہورہی تھی۔ مزدور عبدالرزاق صبح سویرے نکلتا اور منہ اندھیرے واپس آتا۔ آج کل وہ شہر کے وسط میں تعمیر ہونے والے پلازہ میں کام کر رہا تھا۔ دو ماہ کے اس پروجیکٹ میں عبدالرزاق بھی مزدور بھرتی ہوگیا تھا۔ اور یہ اس کے لئے اچھی بات تھی۔

ساجد بی کام کا طالب علم تھا انتہائی ذہین اور قابل

میٹرک کے امتحان میں بورڈ نے اسے پہلی پوزیشن سے نوازا تھا۔ اس کے والد بینک میں کلرک تھے۔ ساجد کی اولین خواہش تھی کہ وہ بی کام کے بعد ایم بی اے کرے۔ اور اس کے لئے وہ محنت کررہا تھا۔

اس محلے میں شبو پہلوان بھی تھا۔ شبو پہلوان واقعی پہلوان تھا قومی سطح پر کئی مقابلے جیتے اور بہت سے انعامات اپنے نام کئے تھے۔ جاندار آدمی تھا۔ کئی اکھاڑے لڑے۔ نامی گرامی پہلوانوں کو پچھاڑا۔ خاندانی زمین وراثت میں ملی تھی۔ خالص اور بہترین خوراک کھاتا، کمال کا طاقتور آدمی تھا۔ غرض مکمل آدمی تھا۔ شادی کی مگر بیوی وفا نہ کرسکی اور جہان فانی سے کوچ کرگئی۔ محبت کی شادی تھی۔ اولاد بھی نہ تھی۔ چاہتا تو شادی کرسکتا تھا مگر زندگی تنہا گزارنے کا عزم کئے رکھا تھا۔

اسی خوشحال محلے میں ایک فیملی ایسی بھی تھی جو خاصی غریب تھی ان کے آٹھ بچے تھے مگر آمدنی قلیل تھی۔ تعلیم حاصل نہ کرپایا تھا۔ والدین دنیا چھوڑ گئے تھے محلہ والوں نے اسے پڑھانا چاہا مگر وہ نہیں پڑھا بلکہ ڈرائیور بن گیا۔ حاجی رمضان نے اسے ڈرائیور کے لئے منتخب کیا مگر اسے اس کام میں مزہ نہ آیا۔ محلے میں تندور والی روٹیاں نایاب تھیں۔ خاصا تجربہ تھا عامر کو اس کام کا۔ فیصلہ کیا گیا کہ عامر کو تندور لگادیا جائے محلے والے پریشان نہ ہوں عامر راضی ہوگیا۔

رمضان المبارک کی آمد تھی۔ سحری خوب اچھے طریقے سے کی گئی پہلا روزہ تھا سب نے روزہ رکھا لوڈشیڈنگ نے بے حال کررکھا تھا۔ ایک عجیب قسم کی صورتحال پیدا ہوگئی مگر حاجی صاحب نے سب کو پہلے روزہ کی افطار پارٹی دے ڈالی جس میں سب کو خصوصی شرکت کے لئے کہا گیا تھا۔

افطاری میں خصوصی انتظامات کئے گئے تھے۔ محلّہ کے تمام چھوٹے بڑے شریک ہوئے آخر میں حاجی صاحب نے لوڈشیڈنگ کے حوالے سے مشورہ کیا۔ اور فیصلہ کیا کہ پورے محلے کے لئے سولر انرجی سے لائٹ حاصل کرنے کے لئے انتظام کیا جائے گا۔ لائٹ جاتے ہی سولر سسٹم محلّہ کے گھر میں آٹومیٹک طور پر آن ہوجائے گا۔ حاجی رمضان نے اپنی طرف سے رقم کا تین حصہ اور باقی اہل علاقہ نے ادا کرکے سولر سسٹم آن کردیا گیا محلّہ کے اسکول میں جلد چھٹی کرنے کا اعلان ہوا۔

دوسری افطار پارٹی نے خالہ صالحہ کی طرف سے محلّہ کی تمام عورتوں کو دی گئی محلّہ کی تمام عورتوں نے خصوصی شرکت کی وہ ایک یادگار تقریب تھی میلاد کے بعد افطاری میں خوب دعائیں مانگی گئیں۔ اس دن آنٹی صالحہ نے عورتوں کے لئے 30 ہزار روپے والی ماہانہ کمیٹی ڈالنے کا اعلان کیا۔

''دیکھو! ہر ماہ 30 ہزار روپے نکلیں گے ہر عورت اگر بچت کرکے اس میں حصہ لے سکتی ہے رقم کی ضرورت ہر خاص وعام کو ہے تم اپنے خاوند سے مشورہ کرکے مطلع کرنا۔''

بہت سی خواتین اسی وقت نام لکھوا کر دلی خوشی کا اظہار کیا تھا یہ ایک احسن قدم تھا جسے قریباً ہر عورت نے سراہا۔ ویسے صالحہ آنٹی عورتوں کے لئے اٹھائے گئے ہر اقدام میں کوشاں رہتی تھیں۔

☆......☆......☆

رمضان المبارک اپنے اختتامی عشرہ میں تھا اہل علاقہ نے خوب عبادات کی۔ خصوصی محافل کا انتظام کیا گیا مسجد میں تراویح اور اعتکاف کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ محلے والوں نے مسجد کو خوب سنوارا تھا۔ حاجی صاحب نے اعتکاف میں بیٹھنے والوں کو گھر سے کھانا بھجوانے کا ثواب حاصل کیا گھروں میں عورتوں نے خوب عبادات کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق افطاری مسجد میں بھیج دیتا۔ لوگ روزہ افطار کرتے اور دعا کرتے۔

دوسری طرف شاپنگ کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ ہر کوئی اپنی حیثیت اور بجٹ کے اندر رہ کر عید کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ حاجی صاحب نے محلّہ کی کوآپریٹو سوسائٹی کے تعاون سے محلے کے غریب بچوں کو عید کے کپڑے پیش کئے۔ سویاں اور دودھ بھی خصوصی طور پر حاجی صاحب کی طرف سے محلّہ کے غریب لوگوں تک بطریق احسن

پہنچایا گیا۔

عید آئی اور گزر گئی۔ پھر جیسے ماحول بدلنے لگا کچھ حیرت انگیز واقعات جنم لینے لگے جو محلہ والوں کو ڈبونے لگے۔ وہ لوگ امن محلے میں نئے آوارد ہوئے تھے کون تھے وہ؟ اور کدھر سے آدھمکے تھے کوئی نہیں جانتا تھا۔

حاجی صاحب عمرہ کے لئے گئے ہوئے تھے اگر وہ ادھر ہوتے تو ضرور اس نئے محلہ داروں سے علیک سلیک کرتے۔

وہ چار لوگ تھے ایک مرد اور تین عورتیں مرد کا نام سلطان تھا۔ جبکہ عورتیں گھاگ قسم کی تھیں۔ ان کی ہنسی خوبصورت تھی محلہ میں نقاب کر کے گزرتی جبکہ ان کا مرد صبح کے وقت کم کم ہی نکلتا تھا۔ عورتیں گھر میں کھڈی یعنی خاص قسم کے کپڑے پر کئے جانے والا موتی ستارہ والا کام کرتی تھیں۔ انہوں نے گھر گھر جا کر سلام دعا کی اور محلے کی عورتوں کو اپنے کام سے آگاہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا عورتوں نے محلہ کی اکلوتی درزن شریفاں کو چھوڑ کر اپنے کپڑے ان کو دینا شروع کر دیئے اور واقعی ان کا کام جدید اور شاندار تھا۔

محلے کی ہر عورت اس کے پاس جانے لگی تھی ان کا کام چل نکلا تھا ویسے بھی تینوں عورتیں محنتی اور سلیقہ شعار تھیں جلد ہی انہوں نے اہل محلہ کے دل جیت لے اور مقبول ہونے لگیں۔

☆......☆......☆

سجاد علی اپنے اسٹور پر موجود تھے کے یکا یک ایک آدمی اندر داخل ہوا وہ فرنچ کٹ کے ساتھ اجنبی سا لگ رہا تھا سجاد علی نے زندگی اسی محلے میں گزاری تھی۔ ہر آنے جانے والے پر غور کرتا تھا یہ آدمی واقعی نیا تھا۔

”جی فرمائیے۔ آپ کو کیا چاہئے؟“ وہ بولے۔

”بیئر ملے گی یہاں......“ وہ عجیب زبان میں بولا۔

”سوری ......اس محلے میں شاید آپ نئے آئے ہیں۔ یہاں بیئر کوئی نہیں پیتا......!“

اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

”کمال ہے۔ تم لوگ بیئر استعمال نہیں کرتے۔“

اس کا لہجہ اکھڑا ہوا تھا مگر وہ پھر نارمل ہونے لگا تھا اور پھر مسکرا کر کہنے لگا۔ ”سوری سر! میں نے اس محلے کی بہت تعریف سنی تھی مگر یقین نہ تھا۔ سوچا آپ کو آزمالوں کیونکہ یہاں بیئر خصوصی طور پر بیگ میں رکھی جاتی ہے لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں۔“

”او کے بھائی! اب میں چلتا ہوں ہم اس محلے میں نئے آئے ہیں میری بیوی اور دو بہنیں کھڈی کا کام کرتی ہیں۔ سی یو۔“ وہ شخص چلا گیا مگر پورے اسٹور میں ایک بدبو کا سلسلہ شروع ہو گیا...... سجاد علی نے روم فریشنر اسپرے کیا تو جان میں جان آئی...... البتہ وہ شخص باہر رکھا ان کا رومال لے اڑا تھا۔ رومال اتنا خاص نہ تھا مگر شاید دھوپ بہت تھی اور رومال اسے ضرورت تھی۔

☆......☆......☆

آنٹی صالحہ نے جب نئے محلہ داروں اور ان کے بہترین کام کا سلسلہ سنا تو وہ بھی اپنے کپڑے لے کر جا پہنچیں۔ آنٹی نے اپنے پسند کے ڈیزائن سلیکٹ، کچھ شرٹیں الٹر کرائی تھی غرض وہ ان کے کام سے بہت متاثر ہوئی تھیں البتہ ان کے گھر میں ایک خاص قسم کی بدبو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا ذکر انہوں نے محلے کی دوسری لڑکیوں اور خواتین سے بھی کیا۔

”مجھے وہاں سب ٹھیک لگا مگر صرف ایک خاص قسم کی بدبو نے میرا دماغ خراب کر دیا چھوڑو اسے البتہ ان کا کام بہت اعلیٰ اور دام بھی کم۔“

”ہاں صالحہ بیگم...... مجھے بھی بدبو آئی مگر میں نے غور نہیں کیا۔

آنٹی رضیہ نے بتایا...... کچھ مزید عورتوں نے بھی تصدیق کی مگر پھر فیصلہ ہوا کہ صفائی کے دن انہیں بھی شامل کر کے سب ٹھیک کر لیں گے۔

سجاد علی گھر لوٹے تو ان کی طبیعت خاصی خراب تھی ان کا سانس پھول گیا تھا۔ گھر بالکل نزدیک ہی تھا گھر پہنچتے ہی ان کے حواس بے قابو ہو گئے اور وہ بیڈ پر بے سدھ ہو گئے صالحہ نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو دوڑ کے آئیں۔

سجاد علی بے ہوش تھے تیز بخار تھا۔ جلدی سے

عرفان کو فون کیا اس کا کلینک ساتھ ہی تھا۔ چند ہی منٹوں میں عرفان گھر پہنچ گیا تھا۔

کافی دیر بعد سجاد علی کو ہوش آیا۔ وہ الٹی الٹی باتیں کررہے تھے عجیب طرح کی بہکی بہکی باتیں...... عرفان اور رخشندہ اپنے ابو کی اس حالت سے شدید پریشان تھے کچھ سمجھ نہ آرہی تھی کہ اچانک ان کے ساتھ کیا ہوا؟ بے ہوشی اور پھر بہکی بہکی باتیں۔

☆......☆......☆

رزاق صبح سویرے پلازہ کے لئے مزدوری کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوتا تھا صبح کے آٹھ بج چکے تھے وہ اپنی سائیکل پر آگے بڑھا چلا جارہا تھا کہ اس کا ٹائر پنکچر ہوگیا سائیکل ورکس تھوڑا آگے تھا اس نے سائیکل سے اتر کر ٹائر چیک کیا اور سائیکل ورکس کی طرف چل پڑا۔ دو گلیوں کے بعد سائیکل ورکس تھا وہ پیدل چل رہا تھا پھر وہ نئے محلے داروں کے گھر سے گزرا تو جیسے اسے بدبو کا بھبکا لگا اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا اس کے دماغ میں سرخ جھما کہ ہوا اور پھر اسے محسوس ہوا جیسے اس کے سر کے بالوں پر قینچی چلی ہو اور لمحوں میں اس کی بال کاٹ دیئے گئے ہوں۔ اس نے سر پر حیرت سے ہاتھ پھیرا اسکے پیچھے سے کافی سارے بال اکھاڑ لئے گئے تھے۔ البتہ فوراً ہی ایک فرنچ کٹ داڑھی والا آدمی سامنے آگیا۔

"کیسے ہو بھائی...... پریشان کیوں ہو؟"

رزاق گھبرا گیا۔ اس نے اس آدمی کے ہاتھوں میں دیکھا لیکن ہاتھوں میں کچھ بھی نہ تھا۔

"اوہ کچھ نہیں...... آپ اس محلے میں نئے آئے ہیں شاید۔"

"ہاں...... میرا نام سلطان ہے یہ نکڑ والا میرا گھر ہے۔"

"اچھا لگا آپ سے مل کر......" مصافحہ کرتے ہی وہ شخص واپس مڑ گیا جبکہ رزاق حیرت کا بت بنا کھڑا رہا۔ اس نے اپنے ہاتھ کو سر پر رکھا مگر اب بھی وہاں بال غائب تھے۔

اسی شام رزاق کے لئے مشکلات کھڑی ہوگئیں اس کی چھوٹی بیٹی کو دورے پڑنے لگے بہکی بہکی باتیں کرنے لگی خود رزاق کی بھی طبیعت ناساز ہونے لگی اسے یکا یک چکرآنے لگتا زمین گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی چھت گرتی ہوئی اور مختلف قسم کی خوف ناک آواز سنائی دینے لگی بعدازاں اس نے کالی بلی اور سانپ کے ساتھ چوہے دیکھے وہ آنکھیں صاف کرکے دیکھتا۔ وہاں کچھ نہ ہوتا اس کی بیوی کو بھی الٹی آنے لگتی۔ اور یہ حیرت انگیز صورتحال تھی۔

یہی نہیں بلکہ ادھر آنٹی صالحہ کو ایسا لگا جیسے چکر آئے ہوں۔ یہ ان کی زندگی کا پہلا موقع تھا جب انہیں چکر آئے تھے۔ وہ صوفہ پر بیٹھ گئیں پھر انہیں لگا جیسے زمین گھوم رہی ہو۔ ڈاکٹر عرفان نے انجکشن لگائے۔ صالحہ سوگئیں مگر پھر رات کے وقت وہ اچانک اٹھ بیٹھیں۔ ان کے دائیں طرف سانپ بیٹھا ہوا تھا جبکہ فرش پر بے انتہا چوہے پھر رہے تھے انہوں نے زوردار چیخ ماری۔ عرفان جو کہ فرمانبردار بیٹا تھا صوفہ سے اٹھ کر فوراً ماں کی طرف لپکا۔

"سانپ...... بیٹا ادھر سانپ ہے مارو اسے......"

وہ خوف زدہ تھی...... مگر عرفان کو سانپ تو در کنار سانپ کا بچہ تک نظر نہ آیا۔

"نیچے چوہے ہیں بیٹا......" وہ زور زور سے بول رہی تھیں مگر وہاں کچھ نظر نہ آیا۔

عرفان بولا۔ "امی یہاں تو کچھ بھی نہیں پلیز! اپنا خیال کریں!"

وہ سوچ رہا تھا کہ پہلے اس کے ابو اور پھر اس کی امی کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی یہ چکر کیا ہے؟

☆......☆......☆

خالہ رضیہ کی جان ہی نکل گئی جبکہ حاجی رمضان کی بیوی شازیہ نے انہیں اپنے گھر فوراً سے پہلے پہنچنے کا کہا...... ایسا پہلے تو کبھی نہ ہوا تھا جو خالہ کو اتنی عجلت میں بلاوا آیا تھا۔ وہ واقعی بہت جلدی سے برقع اوڑھے شازیہ بی بی کے گھر جا پہنچی...... تخت پر شازیہ بی بی براجمان تھیں۔

"سلام بی بی...... انہوں نے سلام کیا۔"

"والسلام...... بیٹھو خالہ انہوں نے ایک نظر دیکھا

اور بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا۔
”خیریت ہے بی بی جی......“
”ہاں سب خیریت ہے مگر ایک مسئلہ ہے۔“ وہ بولیں۔
”جی حکم کریں۔“
”خالہ دیکھو ہمیں تم پر برسوں پرانا اعتبار ہے تم ہماری بچیوں کے رشتے کراتی آرہی ہو اور ان میں سے کوئی رشتہ بھی ناکام نہ ہوا مگر صرف ایک رشتہ ایسا ہوا ہے کہ دوسرا خاندان ہماری بیٹی کو غائب کر کے صاف مکر گیا ہے۔“ یہ خطرناک بات تھی۔
چار ماہ پہلے خالہ نے حاجی رمضان کی بیٹی کا رشتہ ایک اچھے خاندان میں کرایا تھا۔ خاصی جانچ پڑتال اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر یہ رشتہ کیا گیا تھا شازیہ بی بی کی بیٹی شائستہ اپنے سسرال کافی خوش تھی کافی اچھے لوگ تھے کمال کے اعلیٰ ظرف لوگ پھر معاملہ کچھ الٹ ہو گیا۔
”پر مجھے کچھ بتائیں تو سہی کے معاملہ کیا ہے؟“ خالہ بولیں۔
”دیکھو رضیہ بہن، ہماری بیٹی دو ہفتے سے غائب ہے ہم اس کا فون ملاتے ہیں جو کہ بند جارہا ہے اس کی ساس، شوہر قریباً سب ہی فون پک نہیں کرتے میں نے اپنے بیٹے عارف کو بھیجا مگر وہاں شائستہ کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ وہ کہتے ہیں شائستہ تو اپنے میکے روانہ ہوگئی تھی اب تک گھر کیوں نہیں آئی۔ ہم لوگ سخت پریشان ہیں۔“ یہ اطلاع دل دہلا دینے والی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ شائستہ گھر کے لئے نکلی تھی مگر گھر سے کہاں چلی گئی تھی؟ جہاں تک ان کے رویوں کا تعلق تھا تو وہ بھی پراسرار تھا۔ شائستہ کا شوہر پراسرار طور پر غائب تھا۔ دونوں کا موبائل فون بھی آف تھا۔
”بی بی جی...... یہ کیسے ممکن ہے کہ شائستہ بی بی گھر آرہی ہوں اور آپ کو مطلع نہ کرے وہ آتے ہوئے کم از کم آپ کو ضرور اطلاع کرتی اور ساتھ میں اس کا شوہر بھی گم ہے ہوسکتا ہے دونوں ایک ساتھ ہوں۔“ رضیہ خالہ بولیں۔ خالہ ہماری تو جان نکلی جارہی ہے وہ ہفتہ سے غائب ہے جبکہ اس کا شوہر دو دن سے گھر نہیں آیا اللہ جانے کیا راز ہے۔ حاجی صاحب عمرہ کے لئے گئے ہیں ان کو مطلع کرنا لازمی ہے۔“
معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر چکا تھا۔ شائستہ غائب تھی جبکہ اس کے سسرال والے بے پرواہ نظر آرہے تھے کچھ سمجھ نہ آرہی تھی کہ ان کا یہ رویہ اتنا مایوس کن اور پراسرار کیوں تھا۔
”آپ تھانے میں رپورٹ درج کروادیں۔ کوئی تلاش تو شروع ہو۔“ خالہ بولیں۔
”نہیں رضیہ خالہ یہاں کی رپورٹ کبھی درج نہیں ہوئی لوگ اسے امن محلہ کہتے ہیں بدنامی ہوجائے گی حاجی صاحب سے بات کرنی ہوگی۔“

☆......☆......☆

پورے محلے میں ناخوشگوار واقعات کا ایک ایسا سلسلہ چل نکلا تھا کہ رکنے کا نام نہ لے رہا تھا حاجی صاحب کے گھر سے واپسی پر خالہ رضیہ کا سر چکرانے کی وجہ سے سیڑھیوں سے ایسی گری کے ایک ٹانگ سے معذور ہوگئی ٹانگ کی ہڈی فریکچر ہوئی تھی ان کا بیٹا زاہد شہر میں فیکٹری میں ملازم تھا وہ بے چارہ یہ خبر سنتے ہی گھر کو دوڑا۔ مزدور آدمی تھا سیدھا مگر سچا آدمی۔ ماں ہی تھی اس بے چارے کی اس دنیا میں...... ماں کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔
ادھر حاجی صاحب کی بیٹی شائستہ کا کچھ علم نہ تھا۔ حاجی صاحب کو فون پر اطلاع دی گئی تھی۔
اسی شام ڈاکٹر عرفان نے محلے کی کوآپریٹو سوسائٹی کی ہنگامی میٹنگ کال کی مگر ہر جگہ سے صرف ایک ہی جواب آیا کہ ہمارے گھر مختلف مسائل ہیں نہ صرف گھریلو تنازعات بلکہ گھر کا ہر فرد کسی نہ کسی جسمانی مرض میں مبتلا ہے۔
عاصم کی حالت انتہائی نازک، حاجی صاحب کی بیٹی غائب سجاد علی پریشان اور ذہنی مریض، صالحہ آنٹی بھی حال سے بے حال خالہ رضیہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی رزاق بھی ذہنی مریض بن کر گلیوں میں گھوم رہا تھا۔
آج صبح ہی بالے مزدور کی گائے اچانک مرگئی تھی

ملحقہ گھر میں دو بچوں کو پاگل کتے نے کاٹ لیا تھا ایک اور گھر میں فریج زمین پر آ گرا تھا۔ ایک کم سن بچہ شدید زخمی حالت میں اسپتال پہنچا تھا۔

حاجی صاحب کو سارے حالات تفصیل سے بتا دیئے گئے تھے معاملات کنٹرول سے باہر تھے۔ حاجی صاحب نے چند دن میں گھر آنے کا عندیہ دیا تھا نجانے کیوں لوگوں کو ان پر اندھا اعتماد تھا۔

حاجی صاحب نے معاملات غور سے سنے۔ یہ باتیں ان کے لئے نئی اور حیرت انگیز تھیں کیونکہ جس طرح سارے محلے میں نقصانات اور بیماریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ وہ ایک امتحان یا کسی عذاب الٰہی کا اشارہ تھا۔ مگر یہ بات حتمی تھی کہ امن محلہ کے لوگ نیک سیرت اور اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔ خدا اپنے نیک بندوں کا ضرور امتحان لیتا ہے۔

حاجی صاحب ساری باتوں پر غور کر رہے تھے انہوں نے استخارہ کیا رات کو خواب دیکھا کہ ایک گھر کے پائیں باغ میں پودے سوکھ چکے ہیں اور سیاہ دھواں پھیل رہا ہے سیاہ دھوئیں نے اس جگہ کو گھیر رکھا ہے پھر اس دھوئیں سے کالی شعائیں نکلنے لگیں منظر بدلنے لگا کالی شعائیں بڑی تیزی سے ہر گھر میں داخل ہونے لگیں۔ چند ہی لمحوں میں اہل علاقہ اس کالے دھواں کی زد میں آنے لگے دیکھتے ہی دیکھتے سارے گھر گرتے چلے گئے اسی دوران انہوں نے اپنا گھر بھی دیکھا پھر وہ گھر دکھایا جو اس محلے کے وسط میں تھا اس کا پائیں باغ مکمل طور پر سوکھ چکا تھا۔

صبح حاجی صاحب نے یہ خواب سعودیہ میں اپنے ایک دوست کے گوش گزار کیا۔

"اوہ...... حاجی صاحب! یہ جادو کا اثر ہے۔ ضرور کوئی ایسا ہے جو آپ کے گھر اور محلے پر کالا جادو کر رہا ہے جس طرح آپ نے محلے کے تمام مسائل بتائے ہیں اس سے اگر یہ خواب کمپیئر کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے آپ فوراً پاکستان پہنچیں۔ اور یہاں سے عجوہ اور آب زم زم لیتے جائیں اگر مسلسل سات دن تک عجوہ کھلائی جائے اور زم زم چھڑکا جائے تو جادو کا اثر نہیں ہوتا۔" ان کے دوست نے مشورہ دیا۔

حاجی صاحب نے بڑی مقدار میں عجوہ اور آب زم زم پیک کرائے اور پاکستان آ گئے۔

حاجی صاحب نے گھر گھر جا کر بیماروں کی عیادت کی اور عجوہ کے ساتھ ساتھ آب زم زم تحفہ میں دے کر ہدایات کی کہ سات روز تک مسلسل استعمال کریں۔

یہ انکے لئے حیرت انگیز بات تھی اسکول انتظامیہ نے ان کے بچوں کو اسکول سے نکال باہر کیا تھا کیونکہ کسی نے خسرہ اور چیچک کا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ یہ اہم معاملہ تھا۔

البتہ سجاد علی اور ان کی بیٹی کے ساتھ ان کا داماد بھی غائب تھا انہوں نے ڈاکٹر عرفان کے ساتھ مل کر ایک مہم شروع کردی تھی سب سے پہلے انہوں نے اس نئے اجنبی آدمی کو حراست میں لیا اس سے پوچھ تاچھ کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ البتہ اپنے تین اہم آدمی اس کے پیچھے نگرانی کے لئے لگا دیئے۔ جنہوں نے اطلاع دی کہ وہ آدمی ملک صفدر کے گھر رات کو داخل ہوا پھر وہاں سے قبرستان گیا، ایک قبر کھودی ایک مردے کی گردن کاٹی اور دوبارہ ملک صفدر کے گھر میں دیوار پھلانگ کر داخل ہوا۔

یہ ایک اہم پیش رفت تھی ادھر عاصم کی حالت کافی بہتر تھی ڈاکٹر عرفان کی والدہ بھی نارمل رویہ اختیار کرنے لگی تھیں یہ خوش آئند بات تھی۔

اگلی رات حاجی صاحب نے اس بندے کو رنگے ہاتھوں پکڑا ملک صفدر بیرون ملک میں تھے ان کا گھر شاندار مگر ویران تھا۔ وہاں ایک سائیڈ میں پائیں باغ تھا جہاں قریب سارے پودے سوکھ چکے تھے سوکھنے کی وجہ مناسب دیکھ بھال نہ تھی۔

ان کے ساتھ ڈاکٹر عرفان اور تین آدمی اور بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرنچ کٹ داڑھی والے کو زمین کھودتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اسی وجہ سے وہ پکڑا گیا تھا۔

بعدازاں سب نے مل کر اس جگہ کی کھدائی کی۔ چند منٹ کی کھدائی کے بعد پکی اینٹ ٹکرائی وہ ایک بڑا پتھر تھا سب نے مل کر اسے ہٹایا نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں وہ

اس فرنچ کٹ والے کی رہنمائی میں نیچے پہنچ گئے لائٹ آن کردی گئی وہ ایک بہت بڑا تہہ خانہ تھا ان کی حیرت عروج پر تھی کیونکہ وہاں بہت سے پتلے پڑے تھے۔ بہت سی کھوپڑیاں مورتیاں کپڑے، ناخن، بال، تصاویر، سوئیاں اور روزمرہ کی بہت سی چیزیں۔

اگلی صبح اس اجنبی آدمی نے انکشاف کیا کہ اس نے تمام محلے والوں کو ایک زبردست تباہ کن سحر میں مبتلا کردیا تھا۔

پورے محلے والوں نے حیرت کا اظہار کیا۔ بعدازاں وہ تمام لوگ حاجی صاحب کی رہنمائی میں اس تہہ خانے میں گئے۔

عورتوں نے کپڑے دیکھے یہ تمام کپڑے ان کے استعمال میں رہتے تھے ان کپڑوں کی گردنیں جادو میں جکڑی ہوئی تھی یہ وہ کپڑے تھے جوان عورتوں نے ان نئی درزنوں کو سینے کے لئے دیئے تھے مزدور رزاق کے بال بھی ایک کالے کپڑے میں سوئیاں مار کر بندھا ہوا تھا جبکہ عاصم کے پاؤں کے فوٹوگراف بھی سوئیوں میں چھپے ہوئے تھے آنٹی صالحہ کے کپڑے بھی ایک انسانی کھوپڑی میں انوکھے انداز میں لپٹے ہوئے ملے۔

بعد میں اس فرنچ کٹ داڑھی والے جادوگر نے تفصیل بتائی۔

"میں یہ بعد میں بتاؤں گا ہم کون ہیں؟ اور کیوں اس امن محلہ کو برباد کرنا چاہ رہے تھے۔

میں ایک جادوگر ہوں اور یہ تین عورتیں ہماری ٹیم کی ممبر ہیں ہم جہاں جاتے ہیں ایک ہی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ یہ محلے کی عورتوں سے تعلقات بناتی ہیں جبکہ میں خفیہ طریقے سے لوگوں کی استعمال کی مختلف چیزیں اکٹھا کرکے ان پر سحر کرتا ہوں اسے سحر مسلسل کہا جاتا ہے جس شخص پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کی استعمال کی اشیاء اکٹھی کی جاتی ہیں مثلاً کچھ لوگ بالوں پر سحر کرتے ہیں، سحر زور پکڑتا جاتا ہے ادھر متاثر شخص کی حالت خراب ہونے لگتی ہے۔

کچھ لوگ پاؤں کا فوٹوگراف لے کر اس پر سحر کرتے ہیں سحر کا عمل کرنے کے بعد ساحر مخصوص سوئیاں اس فوٹوگراف میں چبھوتا ہے اور جیسے جیسے سوئیاں لگتی ہیں متاثرہ شخص بالکل اصلی والا درد محسوس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کپڑوں، ناخن اور پٹیوں پر بھی جادو کا اثر ہوتا ہے۔

ہم لوگوں نے یہاں ایسا ہی کیا غلط فہمیاں اور بیماریوں کے ساتھ مسائل بڑھنے لگے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکے ہوتے مگر ہم فیل ہوگئے۔

یہ انکشافات خوف ناک تھے حاجی صاحب نے جادوگر سے سارے توڑ کروائے سحر کا اثر ختم کرنے کے بعد انہوں نے ساری چیزیں دریا میں بہادیں معاملات کافی حد تک ٹھیک ہوگئے تھے عبدالرزاق پہلے جیسی روٹین لائف شروع کرچکا تھا جبکہ سجاد علی بھی خود بخود گھر لوٹ آئے تھے آنٹی صالحہ کو چیک اپ کے بعد گھر لے آیا گیا۔

عاصم کے دانے خود بخود غائب ہوگئے ادھر حاجی صاحب کی بیٹی اور داماد بھی طویل بے ہوشی کے بعد گھر سے برآمد ہوئے تھے معلوم ہوا تھا کہ ان کے گھر والوں نے ان دونوں کو گھر میں موجود تہہ خانہ میں بند کررکھا تھا مگر جادو کے زیراثر تمام لوگ اس حقیقت سے ناآشنا تھے غالباً ان تمام لوگوں پر جادو کیا گیا تھا جس کے ٹوٹنے کے بعد سحر کا اثر ختم ہوگیا تھا۔

جادو کرنے والوں کا وطیرہ تھا کہ مسلمانوں کو تکلیف میں مبتلا کردیا جائے ہر گھر میں فساد برپا کردیا جائے ان کے درمیان پھوٹ ڈال دی جائے مذہب اور ملک کی محبت نکال دی جائے ناکارہ پرزہ بنادیا جائے نفرت کی آگ کو ہوا دی جائے۔

مگر حاجی صاحب کی فہم وفراست نے معاملات کو حل کردیئے تھے۔

مجرموں کو حوالے پولیس کیا گیا جبکہ امن محلہ ایک بار پھر اپنی حقیقی خوشی اور مسرتوں کے ساتھ دوبارہ آباد ہوگیا خوشیاں اور چہروں پر بشاشت لوٹ آئی تھی دشمن ناکام ہوگیا تھا۔

قبر کی چوری

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

قبر کے کھلتے ہی اچانک آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی ہر طرف پھیل گئی اور پھر اس کے بعد تابوت میں لیٹے مردے کی آنکھیں وا ہوگئیں ان آنکھوں میں غیض و غضب سے جیسے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی ڈراؤنی کہانی

وہ مے خانہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وہاں موجود زیادہ تر لوگ مقامی تھے۔ لمبے ہال کے دونوں کونوں پر موجود آتش دانوں میں آگ پوری طرح دہک رہی تھی اور کمرے کو گرم کررہی تھی۔ مے خانے سے باہر موسم خنک تھا۔ ہال کی کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ باہر گلیوں میں لوگوں کی آمدورفت کم ہوچکی تھی زیادہ تر لوگ موسم کی شدت کے پیش نظر اپنے گھروں میں گھس گئے تھے۔

شراب خانے کے ایک کونے میں آتش دان کے بالکل قریب ایک میز پر وہ دونوں بھائی بیٹھے تھے۔ اس لئے آگ کی حدت ان کو اپنے جسم کے ایک طرف زیادہ محسوس ہورہی تھی۔

جیک کراؤنز نے اپنے شراب کے گلاس کو احتیاط سے اٹھایا۔

ہیری نے اپنا گلاس ختم کر کے اسے میز پر رکھا اور ایک طرف کھسکاتے ہوئے بولا۔ ''ایک اور......'' اس کے ہونٹوں پر سفید جھاگ نے ایک حلقہ بنا دیا تھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں، ہمارے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔'' جیک دھیرے سے بولا۔

اسی وقت ہوا کے ایک ٹھنڈے جھونکے نے اس شراب خانے میں کسی نئے مہمان کی آمد کا اعلان کیا کیونکہ یخ ہوا کھلے دروازے سے بے دریغ اندر گھس آئی تھی۔ آتش دان میں آگ کے شعلے بھی لہرا سے گئے تھے۔ ایک چھوٹے قد کا فربہ شخص اندر آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ وہ کاؤنٹر پر گیا اور ایک مشروب خریدا۔ نشست کی تلاش میں اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی پھر موزوں جگہ دیکھ کر ان دونوں بھائیوں کے پاس آ گیا۔

ہیری نے مشکوک نگاہوں سے اس اجنبی کی طرف دیکھا جو بھورے رنگ کی پتلون اور چرمی کوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے بائیں گال پر اوپر سے نیچے چاقو کے ایک گہرے زخم کا نشان تھا۔

''تمہارا بٹوہ تو ابھی کافی بھرا ہے۔'' ہیری نے اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

''مگر...... اتنا نہیں کہ ہم بحری جہاز کا ٹکٹ خرید سکیں۔''

ہیری نے اپنی آنکھیں گھمائیں، ہونٹوں کو زبان پھیر کر گیلا کیا اور پھر بولا۔ ''ہمیں لیور پول کی بندرگاہ پہنچ کر کوئی کام یا مزدوری تلاش کرنا ہوگی۔ اسی طرح ہم اپنی منزل پر پہنچ پائیں گے۔''

''ہوسکتا ہے......'' جیک نے جواب دیا۔'' مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ ہماری جیب تقریباً خالی ہو چکی ہے۔''

''تم زیادہ ہی فکر مند ہو رہے ہو۔'' ہیری بولا۔

''کیا...... تم رقم کمانا چاہتے ہو؟'' چرمی کوٹ والا شراب کا گلاس اپنے منہ سے ہٹاتے ہوئے بول اٹھا۔ اس کی آواز دھیمی تھی مگر اتنی ضرور تھی کہ دونوں بھائی اسے سن سکیں۔

''کون ہے جس کو رقم کی ضرورت نہیں......''

جیک نے جواب دیا۔

''میں تمہیں ایک کام دلوا سکتا ہوں...... تھوڑا سا محنت طلب کام ہے۔'' چرمی کوٹ والے کی سرگوشی پھر ابھری۔

''آپ کا شکریہ جناب...... مگر ہم یہاں اجنبی ہیں۔ کل اگلی منزل کی طرف چلے جائیں گے۔''

وہ اجنبی مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میرا کام صرف آج رات کا ہے۔ میں تمہیں اس کا معقول معاوضہ دوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے چرمی کوٹ کی جیب سے سکوں سے بھری ایک تھیلی نکالی اور اسے ان دونوں بھائیوں کے سامنے میز پر اچھال دیا۔ وہ تھیلی لکڑی کے میز پر ایک دل فریب چھناکے کے ساتھ گری۔ سکوں کی کھنک مسحور کن تھی۔

ہیری نے بے صبری سے تھیلی کے اندر جھانکا اور پھر اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر سر ہلا دیا۔

''کام بتاؤ......'' جیک چرمی کوٹ والے سے بولا۔

اجنبی مسکرانے لگا اور اپنا مگ اٹھائے، کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب ہو گیا پھر وہ سرگوشی میں بولا۔'' میرا نام تھامسن ہے اور میں ڈاکٹر ہاتھورن کے لئے کام کرتا ہوں وہ کافی عرصے سے لندن میں رہا ہے مگر اپنی تحقیق کے سلسلے میں ہر چند ماہ بعد وہ یہاں آتا ہے۔ میں اس کی یہاں مدد کرتا ہوں۔''

''مدد......؟''

''میں اس کی تحقیق کے لئے درکار چیزیں خریدتا ہوں...... معاف کیجیے...... میں نے ابھی تک آپ دونوں کے نام نہیں پوچھے۔''

''میں جیک کراؤنز ہوں...... اور یہ میرا بھائی ہیری ہے۔ یہ ذرا کم گو ہے...... تم بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟''

تھامسن چند لمحے سوچتا رہا۔ فضا میں تازہ چمڑے کی ہلکی ہلکی بو پھیلی ہوئی تھی۔ جیک نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص یہاں کا مقامی چرم ساز ہے۔ وہ کلین شیو تھا اس وجہ

سے اس کے چہرے کا زخم زیادہ نمایاں ہوگیا تھا۔ اس کے سر پر چھوٹے چھوٹے بال سفید تھے جو صفائی سے اپنی جگہ جمے ہوئے تھے۔ گھنی بھنوؤں کے نیچے بھوری آنکھیں چمک رہی تھی ہونٹ قدرے خم دار تھے۔

''...... آج سہ پہر ایک عورت کی لاش قبرستان میں دفنائی گئی ہے۔ ڈاکٹر ہاتھورن چاہتا ہے کہ اس لاش کو اس کی قبر سے نکال کر اس کی جگہ کسی اور کو دفن کر دیا جائے۔'' تھامسن اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

''قبر کی چوری......'' دونوں بھائیوں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''یقیناً ایسا ہی ہے......'' چرم ساز نے جواب دیا۔

''وہ لاش ہی کیوں......'' جیک نے پوچھا۔

''ڈاکٹر ہاتھورن اپنی طبی تحقیق کے لئے اسے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ وہ انسانی جسم کے اندر شریانوں پر تحقیق کر رہا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ پرانی لاش اس کے کام کے لئے مناسب نہیں ہیں کیونکہ گلا سڑا جسم ساری حقیقت بیان نہیں کر سکتا۔ اسے تازہ لاش چاہئے جسے وہ چیر کر اس جسم کے اندر کا معائنہ کر سکے کیا تمہیں ڈاکٹر کے سکے قبول ہیں۔''

''تم خود کیوں نہیں یہ کام کر لیتے...... تم نے ہم دو اجنبیوں کا ہی کیوں انتخاب کیا؟''

''کیا یہ جاننا تمہارے لئے اہم ہے۔؟ میں تمہیں ڈاکٹر کی طرف سے ایک کام کی پیشکش کر رہا ہوں اور وہ اس کا تمہیں اچھا معاوضہ ادا کر رہا ہے۔'' جیک نے سکوں سے بھری تھیلی کی طرف دیکھا جو ہیری کے ہاتھوں میں تھی۔ ہیری نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں...... یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے اس کام کے لئے کسی مقامی فرد سے کوئی مدد کیوں نہیں لی۔ میرا خیال ہے کوئی بھی شخص ڈاکٹر کے اس کام کے لئے منع نہیں کرے گا کیونکہ یہ رقم کافی زیادہ ہے جو اس کام کے لئے تم ادا کر رہے ہو۔'' جیک نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''ہاں...... یہ رقم کافی زیادہ ہے مگر...... تم اتنی ہی رقم مزید حاصل کر سکو گے جب لاش کو قبر سے نکال کر ڈاکٹر کے حوالے کر دو گے...... کیا تمہیں یہ کام قبول ہے۔ یا پھر میں کسی اور کا انتظار کروں۔'' تھامسن نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ مگر جواب کا انتظار کئے بغیر پھر بولنے لگا۔ ''جیسا کہ میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں وقت کی رفتار اس کام کے لئے بہت اہم ہے۔ اس کام کو دوسرے دن پر ٹالا نہیں جا سکتا۔''

''پھر بھی...... میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کوئی مقامی آدمی اس کام کو کرنے کے لئے تیار کیوں نہیں ہے؟ اگر تم یہ مجھے بتا دو تو میں تمہیں اپنے جواب سے آگاہ کروں گا۔'' جیک کے لہجے میں ابھی تک شک جھلک رہا تھا۔

تھامسن اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہاری الجھن کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔'' پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ دوبارہ بولنے لگا۔ ''کیا...... تم مافوق الفطرت چیزوں یا یوں سمجھو بھوت پریت پر یقین رکھتے ہو؟''

''نہیں......''

''مگر...... یہاں اس شہر کے لوگ اس جدید زمانے میں بھی ان خرافات پر یقین رکھتے ہیں۔''

''بولتے رہو......''

''تھامسن میز پر جھکا، سر کو تھوڑا سا موڑا، کہنیاں میز پر ٹکائیں اور جیک کے قریب ہو گیا۔ فضاء میں چمڑے کی بو زیادہ ہو گئی۔ ''لوگ یقین رکھتے ہیں کہ قبرستان میں ایک بھوت رہتا ہے۔''

''بھوت......؟''

''ہاں بھوت...... بلکہ چڑیل...... کیونکہ وہ بھوت ایک مردہ عورت کا ہے۔ لوگ اسے نقاب پوش بھوت کہتے ہیں کیونکہ وہ سرتاپا ایک کالے رنگ کی عبا میں ملبوس ہوتی ہے بالکل ایک برقعے کی مانند، اس کے چہرے پر ماتمی باریک نقاب ہوتا ہے۔ رات کے وقت وہ قبرستان میں گھومتی رہتی ہے اگر تم اس کو دیکھ لو تو اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑے ہو جاؤ اسے گزر جانے دو۔ وہ ماتمی لباس میں ہے۔ اگر تم بھاگو گے تو وہ تمہارا تعاقب کرے گی۔ لہٰذا بے حس و حرکت کھڑے رہو۔''

''ایک بھوت پیچھا کرے گا......؟'' جیک اور

ہیری دونوں حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"ہاں...... یقیناً تم حیران ہو گے۔ میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ سب واہم ہے۔ نقاب پوش عورت کا بھوت بچوں کی کہانی ہے۔ جسے بچپن میں پڑھتے ہیں اور پھر جوان ہونے کے بعد حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اس شراب خانے میں اس وقت بھی ایسے کئی لوگ مل جائیں گے جو محض ایک سکے کی خاطر دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہو جائیں گے مگر...... رات کے اس پہر قبرستان میں جانے کو ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔ قبرستان کا نام سن کر ہی ان کا پتہ پانی ہونے لگے گا چاہے کتنی ہی بڑی رقم کی ان کو پیشکش کی جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں خود ہچکچا جاؤں گا۔" تھامسن نے ایک لمبی تقریر کر ڈالی۔

اس کی بات سن کر جیک مسکرانے لگا۔ بھوتوں کا ذکر سن کر وہ ہمیشہ دوسروں کو بے وقوف سمجھنے لگتا تھا۔ "اگر یہ معاملہ ہے تو میں اس کام کے لئے تیار ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ تھامسن کی طرف بڑھا دیا۔

چمڑا ساز نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔ "تو پھر ٹھیک ہے۔ اب سنو! میں تمہیں تفصیل سے سارا کام سمجھاتا ہوں۔"

☆......☆......☆

تقریباً 8 فٹ اونچا لوہے کا گیٹ اس اونچی نیچی سنگی دیوار کے بیچ میں کھڑا تھا۔ اگرچہ وہ بند تھا مگر مقفل نہیں تھا۔ وہ آسانی سے اندر جا سکتے تھے۔

جیک نے مڑ کر اپنے عقب میں اس راستے کو دیکھا جس پر چلتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ آبادی سے یہاں تک آتی ہوئی وہ گرد آلود ٹوٹی ہوئی پتھریلی سڑک ان کو درختوں کے بیچ ایک سیاہ لکیر کی مانند نظر آ رہی تھی۔ بائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس پر چرچ کا مینار بلند ہوتا نظر آ رہا تھا۔ یہ بلند مینار سیاہ آسمان پر چمکتے ستاروں کو چھوتا محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ دور آسمان پر پوار چاند ایک پیلے تھال کی طرح آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا۔ پہاڑی کے پیچھے جنگل میں دور کہیں الو کے چیخنے کی آواز ابھری۔

"مجھے...... بھوتوں پر زیادہ یقین نہیں ہے۔" ہیری آہستگی سے بولا۔

جیک اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں اور تم جانتے ہو...... ہمیں رقم درکار ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر...... یہ پھر بھی درست نہیں ہے۔"

کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہم اپنے ملک کے لئے لڑتے رہے ہیں اور اب لوگ ہمیں بھول گئے ہیں۔ سردیوں میں ہم کانپتے رہتے ہیں مگر گرم کپڑے نہیں خرید سکتے۔ امیر لوگ مردوں پر زیادہ خرچ کر دیتے ہیں مگر ہم جیسے زندہ لوگوں کو کچھ دیتے ان کی جان جاتی ہے۔" جیک نے سکوں کی وہ تھیلی چھنکاتے ہوئے جواب دیا جو اس چرم ساز نے اس کے سامنے میز پر پھینکی تھی۔ سکے ایک بار پھر چھنکے۔ وہ پھر بولا۔ "لیورپول کی بندرگاہ پہنچ کر امریکہ جانے والے جہاز کا کرایہ ادا کرنے کے لئے یہ رقم ہماری مدد کرے گی وہاں ہم نئی زندگی شروع کریں گے اور اس زندگی اور اس رات کو ہمیشہ کے لئے بھول جائیں گے۔"

"تم بھول سکتے ہو...... میں نہیں۔" ہیری کا لہجہ عجیب تھا۔

جیک نے گیٹ کو پکڑ کر دھکیلا تو آسانی سے کھل گیا۔ لوہا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ اس کے قبضے عجیب سے انداز میں چرچرائے۔ جیک نے قبرستان کے اندر قدم رکھ دیا۔ سامنے ایک پتھریلا راستہ بلکہ روش تھی جو گیٹ سے لے کر قبرستان کے وسط تک جا رہی تھی۔ دونوں طرف قبروں کے کتبے اندھیرے میں سر اٹھائے خاموش کھڑے تھے سب مل کر سائے بنا رہے تھے گیٹ کے قریب والی قبروں کے کتبے زیادہ پرانے تھے۔ پہلا والا تو تقریباً گر ہی چکا تھا۔ زیادہ تر اپنی جگہ چھوڑ کر ادھر ادھر لڑھکے پڑے تھے۔

گیٹ کے اندر دیوار کے ساتھ داہنی طرف ایک بڑے سے کمبل سے ڈھکی ہوئی ایک ہتھ ریڑھی پڑی ہوئی تھی۔ کمبل نے اس کو پہیوں تک ڈھانپ رکھا تھا۔ وہاں لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ ریڑھی کے دونوں لمبے لمبے

ہینڈل نمایاں تھے۔

جیک نے اپنی آنکھیں سیکٹر کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ اس کمبل کے نیچے کیا ہوسکتا ہے۔ وہ متذبذب تھا۔ ریڑھی کے ساتھ سیدھے ہاتھ پر اس کو زمین کھودنے کے کچھ جانے پہچانے اوزار نظر آئے ان کے متعلق تھامسن نے ان کو پہلے سے بتایا تھا۔ اس کو وہاں دو بیلچے اور ایک پھاوڑا نظر آیا، اس کے ساتھ ہی وہاں دو سلنڈر نما چیزیں بھی نظر آئیں جو یقیناً لالٹین تھیں۔

ریڑھی پر پڑے کمبل کے نشیب وفراز صاف بتا رہے تھے کہ یقیناً اس کے نیچے کوئی انسانی جسم تھا مگر جیک اس کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ احتیاط سے آگے بڑھا اور کمبل کو چھوئے بغیر نیچے پڑے اوزار اٹھالئے مگر واپس مڑتے ہوئے وہ کمبل ذرا سا ہل گیا اور فضاء میں عجیب ناگوار بو پھیل گئی۔

''کیا اس کے نیچے کوئی لاش ہے؟'' ہیری نے پوچھا۔

جیک نے کوئی جواب دیئے بغیر اپنے بھائی کو ایک لالٹین تھمادی اور اپنے والی لالٹین کا شیشہ اوپر کھسکایا۔ اس کو ریڑھی کے ایک کونے پر رکھی ماچس بھی نظر آ گئی تھی۔ جس کو رگڑ کر اس نے شعلہ بھڑکایا، لالٹین کی لو جلائی اور پھر شیشہ برابر کردیا۔

لالٹین جلنے سے اردگرد روشنی پھیل گئی۔ ہیری نے بھی اپنی لالٹین روشن کرلی۔

''جیک...... کیا یہاں کوئی لاش ہے؟'' ہیری نے دوبارہ پوچھا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' جیک اوزار سمیٹتے ہوئے بولا۔ ''اب آؤ ہم اپنی مطلوبہ قبر تلاش کریں۔ جتنی جلدی ممکن ہو کام مکمل کرلیں اتنا ہی بہتر ہے۔'' دونوں بھائی سنگی روش پر چلتے ہوئے گیٹ سے دور ہونے لگے۔ وہ قبرستان کے اندر جا رہے تھے۔

دونوں محتاط انداز میں دھیمی رفتار سے چل رہے تھے۔ ان کے قدم نپے تلے تھے۔ جیک کو اپنا معمول سے زیادہ رفتار سے دھڑکتا دل محسوس ہو رہا تھا۔ اس کو اپنے ماتھے پر پسینہ پھوٹتا محسوس ہوا جو گال سے گزر کر گردن کو چھو رہا تھا۔ معدے میں گرہ سی لگ گئی تھی۔ ایک عجیب کیفیت طاری تھی جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا تھا مگر وہ اپنی حالت کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ ایک سپاہی تھا، اس نے جنگیں لڑی تھیں، دشمن کو مارا اور زخمی کیا تھا مگر اس طرح کے اور اتنے خوف میں کبھی بھی مبتلا نہیں ہوا تھا۔

ہیری رکا، مڑا، گھوما اور اپنے آس پاس دیکھا۔ چاروں طرف قبریں تھیں۔ آسمان پر تیرتے بادل چاند کو اپنی آغوش میں چھپا رہے تھے۔ اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اور لالٹینوں کی روشنی کے سائے سمٹ رہے تھے۔

''مجھے...... یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔ آؤ یہاں سے نکل چلیں۔ جتنی مل گئی ہمیں اتنی ہی رقم کافی ہے۔ باقی کو بھول جاؤ۔'' ہیری کے لہجے میں خوف تھا۔

''ہم...... اس کے متحمل نہیں ہوسکتے ہیری......! تمہیں کسی بھوت سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیا تم نقاب پوش عورت کے بھوت سے ڈر گئے ہو؟''

''میں خوف زدہ نہیں ہوں...... مگر مجھے یہ جگہ پسند نہیں ہے۔'' ہیری نے جواب دیا اور سینہ تان کر کھڑا ہوگیا۔ وہ اپنے بڑے بھائی سے زیادہ قد آور تھا۔ اس کی چھاتی زیادہ چوڑی تھی۔

''مجھے بھی نہیں ہے......'' جیک نے پتھریلے راستے پر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''ہم اس کام کو جلدی ختم کرلیں گے اور پھر اپنے راستے پر ہولیں گے۔''

قبرستان میں دور کہیں کسی الو کے پھڑپھڑانے کی آواز ابھری۔ وہ یقیناً سیاہ آسمان میں پرواز کے لئے پر تول رہا تھا۔ قریب ہی کہیں پانی کی ٹپ ٹپ سنائی دے رہی تھی۔ شاید قبرستان کے ساتھ والے جنگل میں کوئی جھرنا تھا۔ جیک کو اپنے بھائی کے قدموں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی جو اس کو قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''ہم اپنی منزل کے قریب ہیں۔'' ہیری سرگوشی نما آواز میں بولا۔

جیک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سامنے قبروں کی ایک قطار تھی۔ ان کے کتبے قدرے نئے تھے اور ان پر لکھی

تحریریں لالٹین کی دھندلی روشنی میں بھی آسانی سے پڑھی جاسکتی تھیں۔ ”تمہارا کیا خیال ہے......کیا...... یہ قبروں کی قطار دائیں سے بائیں شروع ہورہی ہے۔“

”بائیں سے دائیں......“

جیک سنگی روش کو چھوڑ کر قبروں کے بیچ اتر گیا۔

چاند بادلوں کی گرفت سے آزاد ہوکر آسمان پر پھر سے تیرنے لگا تھا۔ ایک بار پھر اس کی زرد روشنی قبروں کو منور کرنے لگی۔ چالیس قدم آگے گھاس کے قطعے پر ایک جگہ تازہ کھدی ہوئی مٹی نظر آرہی تھی۔ مٹی زمین پر ایک ڈھیر کی صورت پڑی تھی۔ اس نئی قبر کے سرہانے کوئی کتبہ نہیں تھا، کوئی شناخت نہیں تھی۔

جیک قبر کے پاؤں کی طرف کھڑا ہوگیا۔ اس کے قدموں کے نیچے تازہ کھدی مٹی تھی۔ ہیری بھی اس کے قریب آگیا اور پوچھنے لگا۔ ”یہی ہے......؟“ جیک نے اثبات میں سرہلادیا۔ ان کے اردگرد بہت سی قبریں تھیں مگر ان کی مٹی اتنی زیادہ نہیں تھی۔

”یہی ہے۔“ جیک بولا۔

نیلے پھولوں کا ایک گلدستہ اس قبر کے اوپر پڑا ہوا تھا۔ ہیری جھکا اور اس نے بیلچے کی نوک کی مدد سے اس گلدستے کو ایک طرف ہٹادیا۔

”رکو......“ جیک نے اپنے بھائی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تیزی سے کہا۔ ”احتیاط ...... ہم اپنا کام ختم کرنے کے بعد اس کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیں گے۔“

ہیری کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے بیلچہ نیچے رکھا اور جھک کر اس گلدستے کو اٹھالیا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہمیں اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہئے۔“

”اگر ہم اس کو واپس رکھ دیں گے تو کسی کو شک بھی نہیں ہوگا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔“ جیک نے وضاحت کی۔

”ہمیں اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے۔ جب تک پتہ چلے گا ہم تو ہزاروں میل دور نکل چکے ہوں گے۔“

”مگر...... جیسا میں نے کہا ہے تم ویسا ہی کرو۔“

جیک بڑبڑایا تو اس کے لہجے میں تاسف نمایاں تھا۔

ہیری نے وہ گلدستہ اٹھایا اور اسے ایک قریبی قبر کے کتبے پر رکھ دیا۔ ”اس کی یہ جگہ ہے۔“ وہ بولا۔

جیک نے اپنی لالٹین زمین پر رکھ دی۔ بیلچہ بھی ایک طرف رکھا اور پھر پوری قوت سے اپنا پھاوڑا زمین کے سینے میں گاڑ دیا۔ وہ اوزار آسانی سے دھرتی کی چھاتی میں اتر گیا۔ قبر کے سرہانے کی طرف سے ہیری اپنا کام شروع کرتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں اپنا کام جلدی ختم کرنا ہوگا۔“

☆......☆......☆

مرکزی دروازے سے دور قبرستان کے پیچھے ایک چھوٹا سا کچا راستہ تھا۔ یہ راستہ چرچ سے اتر کر قبرستان کی جانب آرہا تھا۔ یہ کوئی باقاعدہ راستہ نہیں بلکہ ایک پگڈنڈی تھی جو جھاڑیوں اور درختوں کے بیچ بن گئی تھی۔ یہ راستہ یہاں کافی عرصہ سے تھا مگر صرف پیدل چلنے والوں کے لئے تھا کیونکہ یہ اتنا تنگ تھا کہ اس پر کوئی بگھی یا گھوڑا نہیں دوڑ سکتا تھا۔ یہ راستہ صرف وہ لوگ استعمال کرتے تھے جو اپنے عزیز واقارب کی قبروں پر آنے کے لئے مختصر فاصلہ طے کرنا چاہتے تھے اس راستے پر رات کی تاریکی میں ایک سایہ حرکت کررہا تھا۔ وہ سایہ سست روی سے چل رہا تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ لبادہ جھول رہا تھا جس نے اس کے جسم کو پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ پھر وہ سایہ خاموشی سے قبرستان میں داخل ہوگیا۔

☆......☆......☆

جوں جوں دونوں بھائی کھودتے ہوئے گہرائی میں اترتے گئے زمین سخت ہوتی چلی گئی۔ شروع میں بیلچہ اور پھاوڑا چلانا آسان تھا مگر اب کام مشکل ہوتا جارہا تھا۔ اوپر والی مٹی کے بوجھ نے نیچے والی مٹی کو سختی سے دبادیا تھا۔ قبر کے آس پاس مٹی کا ایک ڈھیر لگتا جارہا تھا۔ ہلکی ہوا چل رہی تھی اور جھینگر مسلسل بول رہے تھے۔ کچھ پتنگے لالٹین کی لو کے گرد نثار ہورہے تھے۔ لالٹین کے شیشے سے ٹکرا ٹکرا کر نیچے گر رہے تھے۔

دونوں بھائیوں نے اپنی قمیض اتاردی تھیں۔ ان

کے جسموں پر بہتا پسینہ چاند کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ دونوں بہت کم بات کررہے تھے۔ ان کی سوچیں ان کے دماغوں کے اندر ہی گردش کررہی تھیں۔ دونوں بری طرح تھک چکے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی دم لینے کے لئے رکنے کو تیار نہ تھا۔ دونوں جلد از جلد اپنے کام کی تکمیل چاہتے تھے تاکہ اس قبر سے باہر نکل کر قبرستان سے دور جاسکیں۔

گڑھا اس وقت ان کے قد کے برابر ہوچکا تھا جب ان کے بیلچے نے لکڑی کے تابوت کو چھوا۔ ان کے قدموں تلے خوف کی لہر دوڑنے لگی جیک کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ پڑا اور اس کو مٹی چبھنے لگی۔ وہ بے اختیار بول اٹھا۔ ''ہم نے کر دکھایا۔''

''جلدی کرو بھائی...... میں باقی کا کام مکمل کرتا ہوں۔ تم جاؤ اور اس ہاتھ ریڑھی کو یہاں لے آؤ۔'' ہیری نے اس کو مشورہ دیا۔

''ٹھیک ہے...... باہر نکلنے میں میری مدد کرو۔''

ہیری نے اپنے ہاتھوں کا پیالہ بنایا تاکہ اس کا بھائی اس پر پاؤں رکھ کر اوپر اچھلے اور قبر کے گڑھے سے باہر نکل سکے۔ جیک نے ایسا ہی کیا اور اچھل کر اپنے ہاتھ باہر کنارے پر جمادیے پھر اپنے پاؤں گڑھے کی دیوار پر ٹکائے اور ایک جھٹکے سے باہر کی طرف اچھلا۔ تھوڑی کوشش سے وہ باہر گھاس پر پہنچ گیا۔ لالٹین اٹھائی اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتے ہوئے ہیری سے مخاطب ہوا۔ ''میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔''

''اپنا خیال رکھنا۔'' ہیری نے گڑھے کے اندر سے اسے تاکید کی اور خود بیلچے کی مدد سے تابوت کے اوپر سے مٹی صاف کرنے لگا تاکہ اسے کھولنا آسان ہوسکے۔ جیک ایک طرف چل پڑا۔ روشن لالٹین اس کے ہاتھ میں لٹک رہی تھی۔ وہ تیز تیز چل رہا تھا۔ اس کو جھینگروں کی آواز اور قبر کے اندھیرے گڑھے سے دور جاکر بہت اچھا محسوس ہورہا تھا۔ ہوا کی ٹھنڈک خوش گوار محسوس ہورہی تھی۔ پسینے سے شرابور جسم کو یہ ٹھنڈی ہوا فرحت دے رہی تھی۔ وہ سنگی روش تک پہنچا اور پھر اس نے اپنا رخ قبرستان کے مرکزی دروازے کی طرف موڑلیا۔

بیرونی سنگی دیوار کے ساتھ رکھی ہاتھ ریڑھی ایک سیاہ ہیولے کی مانند نظر آرہی تھی۔ اس کے قریب پہنچتے ہی جیک کو ایک عجیب سی بے چینی نے آن گھیرا۔ یقیناً اس پر رکھے کمبل کے نیچے کوئی لاش تھی۔ کم از کم کمبل کا ابھار تو یہی بتارہا تھا۔ جیک کو لاشوں سے کبھی بھی خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ ایک سپاہی کی حیثیت سے وہ ان کو کافی دیکھ چکا تھا۔ کئی زندہ لوگوں کو مردوں میں تبدیل کرچکا تھا۔

جیک کو اگر خوف آتا تھا تو وہ صرف ڈاکٹروں سے۔ وہ ان کے چیرنے پھاڑنے اور کاٹنے والے اوزاروں سے بہت زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ یہی سوچ کردہ کمبل کے نیچے پڑی لاش سے بھی خوف زدہ تھا۔ ڈاکٹر کو مکمل لاش سے کیا سروکار، اگر وہ اس کو کاٹتا یا چیرتا پھاڑتا نہیں تو پھر ڈاکٹر یہ مصیبت کیوں مول لے رہا تھا۔

جیک نے کمبل کے ایک کونے پر ہاتھ رکھا وہ جانتا تھا کہ وہ اس تنہائی میں، اس جگہ ہمت کرکے بھی اس کمبل کے نیچے دیکھ نہیں پائے گا۔ وہ اسے اپنے بھائی کے پاس اس کو یونہی لے جائے اور وہاں پہنچ کر اس کا راز کھولے۔

مگر...... اس کے اندر کا تجسس اس کو کمبل کا کونا سرکانے پر اکسا رہا تھا۔ اس نے لالٹین کو بلند کیا اور جی کو کڑا کرکے دیکھنے کو تیار ہوگیا...... پھر ایک جھٹکے سے جیک نے کمبل کھینچ لیا۔

☆......☆......☆

قبر میں جھکا ہوا ہیری تابوت کو تقریباً صاف کرچکا تھا اب وہ آسانی سے اس کا ڈھکن کھول سکتا تھا۔

اسی وقت اس نے گڑھے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنی تو ایک دم سیدھا کھڑا ہوگیا۔ یہ فطری ردعمل تھا۔

''جلدی کرو...... میرا خیال ہے اب ہم اس کو کھول سکتے ہیں۔'' اس نے سرگوشی کے انداز میں پکارا۔

وہ اتنی جلدی اپنے بھائی کی واپسی پر خوش ہوگیا تھا۔

مگر...... وہاں جیک نہیں تھا۔ ہیری نے ادھر ادھر

دیکھا چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اس کو اپنا بھائی کہیں دکھائی نہ دیا۔

ہیری کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ بیلچہ ہاتھوں میں وزنی ہوگیا۔

"جیک......" وہ دوبارہ ہولے سے پکارا۔

مگر جواب ندارد۔

قبر کے کنارے پڑے مٹی کے ڈھیر کی وجہ سے وہ قبرستان میں دور تک نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ قبروں کے کتبے بھی اس کی حد نظر کو محدود کرتے تھے اور وہ گیٹ کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ چاند کی زرد روشنی بھی اس قدر نہیں تھی کہ وہ کچھ بھی صاف دیکھ سکتا۔

"جیک......" اس دفعہ وہ قدرے بلند آواز میں بولا۔ "کیا یہ تم ہو......؟"

جواب ملنے کی بجائے ہیری کو اپنی آنکھ کے گوشے میں کچھ حرکت محسوس ہوئی تو اس نے چونک کر اپنا سر اس طرف موڑ دیا۔

سیاہ لبادے میں ملبوس ایک سایہ سر تا پا سیاہ عبا اوڑھے ایک قبر کے کتبے کے عقب سے برآمد ہوا۔

ہیری اسے دیکھتے ہی ٹھٹک گیا۔ ایک ہلکی چیخ اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

اس سایہ نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ سیاہ لبادہ اس کے جسم کے گرد لہرا گیا۔ اس کا سر ایک طرف کو جھکا اور پھر مشینی انداز میں اس کا ایک ہاتھ اوپر اٹھا عبا کی چوڑی آستین لہرائی اس سایہ کے ہاتھوں میں بھی سیاہ دستانے تھے اور وہ انگلی سے ہیری کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

"جیک......" ہیری پوری شدت سے چلا اٹھا۔ اس کی خوف زدہ آواز پورے قبرستان میں گونج اٹھی۔

سایہ مزید آگے بڑھا...... وہ قبر کے قریب آیا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اس کا جسم بھی ادھر ادھر ڈول رہا تھا اس پر سیاہ عبا بھی جھول جھول کر ماحول کو مزید خوف ناک بنا رہی تھی۔ اس سیاہ پوش سایہ کی انگلی بدستور ہیری کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"میری مدد کرو۔" ہیری اب صبر کا دامن چھوڑ چکا تھا اور بری طرح چلا رہا تھا۔ بیلچہ اس کے ہاتھوں سے نیچے تابوت کے اوپر گر گیا اور خود اس نے اچھل اچھل کر قبر کے گہرے گڑھے سے باہر نکلنے کی کوشش شروع کردی۔ ہاتھوں گھٹنوں اور پاؤں کی مدد سے اس نے اندھا دھند کوشش کی اور پھر منہ کے بل قبر کے باہر گھاس پر آن گرا۔ اس کے منہ میں مٹی چلی گئی تھی۔ آنکھوں میں پسینہ گھس رہا تھا۔ اس نے اپنا سر موڑ کر دیکھا۔

سیاہ پوش اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اس کے سیاہ بازو پھیلے ہوئے تھے۔

"تم...... ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ پھر اس کے الفاظ ایک چیخ بن گئے۔ وہ سیاہ سایہ اس پر پوری طرح چھا گیا تھا۔

☆......☆......☆

جیک کا دماغ پوری طرح گھوم رہا تھا اور اس کو ابکائیاں آرہی تھیں۔ آہستگی سے وہ واپس کھڑا ہوا۔ وہ اس تختے پر رکھی لاش کو دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ لاش کسی مرد کی تھی۔ بالکل برہنہ۔ کھال کی رنگت پیلی پڑ چکی تھی اور پورے جسم پر گہرے رنگ کے دھبے تھے۔ آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں۔ بالکل ویران اور پوری طرح کھلی ہوئی۔ سرخی کے ڈورے پوری آنکھوں میں نمایاں تھے۔ اس کا منہ یوں کھلا ہوا تھا جیسے وہ چیخ رہا۔ ایک خاموش چیخ۔ اس کے چہرے پر درد اور خوف کے آخری لمحات منجمد ہو چکے تھے۔ مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں۔

اس آدمی کی موت خوف ناک تھی اور یہ سب جیک اس کے چہرے پر پڑھ سکتا تھا۔ جیک نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک دفعہ پھر چیخ کو حلق سے نکلنے سے روکا۔ اس آدمی کا سینہ پوری طرح کٹا اور کھلا ہوا تھا۔ اس کی ساری پسلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں اور ان کو پوری پیچھے دھکیل دیا گیا تھا۔ ہڈیوں کے سرے اوپر کی طرف مڑ گئے تھے۔ سینے کے اندر کچھ نہ تھا۔ بالکل خالی تھا، سینے کے اندر سے ہر چیز نکال لی گئی تھی۔ ہر عضو، گوشت کا ہر ٹکڑا، جیک

کوپسلیوں کا دوسرا سرا پیچھے ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ جڑتا صاف نظر آرہا تھا۔ سرجن نے اپنے مریض کا سینہ ایک خالی پیالے کی مانند چھوڑ دیا تھا۔ ایک خون آلود خالی پیالہ۔

جیک کو پھر ابکائی آ گئی اور اس نے دوبارہ ایک جھٹکے سے کمبل واپس اس ننگی ہوئی لاش پر ڈال دیا۔

''جیک۔ک۔ک۔ک۔ک۔''

کہیں دور سے اس کے بھائی کی دل دوز چیخ ابھری۔ اس نے گھبرا کر دوبارہ لالٹین اٹھالی۔

کیا...... یہ چیخ...... اس کا واہمہ ہے۔

اس نے چند لمحے انتظار کیا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ ہتھ ریڑھی وہیں چھوڑ کر عجلت میں بھائی کے پاس واپس جائے یا ریڑھی کو بھی ساتھ ہی لے جائے۔

''میری مدد کرو......'' ایک دفعہ پھر ہیری کی دلدوز چیخ ابھری۔

جیک کو ہوش آ گیا...... یہ اس کا واہمہ نہیں تھا۔ چیخ اس کے بھائی کی ہی تھی۔ اس نے ریڑھی کو وہیں چھوڑا اور بھائی کی طرف واپس دوڑا۔ سنگی روش پر اس کے جوتوں کی آواز بہت زیادہ ابھر رہی تھی۔ لالٹین اس کے ہاتھ میں پوری طرح جھول رہی تھی۔

ہیری نے اسے کیوں پکارا تھا۔ یقیناً جب تک خطرہ نہ ہوتا وہ اس طرح چیخنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کیونکہ کوئی بھی اس کی آواز سن کر ان کی موجودگی سے آگاہ ہو سکتا تھا۔

اس کو شک گزرا کہ شاید قبر کی مٹی کا ڈھیر پھسل گیا ہو اور اس کا بھائی اس کے اندر دب گیا ہو۔ زندہ دفن ہو گیا ہو۔ اس کی ٹانگیں زیادہ رفتار سے بھاگنے لگیں۔ وہ قبروں کی آخری قطار تک پہنچا اور پھر سنگی روش سے نیچے اتر گیا۔ اس کے قدموں کے نیچے گھاس پھسل رہی تھی۔

کھلی قبر میں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ روشنی کے سائے ایک گنبد کی مانند قبر کے اوپر چھائے ہوئے تھے۔

''ہیری......'' جیک چلایا۔ ''......ہیری......''

جواب ندارد......

قبر کے کنارے پہنچ کر جیک آہستہ ہو گیا۔ اس کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ قبر کے اندر ہی نہ جا گرے۔

''ہیری......تم کہاں ہو......؟'' جیک نے دوبارہ پوچھا۔

وہ قبر کے کنارے پہنچا تو قدرے جھک کر احتیاط سے اندر جھانکنے لگا۔

دوسری لالٹین جو وہ اپنے بھائی کے پاس چھوڑ گیا تھا، وہ قبر کے اندر تابوت کے چوبی ڈھکن کے اوپر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی بیلچہ بھی گرا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ قبر کے اندر اور کچھ نہ تھا۔ جیک کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

''ہیری......'' جیک پھر پوری قوت سے چلایا۔ اب اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی اس کی آواز سن لے گا۔ اب اس کو اس رقم کی بھی پرواہ نہیں تھی جو کام مکمل رہ جانے پر ان کو ملنے سے رہ جاتی۔ وہ اب صرف اپنے بھائی کو تلاش کرنا چاہتا تھا اور جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

''تم کہاں ہوں......؟'' وہ دوبارہ حلق کے بل چیخا

جیک نے لالٹین کو اپنے سر سے بلند کیا اور ادھر ادھر دیوانہ وار بھائی کی تلاش میں بھاگنے لگا۔ وہ ہر ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

ہیری تو اس کو کہیں نہ ملا مگر ایک پرانی قبر کے کتبے کے پیچھے سے ایک سیاہ پوش سایہ اپنی عبا لہراتا ہوا برآمد ہوا اور پھر اس سے پہلے کہ جیک کچھ سمجھ پاتا سیاہ پوش سایہ ایک طوفان کی مانند اس پر چھا گیا۔ جیک چیخنا چاہتا تھا مگر اس کو اپنے سینے پر اس کے استخوانی ہاتھ محسوس ہوئے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی ردعمل دکھاتا سیاہ پوش اپنا کام دکھا گیا۔

جیک پلٹ کر کھلی قبر کے اندر چوبی تابوت کے اوپر جا گرا۔

اس کو زمین اور آسمان ایک ہوتے محسوس ہوئے۔

لالٹین زمین پر گری۔ اس کا شیشہ چیخ گیا اور بجھ گیا۔

وہ سایہ...... وہ نقاب پوش عورت، قبر کے کنارے بل کھا رہی تھی اس کا جسم رقصاں تھا۔ جیک نے آخری بار اس نقاب پوش عورت کے بھوت کو دیکھا پھر جب اس کا سر چوبی تابوت سے ایک آواز کے ساتھ ٹکرایا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا چلا گیا اور وہ اپنے ہوش وحواس سے بے گانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

فضاء میں تازہ چمڑے کی بو پھیل گئی تھی۔

''آہا...... تم آگئے...... یہ رہی تمہاری رقم۔ کیا تمہیں کوئی مشکل تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں......''

''اس رقم کو میں نے ان میں سے ایک کی جیب سے نکالا تھا۔ تمہاری ہے۔''

فضاء سکوں کی کھنکھناہٹ سے گونجنے لگی۔

''وہ ہمیشہ کچھ رقم پیشگی چاہتے ہیں اور اگر میں یہ ان کو دوں تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ اس کو تھام نہ لیں۔''

ایک ہلکے قہقہے کی آواز ابھری، پھر دوبارہ سنائی دیا۔ ''مجھے اگلے ہفتے زیادہ ضرورت ہوگی۔ کچھ زیادہ عمدہ...... تمہارا کیا خیال ہے اس کا انتظام ہو جائے گا۔''

''ہمیشہ ہی ہو جاتا ہے۔''

''یہ تو ظاہر ہے...... میری تحقیق اب اختتامی مراحل میں ہے۔ جلد ہی میرا مقالہ تیار ہو جائے گا پھر ہم یہ کام روک دیں گے۔''

''کچھ لوگ اس کام کو گھناؤنا بھی کہتے ہیں۔''

''دوائیاں اور علاج ان کی بہتری ہی کے لئے ہیں مسٹر تھامسن......! میری تحقیق سے جو نیا علم حاصل ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والا فائدے کے سامنے یہ چند زندگیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔''

''میں آپ کا ایک ادنیٰ غلام......''

''تمہاری خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ تم نے میری اس وقت مدد کی جب میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ تمہارا شکریہ مسٹر تھامسن۔''

''اس کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔ میں نے تو صرف قلم کے لئے روشنائی مہیا کی۔ شاہکار تو آپ نے تحریر کیا ہے۔'' ایک دفعہ پھر سکے چھنک اٹھے۔

''اب آپ اپنا کام کریں۔ ہم اگلے ہفتے پھر ملیں گے۔''

☆......☆......☆

چمڑے کی مہک معدوم ہونے لگی۔

جیک نے بدقت تمام اپنی آنکھیں کھولیں۔

سارا منظر دھندلا تھا۔ دماغ گھوم رہا تھا وہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

کمرے میں درجنوں شمعیں روشن تھیں۔ کمرے کی دیواروں پر سفید رنگ کیا گیا تھا۔ چھت قدرے نیچی تھی۔ اس میں لکڑی کے تختے جڑے ہوئے تھے کمرہ یقیناً کوئی تہ خانہ تھا۔

جیک اپنی کمر کے بل پڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنا سر ایک طرف موڑا ایک دیوار پر گھڑیال لٹک رہا تھا۔ اس کو یاد آیا کہ وہ بے ہوشی کے عالم میں بھی اس کی ٹن ٹن سن سکتا تھا۔ کچھ دور دیوار کے ساتھ ایک چوبی زینہ تھا۔ کوئی اس پر چڑھ کر اوپر جا رہا تھا مگر پھر وہ رکا اور واپس مڑا۔

جیک کو وہ نظر آگیا۔ یہ تھامسن تھا۔ وہی چرم ساز، جو انہیں شراب خانے میں ملا تھا۔

جیک اس کے چہرے پر زخم کا نشان اچھی طرح پہچان گیا۔ یادداشت دھندلا رہی تھی، مگر اس کو اس کے چہرے پر وہی منحوس مسکراہٹ نظر آرہی تھی۔

''شب بخیر...... ڈاکٹر ہاتھورن۔''

''شب بخیر...... مسٹر تھامسن۔'' دوسری آواز ابھری۔

چرم ساز مڑا اور باقی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گیا۔ مختصر لمحے کے لئے وہ دروازہ کھلا مگر جیک کو دن کا اجالا نظر آ گیا۔ جب دروازہ بند ہو گیا اور وہ چلا گیا تو اس نے دوسرے آدمی کی تلاش میں اپنا سر دوسری طرف موڑا۔

''تمہیں ہوش آ گیا......؟'' دوسرے آدمی کی

آواز ابھری۔

جیک نے دیکھا اس کے قریب ہی کالی پتلون اور سفید ریشمی قمیض میں ملبوس ایک چھریرے جسم کا آدمی کھڑا تھا۔ آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں اور ہاتھ خون سے لت پت تھے۔ اس نے کالا ایپرن سینے پر باندھا ہوا تھا جو گھٹنوں تک لٹک رہا تھا۔ اس کی چمک دار آنکھیں جیک پر جمی ہوئی تھیں باقی چہرے پر سفید نقاب تھا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ میں کمال ہوں...... مگر یہ ایک بہترین درد کش دوا ہے۔''

''تم کون......؟'' جیک اٹک اٹک کر بولا۔

''میں...... ڈاکٹر ہاتھورن......'' اس آدمی نے نقاب کے پیچھے سے جواب دیا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بھورے بال نفاست سے سر پر جمے ہوئے تھے۔

''میرا بھائی کہاں ہے؟...... ہم پر حملہ ہوگیا تھا۔''

''تمہیں سر پر چوٹ لگی تھی۔ معمولی چوٹ تھی۔ میں نے اسے صاف کرکے پٹی لگادی ہے اب کوئی خطرہ نہیں۔''

''کیا تم نے ہمیں تلاش کیا؟''

ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ میں پکڑے نشتر کو اوپر اٹھا کر اس کا جائزہ لیا جو روشنی میں پوری طرح چمک رہا تھا، ڈاکٹر اسے اپنی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے بولا۔

''تم قبرستان میں تھے آدھی رات کو...... کیا تمہیں یاد ہے؟''

جیک نے اپنا سر ہلادیا۔ اس کے پورے جسم میں کپکپاہٹ دوڑ گئی۔ شاید درد کش دوا کا اثر کم ہورہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ریڑھی پر پڑی وہ بریدہ لاش گھوم گئی جو کمبل کے نیچے تھی۔ ''وہ لاش......؟''

''اس کو ٹھکانے لگادیا گیا ہے۔ تمہارا شکریہ...... جو قبر تم لوگوں نے تیار کی تھی وہ بالکل مناسب تھی۔''

جیک نے سمجھنے کی کوشش کی۔ اپنے ذہن کو مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ ''میں نے دیکھا...... ایک بھوت...... کیا یہ حقیقت ہے کہ تم نے ہمیں بچایا ہے؟''

ڈاکٹر ہاتھورن چند قدم اٹھا کر اس کے قریب آیا۔ جیک کی نظریں اس کے ساتھ ساتھ گھومیں۔ اس کے پیچھے دیوار پر ایک لمبا سیاہ چوغہ لٹکا ہوا تھا اور اس کے ساتھ سیاہ دستانے بھی جن پر لمبے لمبے ناخن لگے ہوئے تھے۔ ڈھیلی پتلون...... ایک قمیض...... باریک نقاب۔

''تم...... غلط سمجھے ہو میرے نئے دوست۔ تمہیں صرف اس تختے پر رکھی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لئے کام پر رکھا گیا تھا اور مجھے تازہ تازہ جسم چاہئے تھا تاکہ میں اپنی تحقیق آگے بڑھا سکوں۔ تم نے اپنا کام نہایت خوبی سے انجام دیا ہے۔''

''وہ...... عورت کی لاش...... وہ بھوت......؟''

''...... مرچکی تھی۔'' ڈاکٹر ہاتھورن اپنا سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھا اور اپنا نقاب نوچ کر اتار دیا۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔ ''وہ میرے کسی کام کی نہیں تھی۔ مجھے تازہ اور...... زندہ جسم درکار تھا۔ ایسا جسم...... جس کے سینے کے اندر دل دھڑک رہا ہو۔ پھیپھڑے سانس لے رہے ہوں اور معدہ اپنا کام کررہا ہو۔ میں انسانی جسم کو اپنا کام کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں اور تمہاری اس کھال کے نیچے قدرت کے یہ معجزے زندہ ہیں۔''

جیک نے حیرت زدہ ہوکر اپنا سر اوپر اٹھایا اور اپنے جسم کی طرف دیکھا۔

اس کے سینے کی کھال غائب تھی۔ پسلیاں ادھڑی ہوئی تھیں۔ کھلے خلاء کے اندر اس کو اپنا دل دھڑکتا اور خون بہتا صاف نظر آرہا تھا۔ ہر عضو پھڑک رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اپنا سر پیچھے جھٹکا اس کے لبوں پر زہرخند مسکراہٹ تھی۔

جیک کراؤنز کے لبوں سے ایک دل دوز چیخ ابھر کر فضاء میں پھیل گئی۔

زندہ صدیاں

قسط نمبر: 01

ایم اے راحت

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر جھلمل کرتی، قوس قزح کے دھنک رنگ بکھیرتی، حقیقت سے روشناس کراتی، دل و دماغ میں ھلچل مچاتی ناقابل یقین ناقابل فراموش انمٹ اور شاھکار کھانی

سوچ کے نئے دریچے کھولتی اپنی نوعیت کی بے مثال، لاجواب اور دلفریب کہانی

انٹرویو۔ ''آپ کا نام۔؟''

''گوتم بھنسالی۔''

''پتا کا نام۔؟''

''نہیں معلوم۔''

''کیوں۔؟''

''ماتا پتا نے مجھے مندر کو دان کیا تھا۔ اس سمے مندر کے بڑے پجاری شری بھگونت گوسوامی تھے۔ جنہیں میرے ماتا پتا کے بارے میں پتہ تھا۔ لیکن جب کسی کو مندر کو دان کیا جاتا ہے تو پھر وہ شونستان ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا نام اس کے نام کے ساتھ نہیں جڑا ہوتا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ کی عمر کتنی ہے؟''

''لاکھوں سال۔''

''اتنی لمبی زندگی آپ نے کیسے پائی؟''

''سنت بنسی راج کھتری کی کرپا سے۔''

''وہ کیسے۔؟''

''لمبی کہانی ہے۔''

''مختصر کر کے بتائیے۔''

''گنیش جی مہاراج نیا جیون پا چکے تھے۔ چکر سوامی نے انہیں ہاتھی کا سر دے دیا تھا۔ سنت بنسی راج رانی شوادری کے دربان تھے اور رانی شوادری امرت جل پا چکی تھی۔ انہیں نئے چاند کی رات کا انتظار تھا۔ امرت جل پورن ماشی کی رات پیا جاتا ہے۔ سنت بنسی راج کو امرت جل کا پتہ چل گیا اور انہوں نے امرت جل چرا لیا۔ ویسے ہی دوسرے برتن میں انہوں نے پانی بھر کر رکھ دیا جسے رانی شوادری نے امرت جل سمجھ کر پی لیا، لیکن اسی رات سانپ کے کاٹنے سے وہ مرگئی۔ بنسی راج کو ایسا ہتیکا چڑھا کہ وہ محل سے بھاگ آئے اور تھانیسر میں آ بسے۔ میں اس سمے، شیو مندر میں گھنٹہ بجانے کا کام کرتا تھا۔ اور کوروتی دیو کنیا تھی وہاں اور بھی دیو کنیائیں تھیں مگر میرا من کوروتی میں الجھ گیا۔ میں اس کا دیوانہ تھا مگر وہ میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی تھی۔

پھر ایک دن یکایک دوپہری میں، میں نے کوروتی کو بنسی راج کھتری کی آغوش میں دیکھا اور میرے تن من میں آگ لگ گئی۔ بنسی راج انہیں امرت جل کے بارے میں بتاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ بھاگوان تو اتنی سندر ہے کہ میرا من چاہتا ہے کہ سارا جیون تیرے ساتھ بتاؤں۔

''جیون ہوتا ہی کتنا ہے مہاراج۔'' کوروتی نے کہا۔

''اگر میں تجھے امر کردوں تو......''

''آپ؟''

''ہاں......'' بنسی راج بھگت نے کہا۔ ''اور مہاراج ناری کے دوار بڑے بڑے بھگتوں کے پیٹ کھل جاتے ہیں۔'' سو بنسی راج مہاراج نے پوری کتھا سنا دی۔ تبھی ان کا انت ہوگیا کوروتی نے ان کی گود میں بیٹھے بیٹھے ان کا ٹینٹوا دبا کر انہیں نرک پہنچا دیا۔ مگر اس بیچ میں نے بھی ساری باتیں سن لی تھیں مجھے کوروتی سے زیادہ امر جیون سندر لگا اور بنسی راج نے جو جگہ بتائی تھی اس طرف بھاگ نکلا تلاش کرنے پر مجھے پیتل کی وہ گڑوی مل گئی تھی جس میں امرت جل بھرا تھا۔ میں نے گڑوی منہ سے لگا کر کچھ گھونٹ ہی لئے تھے کہ کوروتی بھی وہاں آ گئی۔ اس نے بڑے غصے سے مجھے لات ماری اور گڑوی اچھل کر نیچے گر گئی۔ میں نے اس سے تھوڑا سا جل پیا تھا کوروتی نے مجھے چھوڑ کر گڑوی پر جھپٹا مارا اور اسے اٹھالیا اس میں ابھی کافی جل تھا جسے وہ غٹا غٹ پی گئی۔ پھر اس نے خونی آنکھوں سے مجھے دیکھا وہ میری دشمن بن گئی تھی بس مہاراج ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آدھا امرت جل پینے سے ہم امر ہوں گے یا نہیں۔ پھر بعد میں بھید کھل گیا۔ کوروتی نے مجھے ہلاک کرنے کی دسیوں کوششیں کیں مگر موت مجھ سے دور چلی گئی تھی وہ کامیاب ہوکر بھی ناکام رہی۔

تب میں مندر سے نکل بھاگا۔ اس لمحے سے میں نے اس سے بچنا شروع کردیا۔ اور یہ میرے پیچھے لگی رہی بعد کی خبریں آپ کو پتہ ہیں۔''

''اپنی طویل ترین عمر آپ نے کیسے گزاری۔ میرا مطلب ہے مجھ سے ملنے سے پہلے۔؟''

''لمبی کہانی ہے۔ یہ میری خوشبو سونگھتی پھر رہی تھی۔ میرے من میں یہ ڈر تھا کہ کہیں یہ کوئی ایسا علم نہ سیکھ لے جس سے یہ میرا خاتمہ کردے مجھے پتہ تھا کہ جو میں کرتا ہوں وہی یہ بھی کرتی ہے۔ میں بڑے بڑے جوگیوں اور سنیاسیوں سے ان کے علم سیکھتا تھا اور انہیں مار ڈالتا تھا کہ وہ کسی اور کو اپنا گیان نہ دے دیں۔ تبھی ایک مہان سنیاسی سے میں نے زاویوں میں کھولنے کا گیان سیکھا۔

''زاویوں میں کھولنے کا گیان۔؟''

''ہاں، یوں تو...... آج کے دور میں جب تم نائی سے حجامت بنوانے جاتے ہو نائی سمجھتے ہوتا۔ جواب، ہیئر ڈریسر اور ہیئر آرٹسٹ کہلاتے ہیں، اور جن کی دکانیں ہیئر کٹنگ سیلون کہلاتی ہیں، تو پہلے انہیں نائی کہا جاتا تھا تو میں کہہ رہا تھا کہ ان دوکانوں میں شیشے لگے ہوتے ہیں ان شیشوں کے جوڑ کے سامنے کھڑے ہوکر خود کو دیکھو تو دو شیشوں کے جوڑ میں تمہارا شریر چھوٹا ہوتا جاتا ہے اس کی چوڑائی کم ہوتے ہوتے ایک لکیر کی طرح رہ جاتی ہے یہ زاویوں کا کھیل ہے۔ اسی طرح کے زاویئے سورج کی اور چاند کی روشنی میں بنتے ہیں ان زاویوں میں تاریخ چھپی ہوتی ہے سنسار میں زندگی کے پہلے دن سے آج تک کی کہانی ان زاویوں میں چھپی ہوئی ہے بس ان کے رخ پہچان لو۔ سو میں نے زاویوں کا گیان سیکھا جس کی وجہ سے کوروتی سے بچا رہا۔ اور بھی بہت سے گیان سیکھے۔''

''قارئین۔ گوتم بھنسالی کی عمر لاکھوں سال، خاندان لاپتہ، تھانیسر کے قدیم مندر میں پوجا کا گھنٹہ بجاتے تھے رنگ کالا نقوش بے حد بھدے قد پانچ فٹ دو انچ، کمر پر کوبڑ نکلا ہوا۔ اس وقت ایک شاندار تھری پیس سوٹ میں ملبوس میرے سامنے موجود ہیں۔ ہاں ایک سوال اور بھنسالی صاحب۔''

''جی۔''

''معاف کیجیے۔ کوروتی جی، جو ابھی بہت خوبصورت ہیں، جوانی میں بے حد حسین ہوں گی، ظاہر ہے آپ ان کے ذوق حسن پر پورے نہیں اترتے ہوں گے اس لئے وہ آپ سے دور رہیں آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ آپ کوئی ایسا علم سیکھیں جس سے آپ جوان اور خوبصورت نظر آئیں۔

''میں ایسا علم جانتا ہوں۔''

''اگر آپ چاہتے تو کسی بھی دور میں کسی خوبصورت جوان کی حیثیت سے کوروتی جی کے سامنے آ کر ان کا پیار حاصل کر سکتے تھے۔''

''یہ...... یہ اسے دھوکہ کون دے

سکتا ہے، زمانے بھر کی چنڈال، جیون بھر میں اس کے آس پاس رہا کیونکہ میں اس سے پریم کرتا تھا مگر یہ میری باس پہچانتی تھی مجھے ہر روپ میں جان لیتی تھی تمہیں خود معلوم ہے۔''

''اے کبڑے، زبان سنبھال کر بول، چنڈال کسے کہا۔'' کوروتی نے غصے سے کہا۔

''شما، شما، شما، غلطی سے منہ سے نکل گیا تھا۔''

''پیارے قارئین۔ گوتم بھنسالی کا کافی تعارف آپ سے ہو چکا ہے۔ اس وقت میرے ڈرائنگ روم کے فرنیچر کے دو صوفوں پر میرے یہ دونوں مہمان براجمان ہیں۔ گوتم بھنسالی اور کوروتی جی۔ کوروتی کا حلیہ آپ کو بتادوں، حسین نقش و نگار، بے حد متناسب جسم، بڑی پروقار شخصیت کی مالک ہیں، قد بھی دراز ہے ایک بے حد قیمتی ساڑھی میں ملبوس ہیں۔ سب سے خوبصورت ان کی آنکھیں ہیں۔ صدیوں کی طرح سوتی ہوئی۔''

''جی کوروتی جی۔ اب آپ سے سوالات کرسکتا ہوں۔؟''

''جی۔!'' کوروتی جی کی آواز بھی بہت دلکش ہے۔ تو اب میں ان سے سوالات کرتا ہوں۔

''کوروتی دیوی۔ بھنسالی مہاراج نے جو کہانی سنائی ہے وہ ٹھیک ہے۔؟''

''ہاں......!''

''آپ انہیں مار دینا چاہتی تھیں۔؟''

''ہاں۔''

''کیوں۔؟''

''مجھے اس سے نفرت ہے۔''

''اب بھی۔؟''

''ہاں اب بھی۔ مگر تم نے اس سے میری صلح کرادی ہے۔ پر اس سے کہو کہ اب کبھی میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ کتنے ہی روپ بدل کر میرے پاس آئے میں اسے پہچان لوں گی۔ اب اس کے لئے یہی ٹھیک ہے کہ یہ مجھ سے دور، دور رہے۔ ورنہ میرے من میں اس کے لئے کرودھ رہے گا۔''

''آپ کی عمر بھی لاکھوں سال ہے۔''

''ہاں۔''

''زندگی کے ان لاکھوں سالوں کا تجربہ بھی عجیب ہوگا۔؟''

''تمہیں سب کچھ تو بتا اور دکھا چکی ہوں۔ امرت جل پینے کے بعد میرے جیون میں بڑی اونچ نیچ آئی پھر ایک دھر ماتما نے مجھے میری پسند کا راستہ دکھایا۔''

''آخری سوال!، آپ دونوں سے۔''

''پوچھیں۔''

''آپ کو پتہ ہے کہ آپ جیتے رہیں گے۔ کیا آپ دنیا کے آخری دن تک جینا چاہتے ہیں۔''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''میں اپنی بات کررہی ہوں۔ اس کبڑے کے من کا بھید میں نہیں جانتی۔ پرماتما نے جیون کو دو روپ دیئے ہیں، زندگی اور موت، منش کو زندگی کے بعد موت کا مزا چکھنا ہوتا ہے۔ بھگوان کی سوگند وہی اچھا ہے سب کچھ کرنے کے بعد تم سوچتے ہو کہ اب کیا کریں۔ بس یہاں سے اکتاہٹ ہونے لگتی ہے تمہیں لوگ ملتے ہیں تمہارے من میں ان کا پیار جاگتا ہے تم انہیں پیار کرتے ہو وہ بوڑھے ہوتے ہیں، مرجاتے ہیں تمہاری آتما تو منش جیسی ہے دل دماغ سب کچھ وہی ہے تم روتے رہ جاتے ہو، کیونکہ تم نہیں مرتے۔''

''گویا آپ کو یہ دائمی زندگی پسند نہیں۔''

''نہیں، میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں مرجاؤں۔'' کیا شعر یاد آیا۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

''اور تم کیا کہتے ہو گوتم بھنسالی۔''

''وہ ٹھیک کہتی ہے۔''

''یعنی آب حیات یا تمہاری اپنی زبان میں امرت جل پی کر تم خوش نہیں ہو۔ جب کہ تم دونوں نے حیات ابدی پانے کے لئے ایک انسان کو بھی قتل

کر دیا تھا۔"

"میں نے نہیں اس نے۔" گوتم بھنسالی نے کوروتی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور کوروتی نے ناک سکوڑ کر گردن پھیر لی۔

"قارئین! میں نے ایسے دو انسانوں کا انٹرویو آپ کے سامنے پیش کیا جو خود بھی نہیں جانتے کہ ان کی عمر کتنی ہے بس لاکھوں سال کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تاریخ کے لحاظ سے یہ لاکھوں سال کروڑوں سال تک پہنچ جاتے ہوں کیونکہ دنیا کی صحیح عمر کا تعین تو آج تک نہیں کیا جا سکا بڑے بڑے سائنس دان اور محقق دنیا کی عمر کے بارے میں اپنے تجزیے بیان کرتے ہیں خود ہمارا مذہب اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہتا۔

اصل بات تو وہی جانتا ہے جس نے یہ کائنات تخلیق کی اور اس کا ہر وہ راز جو اس نے راز رکھنا چاہا دنیا کے آخری دن تک راز ہی رہے گا۔ بھلا کس کی مجال ہے جو اسے منکشف کر سکے۔ ہاں ہم خاکی پتلے اپنی بساط بھر دماغ دوڑاتے ہیں اور اپنے طور پر بہت سے مفروضے تیار کر لیتے ہیں۔

تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ ان دو افراد کا انٹرویو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا لیکن آپ ابھی تک میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں......؟ جناب! میں ایک فکشن رائٹر ہوں۔ ادیب بہت بڑی چیز ہوتا ہے وہ ادب لکھتا ہے اور ادب کا ادب لوگوں میں بہت بڑا مقام ہے، ہم جیسے بے ادب لوگ بھلا اس مقام تک کہاں جا سکتے ہیں کہ خود کو ادیب کہیں۔

خیر...... تو میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ میں ایک فکشن رائٹر ہوں۔ یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ میرے ملک میں ادب نہیں بکتا فکشن بکتا ہے اب اس پر بحث میں بالکل نہیں کروں گا کہ ادب کیوں نہیں بکتا اور فکشن کیوں بکتا ہے حالانکہ میرے ذہن میں اس کی پوری وجہ موجود ہے۔ لیکن کسی کی دل آزاری سے کیا فائدہ۔ میں نے بڑے بڑے ادیبوں کی محفل میں بیٹھ کر دیکھا ہے انہوں نے خود اپنی ذات کو تاج محل بنا لیا ہے لیکن بس چھوڑیں۔ میں بہک رہا ہوں اور بہکنا نہیں چاہتا۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ میں ایک فکشن رائٹر ہوں مختلف جرائد اور رسائل میں لکھتا ہوں اور طویل عرصے سے لکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری بے شمار کتابیں بازار میں آ چکی ہیں جن کی تعداد پر لوگ حیرت کرتے ہیں لیکن میں کیا عرض کر سکتا ہوں میرا نام ذیشان عالی ہے آپ بڑے بڑے بک اسٹالوں پر میری کتابیں دیکھ سکتے ہیں میرا اپنا خصوصی شعبہ تاریخ ہے اور دنیا کی تاریخ پر میں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں والدین اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن انہوں نے میرے لئے بہت کچھ چھوڑا ہے۔ یہ خوبصورت گھر میرے والد نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ انہوں نے میرے لئے بھائی بہن نہیں چھوڑے مجھ ہی پر انحصار کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے البتہ تعلیم وغیرہ کے سلسلے میں انہوں نے میرے ساتھ کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ اور مجھے تعلیم دلائی ممکن تھا کہ ایک مخصوص تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں کسی اچھی جگہ ملازمت کر لیتا۔ کوئی کاروبار کر لیتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے بچپن ہی سے لکھنے کا شوق تھا۔ بچوں کی بہت سی کہانیاں لکھیں اس وقت جب بچہ تھا پھر دوسری تحریروں کی طرف آیا۔ اور تقریباً ہر موضوع پر لکھا لیکن جیسا کہ میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ تاریخ سے مجھے بہت زیادہ دلچسپی رہی اور جب بھی موقع ملا تو میں نے تاریخ پر کچھ نہ کچھ لکھ ڈالا۔

لکھنے کے لئے مطالعہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ بے شمار کتابیں میری لائبریری کی زینت ہیں اور میں نے ان سے بہت استفادہ حاصل کیا ہے چونکہ والدین دنیا سے چلے گئے اور کوئی ذمہ داری نہ تھی اس لئے کہیں نوکری وغیرہ کرنے کو بھی جی نہ چاہا اور لکھ لکھ کر ہی زندگی کے دن گزارے معاوضہ مل جاتا تھا جو میری ضرورتوں کے لئے کافی تھا۔ اچھا کھانا، اچھا پہننا فطرت کا حصہ تھا۔ اچھے اچھے ہوٹلوں میں جا کر بیٹھتا تھا۔ اور آپ کو اپنا رازدار بنانے کے لئے کہتا ہوں کہ حسن

پرستی میری فطرت کا ایک بڑا جزو ہے۔ صنف نازک اور خوبصورت چہرے گویا زندگی کی بیساکھیاں ہوتی ہیں اور میں نے ان بیساکھیوں سے ہمیشہ رابطہ رکھا۔ چنانچہ بہت سی بیساکھیاں میری دوست رہیں اور ہیں۔

اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں اس دن میں ایک خوبصورت کلب میں اپنی میز پر بیٹھا ہوا تھا ظاہر ہے ایسی جگہوں پر حسن کی کوئی کمی نہیں ہوتی ایک سے ایک حسین چہرہ لیکن کسی نہ کسی کی ملکیت، کسی نہ کسی کے ساتھ میرے جیسے تنہا لوگ بھی تھے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز آپ کو پسند آئے وہ آپ کی ملکیت بن جائے دیدہ وری بھی ایک بہترین مشغلہ ہے چنانچہ اس وقت میں دیدہ وری تھا کہ وہ وسیع وعریض ہال میں داخل ہوئی منفرد تھی بلاشبہ منفرد تھی حسین وجمیل چہرہ بڑی بڑی روشن آنکھیں انتہائی حسین تراش کے ہونٹ، سفید رنگ جس کے بارے میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ گہرے میک اپ سے بے نیاز ہے اور اپنی اصل شکل میں ہے۔ بہت ہی متناسب بدن اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے جسم پر بہت ہی سادہ لیکن قیمتی اور اچھی تراش کا سوٹ یعنی اس نے بہت زیادہ ماڈرن بن کے بدن کی کساوٹ کی تکلیف نہیں اٹھائی تھی۔

میں نے اسے دیکھا اور زیادہ دیکھا۔ پھر اس کے پیچھے دیکھا کہ اس کے عقب میں کونسا بھوت چلا آرہا ہے۔ لیکن اس نے اڑتی اڑتی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور اپنے لئے بیٹھنے کی جگہ تلاش کرتی رہی اتنی حسین لڑکی کے ساتھ اگر کوئی بھوت ہوتا تو بھاگ کر پہلے اس کے لئے بیٹھنے کی جگہ بناتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ تنہا ہی ہے ہال میں اس وقت تقریباً ساری میزیں بھری ہوئی تھیں اس نے بے بسی کی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے لئے جگہ نہ پا کر مایوس ہو گئی ہے ایسے معاملات کی مجھے کافی مہارت ہے تکلیف کی ضرورت نہیں تھی میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

''ہیلو......! آپ ادھر آجایئے۔''

اس نے چونک کر میری صورت دیکھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دل نشین مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ نازک نازک قدموں سے چلتی ہوئی میرے پاس آگئی۔

''تشریف رکھیئے۔''

''شکریہ۔'' اس نے مترنم آواز میں کہا۔ پھر بولی۔

''اس وقت آپ نے میری بڑی مدد کی ہے۔ اصل میں پہلی بار اس کلب میں آئی ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ یہاں اتنا رش ہوگا۔''

''اور اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ ہال میں اتنا رش ہے۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ آپ میرے قریب آگئیں۔''

اس نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

''میں قریب تو نہیں آئی۔''

''نہیں میرا مطلب ہے کہ آپ میری میز پر آگئیں۔''

''جی...... جی...... جی......جی! اور آپ کا شکریہ۔'' اس نے کہا اور ایک طائرانہ نگاہ چاروں طرف ڈالی پھر بولی۔

''اچھی گیدرنگ ہے۔''

''ہاں۔!''

''آپ اس کلب کے مستقل ممبر ہیں۔''

''نہیں بس کبھی کبھی آجاتا ہوں۔ کچھ میری شناسائیاں ہیں۔''

''کیا کرتے ہیں۔؟''

''سیر وسیاحت، زندگی سے خوشیاں کشید کرتا ہوں۔''

''واہ! اچھا مشغلہ ہے۔ اس کے علاوہ۔؟''

''رائٹر ہوں، کہانیاں لکھتا ہوں۔''

''ارے واہ......وری گڈ۔''

''آپ کو کہانیاں پسند ہیں۔''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''کہیں باہر سے آئی ہیں؟''

''ہاں اپنے گھر سے آئی ہوں۔'' وہ بولی اور اس

کی ہلکی سی ہنسی سماعت سے ٹکرائی۔

''میرا مطلب ہے۔آپ کا گھر کہاں ہے۔؟''

''یہیں اسی شہر میں۔''

''اچھا...... اچھا تو اس شہر میں رہتی ہیں اور اس کلب میں پہلی بار آئی ہیں۔''

''یہ کوئی انہونی تو نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''ہاں انہونی تو نہیں ہے...... خیر زیادہ تو نہیں بول رہا میں اگر آپ کو ناگوار ہو۔''

''ارے بابا...... ایسا احمقانہ تکلف کیوں کیا جاتا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ظاہر ہے آپ نے مجھے اپنی میز پر جگہ دی ہے میں بھی یہاں تھوڑا سا اچھا وقت گزارنے کے لئے آئی ہوں۔ ہم آمنے سامنے ہیں ظاہر ہے آپ بھی چپ اور میں بھی چپ یہ کوئی عقل کی بات ہوگی۔''

''قطعی نہیں قطعی نہیں۔'' میں نے اس کی بات سے خوش ہوکر کہا۔

''تو یہ مشغلہ ہے آپ کا...... اور......''

''نہیں بس یہی ہے۔''

''کیا لکھتے ہیں۔''

''فکشن لکھتا ہوں، فینٹسی پر لکھتا ہوں، زندگی کے اور بھی دوسرے بہت سے شعبے جن میں ایک انفرادیت کا حامل ہوں۔''

''یقیناً...... یقیناً...... آپ نے کہا تھا کہ آپ کو تاریخ سے بھی دلچسپی ہے۔''

''ہاں، تاریخ تو میرا بہترین موضوع ہے اور جب بھی مجھے کبھی موقع ملتا ہے اس پر کچھ نہ کچھ لکھ ڈالتا ہوں۔''

''ٹھیک...... واقعی تحریر نگاری بھی کمال کی چیز ہے۔ تاریخ کا جہاں تک معاملہ ہے تاریخ کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا ہے لیکن ان میں ایک عجیب سا رخ اختیار کیا گیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسے من وعن نہیں لکھا جاتا۔''

''آپ تاریخ پڑھتی ہیں۔؟''

''صدیوں کی تاریخ...... صدیوں کی تاریخ......

''اس کے لہجے میں کھویا کھویا پن پیدا ہوگیا۔ میں نے اس پر غور کیا اس کی عمر دیکھی نوخیز یت تھی۔ لیکن اس کی باتیں بڑی نستعلیق تھیں۔ مجھے حیرت ہونے لگی اور میں نے بے اختیار سوال کردیا۔

''بڑی اعلیٰ معلومات ہیں آپ کی، یہ آپ کی عمر سے مطابقت نہیں رکھتیں آپ کی عمر کیا ہے۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر مسکرا کر بولی۔

''بری بات بہت پرانا جملہ ہے کہ عورتوں سے ان کی عمر نہیں پوچھنی چاہئے۔''

''چلیئے ٹھیک ہے۔ آج یہ مسئلہ بھی شاید حل ہو ہی جائے کیونکہ میرا واسطہ ایک ایسی خاتون سے ہے معاف کیجیے گا خاتون کہنے پر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔''

''نہیں......'' وہ مختصراً بولی۔

''میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خواتین اپنی عمر کیوں چھپاتی ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟''

''بے وقوفی کرتی ہیں۔ مرد کی آنکھ بہت تیز ہوتی ہے وہ حقیقتوں کو بالآخر تلاش کر ہی لیتا ہے کیا ہے کوئی اپنی عمر چھپانے کے لئے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے اور میں آپ کو سچ بتاؤں کہ وہ عورت کی اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ آپ دیکھیئے نا وہ اپنی عمر چھپاتی ہیں اور مرد اس عمر کو جان جاتا ہے اپنے چہرے چھپاتی ہیں اور طرح طرح کے میک اپ کرتی ہیں لیکن مجھے ایک بات بتایئے کہ جتنے کاسمیٹکس ایجاد کئے گئے ہیں وہ مردوں ہی نے کئے ہیں۔ کسی بھی عورت کو ایک بھیانک میک اپ کا روپ دے کر مرد اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھتا ہے تو عورت سمجھتی ہے کہ اس نے بڑی فتح حاصل کرلی اور اس مرد کو شہید کردیا۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا جناب وہ کاسمیٹکس بیچنے کا ایک گر ہے۔ اگر کوئی خوبصورت سی لپ اسٹک یا اسی طرح کی کوئی اور چیز عورت اپنے چہرے پر لگائے اور مرد اس سے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کرے تو پھر وہ چیز کون

خریدے گا۔"

میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا۔

"واہ! آپ یقین کریں میں پھر حیران ہوگیا ہوں۔ آپ بڑی خوبصورت گفتگو کرتی ہیں۔"

پھر اس خوبصورت گفتگو کے ساتھ کھانے پینے کی خوبصورت خوبصورت چیزیں طلب کی گئیں اور ہم دونوں تھوڑی دیر میں بہت بے تکلف ہوگئے۔

"عالی! آپ کسی دن میرے گھر آئیں۔"

"کسی دن...... یہ تو زیادتی ہے آپ کی۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ چلی جائیں گی تو میرا وقت کیسے گزرے گا۔"

"دیکھا میں غلط تو نہیں کہتی تھی کہ آپ لوگ بڑے شکاری ہوتے ہیں اور ایک لمحے میں اپنے شکار کی ایسی تیسی کردیتے ہیں۔" اس کے انداز میں بڑی محبوبیت تھی۔ میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"معاف کیجیے گا کیا آپ کی ایسی تیسی ہوگئی۔؟"

میرے اس سوال پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، پھر بولی۔

"نہیں۔"

"پھر کیا فائدہ۔" میں نے مایوسی کی شکل بنا کر کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے اچھی باتیں کرلیتے ہیں آپ اور سب سے بڑی بات میں یہ کہتی ہوں کہ آپ کا شعبہ ایسا ہے جس سے مجھے بے حد دلچسپی ہے لیکن آپ نے اپنا نام ذیشان عالی بتایا نا۔"

"جی...... جی...... جی!"

"عالی صاحب آپ کتنا ہی کچھ لکھ چکے ہوں، دنیا کے بارے میں آپ کی معلومات کتنی ہی زیادہ ہو لیکن یہ دنیا اس سے کہیں زیادہ آگے ہے۔ اس کا تجربہ مجھ سے زیادہ شاید کسی کو نہیں ہوسکتا۔"

"اور میرے سر میں کھجلی ہورہی ہے۔ یہ سوچ سوچ کر کہ اتنی نوعمر میں آپ اتنی بڑی بڑی باتیں کس طرح کرلیتی ہیں۔"

"فرض کیجیے میں نوعمر نہ ہوں۔" وہ بولی۔

"تو میں کل ہی دن میں جا کر کسی اچھے سے آئی اسپتال میں اپنی نظر چیک کراؤں گا۔" وہ پھر ہنس پڑی اس کی ہنسی بے حد دلکش تھی اس نے کہا۔

"نظر دھوکا بھی کھا جاتی ہے کبھی کبھی کسی انسان کے اندر اتنے انسان چھپے ہوتے ہیں کہ اگر وہ انہیں نکال نکال کر باہر رکھے تو سب ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور دیکھنے والا ہوش و حواس کھو بیٹھے۔"

"آپ کو دیکھ کر تو کوئی پاگل ہی ہوگا جو ہوش و حواس میں رہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم لوگ بڑی دلچسپ اور مزیدار باتیں کرتے رہے۔ آپ خود تصور کریں، ایک بے حد حسین لڑکی آپ کے سامنے بیٹھی ہو اور آپ ایک لکھاری ہوں یعنی لکھاری میں نے خاص طور سے اس لئے کہا کہ ہماری حسیات کچھ زیادہ تیز ہوتی ہیں اگر ہم انسانی صفات سے روشناس نہ ہونے پائیں تو اس کے بارے میں لکھ کیا سکتے ہیں۔

خیر...... ہم اپنی گفتگو کے دوران یہاں تک پہنچ گئے کہ اس نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دے دی یعنی آج کی رات میرے لئے ایک کامیاب رات تھی اور اس کلب میں آنا نہایت مبارک میں نے اس سے اس کے گھر کا پورا پتہ سمجھ لیا، بہت سی ذاتی بات چیت ہوئی۔ لیکن کبھی کبھی وہ عجیب سے انداز میں بھٹک سی جاتی تھی جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی ہو پھر اتنا وقت ہوا کہ ہمیں اٹھنا پڑا۔ میرے پاس ایک چھوٹی سی کار موجود تھی کلب سے باہر آکر میں نے اسے پیشکش کی کہ اگر وہ چاہے تو میں اسے اس کے گھر پر ڈراپ کردوں۔

"وہ میری گاڑی ہے۔" اس نے ایک قیمتی بی ایم ڈبلیو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ایک بار پھر میرے سر میں کھجلی ہونے لگی بی ایم ڈبلیو کی قیمت آپ جانتے ہوں گے اس کے علاوہ اس نے جس علاقے کا پتہ بتایا تھا وہ بھی انتہائی پوش علاقہ تھا گویا بڑی آسانی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اب تک کی گفتگو کے دوران جو میرا اس سے تعارف ہوا تھا اس

میں اس نے یہی بتایا تھا کہ وہ تنہا اپنے گھر میں رہتی ہے۔ والدین وغیرہ کے بارے میں معلومات کی تو اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا کہ بات اپنی ذات تک محدود رہنی چاہئے۔ یہ بہت ہی فرسودہ طریقہ ہے کہ ہم انسان کی گہرائیوں میں آخر تک جاننے کی کوشش کریں مجھے یہ انداز پسند نہیں ...... مجھے بھی نہیں پسند تھا۔ میں نے تو بس اخلاقاً پوچھ لیا تھا۔ ان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کے علاوہ اور کیا کرسکتا تھا۔ جس نے اتنی خوبصورت لڑکی پیدا کر کے مجھے اس سے دوستی کا موقع دیا۔

اس رات اپنے گھر میں آ کر اس کے بارے میں نجانے کب تک سوچتا رہا۔ خوابوں میں بھی وہی نظر آتی رہی۔ اتنی ہی دلکش شخصیت کی مالک تھی۔ اس نے دوسرے دن شام کی چائے پر مجھے بلایا تھا۔ اور فرمائش کی تھی کہ اپنا بہت ہی خوبصورت سا سوٹ پہن کر آؤں یہ فرمائش بھی میرے لئے بہت حوصلہ افزا تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا کئی پبلشرز کے فون آئے۔ کچھ نے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور کچھ نے اپنے مسودوں کے بارے میں پوچھا میں نے سب سے نہایت عاجزانہ معذرت کرلی اور کہا کہ میں آج بے حد مصروف ہوں۔ اور واقعی آج کا دن میں نے اپنی ذات کو بنانے سنوارنے میں گزارا اور وقت مقررہ پر نک سک سے درست ہو کر سولہ سنگھار میں اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ یہ جملہ خواتین کے لئے مخصوص ہے اور انہی پر جچتا ہے لیکن شاید میں نے بتیس سنگھار کر ڈالے تھے۔ خوشبوؤں میں بسا آخرکار اس عالی شان کوٹھی پر پہنچ گیا جس کا دروازہ آٹومیٹک تھا۔ یعنی جیسے ہی میں اس کے گیٹ پر پہنچا دروازہ کھل گیا اور ایک آواز سنائی دی۔

''براہ کرم کار اندر لے آیئے۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھا کوئی نہیں تھا۔ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سب کچھ الیکٹرانک ہے۔ تھوڑا رعب پڑ گیا تھا میرے اوپر، لیکن ایک رائٹر جانتا ہے کہ کتنی ہی بڑی شخصیت کے سامنے کیوں نہ ہو اسے اپنے اعصاب پر قابو رکھنا ہوتا ہے ورنہ دو کوڑی کا ہو کر رہ جاتا ہے چاہے اس کی اپنی اوقات کچھ بھی ہو۔

گاڑی پورچ میں روکی تو وہ باہر نکل آئی۔ اس کی فطرت میں بے پناہ سادگی تھی۔ اس وقت بھی گھریلو قسم کا لباس پہنے ہوئے تھی لیکن حسن و جمال میں یکتا۔ اس کیفیت میں بھی وہ اتنی ہی حسین نظر آ رہی تھی۔ بڑی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس نے میرا استقبال کیا اور بڑی اپنائیت کے ساتھ اندر لے گئی۔ اس کا ڈرائنگ روم بھی بے پناہ خوبصورت تھا اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ۔ میں نے پسندیدگی کی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اب اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کروڑوں کی مالک ہے لیکن اس نے کلب میں یہ بھی بتایا تھا مجھے کہ اس کے ساتھ اور کوئی نہیں رہتا وہ تنہا ہے۔

مجھے بیٹھا کر اس نے کہا۔

''میں ابھی آئی۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی اور میں سوچنے لگا کہ ذیشان عالی جی اب کہ ہاتھ بڑا لمبا لگا ہے یعنی بے مثال حسن و جمال کی مالک یہ لڑکی تم سے ذرا متاثر نظر آتی ہے مگر ہے بڑی الجھی ہوئی چیز، بالی سی عمریا اور باتیں آسمانی واپس آئی تو ایک ٹرالی دھکیلتی ہوئی لا رہی تھی۔ جس پر ایک مشروب کے انتہائی خوبصورت برتن سجے ہوئے تھے۔ میں دنگ رہ گیا اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو جگ پر جو مینا کاری کی گئی تھی وہ سونے سے کی گئی تھی گلاس بھی اسی سیٹ کے تھے بہرحال یہ صرف اندازہ تھا میرا اور نہ موجودہ دور میں سونا اپنی قیمتوں کے لحاظ سے بالکل بے قیمت ہو گیا ہے کوئی اسے نہیں پوچھتا۔

اس نے مشروب کے دو گلاس بھرے ایک میری طرف بڑھایا اور بولی۔

''جناب! ذیشان عالی!''

''اور اگر میں آپ کو رانی کوروتی کہوں تو کیسا رہے گا۔''

''کوئی کسی کو کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ بس کوئی بدنما لفظ نہ ہو۔''

"آپ یہاں بالکل تنہا رہتی ہیں۔"

"ہاں! بالکل تنہا...... مجھے تنہائی پسند ہے۔ میں تو سمجھی تھی کہ آپ اپنی کچھ کتابیں لے کر آئیں گے۔ ان پر میرے لئے خوبصورت جملے لکھ کر۔"

"ارے ہاں غلطی ہوگئی۔ میں آپ کو اپنی کتابوں کا پورا سیٹ پیش کروں گا۔"

"جھوٹ مت بولیں عالی صاحب! آپ نے سوچا ہوگا کہ پہلے آپ میری اوقات تو دیکھ لیں۔ اس کے بعد اتنی قیمتی کتابیں مجھے پیش کریں۔"

"نہیں...... نہیں یقین کریں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تاریخ پر آپ نے کیا کیا لکھا ہے۔"

"بہت کچھ۔"

"تحقیق کہاں سے کی ہے۔"

"اس کے لئے بھی بکس ہی دیکھتا ہوں۔ اصل میں ہم نے تاریخ میں بھی بڑی گڑبڑ کر ڈالی ہے۔"

"میں یہی کہنا چاہتی تھی کہ تاریخ جب تک مستند نہ ہو بے مزہ ہو جاتی ہے۔"

"اچھا ایک بات بتایئے آپ، مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ کو بھی تاریخ سے دلچسپی ہو۔" میں نے کہا۔

"بہت زیادہ...... بہت زیادہ۔"

"میری نگاہوں میں آپ انتہائی پراسرار شخصیت ہیں۔" میں نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔ پھر وہ بولی۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ نے پراسرار کہانیاں بھی لکھی ہیں۔"

"ہاں، میں نے آپ سے کہا نا کہ زندگی کے لاتعداد موضوعات پر میں نے لکھا ہے۔"

"پراسراریت میں آپ نے کیا کیا لکھا ہے۔"

"بے شمار باتیں...... اب میں کیا کیا عرض کروں۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے اپنی کتابیں لانی چاہئے تھیں تاکہ آپ ان سے نہیں مجھ سے روشناس ہو جاتیں۔"

"آپ سے تو میں روشناس ہو چکی ہوں۔ آیئے میں آپ کو اپنی تاریخ دکھاؤں۔"

"آپ کی تاریخ؟"

"ہاں!"

ہم نے مشروب کے گلاس خالی کئے اور میں اس کے ساتھ اٹھ گیا۔ کوٹھی کافی وسیع تھی۔ ہر چیز بڑے کمال کی۔ لیکن جس کمرے میں وہ مجھے لے کر داخل ہوئی اسے دیکھ کر تو میں دنگ رہ گیا۔ دروازے سے داخل ہو کر اس نے روشنیاں جلائیں اور پورا کمرہ جگمگانے لگا لیکن اسے دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کمرے میں ہلکا سا فرنیچر تھا لیکن اس کی دیواریں دروازے اور کھڑکیوں میں لٹکے ہوئے پردے عجیب وغریب کیفیت کے حامل تھے۔ اس میں مصر، یونان، یورپ، امریکہ اور دنیا کے ہر قدیم دور کے مناظر دیواروں پر پینٹ کئے گئے تھے۔ پردوں تک پر بڑے حسین مناظر پینٹ کئے گئے تھے۔ اتنی بے مثال چیز کہ انسان دیکھے اور دیکھتا رہ جائے۔ مجھ پر بھی بڑا اترا ہوا تھا۔ اور میں تعریفی نگاہوں سے ہر شے کو دیکھ رہا تھا۔ یہ تو واقعی میری توقع سے کہیں زیادہ کی بات تھی۔ میں نے پلٹ کر حیرت سے اسے دیکھا تو وہ بولی۔

"بیٹھئے......" میں خاموشی سے بیٹھ گیا پھر میں نے کہا۔

"یہ سب کیا ہے مس کوروتی۔"

"دنیا...... سنسار...... کائنات...... کیا سمجھے۔"

"نہیں سمجھ پایا۔"

"میں نے کہا تھا نا تم سے ذیشان عالی کہ مجھے بھی تاریخ سے بہت دلچسپی ہے۔"

"ہاں لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اتنی دلچسپی ہوگی کہ آپ نے پوری کائنات ہی اس ہال نما کمرے میں سمیٹ لی۔"

"عالی ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ یہ محاورہ تمہیں پتا ہوگا تم نے مجھے دیکھا مجھ سے تعارف حاصل کیا لیکن جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ کبھی کبھی انسان کچھ نہیں سمجھ پاتا۔ میرے بارے میں تم کیا سوچتے ہو۔ تم تصور بھی

نہیں کر سکتے کہ میں کیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں تاریخ ہوں...... ذیشان عالی میں بذات خود تاریخ ہوں۔ میں نے تاریخ کے لاتعداد ادوار دیکھے ہیں میں نے تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں دنیا کی تاریخ میں لاتعداد کردار خود ادا کر چکی ہوں۔ سمجھ رہے ہونا۔"

"سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میری عمر کے بارے میں تم نے پوچھا تھا اب بتاؤں میری عمر کیا ہے۔"

"بتا دیجیے۔"

"لاکھوں سال...... لاکھوں سال...... میری عمر لاکھوں سال ہے لیکن یہ مت سمجھنا کہ میں کوئی زندہ وجود نہیں ہوں، مجھے چھو کر دیکھو میں ایک مکمل شخصیت ہوں۔ لیکن میرے لاکھوں روپ ہیں۔ بدلتے ہوئے ادوار کے ساتھ میرے لاکھوں روپ۔"

دفعتاً مجھے زور کی ہنسی آ گئی تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"ہنسے کیوں؟"

"وہ جو کہتے ہیں نا کہ اونٹ جب پہاڑ تلے آتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ بلندی کیا چیز ہوتی ہے۔ اگر آپ کا نام واقعی کوروتی ہے تو میڈم کوروتی آپ مجھ سے بڑی فکشن رائٹر ہیں یقینی طور پر اگر آپ چاہیں تو بڑی اعلیٰ کہانیاں لکھ سکتی ہیں اور وہ بھی ہر موضوعات پر۔ آپ نے واقعی مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے۔ خاص طور سے یہ سب کچھ دیکھ کر تو میں دنگ رہ گیا ہوں۔ آپ نے تنہا رہ کر اگر یہ سب کچھ کیا ہے تو آپ جادوگرنی ہیں۔"

وہ پھر اسی دلکش انداز میں ہنس دی۔

"میں نے تمہیں بتایا نا کہ میں تاریخ ہوں۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھ کر تاریخ سے ناواقفیت کے باوجود کبھی کبھی کچھ لوگ اپنے آپ کو تاریخ دان کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان کے اپنے علم میں بڑے سقم ہوتے ہیں وہ تاریخ کے بہت سے پہلوؤں سے ناواقف ہوتے ہیں۔

میں نہیں جانتی کہ دنیا کی تاریخ میں تم کون سے پورشن میں کام کرتے ہو۔ دنیا کی تاریخ تو بہت وسیع ہے ہم بھلا اس کے بارے میں کیسے جان سکتے ہیں اور جہاں تک میری بات ہے تو میں تمہیں بتاؤں کہ میں نے بھی تاریخ پر کافی محنت کی ہے۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں اس میں ایک کردار بن کر شامل ہوئی ہوں۔ اگر یقین نہ کرو تو ٹھہرو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی میں ہلکے سے فرنیچر کے ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اس وسیع و عریض ہال نما کمرے میں بہت سے دروازے تھے چوڑے چوڑے اور بہت بڑے بڑے۔ ان کا اندازہ میں نے ان پردوں سے لگایا تھا جو ان دروازوں پر نہایت خوبصورتی سے لٹکے ہوئے تھے اور ان پردوں پر ماضی کے ادوار کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔

وہ ایک ایسے پردے کی جانب جا رہی تھی جو سادہ تھا اور اس پر کوئی تصویر نہیں بنی ہوئی تھی۔ اس نے پردہ ہٹایا اور اس کے پیچھے چلی گئی اب مجھے یہ سب کچھ انتہائی پراسرار اور اگر سچ بیان کروں تو کسی حد تک خوفناک لگ رہا تھا مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو۔ میں نے اسے غلط سمجھا ہو۔ وہ واقعی کوئی پراسرار ہی کردار ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں...... کیا یہاں سے بھاگ جاؤں لیکن یہ بھی کتنی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ میں اس طرح سے یہاں سے فرار ہو جاؤں جبکہ ابھی تک اس کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آئی تھی میں خاموش نگاہوں سے اس سفید پردے کو دیکھتا رہا اور میری آنکھیں ہال میں چکراتی رہیں۔

دفعتاً ہی مجھے ایک پردہ درمیان سے ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔ یہ اس سفید پردے کے برابر کا پردہ تھا پردہ دو حصوں میں تقسیم ہوا اور اس میں سے جو کوئی نمودار ہوا اسے دیکھ کر واقعی میری ہوا کھسک گئی۔ یہ دو لمبے چوڑے قد و قامت کے آدمی تھے جن کے جسموں پر انتہائی

عجیب وغریب لباس تھا۔ زمانہ قدیم کے اس دور کا لباس جب انسان تہذیب سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ لیکن اسے اپنا جسم ڈھکنا آ چکا تھا اور اس نے پتھر کے ہتھیار بنائے ہوئے تھے۔ ان دونوں کا حلیہ بالکل ویسا ہی تھا۔ وہ آگے بڑھے تو میں نے ان کے چہرے دیکھے تھے سپاٹ سنگ مرمر کی طرح سفید ان پر نہ آنکھیں تھیں نہ ناک تھی، نہ ہونٹ تھے کچھ بھی نہیں تھا۔ بس دو اسٹیچو لگتے تھے لیکن یہ اسٹیچو متحرک تھے پتھر کے ہتھیار ہاتھوں میں لئے وہ چند قدم آگے بڑھے میرا خیال تھا کہ شاید وہ مجھ پر حملہ آور ہونے والے ہوں لیکن وہ دونوں طرف اس طرح کھڑے ہوگئے جیسے چوبدار یا دربان کسی کی آمد کے انتظار میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اور پھر اس کی آمد ہوئی وہ ایک نوجوان اور حسین دوشیزہ تھی انتہائی مضبوط بدن کی مالک چہرے کے نقوش میں وحشت اور بربریت تھی۔ بڑی آنکھیں خوبصورت انداز میں پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر رنگین مٹی سے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ سر پر پتوں کا تاج تھا اور حسین گھنگریالے بال دونوں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک پتھر کا ہتھیار تھا اور آنکھوں میں شدید وحشت لیکن اگر ایک مرد کی حیثیت سے اس کے سراپے کا اندازہ لگایا جاتا تو اس میں دلکشی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ اس پردے سے باہر نکل آئی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی اسی وقت چھت سے ایک روشن دائرہ نیچے اترا اور فرش پر ایک جگہ منعکس ہوگیا آنے والی کا رخ اسی دائرے کی طرف تھا وہ بالکل اسی طرح کیٹ واک کرتی ہوئی آ رہی تھی جس طرح ماڈلز کیٹ واک پیش کرتی ہیں یہاں تک کہ آگے بڑھتی ہوئی وہ اس دائرے کے درمیان آ کھڑی ہوئی اور پھر اس کے منہ سے نکلا۔

''میں ایلا بار بروسا ہوں۔ زمانہ قدیم میں اس وقت میرا ظہور ہوا جب تہذیب کی پتیاں کھل رہی تھیں اور انسان اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ایلا بار بروسا نے انسان کو تہذیب کے قریب لانے کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں اور اس نتیجے میں وہ تاریخ میں رقم ہوگئی۔'' اس نے کئی پوز دیئے اور اس کے بعد واپسی کے لئے مڑ گئی۔ اس کا پورا بدن ہیجان انگیز تھا۔ جسے دیکھ کر بڑے بڑے زاہد اپنے ایمان پر قابو نہ پا سکیں۔

میرا سانس بدن میں جنبش کرنے سے معذور ہوگیا تھا۔ وہ پردے کے پیچھے غائب ہوئی تو دونوں چوبدار بھی اندر چلے گئے۔ میں دیر تک اس پردے کو دیکھتا رہا۔ پھر میں نے سہمی ہوئی نظروں سے اس ہال نما کمرے کے اس دروازے کو دیکھا جس سے میں اندر آیا تھا۔ لیکن اب اس دروازے پر بھی ایک پردہ پڑا ہوا تھا بس ایک رخ سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ وہ دروازہ ہے جہاں سے میں کوروتی کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

ابھی میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک ہی دوسرا پردہ ہٹا۔ اس دوسرے پردے پر جو تصاویر بنی ہوئی تھیں وہ کچھ اور تھیں اور اس پردے سے بھی جو کوئی برآمد ہوا اسے دیکھ کر میں ایک بار پھر ششدر رہ گیا۔ ایک حسین وجمیل عورت تھی ملکہ کے لباس میں ملبوس۔ یہ لباس بھی یقینی طور پر زمانہ قدیم کی تراش تھی وہ اسی طرح کیٹ واک کرتی ہوئی آگے آئی اور اس دائرے میں آ کھڑی ہوئی۔ پھر اس کی دلکش آواز ابھری۔

''میں زنوبیا ہوں...... ملکہ زنوبیا۔'' اس کے بعد وہ اپنی تاریخ بیان کرنے لگی اور اسی طرح کے پوز دے کر واپس اس دروازے کے اندر چلی گئی۔ اس دروازے سے بھی جو چوبدار باہر نکلے تھے وہی چہرے تھے ان کے یعنی سپاٹ اور بے نقش لیکن ان کے جسم پر اس علاقے کا لباس تھا جس سے زنوبیا کا تعلق تھا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک پردے سے وہ دونوں نمودار ہوئے اور اس پردے سے جو عورت نمودار ہوئی وہ بھی قابل دید تھی یہ خاصی دلکش لیکن ایک عجیب وغریب چہرے کی مالک تھی وہ آگے آئی اور دائرے میں آ کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا۔

''میں سیف ہوں...... میری داستان زبان زد عام ہے ہم جنس پرستی میں میرا کردار بھرپور تھا اور صحیح

معنوں میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میں نے ہی ہم جنس پرستی کی داغ بیل ڈالی اور انسان کو جنس کے نئے طریقے سکھائے۔‘‘اس کے بعد وہ واپس چلی گئی۔

جن پردوں کے پیچھے سے یہ مختلف کردار برآمد ہو رہے تھے۔ ان کی ایک ترتیب تھی اوران پردہ سیمیں نمودار ہوجاتے تھے جن سیمیں کا ان کرداروں سے تعلق تھا اب میری نگاہیں اس دوسرے پردے جمی ہوئی تھیں اور میری اپنی معلومات کے مطابق اس پردے کا تعلق یونان سے تھا اور پھر وہاں سے جو شخصیت برآمد ہوئی ۔وہ حسن میں بے مثال تھی۔ اسے دیکھ کر انسان واقعی اپنے حواس کھوسکتا تھا۔ کھڑے کھڑے نقوش، حسین ترین وجود، خوبصورت لباس جس سے بے لباسی کہیں زیادہ کم ہوتی ہے وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی اور دائرے میں آ کر کھڑی ہوگئی۔

’’میں سائیکی ہوں یونان کا ایک مشہور کردار ،کیوپڈ میرا محبوب تھا اور آج بھی ہے میں اپنی تاریخ میں بے مثال ہوں۔‘‘ اس نے چند پوز دیئے اور اس کے بعد جو دوسرے پردے سے عورت برآمد ہوئی وہ جنگ وجدل کے لباس میں موجود تھی انتہائی خوبصورت اور بے مثال اس کے پاس جنگی ہتھیار تھے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے آئی اور پھر اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

’’میں ہیلن ہوں، ٹرائے کا وہ مشہور کردار جو تاریخ میں امر ہوگیا ہے۔ ہیلن آف ٹرائے۔‘‘

ہیلن کے جانے کے بعد مصر کی قلوپطرا برآمد ہوئی اور اس کے چہرے سے جو سلگتا ہوا سا گداز ٹپک رہا تھا وہ ناقابل فہم تھا۔ میں شاید دنیا کا واحد انسان ہوں جس نے گزرنے والی تاریخ کے بعد ملکہ حسن اور نوجوانوں کی شکاری قلوپطرا کو اس کی اصل شکل میں دیکھا تھا کیونکہ وہ تاریخ سے نکل کر میرے سامنے آئی تھی مجھے کلوپیٹرا کی ساری داستان یاد آ گئی۔ قلوپطرا نے بھی اپنا تعارف اپنی آواز میں کرایا اس کے بعد ایلکس آئی۔ ایلکس کے بعد ہٹلر کی محبوبہ ایوا براؤن جو انتہائی وحشت ناک شخصیت کی مالک تھی۔ میں اب تقریباً دیوانہ ہونے کو تھا۔ لیکن یہ ایک دلچسپ بات تھی کہ یہ آخری دروازہ تھا جس سے ایوا براؤن نمودار ہوئی تھی ۔ایوا براؤن نے اپنی وحشت ناک آواز میں ہٹلر اور اپنے مشاغل کا تذکرہ کیا اور جب اس کے بعد وہ بھی چلی گئی تو ہال میں ایک دم سناٹا سا طاری ہوگیا۔ میں پتھر کے بت کی مانند آنکھیں پھاڑے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بار پھر ہال کے سفید پردے سے کوروتی نمودا رہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی میرے فرشتے کوچ کر گئے تھے میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ معمولی نہیں ہے حیران کن طریقے سے میں کسی ایسی پراسرار شخصیت سے دوچار ہوگیا تھا جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ کیا شے ہے۔

’’ہاں ......اب بتاؤ تاریخ دان تم نے جو کچھ دیکھا کیا تم ان پر لکھ چکے ہو۔‘‘

میری بات بھلا کیا جنبش کرسکتی تھی بس سادہ سادہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تو اس نے کہا۔

’’ہاں! میں کوروتی ہوں، جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ میری عمر لاکھوں سال کی ہے۔ میری کہانی آہستہ آہستہ تمہارے علم میں آتی چلی جائے گی۔ میں تمہیں خود سے روشناس کراؤں گی یوں سمجھ لو کہ لاکھوں سالوں میں جی کر میں نے اپنی پسند کا مشغلہ تلاش کرلیا۔ یعنی تاریخ دانی، میں نے تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تم لوگ جو تاریخ پر کتابیں لکھتے ہو ان میں تاریخ کا مذاق اڑایا جاتا ہے حقیقت مجھ سے پوچھو، میں نے دنیا میں صرف ایک ہی کام کیا ہے، نا میں کوئی مردہ وجود ہوں نا کوئی چڑیل یا بلا بس تم یوں سمجھ لو کہ میرے جیون میں ایک ایسا لمحہ آیا جس کا میری سمجھ اور سوچ سے کوئی تعلق نہیں تھا مگر میں تمہیں آہستہ آہستہ ہی اس کے بارے میں بتاؤں گی۔ یہ زیادہ بہتر ہوگا اب یہ بتاؤ کہ کیا تم مجھ سے دوستی کرنے کے لئے تیار ہو بولو...... ذیشان عالی بولو......ہم یعنی میں اب جس نئے دور میں سانس لے رہی ہوں اس میں مجھے تمہارے جیسے کسی نوجوان کی ضرورت تھی جو میرا ہم زبان ہوسکی مجھے سمجھ سکیں اور مجھے

یوں لگ رہا ہے جیسے تم مجھے سمجھ سکتے ہو۔ میں تم سے کہہ رہی تھی کہ میں نے جیون میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ ایک کتاب کی شکل میں موجود ہے کتاب کے بارے میں تمہیں کچھ بتانا بے مقصد ہی ہے کیونکہ تم صاحب کتاب ہو، یہ دنیا کتنی ہی سائنسی طور پر ترقی کرلے کتنی ہی ایجادات کرلے کتاب کی افادیت کبھی ختم نہیں ہوسکتی کتاب نے انسان کو پہلا علم دیا، کتاب نے انسان کو لفظ دیئے یعنی اپنی ذات کا جو مفہوم وہ بیان کرنا چاہتا تھا اس نے اسے لفظوں میں ڈھالا یہ لفظ پہلے اشارتی شکل میں اس کے منہ سے اور اس کی زبان سے نکلے اس کے بعد وہ اشارتی تحریر بن گئے۔ اس کے بعد اس تحریر کو دواں ملا۔

دنیا میں لاکھوں زبانیں ایجاد ہوئیں، لیکن یہ زبانیں صرف کتاب کے ذریعے دوسرے انسانوں تک پہنچیں تو جہاں سے علم کا آغاز ہوا وہ جگہ تحریر اور کتاب تھی اور اسی تحریر اور کتاب سے مفاد حاصل کرتے ہوئے سائنسی بنیادوں پر کام شروع کیا گیا۔ کمپیوٹر ایجاد ہوا، کمپیوٹر کی پوری تھیوری کتابوں میں درج کی گئی اس کے بعد انٹرنیٹ آیا انٹرنیٹ سے متعلق جو معلومات تھیں وہ بھی کتابوں ہی سے دنیا میں پہنچیں ورنہ کبھی انٹرنیٹ وجود میں نہ آتا۔ ٹیلی ویژن، ٹیلی فون یہ جتنی ساری چیزیں ہیں انسانی ذہن نے ان کا احاطہ کیا اور وہ منظر عام تک آئیں۔ لیکن ان کے فروغ کا ذریعہ صرف کتاب ہی بنی کتابوں ہی میں بتایا گیا کہ نیٹ کیا چیز ہے اور نیٹ ہی تک محدود نہیں تم دیکھتے تو رہو انسانی ذہن کہاں سے کہاں پہنچتا ہے لیکن اس کی تمام تر پہنچ بذریعہ کتاب ہی ہوتی ہے یہ میری صدیوں کی ریسرچ ہے اور میں نے یہ تمام صدیاں ایک کتاب میں زندہ کردیں اور میری اس کتاب کا نام میں نے رکھا ہے "زندہ صدیاں" آؤ میں تمہیں اس کتاب کی زیارت کراؤں۔"

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری ڈور کوروتی سے جا بندھی ہو اور میں اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لئے مکمل طور سے مجبور ہوں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ اسی سفید پردے کی جانب بڑھ گئی جہاں داخل ہونے کے بعد میرے سامنے تاریخ کا وہ قدیم ترین تماشہ ہوا تھا اور میں نے تاریخ کی نامور خواتین کو ان کی اصلی شکل اور اصلی روپ میں دیکھا تھا۔ یہ ڈرامہ یا پھر جو کچھ بھی تھا میرے ذہن میں کسی طرح نہیں سما پارہا تھا۔

بہرطور اس نے پردے کے قریب پہنچ کر پردہ ہٹایا اور بولی۔

"آؤ...... آجاؤ۔"

سو میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا اس نے جلدی سے کہا۔

"سنبھل کر یہاں سیڑھیاں ہیں۔"

ماحول تقریباً تاریک ہی تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا نرم و نازک اور زندگی سے بھرپور حرارت اس کے ہاتھ میں تھی اور میرے جسم میں بجلیاں سی دوڑ رہی تھیں۔ تقریباً بارہ تیرہ سیڑھیاں طے کرکے ہم دونوں اس تہہ خانے میں پہنچ گئے جہاں قدم رکھنے کے بعد اس نے روشنی جلائی۔ سب کچھ جدید ترین تھا یعنی اس ماحول کے مطابق جس میں، میں سانس لے رہا تھا اگر وہ اوپر سارا تماشہ نہ کرچکی ہوتی تو میں ہی کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک اعلیٰ ترین شخصیت ہے، زمانہ جدید کی۔

روشنی ہونے کے بعد میں نے جو کچھ دیکھا وہ بھی انتہائی حیرت ناک تھا، تقریباً چار فٹ کی بلندی کے بعد ایک بڑی سی چبوترہ نما شے پر ایک بہت بڑی کتاب رکھی ہوئی تھی بالکل ایسی کتاب جیسے پتھر کی ہو۔ انتہائی خوبصورت، ان چار فٹ کی بلندی تک جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں میں نے دلچسپی سے اس کتاب کو دیکھا جس کی لمبائی چوڑائی تقریباً دس بائی سولہ فٹ تھی پتھر کی یہ عظیم الشان کتاب نما چیز، یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ یہ کتاب ہے بس اس کی صورت بالکل کتاب جیسی تھی اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا اور بدستور میرا ہاتھ پکڑے رہی یہاں تک کہ ہم اوپر پہنچ گئے ایک طرف دیوار میں ایک سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا

WWW.PAKSOCIETY.COM

جو غالباً بجلی کا نہیں تھا۔ اس نے اس سوئچ بورڈ میں سے ایک پر انگلی رکھی اور میں نے حیرت ناک نگاہوں سے دیکھا کہ کتاب کی جلد کھل گئی اس کا صفحہ الٹ گیا اور کوروتی نے میری جانب دیکھا پھر کتاب کی بلندی تک جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ میرے قدم بھی لرزتے ہوئے ان سیڑھیوں کو طے کر رہے تھے اور یہاں تک کہ میں کتاب کے اس پہلے صفحے پر پہنچ گیا جس پر پتھر کی ابھری ہوئی تحریر نمایاں تھی۔ یہ تحریر غالباً سنسکرت میں تھی۔ میں سنسکرت نہیں جانتا تھا۔ لیکن کبھی کسی کتاب میں نے سنسکرت کا طرز تحریر دیکھا تھا اور اس وقت جو پتھر کے حروف ابھرے ہوئے تھے وہ میرے اندازے کے مطابق سنسکرت ہی کی زبان میں تھے۔

کوروتی نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے کی دلکشی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ اس نے کہا۔

”آؤ......“

اور میں کھنچتا چلا گیا وہ کتاب کے درمیان بنی ہوئی ایک نالی سے گزرتی ہوئی ایک جگہ پہنچی اور پھر اس نے کہا۔

”آؤ......“

اب اس نے کتاب میں ابھرے ہوئے حرفوں پر قدم رکھ دیئے تھے جیسے ہی میں نے ان پر قدم رکھا۔ ایک دم سے میرے پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی مجھے یوں لگا جیسے میں گر رہا ہوں میں نے سنبھلنے کے لئے اس کا سہارا لینے کی کوشش کی لیکن وہ میرے پاس موجود نہیں تھی میں نہیں جانتا کہ میں کتنے فٹ گہرائی میں گرا لیکن نیچے گرنے سے مجھے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی بلکہ ایک دم سے میرے چاروں طرف اجالا سا پھیل گیا تھا اور اس اجالے میں، میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے لئے ناقابل یقین تھا۔

وہ ایک انتہائی خوبصورت باغ تھا۔ میں سبز گھاس پر گرا تھا۔ باغ میں پھولوں کے کنج تھے جن پر کھلے ہوئے پھول مہک رہے تھے اور ہر طرف ایک عجیب وغریب ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی تھی یہاں درخت بھی تھے اور ان درختوں پر پھل لگے ہوئے تھے۔ سامنے سفید سنگ مرمر کے ایک مخصوص طرز کے فوارے بنے ہوئے تھے جن سے پانی اچھل رہا تھا۔ میرے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی یہ کیا ہوا میں کہاں سے کہاں آ گرا۔

اسی کپکپی کے دوران میری نگاہ اپنے بدن پر پڑی تو میں اچھل پڑا۔ یہ لباس ...... یہ لباس میرے جسم پر کہاں سے آیا۔ عجیب وغریب ہندووانہ لباس تھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا اچانک ہی مجھے کہیں سے ہنسنے کی آوازیں سنائی دیں یہ نسوانی آوازیں تھیں میری گردن اس طرف گھوم گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ چار لڑکیاں تھیں بہت ہی پرانے طرز کے ہندووانہ لباس پہنے ہوئے وہ میری ہی طرف آ رہی تھیں۔

ارے باپ رے...... میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ...... یہ کیا ہوا اور کیسے ہوا۔ میری نگاہیں ان چاروں لڑکیوں پر جمی ہوئی تھیں وہ چاروں ہنستی ہوئی میری طرف آ رہی تھیں اور پھر وہ میرے پاس پہنچ گئیں۔

”جاگ گئے آپ کنسی مہاراج!“

”کک...... کون...... کون...... کون......“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”چلیں اب اٹھیں...... اشنان کرلیں پھر بھوجن کرلیں۔ بھوجن تیار ہے۔“

”تت...... تم کون ہو...... مم...... مم...... میں کہاں ہوں؟“

”لو کنسی مہاراج پھر گئے۔ ایک تو ان سے کہا جاتا ہے کہ بھنگ نہ پیا کریں منش بھنگی ہو کر رہ جاتا ہے پر کنسی مہاراج کو تو ٹھنڈائی پینے کا اتنا شوق ہے کہ اس کے بغیر یہ جی ہی نہیں سکتے۔ ارے مہاراج رات بھر بگیا میں پڑے رہے ہیں۔ بھگوان نہ کرے ٹھنڈ لگ گئی تو یہ ننھا منھا سا شریر چڑ مڑ ہو کر رہ جائے گا۔ چلیئے چلیئے۔“

لڑکیوں نے میرے بازو پکڑ اور مجھے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ میں صحیح معنوں میں چکرایا ہوا تھا۔

"آیئے...... بھنگ کا نشا سب سے برا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے آپ سے کہ تاڑی پی لیں، دارو پی لیں لیکن بھنگ نہ پیا کریں...... بھنگ منش کو پتا نہیں کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔"

"مم...... میری بات تو سنو...... میری بات تو سنو۔"

"آیئے...... آیئے سن لیں گے اچھی طرح سن لیں گے پہلے آپ کا نشا اتار دیں۔"

وہ مجھے لئے ہوئے اس عمارت میں داخل ہو گئیں جو تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہی تھی میرے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے یہ ہو کیا گیا ہے میں ہوش میں ہوں یا نہیں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں ؟ یا جاگ رہا ہوں...... لیکن وہ خواب نہیں تھا وہ لوگ مجھے لئے ہوئے اس قدیم ترین سنگ مرمر کی عمارت میں داخل ہو گئیں جو اس باغ کے آخری سرے پر تھی عمارت میں داخل ہونے کے بعد وہ مجھے کئی غلام گردشوں سے گزارتی ہوئی بالآخر ایک جگہ لے کر آئیں۔ انہوں نے ایک دروازہ کھولا اور مجھے اندر لے گئیں۔ پہلے بھی میں نے کمروں کے اندر حوض بنے ہوئے نہیں دیکھے تھے۔ لیکن یہاں ایک حوض نظر آ رہا تھا جس میں جھلملاتا ہوا سا سفید پانی تھا۔ مجھے یہاں لا کر انہوں نے دفعتاً ہی مجھے حوض میں دکھا دے دیا اور میں گر پڑا وہ لوگ خوب ہنسی میں پانی میں پھوں پھوں کرنے لگا اور وہ باہر نکل گئیں کچھ لمحوں کے بعد ایک لڑکی اندر آئی اس کے ہاتھوں میں ایک لباس تھا۔

"لیجیے کپڑے پہن لیجیے...... باہر بھوجن لگ گیا ہے۔"

میں صحیح معنوں میں ایک عجیب و غریب کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا پانی سے نکل آیا بدن خشک کیا اور جو کپڑے وہ لے کر آئی تھی وہ پہن لئے۔ وہ بھی ہندوانہ طرز کے ہی کپڑے تھے۔ میں یہ سوچنے لگا کہ اب مجھے کرنا کیا چاہئے۔ کوروتی نے نجانے مجھے کس جنجال میں پھنسا دیا ہے البتہ اتنا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ کوئی خطرناک ہی عورت ہے...... بہت ہی خطرناک۔ اب تک اس کا جو کردار سامنے آیا تھا اس نے مجھے پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔

جیسے ہی میں نے اس کمرے کے دروازے سے باہر قدم نکالا وہی چاروں مجھے نظر آئیں جواب تک میرے سامنے رہی تھیں۔ پھر مجھے ایک اور کمرے میں لے جایا گیا، جہاں زمین پر دسترخوان جیسی چیز بچھی ہوئی تھی اور وہاں پر ناشتے کا سامان رکھا ہوا تھا میں نے بہرحال ناشتہ کیا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"اور اب آپ ظاہر ہے سوئیں گے یہ تو آپ کی پرانی عادت ہے۔ آیئے۔" انہوں نے کہا اور اس کے بعد ایک اور کمرے میں لے جا کر مجھے بستر پر لٹا دیا گیا۔ اس وقت میری کیفیت ایک چھوٹے سے بچے جیسی ہو رہی تھی میں سخت حیران تھا کہ میرے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ جب وہ واپس جانے لگیں تو میں نے کہا۔

"اے سنو...... تم سنو!" لڑکیوں نے پلٹ کر دیکھا تو میں نے ایک کی طرف اشارہ کر دیا اور وہ عجیب سے انداز میں مسکرانے لگی۔ دوسری لڑکیاں اس سے مذاق کرنے لگیں۔ نجانے وہ کیا سمجھی تھیں۔ تو ان میں سے ایک کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"چل آج تیری باری ہے۔" تینوں لڑکیاں باہر نکل گئیں اور جس لڑکی کو میں نے اشارہ کیا تھا اس نے دروازہ اندر سے بند کیا اور میرے پاس آ گئی۔

"کنسی مہاراج! آپ بھی دن کے راجا ہیں۔ حالانکہ بھگوان کی سوگند رات جتنی سندر ہوتی ہے دن میں وہ بات کہاں۔"

"بیٹھ جاؤ...... بیٹھ جاؤ...... کیا سمجھ رہی ہو تم۔" میں نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا اور وہ میرے نزدیک ہی بستر پر بیٹھ گئی۔

"جو سمجھ رہی ہوں کیا غلط سمجھ رہی ہوں۔"

"ہاں میرا خیال ہے غلط ہی سمجھ رہی ہو؟"

"تو پھر صحیح آپ بتا دیں۔"

"اگر تم سنجیدگی سے میرے کچھ سوالات کے

جواب دو تو میں تمہارا احسان مانوں گا۔“

”ارے آپ تو عجیب عجیب سی باتیں کررہے ہیں کنسی مہاراج۔ داسی ہوں میں آپ کی ...... آپ نے اتنا منہ لگالیا ہے تو ہم آپ سے الٹی سیدھی باتیں کرلیتے ہیں ورنہ ہم تو باندیاں ہیں، نوکرانیاں ہیں ہم آپ کی۔“

”میں کون ہوں؟“ میں نے سنجیدگی سے سوال کیا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔

”لو! اتنی دیر ٹھنڈے پانی میں رہے اور ابھی تک ہوش نہیں آیا۔“

”جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔ تم نے خود کہا ہے کہ تم داسی ہو۔ اس وقت مجھ سے داسی بن کر بات کرو۔“ میں نے سرد لہجے میں کہا تو وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔ پھر اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مہاراج ...... آپ کنسی مہاراج ہیں۔ راج کنڈ کے راج لیکھک۔ آپ راج کنڈ کی تاریخ لکھتے ہیں۔ آج آپ کو کچھ زیادہ چڑھ گئی ہے شاید ورنہ ہوش میں آجاتے ہیں۔“

”اور میرا نام کنسی ہے۔“

”تو اور کیا ہے۔“ وہ ناز بھرے انداز میں بولی۔ اور پھر اس نے ایک قدم آگے بڑھایا میرے بستر پر وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اور اس نے میرا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔

بتا چکا ہوں آپ کو کہ حسن پرستی میری فطرت کا ایک حصہ ہے اپنے آپ کو ذرا بھی کوئی صاحب کردار آدمی نہیں کہوں گا زندگی میں اس کے علاوہ اور تھا ہی کیا۔ کوئی رشتہ نہ ناتا بس اپنے طور پر ایک پتنگ کی طرح ڈولتا رہتا تھا اور یہ پتنگ کسی کے بھی ہاتھ میں آجائے ہاں ہو میرے معیار حسن پر اور یہ لڑکی بلکہ وہ چار و لڑکیاں یعنی وہ باقی تینوں بھی کافی حسین و جمیل تھیں۔

میں نے اس کے زانوں سے سر نہ اٹھایا اور کہا۔

”اور تمہارا نام کیا ہے؟“

”بجنی ......“

”ہاں تو بجنی۔ تم نے مجھے بتایا کہ میں راج لیکھک ہوں اور کنسی ہے میرا نام سنو میری کسی بات پر حیرت مت کرو۔ آج میرا دماغ کچھ زیادہ ہی الجھ گیا ہے۔“

”نا...... نا......نا......مہاراج! آپ ہمارے مہاراج ہیں ہم تو آپ کی سیوا کے لئے ہر لمحے تیار رہتے ہیں۔ حکم کریں۔“

”مجھے میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ بتاؤ۔“

”بس مہاراج آپ یہیں اسی محل میں رہتے ہیں۔ یہ آپ کی جگہ ہے۔ بڑا محل پیچھے ہے۔ یہاں آپ رہتے ہیں اور ہم آپ کی۔ داسیاں ہیں آپ رام کتھا لکھ رہے ہیں اور بہت بڑا اسمان ہے آپ کا۔“

”ٹھیک ...... بجنی بتایا تم نے اپنا نام۔“ میں نے کہا تو اس نے گردن ہلادی۔ تب میں نے کہا۔

”دیکھو بجنی ...... واقعی تمہارا کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ آج مجھے بھنگ کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی ہے۔ لیکن تم باقی تینوں سے یا کسی اور کو یہ مت بتانا کہ کیا کیفیت ہے۔“

”جو آگیا ہ مہاراج۔“ بجنی نے کہا اور اس کے بعد وہ میرے سر کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی بڑا سرور مل رہا تھا نجانے کب تک وہ یہ عمل کرتی رہی اور مجھے گہری نیند آگئی جاگا تو دوپہر کا وقت ہوچکا تھا بجنی چلی گئی تھی اور میں بستر پر آرام سے سو رہا تھا اپنی جگہ سے اٹھا اردگرد کے ماحول کو دیکھا اور میرا دل دہل کررہ گیا مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں ہوں اور کیوں گزرے ہوئے لمحات مجھے اچھی طرح یاد تھے کوروتی کے گھر میں تھا اور وہاں مجھے عجیب وغریب تجربات ہوئے تھے۔ لیکن اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھے آگے کیا کرنا چاہئے سب سے پہلے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عمارت کا جائزہ لے لیا جائے ہوسکتا ہے حالات کے بارے میں مجھے کچھ اور پتا چل جائے۔

چاروں لڑکیاں شاید عمارت سے باہر نکل گئی تھیں ویسے بھی یہ عمارت بہت زیادہ وسیع نہیں تھی بس میری ہی رہائش گاہ تھی لیکن بہت ہی نفیس سنگ مرمر سے

بنی ہوئی تھی یقینی طور پر بڑا محل جس کے بارے میں مجھے بجنی نے بتایا تھا اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگا۔

پھر میں ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں بے شمار کتابوں کے انبار تھے۔ یہ جگہ مجھے کافی پسند آئی کیونکہ کتاب سے میرا دلی رشتہ تھا۔ لیکن یہ کتابیں بڑی عجیب وغریب تھیں نجانے کیسے کاغذ پر لکھی ہوئی تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک کتاب اٹھائی اسے کھول کر دیکھا اور حیران رہ گیا یہ سنسکرت میں لکھی گئی تھی لیکن اس کا ایک ایک لفظ میری سمجھ میں آرہا تھا کتاب کے اوپر یہ لکھا ہوا تھا اور لکھنے والے کا نام برہمہ تھا۔ برہمہ کی کتاب وید جس کے بارے میں امریکن لائبریری میں، میں نے ایک مضمون پڑھا تھا ہندو مائیتھالوجی کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے مجھے پتا چلا تھا کہ سنسکرت میں لکھی گئی کئی کتابیں ہندو مذہب کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں انہی میں ایک وید بھی تھی گیتا اور رامائن کے بارے میں بھی مجھے علم تھا اس میں ہندو دھرم کے بارے میں خاصی تفصیلات موجود تھیں۔

میں نے وہیں بیٹھ کر اس کتاب کے اوراق کھول لئے سب سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر تھی کہ میں سنسکرت جانتا تھا جبکہ بڑے بڑے ہندو پنڈت بھی مکمل سنسکرت سے واقف نہیں تھے عام لوگوں کی تو بات ہی الگ ہے لیکن سنسکرت میں لکھی ہوئی اس کتاب کا مفہوم میرے سامنے پوری طرح نمایاں تھا۔

ہتنا پور کے راجا بھرت کی آٹھویں نسل کا راجا کور تھا۔ جس کی اولاد کوروں کے نام سے مشہور ہوئی اور اس نسل کی چھٹی پشت میں راجا چتر برج پیدا ہوا جس کی حکومت بہت وسیع تھی راجا چتر برج کے دو بیٹے تھے ایک کا نام آشتر تھا اور دوسرے کا نام پنڈا۔ آشتر بڑا لڑکا تھا لیکن وہ آنکھوں سے اندھا تھا اس لئے چتر برج کی موت کے بعد حکومت پنڈا کو ملی اور اس کی اولاد پانڈو کہلائی۔ راجا پنڈا کے ہاں بھی پانچ بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑا بیٹا دویودھن تھا جبکہ آشتر کے ایک سو ایک بیٹے تھے جو دو رانیوں سے پیدا ہوئے لیکن اندھا ہونے کی وجہ سے حکومت آشتر کو نہیں ملی تھی۔ یہ ساری تفصیل سنسکرت میں تھی اور میں اسے بڑی آسانی سے پڑھے جارہا تھا لیکن میری اپنی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی مجھے اس کتاب سے کوئی خاص دلچسپی محسوس نہیں اور میں نے اسے بند کردیا لیکن میرا ذہن بری طرح سوچوں میں جکڑا ہوا تھا یہ ہوا کیا ہے آخر ایک ایک لمحہ یاد تھا میں کوروتی کی اس کتاب کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا جس کا نام تاریخ تھا اور اس تاریخ میں خود میں بھی ایک کردار بن گیا تھا لیکن کوروتی کیا وہ بھی اس دور میں موجود ہے بڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا اور اسی وقت وہی لڑکی بجنی اندر داخل ہوئی اس نے بڑے ادب سے کہا۔

''شما چاہتی ہوں مہاراج...... آپ کے لئے ایک سندیس آیا ہے۔''

میں نے نگاہیں اٹھا کر بجنی کو دیکھا تو وہ مسکرادی۔ وہ ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کررہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ بے شک اس سے بہت زیادہ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن جس کردار میں، میں یہاں موجود تھا اس میں تھوڑی سی سنجیدگی ضروری ہے میں نے کہا۔

''کس کا سندیس ہے؟''

''میں اسے بلاتی ہوں۔'' بجنی نے کہا اور دروازے کی طرف رخ کرکے بولی۔

''آؤ......اندر آجاؤ۔''

آنے والا ایک خاص لباس میں ملبوس آدمی تھا۔ اندر داخل ہوکر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس نے دونوں ہاتھ سامنے کئے پھر انہیں زمین پر ٹکا کر سر جھکایا اور اس کے بعد سیدھا ہوگیا۔

''ہم سندیسی ہیں مہاراج...... راجا جگت سنگھ کے۔''

''ہاں بولو!''

''شام کو راج سبھا میں آپ کا بلاوا ہے۔ رتھ آجائے گا آپ تیار رہیئے گا۔'' یہ راجا جگت سنگھ کون تھا اور راج سبھا کیا چیز تھی اس کے بارے میں مجھے کچھ

معلوم نہیں تھا۔ لیکن جس چکر میں پھنس گیا تھا اس کے تحت بڑی سمجھ داری سے کام لینا تھا۔ کوروتی تو سرے سے غائب ہوگئی تھی اور مجھے ان الجھنوں میں چھوڑ دیا تھا ۔لیکن جان بچانے کے لئے اپنی ذہانت سے بھی کام لینا تھا۔ میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے رتھ آئے گا تو ہم آ جائیں گے۔''

سندیسی یعنی قاصد نے گردن خم کی اور واپس چلا گیا۔ بجنی وہیں پر موجود تھی اور میری طرف میٹھی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اس کے جانے کے بعد وہ بولی۔

''سندیس مل گیا مہاراج۔''

''ہاں......!''

''پر ایک وعدہ کرنا ہوگا آپ کو۔'' وہ شرارت بھرے لہجے میں بولی اور میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں بولو!''

''آپ کو تیار ہم کریں گے۔''

میں کیا جواب دیتا اس بات کا اس کی حرکت کا مطلب میں سمجھ رہا تھا چنانچہ خاموش ہی رہا اور وہ ہنستی ہوئی واپس چلی گئی اور پھر اس وقت شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اتر آئے تھے جب وہ دوبارہ آئی اس کے پیچھے انہی چاروں میں سے دو اور لڑکیاں بھی تھیں جو اپنے ہاتھوں پر ایک عجیب سا لباس اٹھائے ہوئے تھیں یہ لباس کئی رنگوں کا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بڑے خوبصورت قدیم طرز کے جوتے بھی تھے بجنی نے جیسے مجھے اپنی ملکیت سمجھ لیا تھا ہر چیز میں اپنا پاؤں اڑائے رہتی تھی میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''چلیے مہاراج اشنان کر لیجیے۔''

''اب بار بار اشنان کرنا ضروری ہے کیا۔'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''تو اور کیا......'' وہ شرارت بھری نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی باقی دونوں لڑکیوں کے چہروں پر رقابت کے نقوش نظر آرہے تھے کمینی بجنی نے اپنے ہاتھوں سے میرا لباس اتارا اور اپنے کپڑوں سمیت حوض میں اتر گئی۔

ذیشان عالی بے شک ایک دل پھینک نوجوان تھا، جدید دنیا کی جدیدیت سے پوری طرح آشنا کوئی آگے نہ پیچھے، کتابوں اور کہانیوں ہی سے اتنا معاوضہ مل جاتا تھا کہ ایک پرسکون زندگی گزر رہی تھی ایک خوبصورت سا گھر، کار، عمدہ ہوٹلوں میں کھانا کلبوں میں بیٹھنا بس زندگی کو چاہئے کتنی ہی وسعتیں مل جائیں لیکن آخرکار ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جہاں تک دنیا کی رنگینیوں کا تعلق تھا تو ایک شاعر یا ادیب اگر حسن کائنات سے متفق نہ ہو تو نہ وہ اچھی نثر لکھ سکتا ہے نہ اچھا شعر میں اس بات کا دل سے قائل تھا اور وجود زن سے قطعی منکر نہیں تھا۔ چنانچہ میری زندگی میں بھی بہت سی رنگینیاں تھیں لیکن جن حالات کے تحت اس انوکھی دنیا میں آیا تھا اس کی بات ہی کچھ اور تھی غالباً کوئی کہانی کا رتاریخ کے کسی دور کو اس طرح اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا کہ خود اس دور میں ایک کردار کی حیثیت رکھتا ہو یہ میری زندگی کی سب سے انوکھی بات تھی۔

مختصر یہ کہ بجنی کی ادارہ جاری چل رہی تھی اور اس نے مجھے بنا سنوار کر دلہا بنا دیا تھا، ماتھے پر تلک لگانے لگی تو میں نے اسے روک دیا۔

''نہیں بجنی یہ میں نہیں لگاؤں گا۔''

''کیوں مہاراج...... راج سبھا میں جا رہے ہیں تلک نہیں لگائیں گے۔''

''نہیں۔''

''سندر لگیں گے۔''

''نہیں بس جتنا لگ رہا ہوں اتنا ہی کافی ہے۔'' میں نے کہا اور بجنی نے منہ بنا کر چندن کی پیالی ایک طرف رکھ دی۔

پھر باہر سے اطلاع ملی کہ رتھ آ گیا ہے رات ہو چکی تھی باہر نکلا تو چھ گھوڑوں کا انتہائی خوبصورت جگمگاتا ہوا رتھ دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا رتھ بان گھوڑوں کے پاس کھڑا میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں قریب پہنچا تو وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور مجھے سہارا دینے کے

لئے میرے پاس آ گیا اس کے سہارے سے میں رتھ میں سوار ہوا۔ تنہا ہی تھا۔ میرے بیٹھنے کے بعد رتھ بان نے رتھ آگے بڑھادیا۔ تب میں نے باہر کے ماحول کو دیکھا گھر دروازے گلیاں بازار سارے کے سارے انوکھے اور منفرد...... آہ اگر میں کبھی واپس اپنی دنیا میں پہنچا اور میں نے اس دور کی کہانی لکھی تو مجھ سے اچھی کہانی کوئی نہیں لکھ سکے گا۔ کیونکہ جو کچھ میں لکھوں گا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں گا۔

سفر ایک انتہائی عالی شان محل پر ختم ہو گیا جس کے بڑے دروازے پر کوئی درجن بھر چوبدار کھڑے ہوئے تھے انہوں نے مجھے سلامی دی اور رتھ آگے بڑھ کر ایک جگہ جا کھڑا ہوا یہاں بھی کچھ لوگوں نے میرا استقبال کیا تھا۔ انہوں نے مجھے راج لیکھک یعنی شاہی مورخ یا لکھنے والا کہہ کر مخاطب کیا تھا اور مجھے بڑے احترام سے اندر پہنچایا گیا تھا۔ ایک انتہائی وسیع وعریض جگہ تھی جو بے شک محل کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد تھی لیکن اسے بھی کھلا رکھا گیا تھا اور وہاں جو سماں بندھا ہوا تھا ناقابل یقین تھا بے شمار لوگ نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے روشنیاں اتنی تھیں کہ ماحول جگمگا رہا تھا لیکن یہ بجلی کی روشنی نہیں تھی بلکہ دوسرے طریقوں سے انہیں بنایا گیا تھا۔

ایک بڑے سے سنگھاسن پر مہاراج جگت سنگھ بیٹھے ہوئے تھے جگت سنگھ کی تاریخ کا مجھے کوئی پتا نہیں تھا لیکن اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس علاقے کا راجا ہے۔ بہت سے خدام مورچھل جھل رہے تھے میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس پہنچا اور میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا۔

''آؤ راج لیکھک بیٹھو، راج سبھا میں ہم تمہارا سواگت کرتے ہیں۔''

ایک اور شخص نے میری رہنمائی میری نشست پر کی اور میں بیٹھ گیا راجا جگت سنگھ نے اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کی تھی۔

امراء اور صاحب اقتدار جاگیردار وغیرہ آتے رہے اور نشستیں بھرتی گئیں۔ یہاں تک کہ کسی نقارے پر چوٹ پڑی اور فضا اس نقارے کی آواز سے گونج اٹھی گویا یہ مہمانوں کے آجانے کے آخری وقت کا اظہار تھا کیونکہ اس کے بعد سبھا کے کام شروع ہو گئے طاق طاق دیئے روشن کئے جانے لگے حالانکہ پہلے یہاں کافی روشنی تھی لیکن یہ دیئے شاید کسی رسم کے تحت جلائے جا رہے تھے۔ پھر پنڈتوں نے کتھا شروع کردی اور پھر حسین لڑکیوں کی ٹولیاں بتوں کے سامنے رقصاں ہو گئیں کچھ دیر تک یہ سما جاری رہا اور میں ہر لمحہ ذہن میں منجمد کرتا رہا کہ شاید کبھی اس پر لکھنے کا موقع ہی مل جائے نقارے پر دوبارہ چوٹ پڑی اور ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ جیسے کائنات کی نبض رک گئی ہو وقت ساکت ہو گیا ہو تبھی ایک رقاصہ ایک طرف سے نکل کر باہر آئی رقص کے انتہائی حسین اور جھلملاتے لباس میں ملبوس ،آدھے چہرے پر نقاب لگائے وہ آئی اور جگت راج کے سامنے جھک گئی پھر سیدھی ہوئی اور یہاں موجود تمام لوگوں کے جانب دیکھا۔

میں دنگ رہ گیا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے چندرزمین پر اتر آیا ہو کرنیں سمٹ کر انسانی بدن اختیار کر گئی ہوں چاندنی رقص کرنے لگی ہو اس نے اپنے رقص کا آغاز کیا اور سانس رک گئے ساز بجنے لگے دیکھنے والوں کے دل اس کے قدموں تلے کچل رہے تھے میں بھی بڑا ساکت وجامد ہو کر اسے دیکھ رہا تھا یہ آنکھیں جن پر نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھیں یہ آنکھیں پتا نہیں کیسی کیسی کہانیوں کی حامل تھیں اس لڑکی کے لئے تو سلطنتیں تباہ ہو سکتی ہیں جیسا کہ تاریخ میں بے شمار واقعات ہیں جیسا کہ وہ بہت سے کردار ہیں جو مجھے دکھائے گئے تھے اور جو تاریخ کے پردوں سے نمودار ہوئے تھے یعنی اس وقت جب کوروتی مجھے اس ہال میں لے گئی تھی میں اس پر نگاہیں جمائے نجانے کیسے کیسے خوابوں میں کھو گیا۔

رقاصہ جی توڑ کر ناچ رہی تھی اور اس کا پورا بدن سوسو بل کھا رہا تھا پھر وہ تھک گئی اور اس کی رفتار سست پڑ گئی۔ ناچ ختم ہو گیا اور لوگ بدھائی دینے لگے تو رقاصہ

نے وہیں زمین پر بیٹھ کر گھنگرو کھولے اور انہیں ہاتھوں میں سمیٹ کر وہاں سے آگے بڑھ گئی اس وقت میں نے بے خودی کے عالم میں تھا ایسا حسین وجود اگر میری کہانی کے کسی صفحے پر اتر آئے تو لوگ دیوانے ہو جائیں بشرطیکہ وہ اسے میری آنکھ سے دیکھیں۔

راج سبھا میں نجانے کیا کیا ہو رہا تھا لیکن میں اس طلسم میں کھو گیا تھا میں کب اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے پیچھے چل پڑا اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بس وہ آگے تھی اور میں اس کے پیچھے پیچھے پتا نہیں لوگوں نے مجھے اس کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا بھی تھا یا نہیں کہیں سے کوئی روک ٹوک نا ہوئی اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ وہ محل سے باہر نکل آئی۔ پتا نہیں اس کا ٹھکانہ کہاں تھا۔ پیچھے کیا ہو رہا ہے یہ کچھ نہیں معلوم تھا لیکن اب جو ہو رہا تھا وہ ہوتا رہے میں اس کے پیچھے چل پڑا ہوں دیکھوں تو ہے یہ کون ہے کہاں جاتی ہے بس کچھ نادیدہ تار تھے جو میرے اور اس کے بیچ بندھے ہوئے تھے اور میں کھنچا چلا جا رہا تھا میں نے تمام وسوسے دل سے نکال دیئے تھے اور خاموشی سے اس کا پیچھا کر رہا تھا یہاں تک کہ نجانے کتنا فاصلہ طے کیا گیا اور اسکے بعد مجھے جنگل نظر آیا۔ ''یہ پراسرار لڑکی اس طرف کیوں آئی ہے؟'' دل میں ایک تجسس نے سر ابھارا رات کا وقت تاریک جنگل جہاں ہاتھ کو ہاتھ نا سجھائی دے کہیں سے درختوں کی چھت ہٹے تو تاروں کی چھاؤں میں لڑکی کا ہیولہ نظر آ جائے نجانے کتنا سفر طے کیا گیا ایک لمحے کے اندر اندر ذہن نے دل پر دستک دی اور میں نے سوچا کہ کہیں کوئی بہت ہی سنسنی خیز بات نہ ہو جائے کہاں تک اس کا پیچھا کروں گا واپس لوٹ جاؤں لیکن اب اتنی دور نکل آیا تھا اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ واپسی کہاں اور کیسی ہوگی۔ یہ راز میرے دل میں راز ہی رہ جائے گا۔

آخر دیکھوں تو سہی رقاصہ جس نے محفل لوٹ لی تھی کہاں جا رہی ہے لیکن حیرانی کی بات تھی چھوٹی سی عمر میں اتنا نڈر ہونا بھی کمال کی بات تھی کوئی جوان لڑکی تو رات گئے ان جنگلوں میں گھسنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن وہ بڑے اطمینان سے آگے جا رہی تھی میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ جنگل آگے چل کر اور خطرناک ہو گیا تھا جھاڑیوں سے کپڑے الجھ رہے تھے کو نجانے کب کوئی ناگ نکلے اور ٹانگ سے لپٹ جائے۔ کوئی زہریلا بچھو پاؤں میں ڈس لے۔

لڑکی کئی بار چلتے چلتے رکی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی مضبوط ڈوری میرے اور اس آگے جانے والی لڑکی کے بیچ بندھی ہو جو مجھے کھینچ رہی ہو۔ وہ رکتی اور اس کے بعد پھر چل پڑتی اور میں بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی چل پڑتا۔ یہاں تک کہ جنگل ختم ہو گیا اور اب سامنے ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر نما قلعہ نظر آ رہا تھا۔

سب کچھ انتہائی خوف ناک اور سنسنی خیز دلچسپ بات یہ تھی کہ میں اس وقت دوہری شخصیت کا مالک تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں کہانی کار ذیشان عالی ہوں لیکن جس ماحول میں آیا ہوں وہ تاریخ کا کوئی قدیم دور ہے اور میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ بڑا دلچسپ تصور تھا۔

نوجوان لڑکی اطمینان سے قلعہ کے اندر داخل ہو گئی۔ اور ٹوٹی ہوئی دیواروں کے درمیان چلتی ہوئی آخرکار ایک چبوترے کے پاس رک گئی پھر اس سے چبوترے کی تین ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں عبور کیں اور اوپر آ گئی پورا قلعہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور میرے دل میں خوف کا بسیرا تھا پتا نہیں یہاں کیا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹوٹے قلعہ کی پراسرار دیواریں مجھے نگل لیں۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں دن میں آنے والوں کے دل ہول جائیں نا تو یہ رات کا وقت تھا۔

پھر مجھ سے نہ رہا گیا لڑکی نجانے کون ہے اور کیا ہے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں اس کے راستے میں مزاحم ہو جاؤں اور اس سے اس کے بارے میں پوچھوں۔ چنانچہ میں نے خود بھی سیڑھیاں طے کیں اور اوپر پہنچ گیا لڑکی جھکی ہوئی کچھ کر رہی تھی پھر چبوترے پر تیز روشنی پھیل گئی لڑکی نے

ایک دیا روشن کیا تھا دیئے کی روشنی بہت تیز تھی اتنی تیز کہ دور دور تک کا ماحول نظر آسکے میں نے اس لڑکی کو دیکھا جس کا رخ اب میری جانب ہوگیا تھا اور اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں یہ مسکراتی آنکھیں اس قدر دلکش تھیں کہ دل کھینچ کر باہر نکل جائے یوں لگ رہا تھا جیسے ننھے ننھے دیئے روشن ہوگئے ہوں اور اس روشنی میں اس کا چاند جیسا چہرہ بھی خوب چمک رہا تھا جسے نقاب چھپائے ہوئے تھی پھر اس کی آواز ابھری۔

''قریب آجاؤ اتنی دور کیوں کھڑے ہوئے ہو۔''

اور نجانے اس آواز میں کیا سحر تھا کہ میں کھنچا چلا گیا اور اس اپسرا کے عین سامنے پہنچ گیا لڑکی کی آنکھیں بدستور مسکرا رہی تھیں جیسے اس کے انگ انگ میں دیئے جارہے ہوں نجانے یہ روشنی کہاں سے منعکس ہورہی تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مرے پیچھے پیچھے کیوں چلے آئے۔''

''تم کون ہو؟ اور میرے دل کے تارتم سے کیوں بندھے ہوئے ہیں۔''

''میرا بھید جانو گے؟''

''ہاں! کتنی خوبصورت ہو تم۔ میں تمہیں کیا بتاؤں۔''

''میں جو ہوں اسے جان کر حیران رہ جاؤ گے۔''

''کون ہو تم؟'' میں نے حیرانی سے کہا اور لڑکی نے اپنے کان کے پاس کوئی چیز تلاش کی اور اس کے بعد اپنے چہرے سے نقاب ہٹادی۔ مجھے اتنی زور کا چکر آیا کہ دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھنے پڑے اور میں دیوانوں کی طرح اسے دیکھنے لگا یہ کوروتی تھی لیکن پہلے سے کہیں زیادہ حسین اتنی حسین کہ انسان اسے دیکھ کر اگر اسے نہ پاسکے تو خودکشی کرلے میں اسے پاگلوں کی طرح گھورتا رہا تو وہ ہنسی اس کے دلکش دانت موتیوں کی طرح چمک اٹھے اور میں سحر زدہ سا اسے دیکھتا رہا۔

''کوروتی......''

''ہاں۔! میں۔''

''کوروتی کیا میں پاگل ہو جاؤں؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' اس نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

''یہ تم مجھے کہاں لے آئی ہو؟''

''صدیوں کا سفر تم نے کتنے لمحوں میں طے کیا ہے تمہیں معلوم ہی نہیں ہے عالی کہ تم اس وقت کونسے دور میں ہو۔''

''مگر کوروتی کیا میرے لئے اس دور سے واپسی ممکن ہوگی۔''

''ہاں...... کیوں نہیں! کیا تم اتنی سی دیر میں اکتا گئے ہو۔''

''نہیں اکتایا نہیں ہوں۔ مجھے کچھ عجیب عجیب سا لگ رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں ذیشان عالی ہوں ایک کہانی کار لیکن یہاں مجھے کیا کہا جارہا ہے۔''

''راج لیکھک ......لیکھک کا مطلب ہے لکھنے والا اور تم سنسار کی صدیوں پرانی تاریخ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو جب لکھوگے تو وہ اتنی سچ ہوگی کہ اس سے بڑا سچ اور کوئی نہیں لکھ سکے گا۔ میں تمہیں ایک بات بتادوں کہ اگر ہم ماضی کی کسی تاریخ میں جاتے ہیں تو ہمیں اس تاریخ ہی کا ایک کردار بننا پڑتا ہے ورنہ اجنبی ماضی میں کسی اجنبی کردار کی بھلا کیا گنجائش ہے ماضی تو وہ ہے جو بیت چکا ہوتا ہے۔

ہاں اگر اسی ماضی کے کسی کردار پر قبضہ جمالیا جائے تو بات بن سکتی ہے اب تم مجھے کوروتی کے نام سے جانتے ہو لیکن اس دور میں مجھے کشکا کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ کشکا ایک ساحرہ جو ناچنے والی کے روپ میں سامنے آتی تھی اور اس کا چہرہ ڈھکا رہتا تھا۔ تم راج لیکھک ہو۔ اس دور کے راج لیکھک جس نے مہابھارت کے بارے میں بھی لکھا۔ بے شک تمہیں مہابھارت کی تفصیلات معلوم نہیں ہوں گی لیکن لگے ہاتھوں میں تمہیں مختصر طور پر بتادوں تم نے خود اپنی لکھی ہوئی کتاب میں دیکھا کہ چتر برج مہاراج کے بیٹوں کی بات ہورہی تھی یعنی ہتنا پور کے راجا بھرت کی آٹھویں نسل کا راجا کور جس کی اولاد کوروں کے نام سے مشہور ہوئی اور اسی

نسل کی چھٹی پشت میں راجا چتر برج پیدا ہوا۔ جس کے دو بیٹوں میں مہابھارت کی جنگ ہوئی ایک کا نام آشتر جو آنکھوں سے اندھا تھا اور دوسرا پنڈا۔ بس یوں سمجھ لو کہ وہیں سے کام شروع ہوا۔

آشتر کو ہتنا پور کی حکومت نہیں ملی اور اسے اپنی آنکھوں کے نہ ہونے کا بہت دکھ تھا وہ جانتا تھا کہ پنڈا کے بعد حکومت پنڈا ہی کے بیٹوں کو ملے گی چتر برج کی اولادوں میں سے دوسری نسل کا سب سے بڑا بیٹا دریودھن تھا لیکن اس نے کبھی پنڈا کے سامنے یہ بات منہ سے نہیں نکالی تھی۔ البتہ اس کی دھرم پتنی رانی کندھاری جو کندھار کے راجا کی بیٹی تھی بری طرح پریشان رہتی تھی کہ حکومت اس کے بیٹوں کو نہیں ملے گی۔ بس اس کے من میں یہی بات تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے پنڈا کے بعد کی حکومت اس کے بیٹے دریودھن کو مل جائے اور اس کے لئے اس نے ایک باقاعدہ منصوبہ بنایا اس منصوبے کو اس نے اپنے پتی سے بھی چھپائے رکھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ آشتر اپنے بھائی پنڈا سے بڑی محبت کرتا ہے تو آشتر کے پاس پہنچ کر اس نے کہا۔

''مہاراج ایک عجیب وغریب سپنا دیکھا ہے میں نے۔ آپ یقین کرو یہ سپنا میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''کیا سپنا؟''

''میں نے دیکھا مہاراج کہ آسمان سے ایک تارا ٹوٹا اور ایک روشن لکیر بناتا ہوا میرے چرنوں میں آ گرا۔ میں نے ڈری ڈری آنکھوں سے اس چیز کو دیکھا جو میرے پیروں میں آ پڑی تھی تو وہ چمڑے میں لپٹی ہوئی ایک کتاب تھی۔''

''کتاب......'' آشتر نے حیرانی سے کہا۔

''ہاں مہاراج میں نے اس کتاب کا چمڑا کھولا تو مجھے اس میں راجا پنڈا کی جنم کنڈلی نظر آئی۔''

''ارے......'' آشتر حیرت سے بولا۔

''کیا تم نے اس کی کنڈلی کو کھول کر دیکھا۔''

''پریشانی تو اسی بات کی ہے۔''

''کیوں؟'' آشتر حیرانی سے بولا۔

''میں نے اسے کھول کر دیکھا اس میں بڑی عجیب باتیں لکھی ہوئی تھیں۔''

''بتاؤ تو سہی...... مجھے بتاؤ تو...... کیا انوکھی باتیں تھیں۔''

''میں نے جنم کنڈلی دیکھی اور پڑھی تو اس میں انوکھے انکشافات پائے۔ اس میں لکھا تھا کہ راجا پنڈا کی موت اس عمر میں ہوگی جب اس کے پانچ بیٹے ہوں گے اور وہ اپنی حکومت کے گیارہ برس پورے کر چکا ہوگا۔''

''اور......''

''لکھا تھا مہاراج! کہ پنڈا کی موت سانپ کاٹنے سے ہوگی۔ وہ ایسی جگہ مرے گا جہاں عام لوگ نہیں مرتے۔''

''اوہ بھگوان......تم نے یہ سپنا کیوں دیکھا۔''

''آپ جانتے ہیں کہ راجا پنڈا ہم سب سے بڑی محبت کرتا ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ پنڈا کی موت کے بعد ہتنا پور کی حکومت ہمارے بڑے بیٹے کو ملنی چاہئے۔ لیکن یہ تو سب کچھ بھگوان کی مرضی پر ہوتا ہے۔ ہمیں یہ سوچنا بھی نہیں چاہئے کہ پنڈا مر جائے۔''

''بھگوان نہ کرے وہ میرا بھائی ہے۔'' آشتر نے کہا۔

''پر ایک بات میرے من میں دکھ پیدا کرتی ہے۔''

''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہ مہاراج خاندانی ریت کے مطابق پنڈا کے بعد حکومت دریودھن کو ملنی چاہئے مگر میرا خیال ہے حکومت دریودھن کے بجائے ارجن کو ملے گی کیونکہ پنڈا کے بیٹوں میں وہی سب سے بڑا ہے۔''

''اگر حکومت ارجن کو بھی ملے تو ہمیں اس سے کیا وہ بھی تو ہمارا اپنا ہی ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن بہت سے لوگ اس بات کو نہیں مانیں گے۔''

''نا مانیں۔ ہمیں حکومت نہیں چاہئے

اور پھر ابھی پنڈا کی عمر ہی کیا ہے بس سپنے تو دماغ کی خرابی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔" آشتر نے کہا اور کندھاری مسکرانے لگی اس کی یہ مسکراہٹ آشتر نہیں دیکھ سکا تھا۔ لیکن کندھاری نے کہا۔

"میری ایک رائے ہے مہاراج۔"

"کیا۔"

"آپ یہ سپنا اسے بتا دیں۔"

"اس سے فائدہ کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں پنڈا کی جنم کنڈلی تو اس کے پاس محفوظ ہوگی۔"

"ہاں مجھے پتا ہے اس کی جنم کنڈلی بھی بنائی گئی تھی۔ بڑے بڑے پنڈتوں نے اس کی یہ جنم کنڈلی بنائی تھی پتا نہیں مہاراج چتر برج نے اسے دوسروں کے سامنے کبھی نہیں رکھا۔ یہ بھی پنڈتوں ہی نے کہا تھا۔"

"آہ...... تو آپ کو یہ بات معلوم ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو آپ نے اس بارے میں کیا سوچا۔" کندھاری نے پوچھا۔

"بس میں سوچ رہا ہوں تمہاری بات کو اسے بتاؤں یا نہیں۔"

"اس سے کہو کہ وہ اپنی جنم کنڈلی کھول کر دیکھے۔"

"اور اس کی وجہ پوچھی اس نے تو؟" آشتر نے سوال کیا۔

"تو پھر تم اسے بتا دینا کہ اس کی بھابھی اس کے لئے پریشان ہے اس نے ایک سپنا دیکھا ہے۔" آشتر سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے خود بھی گردن جھٹک دی۔

"ٹھیک ہے میں اس بارے میں اسے بتا دوں گا۔" راجا پنڈا نے آشتر کی تشویش سنی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں بھائی جی اگر بھگوان نے میری موت اسی طرح لکھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"نہیں پنڈا، میں جانتا ہوں کہ عورت کی بات قابل توجہ نہیں ہوتی لیکن اگر تم چاہو تو صرف ہمارے من کی شانتی کے لئے جنم کنڈلی کھول کر دیکھو جو پنڈتوں نے بنائی تھی یوں بھی تم نے اپنی جنم کنڈلی آج تک کھول کر نہیں دیکھی۔"

"اور اگر بھابھی جی کی بات سچ نکل آئی تو۔" پنڈا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ہم اس کا کوئی اوپائے کریں گے، پنڈتوں کو بلائیں گے ان سے پوچھیں گے کہ کیا کیا جائے۔"

"ٹھیک ہے، میں صرف آپ کی آگیاہ کی پالن کے لئے یہ سب کچھ کروں گا۔" پنڈا نے احترام سے جواب دیا۔

جنم کنڈلی خزانے میں نہایت محفوظ جگہ رکھی ہوئی تھی۔ پنڈا نے اسے منگوایا اور طویل عرصے کے بعد اس نے اپنی قسمت کے لکھے کو کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا وہ اسے زور زور سے پڑھ رہا تھا اس کے بارے میں بہت سی دعائیں اور اشلوکوں کے بعد لکھا تھا۔

"اور پنڈا کی عمر کا ایک مخصوص حصہ اس سے جب اس کی حکومت کے گیارہ سال بیت جائیں گے اس کے لئے خراب ہوگا اس کی موت سانپ کے کاٹے سے ہوگی اور یہ اٹل ہے۔"

"پنڈا کی آواز لرز گئی اس نے حیران نگاہوں سے آشتر کو دیکھا اور جنم کنڈلی کو آگے پڑھنے لگا۔ بہت سی باتیں تھیں لیکن سب سے اہم بات یہی تھی کہ جو رانی کندھاری نے سپنے میں دیکھی تھی پنڈا حیران رہ گیا اور آشتر کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

"تعجب کی بات ہے بھائی جی مہاراج اس میں تو وہی سب کچھ لکھا ہوا ہے۔" اس کی آواز کی لرزش آشتر نے بھی صاف محسوس کی تھی اب جبکہ موت کی تصدیق ہوگئی تھی تو پنڈا کے اندر ایک ہلچل سی مچ گئی اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑتا جا رہا تھا۔

(جاری ہے)

روح کاراز

عطیہ زاہرہ۔لاہور

اچانک ایک شعلہ لپکا اور حسین خوبرو حسینہ کا وجود شعلے کی لپیٹ میں آگیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے چشم زدن میں حسینہ جل کر خاکستر ہوگئی کہ پھر ایک دل دہلاتا اور دلبرداشتہ منظر......

ایک روح کی دلکش دلفریب اور دلگداز پر بہار کہانی جسے پڑھنے والے عش عش کراٹھیں گے

بچپن سے آزاد ہوں، والدین نام کی کسی چیز کو نہیں جانتا، ایک خیراتی ادارے میں ہوش سنبھالا تھا۔ مولوی صاحب نے بھیک مانگنے کے گر سکھائے تھے۔ لیکن عقل آئی تو مولوی صاحب کے سکھائے ہوئے گر حماقت معلوم ہوئے اور میں نے اپنے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ بھیک مانگنے والے گندے سے بچے پھٹی پھٹی آواز میں دردانگیز راگ الاپ کر لوگوں کو زیادہ تر متاثر نہیں کر پاتے۔ میں نے مولوی صاحب سے چھپ کر پیسے بچائے اور ایک اسکول یونیفارم سلوالیا۔ ایک بستہ لے لیا۔ کچھ کتابیں بھی خریدلیں اور پھر میں کسی سڑک پر مناسب موقع دیکھ کر کسی مناسب آدمی سے اسکول کی فیس مانگتا، کیوں کہ میرا نام اسکول سے کٹنے والا ہوتا تھا اور والدین غریب تھے کہ فیس نہیں دے سکتے تھے۔

خدا ترس لوگ جیبیں خالی کردیتے تھے۔ کبھی بس کا کرایہ، کبھی اور کچھ چنانچہ مولوی صاحب کی نگاہوں میں، میں ایک خاص مقام حاصل کرگیا تھا۔

کم بخت یاد ہی نہیں رہا تھا کہ صرف ایک روز قبل ہی اس آدمی سے اسکول کی فیس لے چکا ہوں۔ دوسرے دن بھی اتفاق سے ایک دوسری جگہ وہی ٹکرا گیا اور اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ وہ چار تھپڑ لگا کر مجھ سے میری اصلیت معلوم کرنے لگا۔ اگر وہ پولیس کی دھمکی نہ دیتا تو میں کبھی نہ بتاتا لیکن پولیس کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ چنانچہ حقیقت اس کے سامنے اگل دینی پڑی۔

تب اس نے کہا کہ ''میں اس کے ساتھ چلوں۔''

وہ مجھے دولت کمانے کا فن سکھائے گا یوں استاد محفوظ خان نے مجھے دو انگلیوں کا کھیل سکھایا اور میرا رابطہ خیراتی ادارے سے منقطع ہوگیا۔

دو انگلیوں کا کھیل بہت دلچسپ تھا۔ جسے میں بڑے سلیقے سے انجام دیتا تھا۔ لیکن استاد محفوظ خان کو نجانے کیا مرض تھا کہ وہ کام کے بعد پڑھنے کے لئے کہتا تھا۔ اور جب میں پڑھنے سے جی چراتا تو وہ مار لگاتا اور کہتا تھا۔ ''بیٹا۔ فن اپنی جگہ۔ تعلیم اپنی جگہ...... تعلیم یافتہ فنکار زیادہ کامیاب رہتا ہے۔''

اور استاد محفوظ خان ہی کی مہربانی تھی کہ میں نے کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ میرا تو پیشہ ہی دوسرا تھا۔ کبھی کبھی ٹور پر نکل جاتا تھا۔ بس تنہا تھا۔ اس لئے آوارہ گرد بھی تھا۔ اور آوارہ گردی مجھے پسند بھی تھی۔ روپے پیسے کی پرواہ تو نہیں تھی کیونکہ دنیا کے کونے کونے میں میرا بزنس موجود تھا۔ جب روپے کی ضرورت ہوتی کوئی عمدہ سی جیب تاک لی۔ اور بس۔!

☆......☆......☆

عالیہ سے میری ملاقات انتہائی عجیب وغریب انداز میں ہوئی۔ ان دنوں میں ٹور پر تھا۔ نہ جانے کہاں کہاں آوارہ گردی کرتا ہوا ایک پہاڑی علاقے میں پہنچا تھا۔ یہ ایک خوب صورت پیارا سا پہاڑی علاقہ تھا۔ لیکن بدقسمتی تھی کہ یہاں کوئی ہوٹل نہیں تھا۔ قیام کرنے میں بڑی پریشانی ہوئی۔ خیر ایک غریب آدمی نے تھوڑی سی رقم کے عوض اپنے کچے مکان میں ایک کمرہ دے دیا۔ بہرحال سونے کے لئے ٹھکانہ چاہئے تھا۔ اس لئے مجھے کوئی پرواہ نہ تھی۔ بلکہ یہ بھی تفریح کی انفرادیت تھی۔ خیر یہاں کے گردونواح بہت خوب صورت تھے۔ اور مجھے ان کی سیر میں بہت لطف آرہا تھا۔

ایک سخت دوپہر میں، میں ایک ایسے علاقے میں پہنچا، جہاں آبادی بہت کم تھی۔ قدرے باحیثیت لوگوں نے دور دور مکانات بنا رکھے تھے۔ جو عام آبادی سے ہٹ کر کسی قدر خوب صورت بنے ہوئے تھے۔ دھوپ خلاف توقع تیز تھی۔ مجھے شدید پیاس محسوس ہونے لگی۔ لیکن پانی کہیں نہیں تھا۔

ہاں سامنے ہی ایک مکان نظر آرہا تھا۔ سفید رنگ کا بدرونق مکان! نہ جانے آباد بھی ہے یا نہیں...... کسی انسان کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ لیکن پیاس اس قدر شدید ہوگئی تھی کہ میں نے کوشش کرلینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا اور مکان کی طرف بڑھ گیا۔

لوہے کا پھاٹک اندر سے بند تھا۔ میں نے زور سے اسے بجایا۔ لیکن کئی منٹ گزر گئے۔ اندر سے کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ پھاٹک میں جالیاں تھیں۔ ہاتھ ڈال کر دروازہ باآسانی کھولا جاسکتا تھا۔ ویسے اتنا اندازہ ضرور ہوا تھا کہ مکان غیر آباد نہیں ہے۔ ورنہ دروازہ اندر سے بند نہ ہوتا! پھر خیال آیا کہ جس طرح دروازہ میں نے کھول لیا ہے۔ اس طرح باہر سے بند بھی کیا جاسکتا ہے۔

''اوہ! ان جھگڑوں میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ دیکھا جائے کہ اندر پانی موجود ہے یا نہیں؟ میں کون سا شریف آدمی ہوں۔ جو کسی مکان میں داخل ہونے میں پس وپیش کروں۔'' چنانچہ میں اندر داخل ہوگیا۔ مکان واقعی ویران سا تھا۔ چاروں طرف ہو کا سناٹا تھا۔ کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ ہاں مکان کے عقب میں، شاید کسی درخت پر پیاسی چڑیاں بول رہی تھیں اور ان کی

آواز ذرہ رہ کر ابھر رہی تھی۔ لیکن یہ آواز ماحول کی ویرانی میں اور اضافہ کر رہی تھیں۔ میں آگے بڑھا اور مکان کے برآمدے میں پہنچ گیا۔ پھر برآمدے سے بھی اندر داخل ہو گیا۔ صحن تھا اور صحن کے دوسرے حصے میں دو کمرے نظر آرہے تھے۔ لیکن مجھے میری مطلوبہ چیز نظر آ گئی۔ سامنے ہی شاید کچن تھا۔ کچن کے باہر ایک چھاؤں دار جگہ تھی۔ اور اس کے نیچے مٹی کے دو مٹکے نظر آرہے تھے۔ جن کے اوپر مگ رکھا ہوا تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور پھر میں نے کئی مگ بھر کر پانی پیا اور میری شدت کی پیاس بجھ گئی۔ تھوڑا سا پانی لے کر میں نے کئی چھینٹے چہرے پر مارے اور چہرے کی تپش ڈھل گئی۔ اب میں پرسکون تھا۔

اور جب سکون نصیب ہوا تو مکان کے بارے میں تجسس جاگا۔ جیب تراشی میرا پیشہ رہا ہے۔ لیکن کسی مکان میں چوری کا تصور بھی ذہن میں نہیں آیا۔ اگر یہ خالی مکان قیمتی اشیاء سے بھرا ہوتا تب بھی میرے ذہن میں یہاں سے کوئی چیز حاصل کرنے کا تصور نہ پیدا ہوتا! بس یوں ہی مکان کے بارے میں اور مکینوں کے بارے میں جاننے کا خیال دل میں آیا تھا۔ چنانچہ میں ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

پہلے میں نے دروازے پر دستک دی۔ پھر کواڑوں پر دباؤ ڈالا۔ کواڑ کھل گئے۔ اندر تاریکی تھی۔ اندر داخل ہو کر چند لمحات تک تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا پھر جب آنکھیں کسی حد تک تاریکی کی عادی ہوئیں تو ایک سفید سی شے نظر آئی۔ یہ ایک بڑی سی میز تھی۔ جس پر ایک خوب صورت سی چادر بچھی ہوئی تھی۔ سفید رنگ کی بے داغ چادر......! اس کے نزدیک ہی ایک اسٹول رکھا تھا۔ جس پر دو قیمتی گلدان رکھے ہوئے تھے۔ ''خوب باذوق لوگ ہیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ ''شکریہ بھائی صاحب اس پانی کا جس نے میری پیاس بجھائی۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم سے اجازت نہیں لی۔''

حالانکہ لوگوں کی جیبیں صاف کرتے ہوئے میں نے کسی سے بھی اجازت نہیں لی، لیکن...... میں نے پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ لیکن کمرے میں اس سامان کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ کوئی اور شے نہیں تھی۔ کوئی مفلوک الحال آدمی ہے۔ بے چارہ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اپنے دیس کی آدھی آبادی پھکو ہی ہے۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ دروازہ اسی احتیاط سے بند کیا۔ پھر واپس پلٹنے کا سوچ رہا تھا کہ خیال آیا۔ دوسرا کمرہ بھی دیکھ لوں۔ روکنے والا کون تھا؟ چنانچہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر میں اندر داخل ہو گیا۔ لیکن یہاں میرا اندازہ غلط نکلا۔ مکان میں مکین موجود تھا۔ اس کمرے میں تھوڑا بہت ضروری سامان موجود تھا۔ جس کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ ہاں، قابل ذکر وہ مسہری تھی۔ جس پر کوئی سو رہا تھا۔ اگر میں اسے جگانے کی کوشش کروں۔ تو وہ ڈر جائے گا۔ جانے دو، کیا فائدہ؟ اپنا کام بن گیا۔

اب فضول باتوں سے کیا حاصل؟ لیکن اگر کوئی عمدہ آدمی ہو تو تپش اور دھوپ سے تھوڑی نجات مل جائے گی۔ ممکن ہے چائے وغیرہ بھی پلا دے چنانچہ میں اس مسہری کے قریب پہنچ گیا۔ اور قریب پہنچتے ہی مجھے ایک عجیب کیفیت کا احساس ہوا۔ سونے والا چت لیٹا ہوا تھا۔

''ارے باپ رے...... عورت ہے۔ جاگ گئی تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔''

مرد ہوتا تو دوسری بات تھی۔ دل نے نعرہ لگایا۔ ''چپ چاپ بھاگ نکلو ورنہ مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔'' اور میں دبے قدموں پلٹا۔

''ٹھہرو...... سنو......!'' ایک شیریں آواز میرے کانوں میں پڑی، اور میرے قدم رک گئے۔

''بات سنو...... قریب آؤ!''

آواز پھر سنائی دی۔ اس میں نرمی تھی۔ کوئی خوف نہیں تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ امن ہے اور کوئی خاص خطرہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں واپس پلٹ پڑا۔ ابھی تک تو نقوش ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا تھا۔ میرے قریب پہنچتے ہی وہ تھوڑی سی کھسکی۔ اور مسہری کے تکیے سے ٹک کر بیٹھ گئی۔

تب میں نے اس کے چہرے پر پہلی نگاہ ڈالی! اور پہلی ہی نگاہ! شاعر حضرات کے دم سے حسن و عشق کی داستانیں تازہ ہیں۔ حسن کے لئے جو تشبیہات، جو استعارات مستعمل ہیں۔ سب کے سب سامنے لے آیئے۔ عشق کی جو علامات متعین ہیں۔ انہیں نگاہ میں رکھ لیجئے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ زندگی میں پہلی بار کسی پر عاشق ہوا تھا۔ بغیر کسی پروگرام کے عاشق ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ سب کچھ فطری تھا۔ اور درحقیقت وہ تھی بھی اتنی حسین، گہرے سیاہ اور ہلکے گھنگھریالے بال، کشادہ اور روشن پیشانی دودھ کی طرح سفید جلد، بڑی بڑی سیاہ غزالی آنکھیں، ستواں ناک، حسین ترین تراش کے ہونٹ، ننھی سی ٹھوڑی جس کا خفیف سا گڑھا اس کے حسن میں اضافہ کررہا تھا۔ صراحی دار گردن اور بھرا بھرا گداز جسم، جس کا ہر نقش مکمل تھا۔ میں اسے دیکھ کر مبہوت ہوگیا۔

''کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟'' مترنم آواز پھر ابھری۔ اور میں چونک پڑا۔ اور پھر میں سنبھل کر اسے دیکھنے لگا۔ سوالیہ آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ جواب دینا ضروری تھا۔ چنانچہ حواس مجتمع کئے اور بمشکل بولا۔ ''میر...... میرا نام کریم ہے۔''

''کیا ظہور کے کوئی عزیز ہو؟''

''ظہور؟'' میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''نہیں جانتے؟''

''نہیں!'' میں نے گردن ہلادی۔

''پھر اس مکان میں تمہاری آمد کیا معنی رکھتی ہے؟'' میں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ سوال تھا برہمی کے آثار نہیں تھے۔ ہمت بندھی اور دھوپ کی کہانی سنائی۔ بتادیا کہ پانی کی تلاش نے یہ غیر اخلاقی حرکت کرنے پر مجبور کردیا۔

''اوہ...... تم نے اچھا کیا۔ پانی پی لیا؟''

''ہاں......!''

''مناسب سمجھو تو کچھ دیر آرام کرو۔ بیٹھ جاؤ۔ باہر سخت دھوپ ہے؟''

''بے حد شدید!'' میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''تب دھوپ ڈھل جانے دو۔ بیٹھ جاؤ۔ وہ کرسی اٹھالاؤ۔''

اور میں نے ایک کرسی کھینچ لی۔ میں کرسی پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ دل ہی نہیں بھرتا تھا۔ ہر بار دیکھنے سے اس کے حسن کے مزید پہلو سامنے آجاتے تھے۔ وہ اسی طرح مسہری پر دراز تھی۔ اس کے پیروں پر ایک ریشمی شال پڑی ہوئی تھی۔

''مہمان نوازی کے کچھ آداب ہوتے ہیں شاید، لیکن بدقسمتی سے میں ان آداب کو ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ میرے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہیں۔''

اس نے کہا اور میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ اس نے پیروں پر سے شال گھسیٹ دی تھی اور درحقیقت گھٹنوں سے نیچے اس کے پاؤں نہیں تھے۔ مجھے شدید رنج ہوا تھا۔ میں گنگ رہ گیا تھا۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے غم آلود نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اور پھر پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔ ''پاؤں نہ ہونے سے، میں بہت بدنما لگتی ہوں نا شاید!''

''یہ بات نہیں ہے۔ مجھے تمہاری اس محرومی پر رنج ہوا ہے، لیکن یہ حادثہ کس طرح ہوا؟ میرا خیال ہے تمہارے پاؤں کسی چیز سے کٹ گئے ہیں؟''

''کاٹ دیئے گئے ہیں۔ جان بوجھ کر کاٹ دیئے گئے ہیں۔''

اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا اور یہ دوسرا دھچکا تھا۔ جو میرے ذہن کو لگا۔ ''کس نے کاٹ دیئے؟ کیوں کاٹ دیئے؟ کون ہے وہ ظالم؟'' میں نے کہا۔

''ظہور!'' وہ بولی۔

''وہ...... یہ نام تم پہلے بھی لے چکی ہو۔ مگر یہ کون ہے؟ اور اس نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا ہے؟''

''وہ...... وہ!'' وہ کچھ کہتے ہوئے رک گئی اور اچانک خاموش ہوکر میری شکل دیکھنے لگی۔ ایسا لگتا تھا اچانک اس کے ذہن میں کوئی خیال آیا ہو۔ میں بدستور اسے دیکھتا رہا تھا۔ ''میرا نام عالیہ ہے۔ تم مجھے اس نام

سے پکار سکتے ہو۔"

"عالیہ!" میں زیرلب بڑبڑایا۔

"ہاں تم سوچو گے کہ کیسی بے باک اور کیسی بے حجاب عورت ہے۔ لیکن حالات کہتے ہیں وہ سب کچھ بلا تمہید بغیر وقت ضائع کئے کہہ دوں۔ جو کہنا چاہتی ہوں۔"

"کہہ دو، تمہید کی، سوچنے کی ضرورت نہیں ہے!" میں نے بے اختیار کہا۔

"کیا تم مجھے سہارا دے سکتے ہو کریم؟ میں معذور ہوں، کیا میرے بدنما وجود کو اپنا سکتے ہو؟"

درحقیقت غیر متوقع سوال تھا۔ ایک اجنبی پر اعتماد، ایک انجانے انسان سے یہ خواہش، کیسی ہے یہ عورت؟ لیکن دل اندر سے دھڑک اٹھا۔ "کریم، میری مانو، اس حسین اس بے کس لڑکی کو اپنا لو، محبت تو زندگی کھو کر بھی نہیں ملتی، محبت کی کامیابی کے لئے پہاڑ کاٹنے پڑتے ہیں، تمہاری پسند، تمہاری پہلی پسند تم سے درخواست کر رہی ہے، اس معذور کو اپنا لو۔ یہ زندگی بھر احسان مند رہے گی اور تم جیسے لاابالی شخص کے لئے اس کا بوجھ کچھ نہ ہوگا!" دل کی آواز نے مجھے نڈھال کر دیا۔ حسن و عشق کے فاصلے اس سے قبل اتنی جلد طے نہ ہوئے ہوں گے۔ زندگی کے فیصلے اس سے قبل اتنی جلدی نہ کئے گئے ہوں گے۔ جتنی جلدی میں نے کئے اور پھر میں نے مضبوط آواز میں کہا۔

"میں تمہیں زندگی بھر کے لئے اپنانے کو تیار ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟"

"ہاں...... ابھی...... اسی وقت...... دیر نہ کرو۔ مجھے اس ویرانے سے نکال لو۔ میرا دل بالکل نہیں لگتا۔ مجھے یہاں سے لے چلو، اگر وہ آ گیا تو پھر تم مجھے کبھی یہاں سے نہ لے جاسکو گے۔" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کون؟"

"ظہور!"

"میں اس سنگدل انسان سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا ہے؟ میں اس سے تمہارا انتقام لینا چاہتا ہوں۔"

"آہ...... اگر تم نے انتظار کیا اور اگر تم نے وقت ضائع کیا تو پھر میں نہ ہوں گی، ہاں پھر میں نہ ہوں گی، وہ مجھے فنا کر دے گا۔ وہ مجھے فنا کر دے گا۔" وہ خوفزدہ انداز میں بولی۔

"میری موجودگی میں وہ ایسا نہ کر سکے گا۔ تاہم ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ابھی ساتھ لے چلتا ہوں۔ لیکن یہاں سے واپسی عجیب انداز میں ہوگی۔ کم از کم آبادی تک، کیا تم میری پشت پر سفر کرنا پسند کرو گی؟"

میں نے کہا اور اس نے گردن جھکا دی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔

"عالیہ تم میری ہو، میری اپنی، تمہارا سہارا بن کر مجھے کوئی تکلیف، کوئی دکھ نہیں ہوگا۔ آؤ...... چلنا ہے، تو ہم دیر کیوں کریں؟" اور پھر اس نرم و لطیف بوجھ کو میں نے اپنی پشت پر لاد لیا۔ اسفنج کی طرح ہلکی اور نرم تھی وہ! حالانکہ طویل سفر تھا۔ لیکن عورت...... انسان نے اس کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔

میں اسے لے کر بستی تک آ گیا۔ اور اس کے بعد میں اسے شہر لے آیا۔

"عالیہ کیا آئی! میری زندگی بدل گئی۔ بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئیں میرے اندر، میں ایک محبت کرنے والا انسان بن گیا۔ اب کسی کی جیب خالی کرتے ہوئے مجھے دکھ ہوتا تھا۔ اب میں لوگوں کے دل دکھانے سے پرہیز کرنے لگا تھا۔ عالیہ میرے کاروبار کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

لیکن اس سے شادی کرنے کے بعد پہلی رات میں نے اسے سب کچھ بتا دیا اور عالیہ نے میری گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ "میرے محبوب تم نے زمانے بھر کی خوشیاں میری جھولی میں ڈال دی ہیں، تم وہ نہیں ہو جو بنا دیئے گئے ہو، لیکن اب تم خود مختار ہو، تمہیں غلط راہوں پر چلانے والا کوئی نہیں ہے، ان راہوں کو چھوڑ دو۔ تم نے جو کچھ کر لیا ہے۔ ہمارے لئے وہی کافی ہے۔ پوری محنت اور دل جمعی سے اس پر توجہ دو۔ ہم اسی سے ترقی کریں گے۔ وعدہ کرو کہ اب تم جیب تراشی نہیں کرو گے۔"

اور میں نے وعدہ کرلیا اس وعدے کو پورا بھی کر دیا اور پھر درحقیقت وہ اسٹور، جو پہلے میرے لئے ایک آڑ تھا۔ اب میری وہ تمام ضرورتیں پوری کرنے لگا۔ میں اتنا ہی مطمئن، اتنا ہی خوشحال رہنے لگا جتنا کہ پہلے تھا بلکہ اس سے بھی کچھ بہتر پوزیشن ہوگئی۔

عالیہ بھی خوش تھی۔ اور ہم مثالی میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے۔ میں نے عالیہ کے پیروں کے لئے بہت سے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا۔ لیکن اس کے پاؤں اس قابل نہیں تھے کہ ان کا علاج ہو سکے۔ ہاں میں نے پلاسٹک کے مصنوعی پاؤں لگوا دیئے تھے۔ لیکن وہ ان سے چل نہیں سکتی تھی۔ البتہ بیساکھیوں کے سہارے وہ تھوڑی دور چل لیتی تھی۔ اور یہ حقیقت تھی کہ اس معذور عورت کی شخصیت اتنی سحر طراز تھی کہ میں اس سے کبھی اکتایا نہیں بلکہ اس کا پیار روز بروز بڑھتا رہا، میں اس کے ایک اشارے پر سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ اسے ہروقت خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں نے اس کے دل سے اس کی معذوری کا خیال نکال دیا تھا۔

لیکن کبھی کبھی عالیہ میرے ذہن میں الجھ جاتی تھی۔ میں نے کئی بار اس کا ماضی معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس وقت اس کی کیفیت عجیب ہوجاتی، وہ کھوئی کھوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگتی۔ ''ماضی، میرا تو کوئی ماضی نہیں ہے۔'' وہ خوابیدہ انداز میں کہتی!

''تمہیں اپنے والدین بھی یاد نہیں!''

''نہیں کریم، یقین کرو، مجھے کچھ بھی یاد نہیں!''

''ظہور تمہارا کون ہے؟''

''میں نہیں جانتی، میں نہیں جانتی۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتی۔ اس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار ابھر آتے تھے۔ ''اس نے تمہارے پاؤں کاٹ دیئے، وہ تم سے کیا چاہتا تھا؟'' میں اکثر پوچھتا۔

''آہ میں نہیں جانتی!'' اس کی حالت دگرگوں ہونے لگتی، تب میں خاموش ہوجاتا، عالیہ کچھ بھی تھی۔ وہ مجھ سے کچھ چھپاتی تھی۔ یا درحقیقت وہ کچھ نہیں جانتی تھی، لیکن وہ ایک پرخلوص، اور محبت کرنے والی عورت تھی۔ اور مجھے اس کے اوپر مکمل اعتماد تھا۔ بیوی بننے کے بعد وہ ایک مکمل عورت تھی اور مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر اس کا ماضی میرے سامنے نہ آتا، تب بھی کوئی بات نہیں تھی۔ یہاں تک کہ میں نے یہ سوالات اپنے ذہن سے نکال ہی دیئے کہ وہ کون ہے؟ مجھے صرف اس کی محبت، اس کے پیار سے غرض تھی!

اور یوں ہماری پرمسرت زندگی کا تیسرا سال شروع ہوگیا تھا۔ عزت اور محنت کی روٹی کماتے ہوئے اب میں بھی کافی بدل گیا تھا۔ میرے ذہن میں مجرمانہ خیالات نہیں آتے تھے۔ چنانچہ ہم نے سیر وتفریح کا پروگرام بنایا اور ایک دن چل پڑے۔ ٹرین کا سفر بے حد خوشگوار تھا۔ عالیہ بھی خوش تھی۔ حسین مناظر گزرتے رہے۔ پھر ٹرین کی رفتار سست ہونے لگی۔ روشنی پوری طرح پھیل گئی تھی۔ باہر کے نظارے گو اب بھی خوب صورت تھے۔ لیکن وقت کا حسن ختم ہوگیا تھا۔ صبح کی جھٹپٹے میں وہ جس قدر حسین نظر آتے تھے۔ اب اتنے نہ رہے تھے۔ تھوڑی سی دیر کے بعد اسٹیشن آ گیا۔ خوب صورت اسٹیشن تھا۔ سیدھے سادے پہاڑی باشندے، پھل، خشک میوے اور دوسری چیزیں فروخت کررہے تھے۔ ہم دلچسپی سے انہیں دیکھتے رہے، ٹرین کے بہت سارے مسافر نیچے اتر کر چہل قدمی کرنے لگے۔

میری نگاہیں ایک پہاڑی دوشیزہ کی طرف اٹھ گئیں۔ بادام فروخت کررہی تھی۔ سادگی کا پیکر چیتھڑوں میں ملبوس، اپنے قیامت خیز حسن سے لاپرواہ، یا شاید ناواقف!

دفعتاً عالیہ نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اس کی انگلیوں کی گرفت غیر معمولی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ شاید وہ پہاڑی دوشیزہ کی طرف غور سے دیکھنے پر احتجاج کرنا چاہتی تھی لیکن اس کا چہرہ دیکھ کر میں بری طرح چونک پڑا۔ عالیہ کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد تھا۔ اس کی آنکھوں میں شاید خوف جھانک رہا تھا۔ ہونٹ خشک پڑ گئے تھے۔ ''ارے...... تمہیں...... کیا ہوا؟ کیا

بات ہے؟ میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

''کر...... کریم...... و...... وہ!'' اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔

''کیا بات ہے عالیہ؟'' اس کی آواز ڈوب رہی تھی۔ میں گھبرا گیا۔ میں نے سنبھال کر اسے سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ تب میں نے جلدی سے تھرماس سے پانی بھرا اور اس کے منہ سے لگا دیا۔ اس نے گھونٹ گھونٹ کرکے پانی پی لیا اور پھر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

ٹرین نے وسل دی۔ پھر گاڑی کی سیٹی سنائی دی۔ اور ٹرین آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ میں عالیہ کی اچانک بگڑ جانے والی حالت سے پریشان ہوگیا تھا۔ ٹرین رفتار پکڑ گئی۔ اسٹیشن کے آثار معدوم ہونے لگے اور پھر وہی سرسبز جنگل!

''عالیہ...... عالیہ سنبھلنے کی کوشش کرو۔ میں سخت پریشان ہوں۔''

''کریم میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ''میں ٹھیک ہوں تم پریشان مت ہو۔'' اس نے آنکھیں بند کئے ہوئے کہا۔ اس کا ہاتھ برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔

''مگر کیا ہوا؟ اچانک کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ میرے اس سوال پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب مایوسی رقص کررہی تھی۔ چند ساعت وہ اسی انداز میں مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

''کریم...... وہ اسٹیشن پر...... میں نے...... میں نے اسے دیکھا۔''

''کسے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ظہور کو!'' وہ خشک ہونٹوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے بولی۔

''اوہ!'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''اس نے...... اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔''

''کیا حلیہ تھا؟ اس کا؟'' میں نے پوچھا۔

''سبز چیک کا سوٹ پہنے ہوئے تھا وہی ڈھلکے ہوئے شانے، وہ...... وہ بھی مجھے دیکھ کر چونکا تھا۔ اور اس کی آنکھوں میں آگ روشن ہوگئی تھی۔''

''کمال ہے، چند لمحات میں سب کچھ ہوگیا اور مجھے خبر تک نہ ہوئی؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''پھر وہ آگے والے ڈبوں کی طرف بڑھ گیا۔ میرا...... میرا خیال ہے وہ اس ٹرین میں سفر کررہا ہے۔''

''ہوں!'' میں نے بھاری آواز میں کہا۔

''اور...... اس نے مجھے دیکھ لیا ہے؟''

''عالیہ!'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ ''اب بھی نہیں پوچھوں گا کہ ظہور سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ اور تم اس سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟ لیکن میں تمہارا شوہر ہوں، زندگی بھر کا ساتھی، کیا تمہیں میرا مذاق اڑانا چاہئے؟''

''مذاق؟'' وہ گھبرا کر بولی۔

''ہاں۔ کیا تم مجھے اتنا ہی بزدل، اتنا ہی نکما شوہر سمجھتی ہو کہ میں اپنی بیوی کے دشمنوں سے اس کی حفاظت نہیں کرسکتا؟''

''یہ بات نہیں ہے کریم!'' وہ نڈھال لہجے میں بولی۔

''میں برے کام چھوڑ چکا ہوں۔ صرف تمہاری وجہ سے، لیکن تمہاری اجازت سے میں ایک بڑا کام ضرور کروں گا۔ میں ظہور کو سزا دینا چاہتا ہوں۔''

''نہیں کریم، ہم اس سے نہیں الجھیں گے۔''

''مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے یہ کام اس وقت انجام دینا چاہئے تھا جب تم مجھے پہلی بار ملی تھی۔ اس مکان میں مجھے ظہور کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ پھر جب وہ آتا، تو میں اس کی ٹانگیں توڑ کر اسے بھی ہمیشہ کے لئے معذور کردیتا، اور پھر تم کبھی اس سے خوفزدہ نہ ہوتیں۔'' میں ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

''کریم...... کریم میں نے اپنا سب کچھ تمہیں دے دیا ہے۔ میں تمہیں دیکھ کر زندہ رہتی ہوں۔ سمجھ لو کوئی ایسی مجبوری ہوگی جو میں جان سے زیادہ عزیز کریم کو نہیں بتاسکتی!''

''اور اب بھی نہیں بتاؤ گی؟'' میں نے اسے گھورا۔
''نہیں کریم......اب بھی نہیں بتاؤں گی۔''
اس نے نڈھال لہجے میں کہا۔
''میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن مجھے ظہور کا حلیہ بتاؤ۔ اگر وہ اس ٹرین میں سفر کر رہا ہے، تو میں اس سے نمٹ لوں گا۔''
''تم ایسا نہیں کرو گے کریم......تم اس کے نزدیک نہیں جاؤ گے۔'' عالیہ نے کسی قدر سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں ٹرین سے نہیں اترنے دوں گی۔''
''بہت بہتر......!'' میں خاموش ہوگیا۔ لیکن عالیہ کی پراسرار ضد میری سمجھ سے باہر تھی۔ تین سال میں پہلی بار ہمارے درمیان یہ معمولی سی تلخی آئی تھی۔ میں نے ٹھنڈے دل سے سوچا۔ عالیہ نے کبھی ضد نہیں کی تھی۔ وہ تو میری ہر بات پر سر تسلیم خم کر دیتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنا حق استعمال کیا تھا۔
''ٹھیک ہے مجھے ہی نرمی اختیار کرنی چاہئے۔'' لیکن درحقیقت بات یہ تھی کہ میں عالیہ کے ہر دشمن سے نمٹنے کی ہمت رکھتا تھا۔ وہ میری بیوی تھی۔ اسے مجھ سے بڑا ہمدرد کون مل سکتا ہے۔ لیکن وہ مجھ سے چھپاتی رہی تھی۔
کالی گھاٹی تک کا سفر خاموشی سے گزرا۔ اور پھر کالی گھاٹی کا اسٹیشن آ گیا۔ یہی ہماری منزل تھی میں نے ایک قلی کو بلا کر اپنا مختصر سا سامان اٹھوایا۔ عالیہ نے بھی بیساکھیاں سنبھال لیں اور میں نے حسب معمول اسے اپنا سہارا پیش کر دیا۔ ہم پلیٹ فارم سے باہر آئے اور پھر ایک خوب صورت گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گئے۔ لیکن اس دوران میری نگاہیں چاروں طرف سبز کوٹ کو تلاش کرتی رہیں اور مجھے ایک بھی سبز کوٹ نظر نہ آیا۔ میں نے محسوس کیا کہ عالیہ بھی محتاط اور خوفزدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اور پھر اس کے چہرے پر بحالی آ گئی۔
شاید ظہور راستے میں کہیں اتر گیا تھا۔ کاش میں اسے دیکھ سکتا، میں نے دل ہی دل میں سوچا، پھر اس خیال ہی کو ذہن سے نکال دیا، بلاوجہ اس خوب صورت ماحول میں بدمزگی پیدا کی جائے، راستے بے حد حسین تھے، سڑکوں پر درخت لگے ہوئے تھے۔ جو یقیناً سرکاری ملکیت تھے۔ شہتوت کے درختوں کی بھرمار تھی، اور ان کی بھینی بھینی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی۔ ''کالی گھاٹی!'' میں نے گھوڑا گاڑی والے سے کہا۔ اور اس نے گردن ہلا دی۔
اس علاقے میں، میں پہلے بھی آ چکا تھا۔ یہاں کے بارے میں معلومات تھی۔ کالی گھاٹی ایک خوب صورت مقام تھا۔ یہاں چھوٹے چھوٹے خوشنما بنگلے بنے ہوئے تھے۔ جو کرائے پر مل جاتے تھے۔ کالی گھاٹی پہنچ کر میں نے ایک بنگلے کے چوکیدار سے بات کی۔ یہی بنگلہ مجھے پسند آیا تھا۔ معاملہ طے ہوگیا۔ اور چوکیدار نے بڑے احترام سے ہمارا سامان اندر پہنچا دیا۔
اس نے بنگلے کی ضروریات کا تعارف کرایا اور بولا۔ ''اگر گاڑی کی ضرورت ہو تو صاحب ہمارے کو بولو۔ ہم منگوا دے گا؟''
مجھے معلوم تھا کہ یہاں کاریں بھی کرائے پر مل جاتی ہیں۔ یقیناً مجھے ضرورت تھی۔ چنانچہ میں نے چوکیدار سے کہہ دیا اور وہ سلام کر کے چلا گیا۔ بنگلہ بہت خوب صورت تھا۔ اس کے حسین اور پری لان میں بیٹھ کر دور دور تک کی صرف برف پوش پہاڑیاں نظر آتی تھیں۔ جن کے درمیان بڑی خوب صورتی سے درخت لگا کر انہیں جنت کا سماں بنا دیا گیا تھا۔ یقیناً گرمیوں کے لئے یہ انتہائی دلکش علاقہ تھا۔ یہاں آ کر طبیعت کی کدورت خود بخود ختم ہوگئی۔
بنگلے کے تین ملازم تھے۔ جن میں ایک عورت تھی اور دو مرد چوکیداران کے علاوہ۔ عالیہ نے انہیں ضروری ہدایات دیں وہ اب کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔ اور کسی حد تک نارمل نظر آ رہی تھی۔ لیکن میں نے ابھی تک اس سے بات نہیں کی تھی۔ اور میری ناراضگی کے کچھ نشان عالیہ کے چہرے پر نمایاں تھے۔ اسے تاسف تھا!
رات کے کھانے کے بعد وہ میرے سہارے لان میں آ گئی، چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی میں بنائی ہوئی خوب صورت پہاڑیاں بڑا اسحر انگیز منظر پیش کر رہی تھیں۔
''کریم'' عالیہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

''ہوں!''

''ناراض ہو تم؟''

''نہیں...... میں ناراض نہیں ہوں!''

''میں تمہیں ناراض نہیں ہونے دوں گی کریم، صرف زبانی جمع خرچ نہیں کررہی، تم مجھے پہاڑی سے دھکا دے کر میری زندگی ختم کردو، میری چیخ نکل جائے، تو میں بے وفا، لیکن......''

''خاموش ہو جاؤ عالیہ، ایسی باتیں مت کرو۔'' میں نے اسے آغوش میں لے لیا۔

''اگر ظہور کا راز تمہیں معلوم ہو جائے تو ہمیں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جانا پڑے گا، کریم! ہم یکجا نہ رہ سکیں گے اور یہ ایک منحوس حقیقت ہے، حقیقتیں فنا نہیں ہوتیں!''

''میں اس کا راز نہیں معلوم کرنا چاہتا!''

''میرے لئے کریم، اپنی عالیہ کی زندگی کے لئے اس راز کو راز رہنے دو۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں عالیہ، آئندہ تم سے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔''

''اسی میں میری بہتری ہے۔ اسی میں میری زندگی ہے۔''

''ایک بات بتادو عالیہ؟''

''پوچھو؟''

''کیا ظہور سے تمہیں زندگی کا خطرہ ہے؟'' میرے اس سوال پر عالیہ خاموش ہوگئی۔ پھر اس نے گھمبیر آواز میں کہا۔

''ہو بھی سکتا ہے۔ اور میری خواہش ہے کہ وہ آئندہ میرے سامنے نہ آئے۔''

''کیا وہ تمہاری تلاش میں ہوگا؟''

''میرا خیال ہے اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میری اور اس کی نگاہیں ملی تھیں۔''

''ممکن ہے عالیہ، اس نے ہمارا پیچھا کیا ہو، وہ نظر نہیں آیا۔''

''ممکن ہے۔'' عالیہ خوفزدہ انداز میں بولی۔

''ایسی صورت میں، کیا میں مطمئن رہ سکتا ہوں؟''

''تم مجھے تنہا مت چھوڑنا کریم!'' اس نے میری قمیض کا کالر پکڑتے ہوئے کہا، اور میں نے پریشانی سے گردن ہلادی۔

عالیہ کی شخصیت اب میرے لئے کچھ پراسرار ہوگئی تھی۔ کالی گھاٹی کی حسین وادیوں میں عالیہ کا ساتھ بے حد پرکشش تھا۔ چند روز تو میرے چہرے پر غبار رہا، لیکن پھر عالیہ بھی پہلے کی طرح شگفتہ ہوگئی۔ اس کے ذہن سے خوف نکل گیا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ ظہور اسے دیکھ نہیں سکا، یا ممکن ہے وہ عالیہ کو پہچان ہی نہ سکا ہو! میں نے اس کا خیال چھوڑ دیا تھا اب عالیہ تھی اور میں! ہم ساری فکروں سے آزاد تھے۔ قرب و جوار کے چند لوگوں سے ہماری شناسائی بھی ہوگئی تھی۔ ان میں مسٹر وہاب اور بیگم سرفہرست تھے۔ یہ نیا شادی شدہ جوڑا تھا۔ ان کا اپنا بنگلہ تھا، اور وہ یہاں ہنی مون منانے آئے تھے۔ وہاب بے حد دلچسپ نوجوان تھا۔ اس نے بھی لو میرج کی تھی۔ اور اس کی بیوی صوفیہ بے حد خوش مزاج تھی۔ عالیہ سے اس کی خوب گہری دوستی ہوگئی تھی۔ وہ عالیہ کی معذوری پر بہت افسوس کرتی تھی۔ اور مجھے ایک مثالی انسان سمجھتی تھی۔ اکثر ہمارے درمیان دعوتوں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ ایک شام ایسی ہی دعوت پر ہم وہاب کے ہاں مدعو تھے۔

مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی، تب وہاب نے کہا۔ ''میرا خیال ہے، کریم تم بھی ایک مکان تعمیر کروالو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔''

میرے بنگلے سے ملحق زمین بھی میری ہے۔ میں تمہیں وہ زمین دے سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ میرا کنسٹرکشن کا کاروبار ہے۔ میں تمہارا مکان بھی تعمیر کروادوں گا۔'' وہ بولا۔

''واقعی اس سے زیادہ آسانی اور کیا ہوسکتی ہے۔ کیوں عالیہ؟ میں نے کہا۔

''ہاں کریم...... یہ علاقہ واقعی بے حد حسین ہے۔'' عالیہ نے کہا۔

"تب پھر سودا ہو جائے وہاب!"
"سودے سے کیا مراد ہے؟"
"میرا مطلب ہے زمین کا سودا ہو جائے۔"
"وہ میری طرف سے تحفہ سمجھو۔"
"تمہارا خلوص سر آنکھوں پر، تحفے میں تمہاری محبت ہی کافی ہے۔ یہ زمین اس سے قیمتی تحفہ نہیں اور میں پہلے تحفے کا تاثر برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔"
"تب پھر اصل دے دینا جتنے میں، میں نے یہ خریدی تھی۔"
"یہ مناسب ہے۔"
وہاب سے تعلقات بڑھتے رہے، عالیہ بھی اس کی بیوی سے بے تکلف ہوگئی تھی۔ خوب گہری چھن رہی تھی ہماری پھر ایک دن وہاب کو ضروری کام کام سے جانا پڑ گیا۔ میں اسے چھوڑنے اسٹیشن تک گیا تھا۔ واپسی میں بارش شروع ہوگئی۔ جب ہم لوگ گھر سے چلے تھے، تو آسمان صاف تھا اور اس بات کا قطعی امکان نہیں تھا کہ بارش ہوسکتی ہے۔ بہرحال میں بارش میں ہی چل پڑا۔ میرے پاس چھتری وغیرہ بھی نہیں تھی۔
وہ پستہ قد آدمی انتہائی بدصورت تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر گھن سی آتی تھی۔ لیکن شکلوں سے کیا ہوتا ہے؟ میرے قریب آ کر وہ رکا۔ "یہاں آپ بارش سے نہیں بچ سکتے جناب!" وہ بولا۔
"ہاں۔ مجبوری ہے۔"
"آپ میرے ساتھ چلیں۔ میرے گھر، آپ میری چھتری لے کر چلے جائیں اور بعد میں مجھے واپس کردینا۔" وہ بولا۔
"بہت بہت شکریہ۔ مجھے اس وقت یہ دعوت بہت غنیمت محسوس ہو رہی ہے۔" چنانچہ میں اس کے ساتھ ہولیا۔ راستے میں خاموشی رہی۔ اور پھر وہ ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ "یہ میرا گھر ہے۔" اس نے کہا۔
"جی!" میرے اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا تھا۔
"اوہ...... اب تو یہ ممکن نہیں...... کہ آپ یہاں تک آئیں، اور میرے ساتھ ایک پیالی چائے بھی نہ پئیں۔"
"اوہ...... اس زحمت کی کیا ضرورت ہے؟"
"ہے...... سخت ضرورت ہے، آپ میرے لئے اجنبی نہیں مسٹر کریم!"
"جی!" میں حیرت سے اچھل پڑا۔
"ہاں!" وہ مسکرا کے بولا۔
"ل...... لیکن میں پہلی بار آپ سے مل رہا ہوں۔"
"اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔"
"آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟" میری حیرت کی انتہا نہ رہی!
"آیئے اندر آیئے!" اس نے کہا اور مکان کا تالا کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اس کی مکروہ شخصیت اب میرے لئے پراسرار ہوگئی تھی۔ مکان میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک کمرے میں داخل ہوگئے۔ "تشریف رکھئے۔" وہ بولا، اور میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں صرف تین کرسیاں اور ایک میز پڑی تھی۔ "میں چائے لاتا ہوں۔" اس نے کہا، اور کمرے کے دروازے سے باہر نکل گیا۔
"میرے خدا یہ کون ہے؟ اور مجھے کیسے جانتا ہے۔ کہیں کوئی چکر نہ چل جائے؟" میری فطرت میں اب کافی تبدیلی ہوچکی تھی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ اور ایک بے حد حسین لڑکی چائے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔
لڑکی سحر انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی، اور بولی۔ "عالیہ کیسی ہے؟"
"کیا؟" میں اچھل پڑا۔ "تم اسے جانتی ہو؟"
"اچھی طرح!"
"م...... مگر کیسے؟" میں نے سوال کیا۔ اس نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ "جواب نہیں دیا تم نے!"
"اس کا جواب یہ نہیں دے سکے گی دوست...... چائے پیو میں تمہیں بتاؤں گا! تم جاؤ!" اس نے لڑکی سے کہا۔ خود میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ لڑکی باہر نکل

گئی تھی۔

"تم نے مجھے حیران کر دیا ہے دوست! آخر تم کون ہو؟" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"میری خواہش تو تھی کہ میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤں، لیکن یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟" اس لئے کہ عالیہ نے تمہیں میرے بارے میں نہیں بتایا۔ تم اس سے پوچھو۔ تو بہتر ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے چائے کی پیالی نیچے رکھ دی۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ میرا نام ظہور ہے۔"

"ظہور......!" میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"تم ظہور ہو؟ تم نے عالیہ کو اپاہج کر دیا، میں تمہیں قتل کر دوں گا، ذلیل انسان!"

"اس کی ضرورت نہیں دوست۔ بہتر تو یہ ہے کہ تم عالیہ سے میرے بارے میں بات کر لو۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"میرے دماغ پر ہتھوڑے برس رہے تھے۔ سچ تو یہ ہے عالیہ نے ہی مجھے اس کے بارے میں کب بتایا ہے؟ اگر وہ مجھ سے الفت کرتی ہے، تو ظہور کا راز اس نے مجھ سے کیوں چھپایا؟" میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے، پہلے میں عالیہ سے بات کر لوں۔ اس کے بعد تم سے نمٹوں گا۔"

"ارے......! ارے چائے تو پوری پی لو۔" اس نے کہا۔ لیکن غصے میں، میں بھرا باہر نکل گیا۔ بارش اب کسی پھوار کی شکل میں رہ گئی تھی۔ گھر پہنچا، تو بری طرح بھیگا ہوا تھا۔ عالیہ مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ "تم تو بری طرح بھیگ گئے ہو کریم؟"

"کوئی بات نہیں ہے۔"

"لباس تبدیل کر لو۔ سردی لگ جائے گی۔" وہ بولی۔

"نہیں عالیہ۔ میں اندر سے سلگ رہا ہوں۔ اس لئے سردی نہیں لگے گی۔"

"کیا بات ہے کریم؟" وہ بولی۔

"ظہور سے میری ملاقات ہوئی ہے؟"

"کس سے؟" عالیہ کی آواز اس کے گلے میں پھنسنے لگی۔

"ظہور سے! وہ یہاں موجود ہے۔"

"آہ! کیا واقعی۔ کیا واقعی۔ اگر ایسی بات ہے کریم، تو خدا کے لئے یہاں سے بھاگ چلو، وہ ہمیں نہیں چھوڑے گا۔"

"اس کے پاس ایک لڑکی بھی ہے۔ وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

"نکل چلو میرے کریم۔ جس قدر جلد ممکن ہو، یہاں سے نکل چلو۔"

"وہ کون ہے عالیہ۔ اور تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہ پوچھنے سے باز نہ رہو گے کریم!"

"ہاں عالیہ۔ ہماری آئندہ زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔ تمہیں جواب دینا ہوگا۔"

"اچھا......!" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

"جواب ضروری ہے تو مجبوری ہے، میں عالیہ ہوں۔ میں عالیہ سجاد علی ہوں۔ ہم کرم پور کی حویلی میں رہتے تھے۔ بڑی حویلی جو آج بھی کرم پور کے تاریخی کھنڈرات میں شمار ہوتی ہے۔ نواب سجان علی کی دو بیٹیاں تھیں۔ عالیہ اور ہما...... ہما وہ جسے تم نے اس مکان میں ظہور کے پاس دیکھا ہے۔ تو میں تمہیں کرم پور کی حویلی کی بات سنا رہی تھی۔

نواب سجان علی بڑے سکون کی زندگی گزار رہے تھے کہ ان کی زندگی میں ایک بھونچال آ گیا۔ انہوں نے ایک ملازم رکھا۔ جس کا نام ظہور تھا۔ کالے علم کا ماہر ظہور مجھے چاہنے لگا۔ میری ہی وجہ سے وہ اس حویلی میں آ گھسا تھا۔ نجانے اس کم بخت نے مجھے کہاں دیکھ لیا تھا۔

بہر حال وہ نوکر تھا۔ مجھ سے کھل کر وہ کبھی کچھ نہ کہہ سکا، لیکن وہ میرے خلاف سازشیں کرتا رہا، کالے علم

کے ذریعے وہ میرے گرد جال بن رہا تھا۔ ایک دن میری حالت بہت خراب ہوگئی، اتنی خراب کہ مجھے مردہ قرار دے دیا گیا، اور پھر میری تدفین ہوگئی، نجانے میں کس حال میں تھی۔ سب کچھ ہو رہا تھا میں سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ لیکن میں بول نہیں سکتی تھی۔ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ جب سب لوگ قبرستان سے واپس چلے گئے۔ تو ظہور آیا اور اس نے مجھے قبر سے نکال لیا۔ مجھے اپنے گھر لے گیا۔

اور جب اس نے مجھ سے اظہار عشق کیا تو میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا، میں نے کہا۔ ''میں تجھ سے نفرت کرتی ہوں۔''

وہ ہنستا رہا۔ مجھے اس نے ایک مکان میں بند کردیا تھا۔ پھر میں نے ایک دن اس مکان سے نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ اس نے میرے پاؤں کاٹ دیئے، اور اس کے بعد تم مجھے مل گئے۔ کریم، سمجھے۔ یہ ہے میری کہانی!''

''ناممکن بکواس، یہ ناقابل یقین کہانی ہے جو لڑکی ظہور کے پاس ہے وہ کون تھی؟''

''میری بہن ہما! ظہور مجھ سے مایوس ہو کر اسے بھی لے آیا تھا۔''

''اوہ یہ فضول بات ہے۔ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ عالیہ میں اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں۔ ظہور تمہیں قبر سے نکال لایا تھا۔ تم سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کیا یہ بات قابل یقین ہے؟''

''سو فیصدی!'' عقب سے آواز آئی، اور میں چونک پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو ظہور میرے عقب میں کھڑا تھا۔ ''تمہارا پیچھا کرتے ہوئے میں یہاں آ گیا ہوں، تم میرے مجرم ہو۔ میری غیر موجودگی میں تم عالیہ کو میرے گھر سے لے آئے تھے۔''

''اگر عالیہ کی کہانی سچ ہے تو مجھ سے بڑے مجرم تم ہو۔'' میں نے کہا۔

''چلو تسلیم۔ لیکن جس دور میں یہ جرم ہوا۔ اسے گزرے ہوئے 80 سال ہو چکے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''کرم پور کی حویلی کی کہانی 80 سال پرانی ہے۔ اب تو اس جرم کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے ظہور، کیا بکواس کر رہے ہو؟''

''سچ کہہ رہا ہوں دوست، دماغ تمہارا خراب ہے، ہونا بھی چاہئے کیونکہ تم تین سال سے احمق بن رہے ہو۔''

''احمق بن رہا ہوں۔''

''کیسے؟''

''عالیہ کے ہاتھوں!''

''عالیہ میری بیوی ہے۔ سمجھے تم!'' میں نے غرا کر کہا۔

''اچھا اب سمجھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے؟''

''آخر کیوں؟''

''کیونکہ......وہ مرچکی ہے۔'' ظہور نے کہا۔

اور میرے حواس پر بجلی سی گر پڑی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عالیہ کو دیکھا۔ جس کا وجود پگھل رہا تھا۔ اس کی آواز ابھری۔ ''میں نے کہا تھا ناں کہ اسے راز رہنے دو کریم۔'' اور دوسرے لمحے عالیہ کی جگہ ایک انسانی ڈھانچہ میرے سامنے موجود تھا۔ کہ اچانک پھر عالیہ کے ڈھانچے میں شعلے اٹھنے لگے، پھر ایک اور منظر رونما ہوا، عالیہ کے ڈھانچے سے ایک شعلہ نکلا اور ظہور پر آ گرا۔ پھر چشم زدن میں ظہور بھی شعلے میں گھر گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کا وجود جل کر خاکستر ہوگیا۔

میں چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ ان واقعات کو گزرے عرصہ بیت چکا ہے۔ میں ایک دماغی اسپتال میں ایک سال تک رہ چکا ہوں۔ اب ٹھیک ہوں۔ لیکن آج بھی یہ واقعات روز اول کی مانند میرے لئے ناقابل یقین ہیں کہ میں نے ایک روح کے ساتھ تین سال گزارے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟''

سفید حویلی

عامر ملک۔راولپنڈی

نوجوان نے رات کے اندھیرے میں خوبرو حسینہ کا نام لے کر پکارا، نوجوان کو حسینہ کا جواب ملا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے نوجوان نے دریا کی بپھرتی موجوں میں چھلانگ لگادی اور پھر اچانک......

دلفریب اور دلگداز کہانیوں کے متلاشی لوگوں کیلئے سطر سطر خوشی بکھیرتی دلسوز کہانی

دریائے نیلم کے قریب ہی سردار سہراب خان کا گاؤں تھا۔ جہاں اس کی کئی ایکڑ زمین تھی۔ سہراب اپنے علاقے کا امیر ترین شخص تھا۔ مردانہ حسن و جمال میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ ایک بڑے امیر خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ گاؤں میں اس کی بہت بڑی حویلی تھی۔ جہاں ہر طرح کی آسائش میسر تھی۔ سہراب خان شادی شدہ تھا۔ زیبو سے اس کی شادی اس کی پسند سے ہوئی تھی۔ زیبو بھی لاکھوں میں ایک تھی۔ دونوں میاں بیوی میں بہت ہی پیار تھا۔ مگر نہ جانے کیوں سہراب خان اتنی حسین بیوی ہونے کے باوجود ادھر ادھر منہ مارنے سے باز نہ آتا تھا۔ زیبو کو سب معلوم تھا۔ لیکن وہ خاموشی سے سب کچھ برداشت کررہی تھی۔ کیونکہ اس کا تعلق ایک غریب خاندان سے تھا۔ اس لئے وہ سہراب خان کی راہ میں دیوار بن کر اپنا وقار گنوانا نہیں چاہتی

تھی۔اس کے لئے یہ اعزاز ہی کافی تھا کہ وہ ایک وجیہہ اور امیر ترین شخص کی بیوی ہے۔جس نے اس سے محبت کی شادی کی تھی۔

☆......☆......☆

جل پری کا اصلی نام تو کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔وہ ایک دوسری بستی کی رہنے والی تھی۔جل پری کا حسن بھی قیامت ڈھاتا تھا۔پوری بستی میں اس جیسی حسین وجمیل لڑکی نہ تھی......وہ بھی لاکھوں میں ایک تھی اور زیبو سے بڑھ کر حسین تھی۔جل پری کو دریا کے کنارے رہنا کچھ زیادہ ہی پسند تھا۔اسی لئے اس کا نام جل پری پڑ گیا تھا۔رعنائی میں جل پری اپنی مثال آپ تھی......

ایک دن اتفاقاً ہی سہراب خان کا ادھر سے گزرا ہوا۔اور اس کی نظر جل پری پر پڑ گئی۔اتنا حسین بالاخیز دیکھ کر سہراب خان اپنے حواس گم کر بیٹھا......وہ جل پری کا دیوانہ ہو گیا۔اس نے عہد کیا کہ وہ جل پری کو اپنی زندگی کا ہمسفر بنا کر ہی رہے گا۔جل پری نے بھی سہراب خان کو دیکھا تو وہ بھی دل ہار بیٹھی۔ایسا حسین اور وجیہہ نوجوان اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔جب سہراب خان کو معلوم ہوا کہ جل پری کو دریا کے کنارے رہنا پسند ہے تو اس نے جل پری کی خوشی اور اسے حاصل کرنے کی خاطر دریا کے کنارے ایک بہت بڑی حویلی کی تعمیر شروع کر دی۔اس نے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔اور دریا کے کنارے اس نے ایسی حویلی تعمیر کرائی کہ وہ اندر اور باہر سے سفید پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ایک طرف اس کی سیڑھیاں دریا میں اترتی تھیں اور دوسری طرف وادی کے اونچے اونچے پہاڑ اس پر جیسے سایہ کئے ہوئے تھے......

سہراب خان نے اسے سفید حویلی کا نام دیا۔کیونکہ اس میں ہر طرف سفید مگر قیمتی سنگ مرمر لگایا گیا تھا۔اس حویلی کی تعمیر میں ایک سال سے زیادہ کا عرصہ لگا تھا......تعمیر کے بعد سہراب خان نے جل پری کے والدین سے اس کا رشتہ مانگا۔جو انہوں نے قبول کر لیا۔یوں سہراب خان جل پری کو اپنی بیوی بنا کر سفید حویلی میں لے آیا۔

وہ سفید حویلی جو کسی عجوبے سے کم نہ تھی۔

سہراب خان نے آبائی حویلی چھوڑ دیا ور صرف جل پری کا ہو کر رہ گیا۔زیبو نے یہ ستم بھی برداشت کر لیا۔زیبو سے اس کے دو بیٹے بھی تھے۔جواب جوان ہونے لگے تھے۔انہوں نے باپ کی اس حرکت کو شدت سے محسوس کیا۔مگر سہراب خان نے اس کی پرواہ نہ کی۔کیونکہ جل پری اس کے حواسات اور خواہشات پر سوار ہو گئی تھی۔

اتنی بڑی حویلی میں جل پری کو تنہائی کا احساس زیادہ ہی ہونے لگا۔کیونکہ سہراب خان ہر وقت تو اس کے پاس نہیں ہوتا تھا۔اس تنہائی کے مداوے کے لئے جل پری نے اپنے میکے سے اپنی چند سہیلیوں کو بھی سفید حویلی میں بلوالیا۔اور اس کے بعد اس کا یہ معمول بن گیا تھا کہ چاندنی راتوں میں وہ اپنی سہیلیوں کو ساتھ لے کر دریا میں اتر جاتی اور خاصی رات گئے تک دریا میں تیرتی رہتی۔چاندنی راتوں میں دریا کی چاندنی کی طرح چمکتی ہوئی لہروں کے درمیان وہ سچ مچ کی جل پری ہی معلوم ہوتی تھی۔

سہراب خان نے جل پری اور اس کی بے پایاں محبت پا کر پھولے نہ سماتا تھا۔وہ جل پری کی محبت میں کھو کر پرانی حویلی اور اس کے مکینوں تک کو بھول گیا تھا......کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ جب رات دیر تک جل پری دریا سے واپس نہ آتی تو سہراب خان حویلی کی سیڑھیوں پر جا کر کھڑا ہو جاتا۔اور جل پری کو اپنی سہیلیوں کے ساتھ دریا کی لہروں کے درمیان مچلتے ہوئے دیکھتا اور اس کے لاثانی حسن سے لطف اندوز ہوتا......

ایسے میں اکثر خود اس کے جذبات مچل جاتے اور وہ اپنے سلگتے بلکہ دہکتے ہوئے جذبات کے ساتھ دریا میں اتر جاتا......مگر جل پری اسے اپنی اس تفریح میں کبھی شریک نہ ہونے دیتی تھی......اس کے دریا میں اترتے ہی جل پری ایک دم دریا سے باہر نکل آتی۔اور سہراب خان کو حویلی کی سیڑھیوں پر گھٹنوں گھٹنوں پانی میں بڑے ہی پیار اور والہانہ انداز میں روک لیتی......

سہراب کی امنگیں اور یہ ارمان ایک بار بھی پورا نہ ہو پایا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ہمراہ دریا کی لہروں کے درمیان تیر سکے۔ مگر جل پری اسے پانی میں روک لینے کے بعد والہانہ سپردگی کے ایسے انداز کے ساتھ اس کی آغوش میں آتی کہ سہراب خان کو اپنے ارمان کے پورا نہ ہونے کا کوئی احساس نہ رہتا تھا۔ اس لئے اس نے جل پری کی اس تفریحی عادات کا کچھ زیادہ خیال نہیں کیا تھا۔

پھر ایک شام ایسا ہوا کہ سہراب خان کے دستر خوان پر مچھلی کا سالن آیا۔ اسے دیکھتے ہی جل پری ایک دم اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور اس رات باوجود چاند کی چودھویں رات ہونے کے وہ دریا پر نہیں گئی۔ سہراب خان نے ہزاروں منتوں اور خوشامدوں سے اسے منالیا۔ وہ مان تو گئی لیکن سہراب خان کو پہلی بار اپنی چہیتی بیوی کی اس عجیب وغریب طبیعت کا علم ہوا کہ وہ دستر خوان پر مچھلی کا سالن آنا تو ایک طرف رہا۔ مچھلی کو مردہ یا زندہ کسی صورت میں بھی اپنی نظروں کے سامنے دیکھنے کی روادار نہیں بلکہ وہ تو مچھلی کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتی۔

سہراب خان کو اس پر سخت حیرت ہوئی۔ جل پری اور مچھلیوں کے نام تک سے بیزاری...... سہراب خان نے کہنے کو تو یہ شرط مان لی تھی کہ آئندہ دستر خوان پر مچھلی تو کیا...... مچھلی کا ذکر تک نہیں ہوگا۔ مگر وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ وہ جل پری جسے دریا کے پانی سے شروع ہی سے اتنا پیار تھا کہ وہ مچھلی کی طرح زیادہ سے زیادہ دیر تک پانی کے اندر رہنا پسند کرتی تھی۔ اسے مچھلی کے نام سے اتنی نفرت کیوں ہے؟ وہ اسے دیکھنا تو کیا...... اس کا ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتی؟ آخر اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ کیا اپنی سہیلیوں کے ساتھ نیلم کے پانی میں تیرتے ہوئے اس کا سامنا مچھلیوں سے نہیں ہوتا ہوگا؟

سہراب خان نے بہت کوشش کی کہ یہ راز اسے معلوم ہوجائے۔ مگر جل پری اس بارے میں اپنی زبان کھولنے کے لئے تیار نہ تھی اور اس کے سوال کو ایک ادائے دلنواز یا ایک قاتلانہ مسکراہٹ کے ساتھ ٹال جاتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ ”ایسے راز کا راز رہنا ہی بہتر ہے جس کا ظاہر ہونا کسی کے لئے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

اس جواب سے سہراب خان کا جذبہ تجسس کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا تھا۔ اس نے چھپ چھپ کر جل پری کے معمولات کی نگرانی شروع کردی۔ اور اس کی تمام حرکات وسکنات کو نگاہ میں رکھنے لگا۔ مگر اس سے بھی اس راز سے پردہ نہ اٹھ سکا کہ جل پری کو مچھلی کے نام سے نفرت کیوں ہے؟ اس نے کئی بار بظاہر چھپ چھپ کر جل پری کو اپنی سہیلیوں کے ساتھ دریا میں تیرتے دیکھا اور خفیہ طور پر بھی دریا میں اتر کر اس کے قریب جانے کی کوشش کی۔ لیکن نہ جانے کیسے جل پری کو ہر بار اس کا پتہ چل جاتا کہ وہ اسے گھٹنوں گھٹنوں پانی میں ہی آ کر روک لیتی تھی۔

☆......☆......☆

ایک روز سہراب خان کا ایک انگریز دوست اس سے ملنے کے لئے آیا۔ اسے اس کی مجبوری کہو یا کچھ اور...... اس نے اپنے انگریز دوست کی خوشنودی کی خاطر دریا سے مچھلیاں شکار کیں اور پھر دونوں دوستوں نے سفید حویلی کے صحن میں ان مچھلیوں کو بھون بھون کر کھایا۔

اور پھر اسی رات ایسا ہوا کہ جل پری اپنی سہیلیوں کے ساتھ دریا میں اتری...... اور خاصی رات گئے تک جب سہیلیوں نے سفید حویلی میں واپس آ کر خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے سہراب خان کو یہ بتایا کہ جل پری دریا کی لہروں کی بھینٹ چڑھ گئی ہے تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی...... کہ وہ جل پری تھی۔ اس کے ڈوب جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا وہ اس کی سہیلیوں پر برس پڑا۔

”جو بات ہے وہ سچ سچ بتادو، ورنہ میں تم سب کی کھال کھینچ لوں گا۔“

مگر ان لڑکیوں کو اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ تھا کہ

جل پری ان کے ساتھ ہی دریا میں اتری تھی۔ مگر دریا میں پہلا غوطہ لگانے کے بعد انہوں نے اسے دوبارہ پانی کی سطح پر آتے نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت تو انہوں نے اس بات کا کچھ زیادہ خیال نہیں کیا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ پانی کے اندر ہی تیرتے تیرتے ذرا دور نکل گئی ہوگی۔ مگر خاصی دیر بعد جب انہوں نے جل پری کو اپنے درمیان نہ پایا تو انہیں تشویش ہوئی اور وہ گھبراہٹ کے عالم میں دریا سے نکل کر سیدھی سہراب خان کے پاس چلی آئی تھیں۔

سہراب خان نے اسی وقت آس پاس کے ماہی گیروں کو بلوا کر دریا میں جال ڈلوائے اور دور دور تک تلاش کیا...... مگر جل پری کہیں نہ ملی...... نہ زندہ اور نہ مردہ۔

سہراب خان کی تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی۔ اس کی ساری دلچسپیاں ختم ہو کر رہ گئیں...... ادھر جل پری کی سہیلیوں کی عجیب حالت تھی۔ سردار نے انہیں اپنے ایک معتبر آدمی کے ساتھ واپس جل پری کے میکے بھجوا دیا۔ جل پری کے ماں باپ کو جل پری کے دریا کے اندر غائب ہو جانے کی خبر ملی تو وہ ایک آہ بھر کر بولے۔

''ہم جانتے تھے کہ ایک روز آخر یہی کچھ ہونا تھا۔ دریا نے اپنا موتی واپس لے لیا۔''

اس شخص نے واپس آکر جل پری کے ماں باپ کی کہی ہوئی بات سہراب خان کو بتائی اور اس کے ساتھ ہی ایک بات اور بھی بتائی جو اسے بستی کے لوگوں سے معلوم ہوئی تھی کہ جل پری ان کی حقیقی بیٹی نہیں تھی۔ وہ دریا کی لہروں پر بہتی ہوئی ان تک پہنچی تھی مگر چونکہ وہ بے اولاد تھے اس لئے انہوں نے اسے بیٹی بنا لیا اور اسے حقیقی بیٹی کی طرح پالا تھا۔

اور سہراب خان جل پری کی جدائی میں جیسے دیوانہ ہوگیا تھا۔ وہ خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اس نے اپنے انگریز دوست کے ساتھ حویلی کے صحن میں جو مچھلیاں بھون بھون کر کھائی تھیں۔ اس سے جل پری ناراض ہو کر اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئی ہے۔ جل پری کی یہ جدائی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ دیوانگی کے عالم میں وہ حویلی میں اور اس کے آس پاس جل پری کو پکارتا پھرتا تھا۔

ایک رات حویلی کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے دریا کی لہروں کے درمیان جل پری کو تیرتے اور قہقہے لگاتے ہوئے دیکھا۔ وہ قہقہے لگاتے ہوئے اسے اپنی طرف بلا رہی تھی...... سہراب خان ذرا سی ہچکچاہٹ محسوس کئے بغیر پانی میں اترا۔ اور پھر جل پری کے بجائے نیلم کی لہروں کے آغوش میں پہنچ گیا۔ تین دن کے بعد حویلی سے سو، سوا سو میل کی دوری پر اس کی لاش ملی۔ جسے دریائی جانوروں نے نوچ لیا تھا۔

سفید حویلی سے کچھ دور نیچے وادی میں سہراب خان کی دوسری جاگیر اور آبائی حویلی تھی۔ اس حویلی میں اس کی پہلی بیوی زیبو اور اس کے بچے رہتے تھے۔ سہراب خان کی موت کے بعد سفید حویلی کو اس کے بڑے بیٹے نے اپنی رہائش گاہ بنا لیا۔ لیکن وہ اس میں مشکل سے ایک مہینہ ٹھہرا اور پھر واپس چلا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ سفید حویلی کے ہر کمرے میں مچھلیوں کی ایسی سخت بو رچی ہوئی ہے جیسے وہاں مچھلیوں کا ڈیرہ لگا ہوا ہو۔ اور ہزار صفائی کے باوجود وہ بو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ پریشانی اور خوف کی بات یہ ہے کہ اکثر راتوں کو سہراب خان کی بے قرار روح حویلی کے آس پاس اور اس کے اندر مختلف کمروں کا چکر لگاتی دکھائی دیتی ہے۔ جیسے وہ اب بھی جل پری کی تلاش میں ہو اور سننے والوں کو اس کی آہیں صاف سنائی دیتی ہیں اور نہلے پر دہلا یہ کہ چاندنی راتوں میں دریا کی طرف سے مسلسل قہقہوں کی آوازیں آتی ہیں۔ یہ قہقہے عورتوں کے ہوتے ہیں۔ جیسے جل پری اپنی سہیلیوں کے ساتھ دریا میں تیر رہی ہو۔ اور وہ اور اس کی سہیلیاں قہقہے لگا رہی ہوں۔

اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ کئی اور لوگوں نے بھی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سفید حویلی میں رہائش اختیار کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بھی توبہ توبہ کرتے اور

کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے وہاں سے بھاگ آئے اور یوں دریائے نیلم کے کنارے بنی قلعہ نما سفید حویلی ویران اور بے آباد ہوگئی اور برسوں سے بے آباد چلی آرہی تھی۔

☆......☆......☆

سفید حویلی کی یہ پراسرار داستان مجھے میرے بوڑھے میزبان نے سنائی تھی اور اس وقت سنائی تھی۔ جب میں اس سے سفید حویلی کے اندر جاکر دیکھنے کی ضد کی تھی۔ میں اس وادی میں شکار کے ارادے سے آیا تھا مگر اس ارادہ کو ملتوی کردیا تھا۔ اس لئے کہ میرے بوڑھے میزبان کا جوان لڑکا شدید بیمار تھا، میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ اس لئے مجھے اس کا علاج کرنا پڑا تھا۔

میرے بوڑھے میزبان کا نام رستم خان تھا اور وہ میرے ایک گہرے دوست کا واقف کار تھا۔ اور میں اس دوست کا رقعہ لے کر رستم خان کے پاس پہنچا تھا۔ رستم خان اپنی بستی کا معزز شخص تھا اور اس کی بستی سفید حویلی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ رستم خان کا بڑا بیٹا شاہ رخ جو میرے زیر علاج تھا۔ بیس بائیس سال کا ایک وجیہہ اور خوش شکل جوان تھا۔ اس کی بیماری یہ تھی کہ ہر ماہ اسے ایک پراسرار سا دورہ پڑتا تھا۔ اس دورے کے اثر سے اس کی شکل بری طرح مسخ ہوجاتی تھی۔ اس کا گورا رنگ سیاہ ہوجاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں مڑ جاتے اور منہ سے جھاگ بہنے لگتی تھی۔ دو تین دن اس کی یہی کیفیت رہتی تھی اور پھر خود بخود آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہوجاتا تھا۔ رستم خان، اپنے بیٹے کو کئی حکیموں اور سیانوں کو دکھا چکا تھا۔ مگر اس کا مرض کسی کی سمجھ میں نہ آیا تھا اور نہ ہی کوئی دوائی اثر دکھاتی تھی۔

شاہ رخ کا مرض تو میں بھی پوری طرح نہ سمجھ پایا تھا۔ مگر اس کے دورے کی ظاہری علامات سے مرگی کے دورے کا گمان ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے مطابق ہی اس کا علاج شروع کیا تھا۔ جس میں مجھے کافی حد تک کامیابی ملی تھی۔ مگر اصل کامیابی اس وقت ہوئی جب شاہ رخ نے مجھے اپنا ہمدرد پاکر اپنے راز سے آگاہ کیا۔ اور اس طرح مجھے پتہ چلا کہ اسے یہ دورہ پڑنے کا مرض کہاں سے آلگا ہے...... یہ وہ راز تھا۔ جو اس نے ابھی تک ہر شخص سے...... یہاں تک کہ اپنے مہربان اور سراپا شفقت باپ رستم خان سے بھی چھپا رکھا تھا۔

یہ سوغات شاہ رخ خان کو اسی سفید حویلی سے ہی ملی تھی۔

سفید حویلی کے متعلق اس نے بھی بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اس لئے اس کا جذبہ تجسس ایک روز اسے حویلی کے اندر لے گیا وہاں وہ سارا دن حویلی کی سیر کرتا رہا۔ اسے وہاں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی تھی جو اس کے لئے کسی خوف کا باعث بنتی، البتہ حویلی کے کمروں سے اسے ایک ناگوار سی بو ضرور محسوس ہوئی تھی۔ مگر اس نے اسے کوئی خاص اہمیت نہ دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ جو مکان ایک عرصہ سے ویران اور بے آباد پڑا ہوتا ہے۔ اس کے کمروں سے بدبو کا آنا قدرتی بات ہے اور وہ بدبو کسی قسم کی بھی ہوسکتی ہے۔

اس کا واپسی کا ارادہ بنا ہی تھا کہ اس نے ایک کمرے سے کچھ آوازیں سنیں تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ قریب تھا کہ وہ خوف زدہ ہوکر الٹے پاؤں بھاگ آتا کہ ایک طرف سے ایک لڑکی آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے اس کمرے میں لے گئی۔ وہاں شاہ رخ نے ایک مرد اور ایک عورت کو کھانا کھاتے دیکھا۔ انہوں نے شاہ رخ کو بھی جیسے زبردستی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیا۔ شاہ رخ نے کھانے کا ایک لقمہ منہ میں ڈالا تو وہ اسے بے حد لذیذ محسوس ہوا اور وہ ندیدوں کی طرح بڑے بڑے لقمے لینے لگا۔

ابھی وہ پیٹ بھر کر کھانے نہ پایا تھا کہ اچانک اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا اور پھر اسے اپنے آپ کی کوئی خبر نہ رہی۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ سفید حویلی کی سیڑھیوں پر پڑا ہوا تھا۔ جو دریا میں اترتی تھیں۔ اس وقت رات ہوچکی تھی اور چاند ہر طرف اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ وہ اٹھا اور گرتا پڑتا اپنی بستی میں پہنچ گیا۔

اس وقت تو اس کی حالت میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو اس کے لئے یا رستم خان کے لئے باعث تشویش ہوتی...... مگر اس کے بعد ہر مہینے اسے ایک پراسرار دورہ پڑنے لگا تھا۔

شاہ رخ کی زبانی ان واقعات نے میری سوچ کو ایک نئے راستے پر ڈال دیا۔ صاف ظاہر تھا کہ شاہ رخ نے سفید حویلی میں جو کچھ کھایا تھا۔ یا جو کچھ اسے کھلایا گیا تھا۔ اس کی بیماری اسی کا نتیجہ تھی۔ اور ایک معالج کی حیثیت سے اپنے مریض کے مرض کا کھوج لگانا میرا فرض تھا۔ اور وہ فرض سفید حویلی کا چکر لگائے بغیر پورا نہیں ہوسکتا تھا۔

رستم خان نے مجھے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ حالانکہ میں جو کچھ کر رہا تھا۔ اس کے بیٹے کی خاطر ہی کر رہا تھا۔ ورنہ مجھے سفید حویلی کے اندر جھانکنے کا ایسا کوئی شوق نہ تھا۔ اس لئے کہ میری آنکھوں نے ایسے حیرت انگیز اور پراسرار واقعات دیکھے ہیں کہ پراسرار کا لفظ ہی ایک طرح سے میرے لئے بے معنی ہوکر رہ گیا ہے...... مگر ابھی میں نے رستم خان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے بیٹے کو پراسرار دورے کا تحفہ سفید حویلی سے ملا ہے۔ اور نہ ہی ابھی میں اسے بتانا چاہتا تھا۔ جب تک میں خود تحقیق کرکے کسی نتیجے پر نہ پہنچ جاتا۔ تب تک اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ رستم خان پر اپنا ارادہ ظاہر کئے بغیر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ خود سفید حویلی کے اندر جاکر سارے معاملے کی تحقیق کروں گا اور پھر اس کی روشنی میں کوئی قدم اٹھاؤں گا۔

☆......☆......☆

میں شکار کا پروگرام بنا کر رستم خان سے رخصت ہوا اور پھر سارا دن وادی میں گھومتا رہا۔ وادی میں جنگلی جانوروں کی خاصی افراط تھی۔ خاص طور پر ہرن بڑی تعداد میں تھے۔ میں نے محض رستم خان کے ساتھ بنائے ہوئے ظاہری پروگرام کی لاج رکھنے کی خاطر ایک سیاہ ہرن کا شکار کیا اور پھر اسے ذبح کرکے اپنے ساتھ لئے سفید حویلی کی طرف چل دیا۔ جب میں سفید حویلی کے بڑے دروازے پر پہنچا تو شام ہونے کو تھی اور مجھے خاصی بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے مناسب یہی سمجھا کہ پہلے اپنا پیٹ بھرنے کا انتظام کروں اور پھر حویلی کے اندر جاؤں۔ چنانچہ میں نے وہیں حویلی کے بڑے دروازے کے قریب لکڑیاں جمع کرکے آگ جلائی اور ہرن کا گوشت بھون کر کھایا۔ پیٹ بھر جانے کے بعد میں نے دریا کا ٹھنڈا پانی پیا اور پانی پی کر جب منہ صاف کرتا ہوا اٹھا...... تو حیرت سے جہاں تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا...... مجھ سے چند قدم دور ایک لڑکی کھڑی تھی۔

"آپ...... آپ ڈاکٹر ہیں ناں!؟"

"ہاں۔"

میں نے حیران سا ہوکر جواب دیا۔ "مجھے ڈاکٹر بابر کہتے ہیں۔"

لڑکی نے ایک دم بے چینی بے تابی سے کہا۔

"تو جلدی آیئے جناب! اندر ایک مریض آپ کی توجہ کا منتظر ہے۔"

"مریض اور اس حویلی میں؟" میں نے حیرانی سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو اور تم خود کون ہو؟"

لڑکی نے سخت قسم کی بے قراری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے جناب، میرے ہمراہ تشریف لایئے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ قریبی دروازے کی طرف بڑھی۔ یہ وہ دروازہ تھا۔ جس سے سیڑھیاں دریا کے پانی میں اترتی تھیں۔

"ٹھہرو۔" میں نے کہا...... "ادھر بڑے دروازے سے آؤ۔ میری چند چیزیں وہاں دروازے پر پڑی ہوئی ہیں۔ میں وہ لے لوں۔"

"لے آیئے جناب!" لڑکی نے کہا۔ "میں یہیں آپ کا انتظار کرتی ہوں۔"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "تم میرے ساتھ ہی چلی آؤ تو اچھا ہے۔ مکان کے صدر دروازے سے داخل

ہونا ہمیشہ میرا اصول رہا ہے...... میں نے اس اصول کو کبھی نہیں توڑا۔ اور ابھی نہیں توڑوں گا۔"

لڑکی پہلے ذرا سی ہچکچائی۔ پھر میرے ساتھ ہولی۔ بڑے دروازے پر پہنچ کر میں نے اپنی چیزیں سمیٹ کر تھیلے میں ڈالیں اور دروازے کی طرف بڑھا۔ لڑکی مجھ سے چند قدم آگے تھی۔

لڑکی کے ہاتھ لگاتے ہی سفید حویلی کا بھاری بھرکم صدر دروازہ کھٹ سے کھل گیا۔ حالانکہ میرا خیال تھا کہ اگر وہ مقفل نہ بھی ہوتو بھی اس کے پٹ کھولنے کے لئے خاصی زور آزمائی کرنی پڑے گی۔

اندر ایک خاصا وسیع میدان تھا۔ اس میدان کے وسط میں ایک روش بنی ہوئی تھی۔ جو حویلی کے رہائشی کمروں تک جاتی تھی۔ روش کے دونوں طرف فوارے بنے ہوئے تھے۔ کسی وقت یہ میدان یقیناً لہلہاتے سبزہ کا خوب صورت منظر پیش کرتا ہوگا۔ مگر اب ہر طرف جھاڑیاں اگ آئی تھیں اور وہ فوارے جو کبھی اس میدان کے لئے باعث شادابی تھے۔ اب وہ خشک پڑے تھے۔ روش سے گزر کر چھوٹی بڑی مختلف راہداریوں کو طے کرتے ہوئے میں لڑکی کے ساتھ ایک کمرے تک پہنچا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر لڑکی نے آواز دی۔

"سردار! میں ڈاکٹر کو لے آئی ہوں۔"

لڑکی کی آواز سنتے ہی ادھیڑ عمر کا ایک بھاری بھرکم شخص میری طرف بڑھا اور بے قراری سے کہنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب...... میری بیگم سخت بیمار ہیں۔ اسے ایک نظر دیکھ لیں اور اسے بچالیں۔ میں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

میں نے جواب میں کچھ بھی نہ کہا اور کمرے میں داخل ہوگیا۔ میں نے اپنے گرد و پیش ایک نظر ڈالی۔ کمرہ خاصا بڑا تھا اور اپنی وضع قطع اور آرائش کے لحاظ سے کسی عورت کی خواب گاہ معلوم ہوتا تھا۔ ادھیڑ عمر کے بھاری بھرکم شخص نے کونے میں پڑے ہوئے ایک پلنگ کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر شاید اس کی بیمار بیگم لحاف اوڑھے پڑی تھی......

میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اس پلنگ کی طرف بڑھا۔ مگر مجھ سے پہلے اس شخص نے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر لحاف ایک جھٹکے سے کھینچتے ہوئے پرے پھینک دیا۔ ایک ناگوار سی بو سارے کمرے میں پھیل گئی۔ میرے قدم وہیں رک گئے اور میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے پلنگ کی طرف دیکھنے لگا۔

پلنگ پر ایک بڑی سی مچھلی بے سدھ پڑی تھی......!

میں چند لمحے حیران سا اس مچھلی کی طرف دیکھتا رہا۔ سر سے دم تک اس مچھلی کی لمبائی تین یا شاید چار ہاتھ تھی۔ مجھے ایک دم احساس ہونے لگا کہ میں اس وقت ایک پراسرار ماحول میں گھر گیا ہوں۔ مگر میں نے اوسان بحال رکھے اور مڑ کر اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجئے جناب! میں مچھلیوں کا ڈاکٹر نہیں ہوں۔"

میں نے واپس جانے کے ارادے سے قدم باہر کی طرف بڑھائے مگر اس شخص نے آگے بڑھ کر میرا راستہ روک لیا اور کہنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب! ہمیں آپ کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ اپنے فن کے ماہر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب۔"

"یہ مچھلی نہیں ہے...... یہ میری بیگم جل پری ہے۔ جل پری۔"

یہ سن کر میں نے کہا۔ "اور آپ...... شاید سہراب خان ہیں...... سردار سہراب خان!"

"جی ہاں...... سہراب خان! جس نے جل پری کے لئے یہ سفید حویلی بنوائی تھی...... ڈاکٹر صاحب! اس جل پری کو ایک مگرمچھ نے سالم کا سالم ہڑپ کرلیا تھا اور میں ہزار جتن کرکے اسے اس ظالم مگرمچھ کے پنجے سے چھڑا کر لایا ہوں۔ مگرمچھ کے پیٹ میں رہنے سے بیمار ہوکر اس کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ آپ اس کی ظاہر حالت پر نہ جائیے ڈاکٹر صاحب! یہ مچھلی نہیں جل پری ہے......

میری محبوبہ میری بیگم جل پری...... اسے ذرا قریب سے اور غور سے دیکھیں اور پھر اس کا کوئی علاج کریں......"

مجھے معلوم تھا کہ جل پری اور سہراب خان دونوں میں سے ایک بھی اب اس جیتی جاگتی دنیا میں نہیں...... اور میں اپنے سامنے جو کچھ دیکھ رہا ہوں...... وہ اس دنیا کا منظر نہیں ہے اور عالم محسوسات کے بجائے کسی اور ہی عالم سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر بھی میں نے اپنے آپ پر قابو رکھا اور سہراب خان کے کہنے پر دوبارہ پلنگ کی طرف قدم بڑھائے اور اس کے بالکل قریب ہو کر اس شے کو غور سے دیکھنے لگا، جسے سہراب خان اپنی بیگم جل پری بتا رہا تھا۔ اور جو مچھلی نظر آ رہی تھی۔ اس کا جسم واقعی ایک مچھلی کا جسم تھا۔ لیکن چہرے پر کسی نوجوان عورت کے نقوش کی ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ ابھی میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس نے اپنا منہ کھولا۔ سخت بدبودار اور متعفن سانس کا ایک بھبکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا۔ اور مجھے اپنے آپ کی کوئی خبر نہ رہی۔

☆......☆......☆

مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو سفید حویلی کے باہر بڑے دروازے کے قریب عین اس جگہ پڑے پایا۔ جہاں بیٹھ کر میں نے ہرن کا گوشت بھونا تھا۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ اور رستم خان کا بیٹا شاہ رخ مجھ پر جھکا ہوا تھا۔

شاہ رخ کو سامنے دیکھتے ہی میں ایک دم اٹھ بیٹھا اور حیرانی سے کہا۔

"شاہ رخ...... تم!...... تم یہاں کیسے؟"

شاہ رخ مسکرا دیا۔

"آپ خیریت سے تو ہیں ناں ڈاکٹر صاحب؟"

"میں خیریت سے ہوں۔" میں نے بے تابی سے کہا۔ "لیکن تم یہاں کیسے؟"

"میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا ڈاکٹر صاحب! اور میں ہی آپ کو اندر سے اٹھا کر یہاں لایا ہوں۔"

"میرا تھیلا کہاں ہے؟"

"یہ رہا جناب!" شاہ رخ نے کہا۔ "میں اسے بھی ساتھ ہی اٹھا لایا تھا۔"

"تمہیں ڈر نہیں لگا۔ ان لوگوں سے؟"

"کن لوگوں سے جناب؟" شاہ رخ نے حیرانی سے کہا۔ "وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ مچھلی کی سڑانڈ کی بو ضرور ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ میری یہ دلی خواہش تھی کہ کاش میری ملاقات اس مرد اور عورت سے ہو سکتی۔ جنہوں نے مجھے زبردستی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا تھا۔ اور جس کی سزا مجھے اب تک ہر مہینے بھگتنی پڑتی ہے۔ مگر وہاں تو میں نے ساری حویلی میں کسی کو نہیں دیکھا۔ معلوم نہیں آپ کیوں اور کیسے اس کمرے میں بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔"

شاہ رخ کی یہ باتیں بے حد حیران کر دینے والی تھیں...... میں نے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو مجھے حویلی کے اندر لے گئی تھی۔ میں نے سہراب خان کو دیکھا تھا۔ اور میں نے اس کی بیگم جل پری کو مچھلی کے روپ میں دیکھا تھا۔ اس کے برعکس شاہ رخ نے ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں دیکھی تھی۔ تو کیا میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ محض میرا وہم تھا؟

"نہیں...... یہ میرا وہم نہیں ہو سکتا......" میں نے کچھ سوچا اور اپنا تھیلا سنبھالتے ہوئے ایک فیصلہ کن انداز سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آؤ چلیں!"

"کہاں ڈاکٹر صاحب؟"

"حویلی میں۔" میں نے کہا۔ "ہم دونوں ایک ساتھ حویلی میں جائیں گے۔ تم ڈرو گے تو نہیں؟"

"نہیں جناب!" شاہ رخ نے کہا۔ "اگر میں ڈرنے والا ہوتا تو آپ کو حویلی کے اندر سے اٹھا کر کیسے لاتا!"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم ایک بار حویلی کے اندر چلتے ہیں۔ میں یہ اسرار جان کر رہوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے میں بڑے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا ہی مل گیا۔ اس کی وجہ معلوم نہ تھی۔ ہم

اندر داخل ہوگئے۔ مگر اندر چاند کی چاندنی میں حویلی کی کیفیت ہی کچھ اور دکھائی دے رہی تھی۔ نہ جانے چاند کی چاندنی میں کوئی جادو تھا یا پھر میری آنکھیں دھوکہ کھا رہی تھیں۔

بہر حال میں نے پہلے جس میدان میں جگہ جگہ کانٹے دار جھاڑیاں دیکھی تھیں۔ اب وہاں خوش نما پودے اور سر سبز درخت لہرا رہے تھے۔ روش کے دونوں طرف جن فواروں کو میں نے خشک دیکھا تھا۔ اب وہ چل رہے تھے اور چاند کی چاندنی میں یوں لگتا تھا جیسے وہ موتی برسا رہے ہوں۔ ساری حویلی کی فضا میں ایک مسحور کن خوشبو رچی ہوئی تھی۔

ہم نے ابھی آدھی روش ہی طے کی تھی کہ اندر سے وہی لڑکی آتی دکھائی دی۔ جو مجھے حویلی کے اندر لے گئی تھی۔ وہ سیدھی ہماری طرف آئی۔ اور پھر قریب آ کر کسی قدر گھبراہٹ سے کہنے لگی۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے ڈاکٹر صاحب!...... سردار صاحب اب تک آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں...... کھانے پر آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔''

''تمہاری مالکن کا اب کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ خود ہی چل کر دیکھ لیں ڈاکٹر صاحب!'' لڑکی نے جواب دیا۔

پھر جیسے اسے میرے ساتھ شاہ رخ کی موجودگی کا احساس ہوا اور وہ اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ کون صاحب ہیں؟ یوں لگتا ہے جیسے یہ ایک دفعہ پہلے بھی یہاں تشریف لا چکے ہیں۔''

شاہ رخ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ میں نے جلدی سے کہا۔

''ہاں! تمہارے مالک کے دستر خوان کی لذت اسے پھر یہاں کھینچ لائی ہے۔''

لڑکی جواب میں کچھ کہنے کے بجائے خاموش رہی اور اندر کی طرف چل دی۔ میں اور شاہ رخ اس کے

پینا ڈول

ایک مرغا مالک کو کھڑکی سے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ مالک بہت بیمار تھا۔ مالک کی بیوی اس کے پاس بیٹھی اور بولی۔ آپ کو بہت تیز بخار ہے۔ میں آپ کے لئے چکن سوپ بنا دوں مرغا تو گھر میں ہے۔ یہ سن کر مرغا گھبرا کر کھڑکی سے بولا۔ ارے پہلے ایک بار ''پینا ڈول'' دے کر تو دیکھ لیں۔

(حافظ سبحان۔کراچی)

پیچھے ہو لئے۔ مختلف غلام گردشوں اور راہداریوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک بڑے سے کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ یہ کمرہ یقیناً وہ کمرہ نہیں تھا۔ جہاں وہ مجھے پہلے لے کر گئی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے کہا۔

''سردار! ڈاکٹر صاحب آ گئے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کا ایک بہت پرانا مہمان بھی ہے۔''

یہ الفاظ سن کر وہی ادھیڑ عمر کا بھاری بھر کم شخص جس نے اپنے آپ کو سہراب خان بتایا تھا۔ دروازے میں آیا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے ڈاکٹر صاحب؟ کم از کم کھانے تک تو انتظار کیا ہوتا!''

''آپ کی بیگم کا کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اب بالکل ٹھیک ہے۔ آپ نے تو ایک ہی پھونک مار کر اس کو تندرست کر دیا...... کمال ہے صاحب! آیئے وہ اندر دستر خوان پر آپ کا انتظار کر رہی ہے۔''

پھر اس کی نگاہ شاہ رخ پر پڑی اور وہ بولا۔

''اوہو! آؤ نوجوان! تم تو واقعی ہمارے پرانے مہمان ہو...... آؤ آؤ! اس حویلی کے باسی ایک بار پھر تمہارا خیر مقدم کرتے ہیں۔''

پھر وہ ہمیں اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود

پیچھے ہٹ گیا۔ میں اور شاہ رخ کمرے میں داخل ہوئے...... اور پھر میری آنکھیں حیرت سے اس نوجوان اور حسین عورت کو دیکھنے لگیں...... جو کھانے کی میز پر بیٹھی تھی۔ وہ جل پری تھی۔ وہ واقعی حسن اور خوب صورتی میں لاکھوں میں ایک تھی۔ وہی جل پری جسے میں اس سے پہلے ایک بدبودار مچھلی کے روپ میں دیکھ چکا تھا...... میں سوچنے لگا کہ وہ حال سے بے حال مچھلی اس قیامت خیز حسینہ کے روپ میں کیسے آگئی؟ میری نگاہوں نے اس وقت دھوکہ کھایا تھا یا میری نگاہیں اب دھوکہ کھا رہی ہیں...... اور بات صرف نگاہوں کے دھوکہ کھانے کی نہیں تھی میں نے اس مچھلی کے چہرے پر کوئی پھونک نہیں ماری تھی۔ نہ ہی اس کا کوئی علاج کیا تھا۔ الٹا اس کے منہ سے نکلنے والے متعفن اور بدبودار بھبکے نے مجھے بے ہوش کردیا تھا۔ مگر سہراب خان کہہ رہا تھا کہ میری ایک ہی پھونک نے اسے تندرست کردیا ہے...... صاف ظاہر تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے...... جان بوجھ کر اور میرے منہ پر ہی...... آخر ایسی دیدہ دلیری کے ساتھ بلکہ کمال ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولنے سے اس کا کیا مقصد ہوسکتا تھا؟

پھر اچانک مجھے ایک ایسی بات سوجھ گئی جو اس جھوٹ کا بڑا اچھا جواب ہوسکتی تھی۔ شاہ رخ اشاروں اشاروں میں مجھے بتاچکا تھا کہ وہ اس سے پہلے اسی جگہ آیا تھا اور اسی مرد اور عورت نے اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا تھا۔ جس کا اثر اب تک ہر مہینے کے دورے کی شکل میں ظاہر ہورہا تھا۔

میں نے سہراب خان سے کہا۔

''سردار سہراب خان! مجھے خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی بیگم تندرست ہوگئی ہیں۔ مگر ان کی یہ تندرستی عارضی ہے۔ ان کا مرض ابھی تک پورے طور پر دور نہیں ہوا۔ مکمل علاج کے لئے ضروری ہے کہ وادی کے سیاہ ہرن کے گوشت کے کباب ایک خاص ترکیب سے تیار کئے جائیں اور ان میں کچھ اور جڑی بوٹیاں ملا کر انہیں آپ کی بیگم کو کھلایا جائے، سیاہ ہرن کے شکار اور جڑی بوٹیوں کی تلاش کے لئے مجھے واپس وادی جانا ہوگا۔ ایک دو دن میں میں ان دونوں چیزوں کا بندوبست کرکے حویلی لوٹ آؤں گا...... اور پھر کباب یہاں حویلی میں ہی تیار کروں گا۔ یوں آپ کے دسترخوان کا لطف بھی دوبالا ہوجائے گا اور آپ کی بیگم کا مرض ہمیشہ کے لئے جاتا رہے گا...... اور یہ پہلے سے بھی زیادہ حسین اور خوب صورت ہوجائیں گی۔''

میں نے دیکھا کہ جل پری تو کچھ شرما سی گئی مگر سہراب خان کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے تاثرات ظاہر ہوئے مگر وہ زبان سے کچھ نہ بولا۔ میں نے سہراب خان سے دو دن بعد آنے کا کہہ کر اجازت چاہی اور شاہ رخ کو ساتھ لے کر حویلی سے نکل آیا۔ اس بار کسی نے بھی ہمیں روکنے کی کوشش نہ کی...... حویلی سے باہر آئے تو شاہ رخ کہنے لگا۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ خود ہی تو دوبارہ حویلی میں گئے تھے اور اب خود ہی واپس جارہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟''

''دیکھو شاہ رخ!'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اگر میں اور تم آج ان کے ساتھ کھانا کھالیتے تو ایک تو یہ کہ مجھے بھی تمہاری والی بیماری لگ سکتی تھی اور دوسرا یہ کہ تم اس سے بھی زیادہ شدید بیمار ہوسکتے تھے۔''

شاہ رخ کو میری بات سمجھ آگئی اور کہنے لگا۔ ''مگر آپ کا اور میرا یہاں آنا بے فائدہ ہی رہا۔ حویلی کا کوئی راز ہمیں معلوم نہیں ہوسکا۔ اب ہم نے کیا کرنا ہوگا۔''

''تم بے فکر رہو۔ ہم اس حویلی میں پھر آئیں گے۔ مگر وادی میں تمہارے گھر جاکر کچھ سوچ بچار کے بعد۔''

☆......☆......☆

ہم جب واپس وادی میں رستم خان کے گھر پہنچے تو انہیں خاصا بے قرار اور پریشان پایا۔

''کہاں چلے گئے تھے تم دونوں؟'' انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی بے قراری سے سوال کیا۔

اس سے پہلے کہ میں ان کے سوال کا جواب دیتا۔

شاہ رخ کی طبیعت خراب ہوگئی اور اسے وہی دورہ پڑ گیا جو اسے ہر ایک ماہ بعد پڑتا تھا۔ مگر ابھی تو گزشتہ دورہ پڑے پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ اسے پھر دورہ پڑ گیا۔ جس وجہ سے میں اور رستم خان دونوں ہی پریشان ہوگئے۔ میں شاہ رخ کے علاج اور رستم خان اس کی تیمار داری میں لگ گئے۔ جب کافی دیر بعد شاہ رخ کی طبیعت سنبھلی تو وہ سو گیا۔

اس کے بعد میں نے رستم خان کو شاہ رخ کی بیماری کے راز سے آگاہ کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ آج بھی ہم سفید حویلی سے ہی آ رہے ہیں۔ میں نے اسے تمام کہانی سنائی۔ تو رستم خان غصہ میں آ گیا اور کہنے لگا۔

''میں سفید حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اسے غارت کر دوں گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ مگر اس کے لئے ہمیں جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا ہوگا۔ مبادا ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ سب سے بڑا اور اہم مسئلہ تو شاہ رخ کی بیماری کا ہے۔ اس کو بیماری سے چھٹکارا دلانا سب سے اہم ہے۔''

میں نے رستم خان کے جذبات کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا۔

''شاہ رخ کی بیماری کا علاج اسی حویلی میں ہی ہوگا۔ میں نے ساتھ والے گاؤں میں رہنے والے ایک عامل سے حساب کروایا ہے۔'' رستم خان نے بتایا۔

''عامل نے سچ ہی بتایا ہے۔'' میں نے رستم خان کی بات کی تائید کی۔ اور کہا۔ ''ہمیں اسی عامل کے پاس دوبارہ جانا ہوگا کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری مدد کرے اور بتائے کہ سفید حویلی کے اسرار سے شاہ رخ کی جان کیسے چھوٹ سکتی ہے۔''

رستم خان نے میری بات کی تائید کی اور اگلے روز ہم دونوں اس عامل کے پاس چلے گئے اور اسے شاہ رخ کی بیماری اور سفید حویلی کی پراسراریت کے بارے میں بتایا...... عامل نے ہمیں ایک تعویذ بنا کر دیا اور کہنے لگا کہ ''اس کو سفید حویلی کے اندر جلانا ہوگا۔ اگر تم لوگوں نے سہراب خان اور جل پری کی موجودگی میں اور ان کے سامنے اس تعویذ کو جلا دیا تو یہ اپنا کام ضرور دکھائے گا۔'' عامل کے لہجے میں اعتماد کی جھلک نمایاں تھا۔

ہم وہاں سے مطمئن ہو کر لوٹ آئے۔ اگلے روز ہم نے ہرن کا شکار کیا۔ کیونکہ میں سہراب خان سے کہہ کر آیا تھا کہ جل پری اس وقت ہی مکمل صحت یاب ہوگی جب وہ ہرن کے گوشت کے کباب کھائے گی۔

ہم نے شاہ رخ کو گھر پر ہی رہنے دیا۔ اور ہم دونوں سفید حویلی کی طرف روانہ ہوگئے۔ حسب معمول اسی لڑکی نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں سہراب خان کے پاس اسی کمرے میں لے گئی۔ سہراب خان نے اسی انداز میں ہمارا استقبال کیا میں نے رستم خان کا تعارف کرایا۔ تو وہ کہنے لگا۔ ''کوئی بات نہیں آج بیٹے کی جگہ باپ ہمارا مہمان ہے۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ وہ ہمارے ساتھ کھانا کھائے گا۔'' پھر اس نے اس لڑکی سے پوچھا۔

''کھانا تیار ہونے میں کتنی دیر ہے؟''

''بس تھوڑی دیر ہے۔'' اس لڑکی نے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

''آج ہم کھانا باہر لان میں کھائیں گے، میں کالے ہرن کا گوشت کباب بنانے کے لئے تیار کر کے لایا ہوں۔ کھانا کھانے سے پہلے وہاں لان میں ہی ایک کوئلوں کی انگیٹھی رکھوا دیں۔ میں وہاں تازہ کباب بنا کر جل پری جی کو کھلاؤں گا۔ بلکہ ہم سب ہی کھائیں گے۔'' میں نے کہا۔

سہراب خان تھوڑی سی پس و پیش کے بعد راضی ہو گیا اور اس نے اس لڑکی کو بلا کر کھانا لان میں لگانے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی اسے کوئلے اور انگیٹھی بھی رکھنے کا حکم دیا۔ میں نے جل پری سے اس کی صحت کے بارے میں چند باتیں کیں۔

اتنی دیر میں وہ لڑکی کمرے میں آئی اور کہنے لگی۔

''کھانا تیار ہے لان میں تشریف لے چلیں......'' ہم چاروں لان میں آ گئے۔

جب میں نے ہرن کا گوشت بھونا شروع کیا تو

میں نے دزدیدہ نگاہوں سے سہراب خان اور جل پری کی طرف دیکھا۔ وہ گھبراہٹ اور سراسیمگی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ ان کی پریشان پریشان سی نظریں جلتی ہوئی آگ پر پڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بت بنے بیٹھے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر میں خوش اور مطمئن سا ہوگیا۔ رستم خان بڑے اطمینان سے میرے پاس بیٹھا تھا۔ وہ بھی میرا ہاتھ یوں بٹا رہا تھا جیسے ہم سفید حویلی میں نہ ہوں۔ بلکہ وادی میں پکنک منا رہے ہوں...... پھر میں نے سہراب خان اور جل پری سے نظریں بچا کر عامل کا دیا ہوا تعویذ جیب سے نکالا اور اسے انگیٹھی میں ڈال دیا۔

تعویذ ڈالنے کی دیر تھی کہ آگ کا ایک شعلہ بلند ہوا اور پھر تیز ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ اس کا رخ حویلی کے اس کمرے کی طرف تھا۔ جہاں سے ہم اٹھ کر آئے تھے ہوا کے اس تیز جھونکے نے آگ کی شکل اختیار کرلی۔

سہراب خان اور جل پری اٹھے اور تیزی سے اسی کمرے کی طرف بھاگے۔ جوں ہی وہ دروازہ کھول کر کمرے کے اندر داخل ہوئے۔ آگ کا شعلہ بھی اسی کمرے میں داخل ہوگیا اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے...... لکڑی کے بنے ہوئے اس دروازے نے آگ پکڑلی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارا کمرہ یوں آگ کی لپیٹ میں آگیا۔ جیسے کسی نے پہلے سے اس پر کوئی آتش گیر مادہ یا روغن چھڑک دیا ہو۔ سہراب خان اور جل پری کی دل دہلا دینے والی چیخیں پہلے تو کمرے میں گونجیں اور پھر پوری حویلی میں پھیل گئیں...... ان کی چیخوں نے ہم دونوں کو اس قدر خوفزدہ کردیا کہ ہم، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگتے ہوئے حویلی سے باہر نکل آئے۔

جلد ہی آگ نے ساری حویلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور اس کے تمام حصے دھڑ دھڑ جلتے ہوئے گرنے لگے۔ حویلی سے اٹھتے ہوئے شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ حویلی کے مختلف حصوں کے جلنے اور گرنے سے جو شور پیدا ہو رہا تھا اس میں صاف طور پر کچھ چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سفید حویلی سے اٹھتے ہوئے شعلوں نے جلد ہی آس پاس کی بستیوں کے لوگوں کو وہاں پہنچادیا...... ان لوگوں میں شاہ رخ بھی تھا۔ اسے سفید حویلی کو جلتے دیکھ کر اتنی حیرت نہیں ہوئی۔ جتنی اسے اپنے باپ کو وہاں دیکھ کر ہوئی۔ رستم خان کو بھی حیرت ہوئی کہ شاہ رخ کیوں اور کیسے آگیا ہے؟...... لیکن یہ موقع سوال کرنے کا نہ تھا۔ اس لئے وہ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ شامل ہوکر سفید حویلی کے جلنے کا خوفناک منظر دیکھنے لگا...... سفید حویلی کے آگ لگنے کے بارے میں لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کررہے تھے۔ کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ...... اور ہم تینوں خاموشی سے سب کچھ سن رہے تھے۔ ہم نے اس بارے میں زبان نہ کھولنے کا عہد کرلیا تھا۔

صبح تک حویلی کا بیشتر حصہ جل کر راکھ ہوگیا تھا۔ پوری وادی میں سے کسی نے بھی آگ بجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور حویلی کے جل جانے کے بعد بھی کسی کو اندر جانے کا حوصلہ نہ رہا تھا۔ ہم تینوں اندر ضرور جانا چاہتے تھے لیکن اس وقت اتنے لوگوں کی موجودگی میں یہ مناسب نہ لگ رہا تھا...... اس لئے اس وقت تو ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی واپس چلے گئے تھے۔

تیسرے دن ہم نے حویلی کے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ ہم اس کمرے کا ملبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ جس کمرے میں سہراب خان اور جل پری جل کر مرگئے تھے۔ اس کے علاوہ ہم لان میں وہ جگہ بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ جہاں دسترخوان بچھایا گیا تھا۔

ہم کدال اور پھاوڑا ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ کہیں سے ملبہ ہٹانا ہو تو ہٹایا جاسکے۔ اب آگ مکمل طور پر بجھ چکی تھی۔ زیادہ تر حویلی راکھ ہو چکی تھی۔ مگر حویلی کی تیسری منزل پر ایک سفید رنگ کا جو کمرہ بنا ہوا تھا۔ وہ سلامت تھا۔ آگ اس تک نہیں پہنچی تھی۔ کوشش کے باوجود ہمیں سہراب خان اور جل پری کے کمرے کا اندازہ نہ ہوسکا۔ البتہ لان میں وہ جگہ مل گئی۔ جہاں دستر

خوان بچھایا گیا تھا۔

ہم نے بڑی احتیاط سے وہ ملبہ ہٹایا۔ اس ملبے کے نیچے سے ہمیں اپنا تھیلا اور ہرن کے گوشت کے وہ کباب ملے جو ہم نے تیار کیئے تھے۔ مگر اس کھانے کا کوئی سراغ نہ ملا جو لان میں جل پری کے سامنے میز پر چنا گیا تھا۔ نہ ہی ہمیں کہیں سہراب خان اور جل پری کی جلی ہوئی لاشیں ملیں۔ اس لڑکی کی بھی لاش نہ ملی جو ہمیں اس کمرے اور لان تک لائی تھی۔ یوں بھی ان لاشوں کے ملنے کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لئے کہ میں اپنے دل میں اچھی طرح جانتا اور سمجھتا تھا کہ جس لڑکی، جل پری اور سہراب خان کو ہم نے اس حویلی میں دیکھا تھا۔ ان کے انسانی وجود کافی عرصہ پہلے نیست و نابود ہو چکے تھے۔

مگر اس ملبے کے نیچے سے ایک ایسی چیز ضرور برآمد ہوئی۔ جو میرے لئے حیرانی اور دلچسپی کا باعث ہو سکتی تھی۔ وہ ایک مچھلی تھی۔ جو آگ میں جلی اور بھنی ہوئی تھی۔ جل جانے کے باوجود سر سے دم تک اس کا پورا وجود سلامت تھا۔ اور اس کی قد و قامت بالکل اس بڑی مچھلی کی طرح تھی۔ جو میں نے اس شام پلنگ پر اس وقت پڑی دیکھی تھی۔ جب سہراب خان نے آگے بڑھ کر اس کے اوپر پڑا لحاف ایک جھٹکے کے ساتھ کھینچتے ہوئے پرے پھینک دیا تھا۔

میں نہایت غور سے اس جلی ہوئی مچھلی کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے جل جانے کے باوجود اس کے چہرے پر کسی نوجوان عورت کے نقوش کی ہلکی ہلکی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ شاید وہ جل پری کی جلی ہوئی لاش تھی...... میں نے اس جلی ہوئی مچھلی کو اٹھانا چاہا تو وہ درمیان سے ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی...... اندر سے اس کا سفید سفید گوشت صاف نظر آرہا تھا۔ آگ پر بھن جانے کے بعد اس میں سے ایک عجیب سی مہک اٹھ رہی تھی۔ ایسی مہک جو اشتہا انگیز ہوتی ہے۔ اور جو لذیذ اور خوش ذائقہ کھانوں سے اٹھتی ہے۔ ایسی خوشبو جس سے بے تاب ہو کر بے قرار اور بے چین ہاتھ خود بخود ایسے کھانے کی طرف لپکتے ہیں۔

مچھلی کا بھنا ہوا سفید سفید گوشت دیکھ کر شاہ رخ کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے بے اختیار ہو کر ایک بڑا سا ٹکڑا توڑ کر منہ میں ڈال لیا...... ایک اور...... پھر ایک اور...... مگر اس کے بعد اس کا جی متلانے لگا اور اسے بڑے زور کی قے ہوئی، اور وہ سب کچھ باہر آ گیا۔ جو اس نے کھایا تھا...... اور وہ بھی جو اس نے چند مہینے قبل اس حویلی میں ہی کھایا تھا...... اس کے ساتھ ہی شاہ رخ بے ہوش ہو کر گر گیا۔

رستم خان اور میں پریشان ہو گئے اور اسے بڑی مشکل سے اٹھا کر وادی میں گھر لے آئے...... ہم اس کی تیمارداری اور علاج میں لگ گئے۔ دو دن اور راتیں مسلسل بے ہوش رہنے کے بعد جب شاہ رخ کو ہوش آیا تو وہ زرد چہرہ کمزور کمزور سا لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے جسم میں سے کسی نے خون نچوڑ لیا ہو۔ مگر اس کی یہ حالت ہمارے لئے فکر کا نہیں بلکہ اطمینان کا باعث تھی۔ کیونکہ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب اسے کبھی پراسرار دورہ نہیں پڑے گا۔

قدرت کی ان دیکھی طاقتوں نے جس پراسرار انداز میں محض ایک کھانے کی وجہ سے اسے وہ مرض بخش دیا تھا۔ وہ کھانا اب اس کے معدے سے نکل گیا تھا۔ اور اب اس کی شفا یقینی تھی۔ اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا۔ شاہ رخ کو اس کے بعد کبھی دورہ نہیں پڑا تھا۔

☆......☆......☆

میں اب واپس آنا چاہتا تھا۔ مگر رستم خان نے شاہ رخ کی بیماری کی وجہ سے مجھے مزید کچھ دنوں کے لئے روک لیا۔ میں نے رستم خان کی بات مان لی...... ایک ہفتہ گزر گیا۔ شاہ رخ کی حالت بہت ہی بہتر ہو گئی تھی۔ نہ ہی اسے دورہ پڑا تھا۔ اور نہ ہی قے ہوئی تھی۔ اب اس کی صحت اور رنگت بھی پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ اور وہ خود بھی بہت ہی خوش تھا کہ پراسرار بیماری سے اسے نجات مل گئی ہے۔

ایک روز صبح ہم جب سو کر اٹھے تو شاہ رخ بستر پر

موجود نہ تھا۔ ہمیں پریشانی لاحق ہوگئی کہ وہ کہاں چلا گیا ہے...... ہم اسے کمروں میں ڈھونڈنے لگے۔ تو ہمیں اس کے تکیہ کے نیچے سے ایک خط ملا۔ جو اس نے اپنے والد کو مخاطب کرکے لکھا تھا۔

''بابا جانی......! مجھے جل پری بلا رہی ہے...... میں اس کے پاس سفید حویلی جارہا ہوں۔ مجھے تلاش نہ کرنا میں خود ہی لوٹ آؤں گا۔''

شاہ رخ کا خط پڑھ کر میں اور رستم دونوں ہی پریشان ہوگئے اور فوراً ہی سفید حویلی کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب ہم سفید حویلی کے قریب پہنچے تو وہاں کا منظر دیکھ کر ہم ششدر رہ گئے...... سفید حویلی دریائے نیلم کا حصہ بن چکی تھی۔ اس کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ تیسری منزل پر سفید سنگ مرمر کے بنے ہوئے کمرے کے علاوہ حویلی کی کوئی اور چیز نظر نہ آرہی تھی۔ وہاں ڈھیروں مچھلیاں تیرتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ مگر ہمیں شاہ رخ کہیں نظر نہ آرہا تھا۔

رستم خان نے زور زور سے شاہ رخ کو آوازیں دینی شروع کردیں...... مگر شاہ رخ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ یوں ہی کافی دیر گزرگئی، رستم خان کی حالت غیر ہونے لگی جبکہ میں اس کو تسلیاں دے رہا تھا کہ شاہ رخ یہیں کہیں ہوگا۔ ابھی آجائے گا...... مگر ایسا نہ ہوا۔ شاہ رخ لوٹ کر نہ آیا۔

حویلی کے قریب کے ایک مکین نے بتایا۔ ''ایک نوجوان جل پری۔ جل پری۔'' پکارتا ہوا...... پانی میں دیوانہ وار داخل ہوا تھا اور سفید حویلی کی آخری نشانی سفید کمرے تک جا پہنچا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے پھر آوازیں دینی شروع کیں...... ''جل پری! میں آگیا ہوں...... تمہارے بلانے پر میں آگیا ہوں۔''

اس کی آوازیں سن کر جل پری پانی میں نمودار ہوئی اور ہاتھوں کے اشارے سے نوجوان کو اپنی طرف بلایا تو اس نوجوان نے دیر نہ کی اور بلندی سے نیچے پانی میں چھلانگ لگادی...... اس کے بعد اس کی صورت نظر نہیں آئی اور نہ ہی جل پری دکھائی دی......''

یہ سن کر رستم خان دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اور جل پری کو بددعائیں دینے لگا۔ ہم نے بہت سارا وقت وہاں گزارا کہ شاید شاہ رخ لوٹ آئے مگر وہ لوٹ کر نہ آیا۔ شام ڈھلے ہم بھی مایوس اور غمزدہ ہوکر وادی کی طرف لوٹ آئے...... میں تین دن مزید وہاں رہا اور پھر رستم خان کو تسلی دے کر واپس لوٹ آیا۔

اس واقعہ کو رونما ہوئے ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ رستم خان بھی اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ شاہ رخ کی جدائی نے اس کی بھی جان لے لی تھی...... دریائے نیلم کے کنارے اس سفید حویلی کا ایک سفید کمرہ اب بھی موجود ہے۔ جسے سردار سہراب خان نے اپنی چہیتی بیوی اور نیلم کی جل پری کی خاطر بنوایا تھا۔ لوگ آج بھی حویلی کی اس آخری نشانی کی طرف جاتے ہوئے کتراتے ہیں...... ان کا کہنا ہے کہ ''سردار سہراب خان اور شاہ رخ کی بے قرار روحیں اب بھی حویلی کی باقیات میں پھرتی ہیں اور سننے والوں کو ان کی آہیں صاف سنائی دیتی ہیں......'' یہ اور بات ہے کہ یہ راز ان میں سے کسی کے علم میں نہیں کہ جس آگ نے اس حویلی کو کھنڈروں میں تبدیل کیا...... وہ کیوں اور کیسے لگی تھی؟

میرا سینہ اس راز کا امین ہے مگر میں جب بھی اس واقعہ کے بارے میں غور کرتا ہوں۔ جل پری کے وجود کے متضاد پیکر میری نگاہوں میں پھرنے لگتے ہیں اور میں سوچنے لگتا ہوں کہ اگر حقیقت آنکھوں دیکھی ہی کا دوسرا نام ہے تو میں اپنی آنکھوں دیکھے کس منظر کو حقیقت سمجھوں اور کس منظر کو وہم قرار دوں؟ یا شاید حقیقت کا اپنا ایک پراسرار وجود ہے جس کا ادراک ہمارے ظاہری حواس کے بس کی بات نہیں...... بالکل ایسے ہی شاہ رخ کی موت کا اسرار اور اس کے جل پری سے تعلق کا اسرار بھی میری سمجھ میں نہیں آسکا۔

نادیدہ مجرم

عمران قریشی۔ کوئٹہ

چاروں طرف رات کا سکوت مسلط، کمرہ ایسا کہ ہوا کا گزر مشکل بلکہ ناممکن گھر کے افراد نہ ہونے کے برابر پھر بھی جو ہیں وہ محو خواب ایسے میں وہ کون سی ہستی ہے جو آزادانہ کمرے میں آتی ہے...... کیا یہ اچنبھا نہیں۔

دانشمندوں کا کہنا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اپنے دام میں خود صیاد آ گیا۔ کہانی پڑھ کر تو دیکھیں

آدھے سے زیادہ شہر اس بات سے بخوبی آ گاہی رکھتا تھا کہ سمیر اور سہانا ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ ان کی شادی پسند کی شادی تھی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد سہانا کے ڈیڈی گاڑی کے بریک فیل ہو جانے کی بدولت ہلاک ہو گئے۔ سہانا دل کی مریضہ تھی۔ اس کا چربی سے بھرپور جسم خطرے کا باعث تھا۔ باپ کی وفات کی خبر سن کر اسے دل کا دورہ پڑا۔ شہر کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کی انتھک کوششوں کی بدولت وہ مرنے سے تو بچ گئی۔ لیکن ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق دوسرا اٹیک آخری ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان کی ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے سہانا کو کسی بھی قسم کے صدمے سے بچانے کے لئے سمیر نے شہر سے کچھ دور پہاڑی ٹیلے کے اوپر بنی ہوئی ایک خوب صورت کوٹھی خرید کر اس کا نام سہانا پیلس کے نام سے

منسوب کردیا۔ پھر وہیں وہ دونوں شفٹ ہوگئے۔ شور شرابے سے بچنے کے لئے اس نے نوکر وغیرہ کے جھنجھٹ پالنے کے بجائے سمیر نے خود ہی تمام کام بہ احسن وخوبی سنبھال لئے......

وہ صبح اٹھ کر ناشتہ تیار کرتا۔ سہانا کو دوائی پلانے کے بعد دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنے لگتا۔ کھانے کے بعد وہ سہانا کو ادویات دینے کے بعد سلا دیتا۔ پھر خود سودا سلف کی خریداری کے لئے سہانا پیلس سے باہر چلا جاتا۔ شام کو اسے مختصر واک کے لئے پہاڑی ٹیلے سے نیچے مختصر پگڈنڈی پر واک کرواتا۔ پھر واپس کوٹھی میں لے آتا۔ رات کے پرہیزی کھانے کے بعد دونوں ٹی وی پر مختصر فلم دیکھنے کے بعد سوجاتے۔ یہ ان دونوں کی تمام دن کی مصروفیات تھیں۔ سہانا کی ادویات میں نشے کی آمیزش زیادہ شامل تھی۔ اس لئے وہ رات کو بے سدھ ہو کر سوتی تھی۔ اور اکثر اوقات صبح سمیر کو اسے مخاطب کرتے ہوئے جگانا پڑتا تھا۔

ایسی ہی ایک صبح کی بات ہے۔ سمیر جب سو کر اٹھا تو عام دنوں کی نسبت زیادہ دیر ہوچکی تھی۔ اس کا سر درد کے مارے پھٹا جارہا تھا۔ اور ایسا شاید پہاڑی بلندی کی وجہ سے تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے پین کلر کی گولی باہر نکالی اور پانی کے ساتھ نگلنے کے بعد کمرے کے پردوں کو کھینچ کر کھڑکی کے آگے سے ہٹادیا۔ چمکیلی دھوپ نے کمرے کا محاصرہ کرلیا۔ نہایت خوشگوار اور چمکیلی صبح تھی۔ سہانا گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اس کا بھدا جسم پلنگ پر آڑا ترچھا پڑا تھا۔ سمیر نے محبت بھری نگاہوں کے ساتھ سہانا کے چہرے کی جانب دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کر اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''سونی اب جاگ بھی جاؤ۔ آج ضرورت سے زیادہ دیر ہوگئی ہے۔'' وہ اسے پیار سے سونی کے نام سے پکارتا تھا۔ سہانا پر اس کی آواز کا کچھ خاص اثر نہیں ہوا۔ اور وہ کروٹ بدل کر دوبارہ سوگئی۔ سمیر نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے ہوئے پانی کے جگ سے ہاتھ کو بھگویا۔ اور پانی کی چند بوندیں سہانا کے چہرے پر ڈال دیں۔

سہانا ہڑبڑا کر جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔

سمیر نے مسکراتے ہوئے اس کے ماتھے کو چوما۔ پھر اسے فریش ہونے کی ہدایات دینے کے بعد کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ سامنے مختصر ٹی وی لاؤنج موجود تھا۔ دیوار کے ساتھ مہنگے صوفے سیٹ لگے ہوئے تھے۔ جن کے آگے شیشے کی قیمتی میز رکھی ہوئی تھی۔ دیوار پر نہایت وسیع وعریض ایل سی ڈی نصب تھا۔ چھت کے ساتھ فانوس لٹکا ہوا تھا۔ ایک جانب خوب صورت ایکوریم بھی موجود تھا۔ جس میں خوب صورت رنگ برنگی مچھلیاں تیرتی پھرتی تھیں۔ ٹی وی لاؤنج کے سامنے کی مکمل دیوار شیشے کی بنی ہوئی تھی۔ جس کے دوسری جانب سہانا پیلس کا مختصر باغ موجود تھا۔ یہ تمام باغ سیب کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن آج کیفیت مختلف تھی۔

ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھتے ہی سمیر کے قدم جہاں تھے وہیں جم کر رہ گئے۔ چہرہ شدت حیرت سے بگڑنے لگا۔ ہونٹ او کی صورت میں کھل گئے اور سیدھے ہاتھ نے بے اختیاری کے عالم میں سر کو تھام لیا۔ خوب صورت لاؤنج اس وقت کباڑیئے کی دکان کا منظر پیش کررہا تھا۔ صوفے الٹے پڑے تھے۔ شیشے کی میز چکنا چور تھی۔ ایکوریم میں سے دو مچھلیوں کو باہر نکال کر بے دردی کے ساتھ کچلنے کے بعد ٹی وی لاؤنج کے درمیان میں پھینک دیا گیا تھا۔ سمیر نے گھبرا کر بیڈ کے دروازے کو بند کرکے اسے باہر سے کنڈی لگادی۔

سمیر اپنی بیمار بیوی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹروں کی ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اقدام ضروری تھا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ پہلے چکنا چور میز کی کرچیوں کو سمیٹا اور ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ پھر صوفوں کو سیدھا کیا۔ مری ہوئی مچھلیوں کو اٹھا کر باہر پھینکا۔ پھر بیرونی دروازے چیک کرنے لگا۔ دروازے اندر سے لاک تھے۔ لان میں جرمن شیفرڈ بھاگتا پھر رہا تھا۔ دروازوں کے علاوہ کوٹھی میں داخل ہونے کا مزید راستہ وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے سر کو جھٹکا اور ناشتے

کی تیاریوں میں لگ گیا۔ ناشتہ دونوں میاں بیوی نے اپنی خواب گاہ میں کیا۔ آج کے دن سمیر نے سہانا کو واک نہیں کرائی۔ دوائی دینے کے بعد اس نے خود گھر سے باہر کا رخ کیا۔

ارد گرد کے لوگوں سے کوٹھی کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ لیکن کچھ خاص پیش رفت نہ ہوسکی۔ تب اس نے پہاڑی کے نیچے موجود مختصر پولیس اسٹیشن کا رخ کیا۔ رپورٹ لکھوائی۔ اور واپس کوٹھی میں چلا آیا۔ دوپہر کو حوالدار محمد حسین نے کوٹھی کے دروازے کی بیل بجائی۔ اندر داخل ہونے کے بعد اس نے ٹی وی لاؤنج کا معائنہ کیا۔ چند گھسے پٹے سوالات کئے اور رپورٹ مکمل کر کے واپس چلا گیا۔

سہانا نے حوالدار کے آنے کی وجہ دریافت کی۔ تب سمیر نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کردیا کہ ''وہ معمول کی چیکنگ کے لئے تمام ہل اسٹیشن والوں کے مکانات کو چیک کر رہا ہے۔'' باقی کا دن معمولات کے دوران گزر گیا۔

دوسری صبح جب سمیر سو کر اٹھا۔ تب سر میں درد موجود تھا۔ لیکن آج گزشتہ دن کی نسبت کم تھا۔ ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اسے اپنے سر پر پہاڑ ٹوٹتا محسوس ہوا۔ پچویشن پہلے دن جیسی تھی۔ صوفے الٹے پڑے تھے۔ ایل سی ڈی کو توڑ دیا گیا تھا اور تین مچھلیاں فرش پر مردہ پڑی تھیں۔ ٹی وی لاؤنج کے دروازے پر سفید رنگ کا کاغذ چسپاں تھا۔ جس پر تحریر تھا۔

''جلد از جلد مکان کو چھوڑ کر واپس چلے جاؤ۔ ورنہ تم دونوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوگا۔''

آج کے دن وہ سہانا سے کچھ بھی نہیں چھپا پایا۔ وہ اس کے پیچھے ہی ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ اور حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ ٹی وی لاؤنج کی حالت کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے حیرت کے مارے تقریباً چلاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' سمیر نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں۔ کل بھی ٹی وی لاؤنج کی کیفیت کچھ ایسی ہی تھی۔ سوائے اس کے کہ ایل سی ڈی سلامت رہا تھا۔ یا پھر کاغذ کی یہ تحریر دروازے پر چسپاں نہیں تھی۔ آج یہ سب کچھ ہے۔'' سہانا خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''تمہارے خیال میں یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے؟''

سمیر بولا۔ ''شاید کوئی انسان ایسا ہے، جو اس کی کوٹھی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ اس کوٹھی کو خریدنا چاہتا ہے۔ چونکہ ہم ایسا نہیں چاہتے۔ اس لئے ان اوچھی حرکتوں کے ذریعے ہمیں خوفزدہ کرنے کے بعد کوٹھی کو چھوڑ دینے کے لئے مجبور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

سہانا نفی میں سر ہلاتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''نہیں ایسا نہیں ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق وہ جو کوئی بھی ہے۔ اس نے گزشتہ رات شیشے کی میز کو چکنا چور کردیا۔ لیکن ساتھ والے کمرے میں ہمیں آواز سنائی نہیں دی۔ آج اس نے ایل سی ڈی کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ لیکن ہمیں پتا نہیں ہے یہ کسی انسان کی حرکت نہیں ہے۔ کوٹھی آسیب زدہ ہے۔ ہمیں اسے فوراً چھوڑ دینا چاہئے۔''

سمیر پریشان لہجے میں بولا۔ ''باہر کا دروازہ مقفل ہے۔'' لان میں خوفناک کتا تمام رات پہرہ دیتا ہے۔ اس کے باوجود بھی کوئی ہے۔ جو کوٹھی میں داخل ہو کر توڑ پھوڑ کرتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں ہو پاتا۔ میں نے ارد گرد کے رہائشیوں سے کوٹھی کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق آج سے پہلے کبھی بھی کوئی خطرناک بات ایسی سامنے نہیں آئی۔ جس کے نتیجے میں کوٹھی کو آسیب زدہ قرار دیا جاسکے۔ وہ یقیناً کوئی انسان ہے جو ہم سے کوٹھی خالی کروانا چاہتا ہے۔''

سہانا بولی۔ ''وہ آتا کہاں سے ہے؟ اور آ کر کارروائی مکمل کرنے کے بعد واپس کہاں سے جاتا ہے۔''

سمیر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد ہمکلام ہوا۔

"میرے اندازے کے مطابق ہمارے گھر میں کوئی ایسا خفیہ راستہ موجود ہے۔ جس کے متعلق اسے آگاہی حاصل ہے۔ ہمیں اس راستے کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہونگی۔" سہانا نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور سمیر کے ہمراہ ٹی وی لاؤنج میں خفیہ راستہ تلاش کرنے لگی۔

ایک گھنٹے کی انتھک کوششیں اور تلاش کے بعد بھی وہ دونوں راستہ تلاش نہیں کر پائے۔ تھک ہار کر وہ دونوں خواب گاہ میں آ بیٹھے۔ اس دن پہلی دفعہ سہانا کی ادویات میں ناغہ ہوا۔ وہ گولیاں کھانی بھول گئی۔ شام کو دونوں میاں بیوی نے اس پراپرٹی ڈیلر کا رخ کیا۔ جس کے توسط سے انہیں کوٹھی ملی تھی۔ تمام معاملات تفصیل کے ساتھ اسے بتانے کے بعد سمیر نے اس سے خفیہ راستے کے متعلق دریافت کیا۔ پراپرٹی ڈیلر نے چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد انکار میں سر لاتے ہوئے جواب دیا۔ "میری معلومات کے مطابق کوٹھی میں ایسا کوئی خفیہ راستہ یا سرنگ وغیرہ موجود نہیں ہے جس کے ذریعے گھر میں داخل ہوا جا سکے۔"

سمیر بولا۔ "سہانا پیلس پہاڑی ٹیلے کو صاف کر کے بنایا گیا ہے۔ اس لئے میرے خیال کے مطابق ٹیلے کے نیچے سرنگ بنا کر کوٹھی کے کسی بھی حصے میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔"

پراپرٹی ڈیلر بولا۔ "شاید ایسا ہو۔ لیکن میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کوٹھی کا نقشہ آپ کے پاس موجود ہے۔ آپ اس کے ذریعے بہ خوبی معلوم کر سکتے ہیں۔" بات چیت ختم ہوگئی۔ اور سمیر سہانا کے ہمراہ دوبارہ کوٹھی میں چلا آیا۔ کوٹھی کا نقشہ ان کے کمرے میں الماری کی دراز میں رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے نہایت باریک بینی کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا۔ لیکن وہاں کسی بھی قسم کا تہہ خانہ سرنگ یا پھر خفیہ راستہ موجود نہیں تھا۔

رات کا کھانا انہوں نے جلدی کھا لیا۔ آج کی رات سہانا نے خود دوائی نہیں کھائی۔ وہ جاگ کر بھوت کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔ جو دھیرے دھیرے تمام ٹی وی لاؤنج کی چیزوں کو تباہ کر رہا تھا اور جسے ان دونوں کا کوٹھی میں رہنا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ سہانا ایک بیمار عورت تھی۔ اس لئے رات دو بجے تک جاگنے کے بعد وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوگئی۔ صبح آنکھ دیر سے کھلی۔ ٹی وی لاؤنج میں پڑا ہوا ایکوریم ٹوٹا ہوا تھا۔ اور دروازے پر دوسری تحریر موجود تھی۔ لکھا تھا۔

"تفتیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوٹھی میں کوئی بھی خفیہ راستہ یا پھر سرنگ موجود نہیں ہے۔ مجھے اندر آنے کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دیواروں کے اندر گھس جانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اس لئے بے وقوفیاں کرنے کے بجائے جلد از جلد گھر کو چھوڑ دینے کی کوشش کرو۔ تم دونوں کے حق میں یہ زیادہ بہتر ہوگا۔"

تحریر کو پڑھنے کے بعد سہانا نے دونوں ہاتھوں سے منہ کو ڈھانپا اور ہچکیاں لے کر رونا شروع کر دیا۔ سمیر نے پریشان کن نگاہوں کے ساتھ اسے دیکھا۔ اس نے گزشتہ تمام دن گولیاں نہیں کھائی تھیں۔ اس کی طبیعت بھی بگڑ سکتی تھی۔ سمیر نے اسے کاندھے کے پاس سے تھام کر سہارا دیا۔ اور خواب گاہ میں موجود بیڈ پر لٹا دیا۔ پھر خود پولیس کو فون کرنے لگا۔

دوسری جانب فون انسپکٹر نصیر احمد نے ریسیو کیا۔ سمیر نے اسے تمام حالات سے آگاہ کرنے کے بعد جلد از جلد کوٹھی پر آنے کے متعلق کہا۔ اور خود ناشتہ تیار کرنے لگا۔ دونوں میاں بیوی نے ناشتہ خاموشی کے ساتھ کیا۔ پھر انسپکٹر کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ کوٹھی میں موجود تھا۔ پینتیس سے چالیس سال کے درمیان عمر والا انسپکٹر نصیر احمد چہرے مہرے سے نہایت پڑھا لکھا اور جہاندیدہ انسان دکھائی دیتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر تمام حالات تفصیل کے ساتھ سننے کے بعد تمام کوٹھی کا معائنہ کیا۔ کوٹھی کے اردگرد موجود پائیں باغ اور لان میں قدموں کے نشانات تلاش کرنے کی کوشش کی۔ جرمن شیفرڈ کے

سر پر پیار کے ساتھ ہاتھ پھیرنے کے بعد اس نے پوچھا۔

''یہ تمام رات کھلا رہتا ہے؟'' سمیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ تب ٹی وی لاؤنج کے صوفوں پر بیٹھنے کے بعد اس نے سمیر اور سہانا سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''آپ دونوں کی کسی سے ذاتی دشمنی......'' دونوں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

انسپکٹر بولا۔ ''یہاں آنے سے پہلے میں نے پراپرٹی ڈیلر والوں سے کوٹھی کے صدور دروازے کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق چند دنوں کے دوران کوٹھی کی لوکیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے پراپرٹی کی خرید وفروخت میں اضافہ ہونے والا ہے۔ شاید اردگرد موجود کسی ہمسائے کو پراپرٹی کی خرید و فروخت میں دلچسپی کے باعث اس بات کی خبر ہوگئی ہو۔ اور وہ آپ دونوں کو دھمکیاں دینے کے بعد اس کوٹھی کو بیچ دینے کے لئے مجبور کرنا چاہتا ہو۔ میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دی ہیں۔ وہ جلد از جلد رپورٹ بنا کر ہمارے سامنے پیش کردیں گے۔''

سمیر پریشان لہجے میں بولا ''جناب یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے آپ یہ تو سوچیں کہ وہ گھر میں داخل کیونکر ہوتا ہے۔ لان میں کتا کھلا پھر رہا ہوتا ہے۔ ٹی وی لاؤنج کا دروازہ مقفل ہوتا ہے۔ کھڑکیوں کی چٹکیاں بھی لگی ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ نادیدہ مجرم نا صرف لاؤنج میں داخل ہوجاتا ہے۔ بلکہ توڑ پھوڑ کرنے کے بعد دھمکیوں سے بھرپور خط بھی دروازے پر چسپاں کرنے کے بعد واپس چلا جاتا ہے۔''

انسپکٹر بولا۔ ''اس کے متعلق بھی معلوم ہوجائے گا۔ آپ دونوں فکر نہ کریں۔ میں وقتی طور پر دو پولیس والوں کی ڈیوٹی آپ کے گھر کے باہر لگا دیتا ہوں۔ اس کے بعد مزید پیش رفت کے متعلق سوچیں گے۔'' دونوں میاں بیوی نے اثبات میں سر ہلایا اور انسپکٹر کوٹھی سے باہر چلا گیا۔

رات ایک دفعہ پھر سر پر آ گئی۔ سہانا نے دوسرے دن بھی دوائی نہیں کھائی۔ اسے رات سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ رات کے تین بجے تک وہ سمیر کے ساتھ لیٹی جاگتی رہی۔ پھر گہری نیند سو گئی۔

صبح سمیر کی آنکھ کھلی۔ سہانا اس کے ساتھ بری طرح لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے بمشکل تمام اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔ لیکن گرفت مضبوط تھی۔ اس لئے اسے زیادہ زور لگانا پڑا۔ تب سہانا جاگ گئی۔ اور حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ سمیر کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں موجود تھیں۔ اور آنکھوں کا ہدف سامنے موجود آرام گاہ کا دروازہ تھا جو اندر سے مقفل ہونے کے باوجود بھی کچھ عجیب منظر پیش کررہا تھا۔ اس پر سفید کاغذ کامن پن کے ذریعے لگا ہوا تھا۔ اور کاغذ پر لکھا تھا۔

''تم دونوں میں پہلی موت، عورت کی ہوگی۔ بعد میں پچھتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب بھی وقت ہے، گھر چھوڑ کر شہر شفٹ ہوجاؤ۔''

سہانا منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ اسے اپنے دل میں شدید درد کی ٹیسیں اٹھتی محسوس ہورہی تھیں۔ سمیر نے پریشان نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔ پھر کچھ کہے بغیر انسپکٹر نصیر احمد کو فون کرنے لگا۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ ان دونوں کے سامنے موجود تھا۔ اور حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ کاغذ پر لکھی ہوئی دھمکی کو پڑھنے میں مصروف تھا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''میں آپ دونوں سے علیحدگی میں بات چیت کرنا چاہتا ہوں اگر آپ دونوں کو اعتراض نہ ہو۔''

سمیر بولا۔ ''مجھے یقین تھا کہ آپ ہم دونوں میں سے ایک کو مجرم گردانیں گے۔''

''ٹھیک ہے سچویشن ہے بھی کچھ ایسی ہی......آپ حق بہ جانب ہیں۔'' انسپکٹر اٹھ کر لان کی جانب چل دیا۔ سمیر اس کے ہمراہ تھا۔ لان میں میز اور کرسیاں موجود تھیں۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد چند لمحے خاموش رہ کر

حالات کے متعلق سوچنے کے بعد وہ بولا۔
''آپ دونوں کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟''
سمیر نے مختصر جواب دیا۔
''دوسال......''
''اولاد نہیں ہے؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔ سمیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''سہانا کے آگے پیچھے کون کون موجود ہے؟''
''باپ تھا، تین مہینے پہلے ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہوگیا۔''
انسپکٹر بولا۔ ''ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟''
''گاڑی کے بریک فیل ہوگئے تھے۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی بدولت موت واقع ہوگئی۔'' انسپکٹر نے ہنکارہ بھرا۔ پھر معنی خیز لہجے میں پوچھا۔
''سہانا ایک کروڑ پتی باپ کی لڑکی ہے۔ اس کی موت کے بعد جائیداد کا مالک کون ہوگا؟''
سمیر بے چین لہجے میں بولا۔ ''آپ کیسی باتیں کررہے ہیں۔ وہ بھلا کیوں مرنے لگی اور مجھے اس کی جائیداد سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اگر اس کے مرنے کے بعد ٹرسٹ والوں کو دے دی جائے۔ تب میں احتجاج نہیں کروں گا۔''
انسپکٹر نے پوچھا۔ ''وہ دل کی مریضہ ہے۔ اس کے دل کے دو والو بند ہیں۔ ہلکا پھلکا دھچکا بھی وہ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ جن بھوتوں کا یہ قصہ اس کے لئے ہنڈرڈ پرسنٹ موت کا باعث بن سکتا ہے۔ میرے خیال میں جب سے سہانا پیلس میں ٹینشن کا آغاز ہوا ہوگا۔ تب سے سہانا نے علاج میں بھی بے احتیاطی شروع کردی ہوگی۔'' سمیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر متزلزل لہجے میں جواب دیا۔
''میں مزید یہاں کوٹھی میں قیام نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن سہانا کی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کٹھن سفر اس کے لئے مناسب نہیں۔ اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہاں سے شہر تک کا سفر کتنا دشوار گزار ہے۔ سہانا برداشت نہیں کرسکتی۔''

انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود اٹھ کر ٹی وی لاؤنج کی جانب چل دیا۔ سہانا لاؤنج میں سر پکڑے افسردہ بیٹھی تھی۔ انسپکٹر نے اسے تسلی دی۔ پھر گھمبیر لہجے میں بولا۔
''پریشان ہونے سے مسئلے حل نہیں ہوا کرتے۔ ان کے لئے کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ انسان سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی بھی مخلوق ایسی نہیں ہے جس سے خوف محسوس کیا جاسکے۔ وہ اپنی مفاد پرست طبیعت کی بدولت سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوسکتا ہے۔ تمام زندگی پیسے اور دولت کے لئے محنت کرتا ہے۔ اور آخر میں یہی دولت اس کے گلے کا پھندا بن جاتی ہے۔''
سہانا نے نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''میں سمجھی نہیں۔''
انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
''آپ دونوں کی زندگی کے ازدواجی تعلقات کیسے ہیں؟'' سہانا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔
''سمیر بہت اچھا انسان ہے۔'' ہماری شادی کو دو سال سے زیادہ عرصہ ہونے والا ہے۔ لیکن آج تک ہمارے درمیان کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ وہ میرا ہر طرح سے خیال رکھتا ہے۔''
انسپکٹر بولا۔ ''میری تحقیقات کے مطابق ان وارداتوں میں ملوث مجرم کوٹھی میں رہائش پذیر افراد میں سے کوئی ایک ہوسکتا ہے۔ جب تک ٹی وی لاؤنج کی بات تھی۔ تب تک میں خفیہ راستے کی تلاش کے حق میں تھا۔ لیکن بند آرام گاہ کے دروازے سے دھمکی آمیز خط کا پایا جانا۔ اس بات کی نفی کرتا ہے کہ مجرم باہر سے اندر آتا ہے۔ ٹی وی لاؤنج میں آنا ممکن ہے۔ لیکن آرام گاہ میں گھسنا ناممکن ہے۔ ایسا صرف آپ یا پھر سمیر ہی کرسکتا ہے۔ ان چند باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے ٹیلی فون کے محکمے والوں سے بات چیت کرنے کے بعد سمیر کا موبائل فون کا ریکارڈ چیک کیا۔ ایک نمبر کی بہتات

تھی۔ وہ کسی لڑکی کا نمبر ہے۔ جس کا نام عالیہ ہے۔ کیا آپ کسی ایسی لڑکی سے واقف ہیں۔" سہانا نے انکار میں سر ہلا دیا۔ لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ کسی نہ کسی حد تک لڑکی کو جانتی ہے۔

انسپکٹر بول رہا تھا۔ "بہر حال اس لڑکی کے متعلق مزید معلومات کرنے پر کچھ مزید انکشاف ہوئے۔ وہ سمیر کی محبوبہ ہے۔ شاید سمیر اس سے شادی کرنے والا ہے۔ لیکن آپ راستے کا کانٹا ثابت ہورہی ہیں۔ چونکہ آپ دل کی مریضہ ہیں۔ اس لئے اس نے بھوت کا ڈراما رچایا۔ تاکہ صدمے کو برداشت نہ کرتے ہوئے آپ کی موت واقع ہوجائے۔ اور تمام دولت کا مالک بننے کے بعد وہ اپنی محبوبہ سے شادی کرلے۔"

سہانا کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میرے خیال میں سب کچھ صاف صاف بتادینا ہی مناسب ہوگا۔ میں عالیہ کے وجود سے بخوبی واقفیت رکھتی ہوں۔ شاید میری بیماری کی وجہ بھی عالیہ ہی ہے۔ لیکن سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود بھی میں بے بس ہوں۔ اپنے دفاع کے لئے کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس لئے میں نے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ میرے لئے مرنا اذیت ناک نہیں ہے۔ جتنا زندہ رہنا تکلیف دہ ہے۔"

انسپکٹر ترحم آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن میں آپ کے ساتھ ہوں۔ وہ آج کی رات شاید آپ کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ تب ہم اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کرلیں گے۔ آپ کو اپنے دفاع کی پوری اجازت حاصل ہے۔ کوشش کیجئے گا کہ رات کا کھانا نہ کھائیں۔ بلکہ اس کے ہاتھوں سے پانی تک نہ پیجئے گا۔ میں پولیس کی نفری کے ہمراہ کوٹھی سے باہر موجود رہوں گا۔ خطرہ محسوس کرتے ہی آپ جلد از جلد ہمیں باخبر کرسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ میں اپنا ریوالور بھی یہیں چھوڑے جارہا

نظم سالگرہ نمبر

سب لکھاریوں نے اپنی کہانیوں سے ہے اس کو سجایا
سب قابل احترام ہیں، اور سب ہیں قابل عزت
ہم نے دل اندر ہر اک کیلئے محبت کا جذبہ ہے پایا
پھولوں میں مہکتا ہوا پھول ہیں ساحل دعا بخاری
ڈر، نے پتھروں میں سے ایک ہیرے کو پالیا
ہر تحریر ان کی جیسے موتیوں کی لڑی
ڈر کے باغ کو انہوں نے پھولوں سے سجالیا
ہیروں میں چمکتے ہوئے ہیرے ہیں ایس امتیاز
جن کی تحریریں، دل میں بجا دیتی ہیں ساز
جادوگر کی طرح پر رکھ لیتے ہیں گرفت
اڑاتے ہیں خیالوں میں جیسے پرندے باز
رولوکا کے بارے میں کہوں گی صرف ایک فقرہ
بڑے خوب صورت انداز میں لکھا ہے اے وحید
قلم کا استعمال کیا آپ نے بڑے پیارے انداز میں
آگے بھی کہانی کا رنگ نکھرے گا جیسے آغاز میں
سنہری تابوت کی آخری قسط لکھی آپ نے ایم اے راحت
دعا یہ ہے تیرا قلم چلتا رہے تا قیامت
ہمیشہ تو لکھتا رہے یہ خواہش ہے دل کی
تو پھول ہے ڈر کا، تجھے کرتے تھے ہم یاد
عثمان غنی ڈر میں ہیں آپ کی جھلک نظر آئی
سالگرہ نمبر میں جلدی سے بھیجیں کوئی کہانی
میرے دل میں یہ خواہش کب سے ہے سمائی
عطیہ زاہرہ بھی کم نہیں کسی سے
کہانی میں تیرا دم بہت ہے ابھی سے
(بلقیس خان......پشاور)

ہوں۔ تاکہ آپ کو اپنا دفاع کرنے میں آسانی رہے۔''
اس نے ریوالور نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اور خاموشی کے ساتھ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اندھیرا گہرا ہوتے ہی سہانا پیلس کو پولیس کی نفری نے گھیرے میں لے لیا۔ انسپکٹر نصیر ان کی سربراہی کر رہا تھا۔ وہ پہاڑی ٹیلے کے چاروں جانب موجود تھے۔ پولیس کا ایک سپاہی انسپکٹر نصیر کے ہمراہ سہانا پیلس کے قریب واقع اونچے اور گھنے درخت پر موجود تھا۔ یہاں سے نہ صرف سہانا پیلس کا لان صاف دکھائی دیتا تھا بلکہ سمیر اور سہانا کے بیڈ روم کی کھڑکی بھی دکھائی دیتی تھی۔ جس کے آگے پردے لگے ہوئے تھے۔ وقت سست رفتاری کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ زندگی مفلوج ہوتی چلی گئی۔ پہاڑی سے نیچے موجود گھروں کی بتیاں گل ہونے لگیں۔ سہانا اور سمیر کے کمرے کی بتی تمام رات جلتی رہی۔ انہیں اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ دماغی چپقلش کی بدولت وہ تمام رات سو نہیں پائے۔ صبح پانچ بجے کا وقت رہا ہوگا۔

جب درخت کی شاخ پر بیٹھے ہوئے انسپکٹر نصیر کو زوردار فائر کے دھماکے کی آواز سنائی دی۔ اس نے ہڑبڑا کر سہانا اور سمیر کے کمروں کی جانب دیکھنے کی کوشش کی۔ لائٹ روشن تھی۔ لیکن موٹے پردوں کی بدولت اندر کا منظر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ انسپکٹر نصیر نے سپاہی کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اور چھلانگ مار کر درخت سے نیچے اتر آیا۔ درخت کے نیچے پولیس کے دو اہلکار مزید موجود تھے۔ انسپکٹر نے انہیں بھی ہمراہ آنے کا حکم دیا۔ اور چھلانگ مار کر سہانا پیلس کی دیوار پر چڑھ گیا۔ لان میں جرمن شیفرڈ بھاگتا پھر رہا تھا۔ انسپکٹر نے اپنے ہمراہ موجود اہلکاروں کو اسے قابو کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چھلانگ لگا کر کتے کو گھیرے میں لے لیا۔

انسپکٹر پھرتی کے ساتھ لان میں اتر کر ٹی وی لاؤنج کی جانب چل دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے بے تحاشا دروازے کو ڈھڑ ڈھڑانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھل گیا۔

وہ ہاتھ میں ریوالور تھامے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر گہرے اطمینان کی چھاپ موجود تھی۔ انسپکٹر نے بے چین لہجے میں پوچھا۔

''وہ زندہ ہے یا پھر مر گیا ہے؟''

سہانا بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''مر گیا ہے میں نے گولی اس کے سر پر ماری ہے۔ اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

انسپکٹر نے اسے ایک جانب ہٹاتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھ دیا۔ آرام گاہ میں خون پھیلا ہوا تھا۔ سمیر کی لاش فرش پر اوندھی پڑی تھی۔ لیکن اس کے ہاتھوں میں کسی بھی قسم کا ہتھیار موجود نہیں تھا۔ یعنی وہ سہانا کو مارنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر سہانا نے اس پر گولی کیوں چلائی۔ اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ سہانا کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

انسپکٹر نے استفہامیہ نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو نہتا ہے۔'' اس کے پاس اسلحہ موجود نہیں۔ پھر آپ نے اسے کیوں مارا؟''

سہانا مسکراتے ہوئے قریب موجود بیڈ پر بیٹھ گئی۔ پھر سپاٹ لہجے میں بولی۔

''یہ میرے باپ کا قاتل ہے۔'' انسپکٹر نے چونک کر سہانا کی جانب دیکھا۔ وہ سنجیدہ لہجے میں بولے چلے جا رہی تھی۔ ''سہانا پیلس آنے سے کچھ عرصہ قبل اور باپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ایک دن میں نے سمیر کو معنی خیز انداز میں کسی سے بات کرتے ہوئے سنا۔ مفہوم غیر واضح تھا۔ لیکن اتنی بات مجھے ضرور سمجھ میں آ گئی کہ یہ کسی سے رات کو تفصیل سے بات کرنے کا پیغام دے رہا تھا۔ اس رات میں نے گولیاں کھانے کے بجائے بیڈ کے نیچے پھینک دیں۔ اور تمام رات جاگنے کا ارادہ کر لیا۔

رات کے تین بجے کسی لڑکی کا فون آیا۔ تب سمیر

نے اسے بتایا کہ ڈیڈی کی گاڑی کے بریک اس نے ڈھیلے کردیئے تھے۔ اور ان کی موت کا ذمہ دار یہی ہے۔

''علاوہ ازیں اس نے میری ادویات میں بھی ردو بدل کردیا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق میں بس کچھ عرصہ کی ہی مہمان تھی۔ اس کے بعد مجھے مرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔''

گفتگو سننے کے بعد میں نے اس سے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ میرے پاس ثبوت موجود نہیں تھے۔ ورنہ میں اسے پولیس کے حوالے کردیتی۔ میرے کہنے پر اس نے سہانا پیلس کی عمارت خریدی۔ عمارت میں قدم رکھنے کے فوراً بعد میں نے اس کے ہاتھوں سے گولیاں کھانی ترک کردیں۔ اس کے بدلے میں نے چھپ چھپ کر اس کے کھانے کی پلیٹ میں نشہ آور ادویات ڈالنی شروع کردیں۔

جب سمیر کھانا کھانے کے بعد گہری نیند سوجاتا۔ تب میں ٹی وی لاؤنج میں توڑ پھوڑ کردیتی تھی۔ یہ صبح اٹھ کر ٹی وی لاؤنج کی تباہی دیکھ کر پریشان ہوجاتا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ مقفل گھر میں ایسا کون کرسکتا ہے؟

پھر میں نے گھر چھوڑنے کی دھمکیاں دینی شروع کیں۔ اس کے بعد میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اسے وارننگ دے دوں۔ ''پہلا قتل مرد کا ہوگا۔'' دوسرے دن اسے قتل کردیتی۔''

لیکن آپ کی موجودگی نے مجھے ارادہ بدل دینے پر مجبور کیا۔ آپ اس پر شبہ کررہے تھے۔ اس کے علاوہ میرے پاس اسے قتل کرنے کے لئے چاقو کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ اس لئے میں نے دھمکی والے خط پر لکھ دیا۔ ''پہلا قتل عورت کا ہوگا۔'' مجھے اپنے مقصد میں کامیابی کی زیادہ امید نہیں تھی۔

لیکن آپ نے اپنا ریوالور میرے حوالے کردیا۔ اور میں نے رات کے آخری پہر گولی مار کر اسے ہلاک کردیا۔'' سہانا نہایت سفاکانہ انداز میں سب کچھ سچ سچ بتارہی تھی۔

انسپکٹر حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اچانک ہی خاموش ہوگئی۔

تب انسپکٹر بولا۔ ''آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اگر پہلے ہی مجھے سب کچھ بتادیتیں تب میں اسے گرفتار کرکے اس کے منہ سے سب کچھ اگلوا لیتا۔ تب بھی اسے پھانسی سے کم کی سزا نہیں ہوتی۔''

سہانا دوبارہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''میں اسے اپنے ہاتھوں سے سزا دینا چاہتی تھی۔ اس نے عالیہ کے ساتھ مل کر مجھے دھوکہ دیا۔ مجھے مارنے کی کوشش کی۔ میں برداشت کرسکتی تھی۔ لیکن اس نے نہایت بے دردی کے ساتھ میرے باپ کو قتل کردیا۔ یہ بات میری برداشت سے باہر تھی۔ میں اسے تمام عمر معاف نہیں کرسکتی تھی۔ اس لئے میں نے اسے خاموشی سے قتل کردیا۔ اب مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ عدالت مجھے اس کے قتل کی بدولت کتنے عرصے کی سزا دیتی ہے۔ بس میرا ضمیر مطمئن ہوگیا ہے کہ میں نے اپنے باپ کے قاتل سے بدلہ لے لیا ہے۔''

انسپکٹر نے طویل سانس لیتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔ وہاں سے چاقو اٹھایا۔ اور کمرے میں موجود سمیر کی لاش کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ پھر باہر کھڑے اہلکاروں کو آواز دی۔ وہ فوراً کمرے میں داخل ہوگئے۔

تب انسپکٹر بولا۔ ''لاش کو اٹھوانے کا بندوبست کرو۔ سہانا بی بی نے اپنے دفاع کے طور پر گولی چلائی۔ جس کی بدولت شوہر کی موت واقع ہوگئی۔ اس لئے ہمیں کوشش یہی کرنی ہے کہ سہانا بی بی پر حرف نہ آنے پائے اور عدالت انہیں باعزت بری کردے۔''

سپاہیوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور لاش کو فرش سے اٹھانے لگے۔

سہانا تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ آگے بڑھی اور بیڈ کے کنارے بیٹھ کر تشکر آمیز نگاہوں کے ساتھ انسپکٹر نصیر احمد کی جانب دیکھنے لگی۔

عشق ناگن

قسط نمبر: 13

ایم الیاس

چاہت خلوص اور محبت سے سرشار دلوں کی انمٹ داستان جو کہ پڑھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گی کہ دل کے ہاتھوں مجبور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے بے شمار جان لیوا اور ناقابل فراموش مراحل سے گزرتے ہوئے بھی خوشی محسوس کرتے ہیں اور اپنے وجود کے مٹ جانے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ حقیقت کہانی میں پوشیدہ ہے۔

یہ دنیا رہے نہ رہے لیکن کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔ انہی الفاظ کو احاطہ کرتی دلگداز کہانی

آکاش نے جو اس کے منہ پر گھونسہ مارا تھا وہ اپنی پوری قوت جمع کر کے...... شیوناگ کا جبڑا کسی نرم ربڑ کی طرح تھا جس میں وہ گھونسہ اس کے جبڑے میں گھستا چلا گیا۔ پھر آکاش نے گھبرا کے ہاتھ واپس کھینچنا چاہا لیکن اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔

شیوناگ نے بڑی مکاری اور چالاکی سے اپنی شکتی کے سہارے اس کا داہنا ہاتھ اپنے جبڑے میں جکڑ لیا تھا...... آکاش نے ہاتھ نکالنے کے لئے اپنا پورا ہاتھ زور سے جھٹکا اور پورا زور لگا دیا تو شیوناگ کے حلق سے ایک خوف ناک غراہٹ بلند ہوئی۔ اس نے آکاش کا ہاتھ جیسے کسی شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔ آکاش نے محسوس کیا کہ اس کے دانت نوکیلے نیزے بن گئے ہیں جو چبھتے جارہے ہیں اور اس کے دانتوں کی چبھن ناقابل برداشت ہونے لگی تھی اور اس کا بدن بے جان سا ہونے لگا تھا...... آکاش کی اس حالت سے فائدہ اٹھا کے شیوناگ کسی لومڑی کی عیاری کے ساتھ نیچے سے اٹھنے لگا۔ آکاش اپنے ہاتھ کو مزید تکلیف سے بچانے کے لئے کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے سیدھا کھڑا ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اور اپنے جسم کی طاقت کو جمع کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''شیوناگ جی......! اس کا ہاتھ چباڈالو...... اسے معذور اور اپاہج کر ڈالو...... یہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے کسی قابل رہنے دیا جائے...... اس کی شکتی کو پامال کردو شیوناگ جی......!'' جل کماری ہذیانی لہجے میں پوری قوت سے چیخی تو اس کے سینے میں سانسوں کا زیرو بم ہچکولے کھانے لگا تھا۔

یک بیک آکاش کے ہاتھ میں شدید درد ہونے لگا وہ شیوناگ کی سفاکی اور تیز دانتوں کی چبھن کو سہہ اور تاب نہ لا پا رہا تھا کہ اس پر ایک افتاد آن پڑی تھی...... وہ ٹھیک سے سیدھا پوری طرح ہو بھی نہیں پایا تھا کہ شیوناگ نے پوری قوت سے اس کے پیٹ میں اپنا داہنا گھٹنا دے مارا تو وہ بری طرح چیختا ہوا دہرا ہوگیا۔ شیوناگ نے اس کا ہاتھ اپنے جبڑے کی گرفت سے آزاد کردیا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کا ہاتھ مگرمچھ کے جبڑے کی گرفت میں تھا۔ وہ جیسے لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گرا اس کی پیٹھ پر شیوناگ نے ٹھوکر رسید کی تو وہ کسی گیند کی طرح جل کماری کے قدموں میں گر گیا۔

اپنی تکلیف اور بے بسی کے احساس نے اسے غضب ناک کردیا اور اس کی حالت غصے اور نفرت سے ایک جنونی کی طرح ہوگئی تو اس نے پوری قوت جمع

کر کے جل کماری کی دونوں ٹانگیں پکڑ کے کھینچ لیں۔ وہ بے پردہ بدن کے عالم میں اس پر آن گری تو زور سے چیخی تاکہ شیوناگ اس کی مدد کرے...... اس وقت چوں کہ آکاش پر اندھا دھند جنون سوار تھا اس لئے اس نے کسی بات کی پروا نہیں کی اور نہ ہی اسے کوئی ہوش تھا۔ اسے اپنی وحشیانہ گرفت میں دبوچ لیا۔

جل کماری نے آکاش کی گرفت سے نکلنے کے لئے اپنی ساری طاقت صرف کردی۔ پھر اس نے بلبلاتے ہوئے اپنے دانت آکاش کی گردن میں ایک چڑیل کی طرح گاڑ دیئے...... آکاش کا جنون اور بڑھ گیا۔ اس نے جھلا کے جل کماری کے مرمریں بدن کے نازک حصوں پر دو تین ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ وہ نڈھال سی ہوگئی اور اس کا انگ انگ پسینے میں ڈوب گیا۔

ابھی وہ جل کماری سے نمٹنے اور اس پر دوبارہ قابو نہ پایا تھا کہ شیوناگ اس پر دوبارہ کسی درندے کی مانند جھپٹ پڑا تھا۔ اس مرتبہ اس نے آکاش کی گردن دبوچ لی تھی۔ شیوناگ کے ہاتھ تیزی سے اس کے بدن پر حرکت کرنے لگے تو وہ سمجھ گیا کہ شیوناگ اس کے گلے میں جو منکا بندھا ہوا ہے تلاش کررہا ہے۔ پھر اس کے ہاتھ بے اختیار منکے کی طرف بڑھ گئے...... لیکن یہ محسوس کر کے اس کا سینہ دھک سے رہ گیا کہ منکا اس کے گلے سے غائب ہے۔ ادھر شیوناگ کے ہاتھ بڑی بے تابی اور سرعت سے منکا ٹٹول رہے تھے...... آکاش کو خیال آیا کہ شیوناگ کے خون آشام ہڑبونگ اور کش مکش سے منکا اس کے گلے سے گر چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ شیوناگ اس کے گلے سے زمین پر گرے ہوئے منکے کو ڈھونڈ پاتا معاً آکاش کی نگاہ زمین پر پڑے منکے پر پڑی جسے اٹھانے کے لئے جل کماری آہستہ آہستہ اس طرف کھسک رہی تھی۔ اس نے تڑپ کر شیوناگ کی آہنی گرفت سے نکلنا چاہا۔ لیکن وہ موذی جونک کی طرح اس کے بدن سے لپٹا ہوا تھا اور آکاش کو ملنے تک نہیں دے رہا تھا۔

چند ثانیوں میں اچانک اور غیر متوقع نہ جانے کیا ہوا کہ شیوناگ نے بوکھلا کے آکاش کو اپنی گرفت سے نکال دیا جیسے کسی نادیدہ طاقت نے اسے مجبور کردیا ہو۔ آکاش نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تو اسے اپنی نظروں پر جیسے یقین نہیں آیا۔ وہ ایک سمت دہشت زدہ سا ہو کے اپنی جان بچا کے اس طرح سے سر پر پیر رکھ کے بھاگ اٹھا تھا جیسے موت اس کے تعاقب میں ہو۔

یہ دیکھ کے آکاش کے لئے حیرت اور خوشی کی بات نہ رہی تھی کہ امرتا رانی وہاں آچکی تھی۔

اس سے پہلے کہ جل کماری وہ منکا اٹھاتی امرتا رانی نے برقی سرعت سے زمین سے منکا اٹھالیا تھا۔ آکاش کو یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ شیوناگ کو اپنی شکتی کے بل بوتے پر اس بات کا فوری علم ہوگیا تھا کہ امرتا رانی نے آتے ہی منکے کو اپنے قبضے میں کرلیا ہے۔ اس لئے وہ اپنی جان بچا کے بے تحاشا بھاگ نکلا ہے۔ امرتا رانی منکا کے ہاتھ آتے ہی وہ دوبارہ نہ صرف پراعتماد بلکہ دوبارہ پر جلال اور باتمکنت دکھائی دیتی تھی۔ وہ بڑے شاہانہ انداز سے کھڑی تھی۔

آکاش نے زمین سے اٹھ کے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو اس کی مسرت دو چند ہوگئی تھی۔ کیونکہ امرتا رانی ایک مہارانی کی طرح بڑے گھمبیر تیوروں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے برابر میں سنگیت موجود تھی اور ان کے نزدیک جل کماری کا اکلوتا بیٹا زمین پر بڑی بے چینی سے بل کھا رہا تھا۔ جل کماری آکاش کے ہاتھوں درگت بننے کے بعد ابھی تک زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کی خوف سے منجمد آنکھیں اپنے بیٹے پر جمی ہوئی تھیں جس کے تیوروں سے بغاوت جھانک رہی تھی۔ جیسے کچا چبا جائے گی۔

''جل کماری......!'' امرتا رانی کی تمکنت سے بھری آواز خاموش فضا میں گونجی۔ ''تمہارے من کا پاپ...... عیش و عشرت اور غلاظت اور آلودگی اب تمہارے لئے ہی کٹھنائیاں پیدا کرے گا...... تم نے آکاش جی کے ساتھ کیف و نشاط کے مزے اڑانے کے لئے میرا سودا چکانے اور مجھے تباہ و برباد کرنے کے لئے

شیو ناگ سے کتنی کوشش اور جتن کئے...... کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی...... لیکن تمہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا...... پر کیا ہوا...... تمہارے بیٹے نے ہی مجھے بچالیا۔''

''مجھے اس کا ڈر اور خوف تھا۔ میں جانتی تھی کہ میرا بیٹا تمہارے پریم اور بدن کی حشر سامانیوں کا اسیر بنا اور غلام بنا ہوا ہے...... اور تم نے اس پر اپنی مہربانی اور فیاضی کا ایسا جادو چلایا کہ وہ تمہاری مکاری کے جال میں پھنس گیا...... کیا تم سمجھتی ہو کہ تم نے جو میرا کھیل بگاڑا ہے تمہیں شما کر دوں گی...... تمہیں اس فریب کا کشٹ اٹھانا ہوگا۔ تم میرے ہاتھوں ہرگز ہرگز بچ نہ سکو گی۔''

جل کماری کی آواز نفرت، حقارت اور غصے سے کانپ رہی تھی۔ وہ خشونت بھری آواز میں بولی تھی۔

''کشٹ......؟'' امرتا رانی استہزائیہ لہجے میں بولی تو اس کے لہجے میں تمسخر بھی تھا۔ اب منکا میری ملکیت میں ہے...... شاید تمہیں اس بات کا علم ہو کہ دو صدی قبل یہ منکہ میری ملکیت تھا جو مجھ سے کھو گیا تھا۔ اور میں اس کی تلاش میں خوار ہوتی رہی...... یہ منکا ایک سنیاسی کے ہاتھ لگ گیا تھا جو اس نے آکاش کی نیکی اور جذبۂ انسانیت سے متاثر ہو کے اسے دان کر دیا تھا...... تم یہ مت بھولو کہ میں اوٹی نگر کی رانی ہوں...... اور پھر میری شکتی لوٹ آنے کے بعد جل منڈل میں مجھے کوئی نیچا دکھا دے کسی کی ہمت نہیں ہے...... اب تم یہ بات جان چکی ہو کہ مجھے دیوتاؤں کی سہائتا مل چکی ہے...... سمجھی احمق......!''

''تم مجھے بے وقوف بنا رہی ہو میں تمہاری اس بکواس کو خوب سمجھ رہی ہوں۔'' جل کماری کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔ ''لیکن تو ایک بات کان کھول کے سن لے...... تو اپنے عاشق آکاش کو جل منڈل سے کسی قیمت پر نکال نہ سکے گی اور اسے دنیا کی کوئی شکتی اگن پوجا کے تہوار پر اکھنڈ کی بھینٹ چڑھنے سے بچا نہ سکے گی۔ تو کسی خوش فہمی یا فریب میں نہ رہنا۔''

''کلنکنی...... تو یہ چاہتی ہے کہ آکاش کو پھر سے بستر کی زینت بنا کے رنگ رلیاں منالے......'' امرتا رانی نے بپھر کے غصے سے جواب دیا۔ ''تیرے یہ سپنے کبھی پورے نہ ہوں گے۔ وہ سب ملیامیٹ ہو جائیں گے۔''

غار میں پھیلی ہوئی دھندلاہٹ اور گہری ہو کے خوابناک سی ہو گئی تھی۔ سنگیت اس وقت ایک نغمہ بن گئی تھی۔ سات سروں کی دنیا میں ہر سر قوس قزح کا ایک رنگ بن گیا اور سینکڑوں چاند جیسے اس غار میں طلوع ہو گئے۔ وہ اس چاند اور اس کی منجمد چاندنی کو دیکھنے لگا۔ تو بہ شکن خمار میں ایسا کھویا کہ اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی تھی۔ جل منڈل کی بھیانک اور خوفناک سرزمین پر اپنے طویل قیام کے دوران میں اس پر پہلی بار ایک ایسی دنیا کا انکشاف ہوا تھا جس میں زندگی کی حرارتیں اور شباب کی عنایتیں اس پر مہربان ہوئی تھیں جو بڑی انوکھی اور لطیف سی تھیں۔ اس کی زندگی میں جو جو تا گنیں آئی تھیں سنگیت نے انہیں ماند کر کے اس کی زندگی میں جو بند تھے اس نے کھول دیئے تھے۔

''میرا عشق جذباتی اور جز وقتی نہیں ہے۔'' سنگیت بولی۔ ''آکاش......! تم دیوتا ہو...... سپنوں کے دیوتا...... تمہاری کہاں پرستش اور پوجا نہیں ہوتی ہے...... امرتا رانی تمہارے پیچھے دیوانی ہوتی جارہی ہے...... کیا میں نہیں سمجھتی ہوں کہ اس پر تمہارا کیا جادو کام کر رہا ہے......'' وہ کھنکتی آواز میں کہہ کے ہنس پڑی۔ ''تم کتنے بڑے جادوگر ہو۔ پل بھر میں ہر کسی کو اپنے جادو میں جکڑ لیتے ہو۔''

''تم بھی کسی جادوگرنی سے کم نہیں ہو......!'' آکاش ہنس پڑا۔ ''ہاں تو...... امرتا رانی کہاں گئی؟'' اس نے سابقہ سوال دہرایا۔

''ناگ راجہ تو تین دن ناگ بھون سے باہر رہنے کے بعد واپس لوٹ گیا۔ ہم ناگ بھون کہتے ہیں۔ اوٹی نگر دنیا کہتی ہے۔ اب چوں کہ امرتا رانی بغیر منکا کے شیو ناگ سے ٹکر لے سکتی ہے۔ اس لئے اس نے منکا واپس کر دیا۔ اس لئے کہ اسے تمہاری فکر کھا رہی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ تم پر کوئی آنچ آ جائے اور تمہیں کچھ ہو جائے۔'' سنگیت اسے مخمور نگاہوں سے دیکھنے لگی......

"سچ پوچھو تو میں بھی تم سے ایسا پریم کرتی ہوں کہ اس کی کوئی حد اور مثال نہیں..... لیکن امرتا رانی والی بات مجھ میں کہاں ہے..... اگر اگنی ناگ نے جل منڈل اگن پوجا کے تہوار پر تمہاری بھینٹ سوئیکار کرلی تو امرتا رانی تمہارے سوگ میں رو رو کے اندھی ہوجائے گی اور جیون بھر پاگل رہے گی۔ جیسے جیتے جی مرجائے گی۔ اس لئے وہ اجل بھومی سے دیوتاؤں کے سنسار گئی ہے جہاں وہ اروشی کی بنتی کرے گی کہ اگن دیوتا تمہاری بھینٹ سوئیکار نہ کرے۔ تم پر دیا کرے۔"

"یہ اروشی کون ہے.....؟" آکاش نے حیرت سے پوچھا۔ اس نے پہلی بار یہ نام سنا تھا۔

"یہ حسن، خوب صورتی کی ایسی دیوی جس کی جوانی کسی آتش فشاں سے کم نہیں ہے۔ اور وہ امرتا رانی پر ہزار جان سے سدا سے ہی مہربان ہے۔" سنگیت اسے بتانے لگی۔ "صرف ایک اروشی دیوی ہے جو صرف اگن دیوتا کو سمجھا سکتی ہے۔ اگن دیوتا جو جل منڈل میں اگنی ناگ کے روپ میں درشن دیتا ہے۔ وہ تمہاری خاطر اروشی دیوی کو رام کرنے گئی ہوئی ہے۔ بڑے ارمانوں سے۔"

یہ سن کے آکاش کے دل میں خوف کی لہر اٹھی۔ اب یہ زندگی اور موت کا سنگین اور نازک معاملہ تھا۔ اسے اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ اس قدر گھمبیر بھی ہوجائے گا اور وہ اس خوف ناک دوراہے پر اپنے مقدر سے بے خبر حسن کی رنگینیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اگنی دیوتا کون ہے.....؟" آکاش نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"آکاش جی..... دیوتاؤں کو کون جانتا ہے۔" سنگیت نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "بس پرکھوں سے سنتے آئے ہیں، اس کی بڑی شکتی ہوتی ہے۔ ناگوں کی ہر جاتی میں اگنی دیوتا کی پوجا کی جاتی ہے۔ وہ بڑے مہان ہیں۔" سنگیت نے گہرا سانس لیا۔

"تو کیا یہاں مجھے اگنی دیوتا کی مورتی کی بھینٹ چڑھایا جائے گا.....؟" اس نے سنگیت سے اور قریب ہو کے سوال کیا۔

"مورتی نہیں.....؟" سنگیت نے پرخیال لہجے میں جواب دیا۔ "میں تمہیں بتاؤں کہ جل منڈل میں ایک بہت ہی قدیم اگن کنڈ ہے جہاں سے سدا سے آگ جلتی آرہی ہے۔ کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی بتا سکتا ہے کہ اس اکھنڈ میں پراسرار اور غائبانہ طور پر ایندھن کہاں سے آتا ہے..... وہیں اکھنڈ اگنی دیوتا کی پوجا پاٹ کا ٹھکانہ ہے۔ اور ہزار برس گزر جانے کے بعد جب اگنی پوجا کا تہوار آتا ہے تو درشن کے اشلوک پڑھنے کے سمے میلوں اوپر اٹھتی ہوئی اس آگ میں سے اگنی دیوتا..... اگن ناگ کے روپ میں باہر نکلتا ہے اور کنڈ کے سر پر اپنے چمکیلے بدن کی کنڈلی مار کے بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اس کی شان، دبدبہ اور رعب بڑا انوکھا اور دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔ اگر تمہاری بھینٹ دی گئی تو کنیر کی پتیوں سے بے سدھ کرکے ناگ کے سامنے ڈالا جائے گا۔ اور وہ تمہیں ڈس کے تمہاری بھینٹ لے لے گا۔ اس طرح اس کی شکتی میں لازوال اضافہ ہوجائے گا۔"

"کیا اگنی پوجا ہزار برس کے بعد ہوتی ہے؟" آکاش نے حیرت سے دریافت کیا۔

"ہاں....." سنگیت نے اپنا سر اثبات کے انداز میں ہلادیا۔ "ایک طرح سے ہزار برس کا ہی پھیر پڑتا ہے۔ کنڈ میں جلتی ہوئی آگ کے شعلے جب اوپر اٹھ اٹھ کے اگن ناگ کا شبھ روپ دھارنے لگتے ہیں تو اس میں سے تیس پہر کے بعد اگن پوجا شروع ہوجاتی ہے۔ یہ ایک روایت ہے جانے کب سے چلی آرہی ہے۔"

اپنی متوقع قربان گاہ یہ پراسرار اور ماورائی تفصیلات سن کے اس کا حوصلہ پست پڑنے لگا۔ اپنی محبوب بیوی نیلم کی بازیابی کے پھیر میں پڑ کے وہ ایک ایسے شیطانی اور خبیث دھندے میں آپھنسا تھا جہاں ہر وہم ایک تلخ اور بھیانک حقیقت کا زندہ روپ لئے موجود تھا..... یہ زندہ صدیاں تھیں اور جانے کب تک زندہ رہیں گی..... وہ دو باتیں سچائیوں کا پیکر بن کے

سامنے آرہی تھیں جنہیں سوچ سوچ کے ہنسی آتی تھی...... گو کہ وہ ابھی تک اوٹی نگریا کالی راجدھانی نہیں پہنچا تھا، لیکن جل منڈل کا راستہ اور یہاں کے روح فرسا حالات دیکھ کر ہی اسے اس اجنبی دنیا کی تصویر سامنے نظر آنے لگی تھی۔

اس نے بڑے کرب اور اذیت سے اور جذباتی ہو کے سوچا کہ...... اب وہ زندگی کے اس موڑ پر آپہنچا ہے کہ جہاں اس کی تقدیر زمین پر رینگنے والے حقیر کیڑوں کی مرضی کی پابند ہوگئی ہے اور اب اس کا ہر سانس ان موذیوں کی غایات کا طفیل ہے تو میں کیوں نہ جل کماری سے اپنی گستاخیوں پر سمجھوتہ کرلوں؟ وقت اور اپنی غرض سے فائدہ اٹھاؤں۔

اگر اس کی زندگی بھیک میں مانگی ہوئی زندگی نے وفا کی تو جل منڈل سے نکل کے ایک بار پھر وہ نیلم کے لئے قسمت آزمائی کر سکے گا ورنہ اس ناپاک اور نحوست سے بھری دھرتی پر ایسی موت مرجائے گا کہ آنسو بہانے والا کوئی نہ ہوگا۔ اسے اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ منکا جل کماری کی شکتی سے اس کا بچاؤ کردے گا۔ وہ دنیا کی ہر تکلیف، درد اور زخموں کی تاب لاسکے اور سہہ لے گا...... لیکن دیوتاؤں کے آگے امرتا رانی کی کوئی صلاحیت اور طاقت اس کا بچاؤ نہ کرسکے گی۔

''میری جان سنگیت......؟'' بڑی دیر تک سوچ بچار کرکے اس نے پیار بھرے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔''میری ایک بات تو سنو۔''

''کیا بات ہے میرے من کے دیوتا......!'' سنگیت کا بدن رسایا۔ وہ تھکی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ایک نہیں دس باتیں سننے کو تیار ہوں۔''

''میں جل کماری سے ملنا چاہتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے آکاش نے محسوس کیا کہ اس کی آواز میں شکست خوردگی کا اضمحلال بسا ہوا ہے۔

''کیوں......؟'' وہ بڑے زور سے چونکی۔ اس طرح جیسے اسے آکاش کی بات کا یقین نہ آیا ہو۔ اس کے لہجے میں حیرت بھری ہوئی تھی۔

''نہ صرف میرا جسم بلکہ میری آتما بھی گناہوں سے اس قدر آلودہ ہوچکی ہے کہ اس میں سے تعفن اٹھنے لگا ہے۔'' وہ شکستہ آواز میں بولا۔ اس کے لہجے سے مایوسی اور نامرادی ظاہر ہورہی تھی۔ ''جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ اول تو اروشی دیوی، امرتا رانی کی بات مان بھی گئی تو...... رانی کی بات ناگ نہیں مانے گا......؟ ہرگز نہیں......تم نے اس پہلو پر غور کیا......اس بھاگ دوڑ اور جان لیوا معرکہ آرائی سے میں اکتا چکا ہوں۔ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مرنا نہیں۔ مجھے زندگی عزیز ہے۔''

''تم جل کماری سے کیا اس لئے ملنا چاہتے ہو کہ اس نے تمہاری راتیں رنگین اور حسین بنادیں۔ ایک ایک رات ناقابل فراموش کردی تھی......''

''تو وہ کس بات پر اتنا گھمنڈ کررہی ہے......؟ اترا رہی ہے!'' جل کماری سے حقارت سے فرش پر لہراتے ہوئے اپنے لڑکے کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ ''یہ میری اولاد تو ہے...... پر کوئی جل ناگ میرے آگے دم نہیں مار سکتا...... اگر اس نے میرے مقابلے پر آنے کی حماقت کی تو میں اسے روند کے رکھ دوں گی۔ میں اس پر رحم نہیں کھاؤں گی۔ یہ بات نہ بھول......''

جیسے ہی جل کماری کی زبان سے نکلا ہوا جملہ پورا ہوا۔ زمین پر پڑا ہوا ناگ تیزی سے مچلا، اچھلا اور بل کھایا۔ اس کا کسی کھوکھلے تھیلے جیسا بدن لوہے کی طرح سخت ہوگیا اور اس نے غضب ناک آواز میں پھنکار کے جل کماری پر حملہ کردیا۔

''او مورکھ......! تو اس حرافہ کی خاطر اور اس کے عشق میں اندھا ہوکر نرک کی آگ میں کیا جل جانا چاہتا ہے......'' جل کماری نے ہذیانی لہجے میں چیخ کے آسمان سر پر اٹھالیا۔ ''تو بھسم ہوجائے گا۔''

''دیکھ پاپن......!'' تیرا ہی خون اب تیرے ہی منہ آرہا ہے......اب یہ اس وقت تک تیری آنتوں میں کنڈلی مار کے بیٹھا رہے گا تاوقتیکہ میں آکاش جی کے ساتھ جل منڈل سے نکل کے اجل بھومی تک نہ پہنچ جاؤں۔'' امرتا رانی نے بڑے زور سے قہقہہ مارا اور

ہنسی۔ ''اب یہ میرے اشاروں پر ناچے گا۔ تجھے خاطر میں لانے سے رہا۔''

یہ سنتے ہی جل کماری اپنی جگہ سے کوئی دس بارہ فٹ اوپر اچھلی اور پھر دوبارہ زمین پر دھم سے آ گئی۔ زمین پر قدم رکھتے ہی اپنے اصلی روپ میں آ گئی، اب آکاش کے سامنے خوب صورت اور شعلہ بدن جل کماری کے بجائے ایک پھولی ہوئی بدوضع کھال والا لمبا سا جل ناگ موجود تھا۔ آکاش نے حیرت سے سوچا کہ اس نے کیسا حسین روپ دھارا ہوا تھا۔

غضب ناک پھنکاروں، غراہٹوں اور وحشیانہ بھاگ دوڑ کے ساتھ آکاش کی نظروں کے سامنے ایک زبردست ٹکراؤ کا آغاز ہو گیا۔ دونوں جل ناگ جن کے درمیان ماں اور اولاد کا رشتہ تھا بڑے خون آشام انداز میں ایک دوسرے پر خطرناک حملے کر رہے تھے۔

ایک مرتبہ چھوٹا جل ناگ اپنی ماں پر حاوی ہو گیا تھا۔ اس نے ایک داؤ سے کسی طرح جل کماری کی دم اپنے منہ میں دبوچ لی۔ وہ بری طرح درد کی شدت سے تڑپی لیکن اس نے ناگہانی مصیبت سے چھٹکارا نہ پاسکی تھی۔ اس نے اپنی پوری طاقت اپنے بے ہنگم اور بھدے جسم کو فضا میں اچھالا اور اس کے ساتھ راج بھون کے اس حسین اور خواب ناک اور آراستہ و پیراستہ کرنے کے درو دیوار سے بے شمار، منوں وزنی اور خوف ناک جل ناگ ابل پڑے۔

آکاش وحشت زدہ سا ہو گیا۔ ایک خوف کی لہر کسی چاقو کی نوک کی طرح سنسنی بن کے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اتر گئی۔ وہ سراسیمہ ہو کے امرتا رانی کے قریب چلا گیا۔ اسے ڈر سا ہو گیا تھا کہ یہ سارے جل ناگ اس پر جیسے پل پڑیں گے۔ لیکن وہ سارے جل ناگ ایک ایک کر کے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے چھوٹے جل ناگ پر ٹوٹ پڑے گا۔ اس چارطرفہ اور وحشیانہ حملے کی بربریت سے گھبرا گیا اور اس نے بدحواس ہو کے جل کماری کی دم چھوڑ دی۔ جل کماری تیزی سے ایک طرف سرک گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان سارے جل ناگوں نے اس کے اکلوتے بیٹے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ان ٹکڑوں کو سمو چا نگل گئے۔

اس کریہہ اور خونی منظر سے آکاش کے اعصاب کو ہلا کے رکھ دی۔ اوہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ ماں اپنے بیٹے کا یہ عبرتناک انجام کرے گی۔ اس نے بس یہ عجیب وغریب اور ناقابل یقین منظر یہ دیکھا کہ وہ سارے جل ناگ اپنی جل کماری کے باغی کو نگلنے کے بعد پراسرار طریقے سے ایک دم سے غائب ہو گئے اور پھر جل کماری ایک مرتبہ پھر انسانی روپ میں آ گئی۔ پھر وہ تیورا کے فرش پر گر گیا۔

جب آکاش دوبارہ ہوش میں آیا تو اسے اپنے بدن میں نوکیلے پتھروں کی سی چبھن محسوس ہوئی۔ اس کا سارا بدن اس طرح دکھ رہا تھا جیسے بہت سے پہلوانوں نے مل کے اس کے بدن پر چابک برسائے ہوں۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک عجیب وغریب پہاڑی غار میں قید پایا۔ جس کی دیواریں بالکل سیدھی اور کھردری تھیں۔ یہ غار بہت تنگ اور ساخت کے اعتبار سے کنواں سا لگتا تھا۔ اس کے چاروں طرف اس تنگ غار کی دیواریں تھیں اور اس کا دھندلایا ہوا دہانہ چالیس پینتالیس فٹ کی بلندی نظر آتا تھا۔

''ڈرو نہیں...... میں تمہارے پاس ہوں...... قریب ہوں۔'' کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کے دلاسا دیا۔ ''بے فکر رہو......''

اس غنودگی کے عالم میں اسے لمس محسوس ہوا کسی کا......؟ کہیں شیو ناگ یا جل کماری تو نہیں...... کیوں کہ وہ خوف کی حالت میں تھا اس لئے اچھل پڑا۔ اور پھر اس کا ذہن مفلوج سا ہو رہا تھا۔ کسی بات کی تمیز نہیں ہو پا رہی تھی۔

اس نے اپنی آنکھیں پوری کھول دیں اور سر جھٹک دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جو دھند تھی وہ چھٹ گئی۔ لیکن جب اس نے سوندھی خوشبو کی مہک اس نے محسوس کی جو کسی عورت کے بدن سے اٹھنے والی تھی۔ وہ اس لمس اور آواز سے جل کماری سمجھا تھا۔ لیکن اسے پھر یہ

خیال آیا کہ یہ جل کماری کیسے ہوسکتی ہے؟ لیکن جب اس کی نگاہوں نے سنگیت کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تب اس کی جان میں جان آئی...... اس نے لمحے کے لئے سوچا کہ کہیں وہ سپنا تو نہیں دیکھ رہا ہے...... لیکن یہ سپنا نہیں حقیقت تھی۔

''کیا تم میری جان سنگیت......! کیا یہاں تم بھی میرے ساتھ قید ہو......؟'' آکاش نے چند لمحوں کے بعد توقف کرکے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''نہیں......'' سنگیت نے نفی میں سر ہلادیا۔ ''میں امر تارانی کی شکشا پر یہاں آئی ہوں۔'' اس نے جواب دے کر آکاش کا ہاتھ تھام لیا۔

''اور امر تارانی کہاں ہے......؟'' وہ دکھائی نہیں دے رہی ہے؟'' آکاش نے تشویش سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ جل منڈل سے نکل کے دیوتاؤں کے سنسار گئی ہے۔'' سنگیت نے جواب دے کے اس کا ہاتھ چوم لیا۔ ''شانتی رکھو۔ پریشان نہ ہو۔''

''لیکن اسے یہاں سے جانے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟'' آکاش کی آواز گلے میں گولے کی طرح اٹک گئی۔

''میں جل بھومی تک اس کے ساتھ گئی تھی۔ کیوں کہ منکا کے بنا امر تارانی اپنی شکتی سے جل منڈل میں کام نہیں لے سکتی تھی۔'' وہ آکاش کو بتانے لگی۔ ''اجل بھومی پہنچنے کے بعد امر تارانی نے اپنا منکا مجھے دے کر تمہارے پاس جانے کے لئے کہہ دیا اور یہ بھی کہا کہ میں اس کا منکا تمہیں پہنچادوں۔ کیوں کہ اس کی تمہیں اشد ضرورت تھی۔ امر تارانی کو یہ ڈر خوف تھا کہ جل کماری کی قید میں تمہیں کہیں جان کے لالے نہ پڑ جائیں۔ اسے تمہاری کتنی فکر ہے؟ کتنی محبت ہے؟ اس کا اندازہ کر سکتے ہو؟''

سنگیت نے اپنی بات ختم کرکے اپنے گلے سے منکا کی ڈوری نکال کے اس کے گلے میں ڈال دی تو اس کے بدن کو منکا کے لگتے ہی اسے ایسا لگا کہ ایک نئی زندگی مل ہو۔ اس کے وجود میں توانائی کے بجائے بجلیاں کوندنے لگیں اور وہ اپنے آپ کو ایک طاقتور انسان محسوس کرنے لگا۔ کچھ دیر قبل اس میں جو نقاہت تھی اور بدن میں درد کی شدت اور تکلیف اس کا نام ونشان نہیں رہا۔ اس کا ذہن بھی تازہ دم ہوگیا تھا۔ کسی احساس کا اثر نہیں رہا۔

آکاش نے محسوس کیا کہ سنگیت بھی اس سے دیوانگی کی حد تک محبت کرنے لگی ہے۔

''میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ میرے من کے نہاں خانوں میں تمہارے پریم کی آگ میں کتنی شدت اور تپش ہے...... مجھے اپنے پوتر شریر میں چھپالو...... سنگیت کی آواز اس کے جذبات کی شدت سے کانپنے لگی تھی۔ آکاش کو یک لخت اس بات کا احساس ہوا کہ اسے سنگیت کے قرب کی بھی اشد ضرورت ہے۔ وہ بڑی مخلص اور ہم دم بھی ہے۔

سنگیت نے کوئی منتر پڑھ کے زمین پر پھونکا تو اب وہاں نوکیلے پتھروں کی بجائے مہکتی کلیوں اور پھولوں کی سیج تھی۔ اس کے بدن بدن میں جو پتھر چبھے تھے اب ان کی جگہ ان پھولوں کا لمس اسے فرحت پہنچانے لگا۔

سنگیت نے توقف کرکے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اسے آکاش کی بات سن کے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ پھر وہ پیار بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

''آکاش جی......! سچ سچ بتاؤ......؟ کیا میں اور امر تارانی جل کماری سے کہیں زیادہ حسین نہیں ہیں کیا۔ ہم نے تمہیں اس سے زیادہ خوش نہیں کیا......؟ وہ تو صرف جسم کی بھوکی تھی اور ہے بھی...... لیکن ہم نے تمہیں کتنی محبت اور شدت سے چاہا۔ کیا تم نے اس میں سرد مہری محسوس کی؟''

''نہیں...... نہیں...... میری جان سنگیت......'' اس نے سنگیت کے نازک، سڈول اور خوب صورت ہاتھ تھام لئے۔ ''کبھی میرے لئے کوئی لڑکی یا عورت نیلم سے کہیں حسین اور محبت کرنے والی نہیں رہی...... لیکن میں کیا کروں کہ مجھے حالات اور حادثے کی زد میں آکر غلاظت کے دلدل میں گرگیا...... میرا پیر جو پھسلا تو پھسلتا چلا گیا۔ کبھی بھی میری کمزوری عورت اور اس کا

بدن نہیں رہا۔ میں دلدل میں کیا گرا؟ نکل ہی نہیں رہا ہوں۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ آخر تم کیوں اور کس لئے اس سے ملنا چاہتے ہو......؟" سنگیت کی آواز میں اب بھی حیرت اور تجسس تھا۔ جب کہ اس نے صاف صاف واضح کردیا تھا کہ اسے جل کماری کے قرب کی کوئی ضرورت نہیں۔ "کیا تمہارے خیال میں وہ تمہاری آتما کا بوجھ ہلکا کردے گی؟"

"وہ کیا جانے کہ آتما کیا ہوتی ہے......" آکاش نے جواب دیا۔ "وہ جسم اور جذبات کا بوجھ ہلکا کرسکتی ہے۔ بس تم مجھے اس سے ملادو۔ میری ایسی کوئی تمنا اور خواہش نہیں ہے میں اس کی مہربانی اور فیاضی سے فائدہ اٹھاؤں۔ اسے ہر طرح سے خوش کروں۔ میں ایک جواری کی طرح زندگی کے لئے ایک آخری داؤ لگانا چاہتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔" وہ جذباتی ہوگیا۔ آواز بھرا گئی تھی۔ "اس قدر پریشانی...... ہراساں نہ ہو...... آکاش جی......!" سنگیت نے اس کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرکے اس کی پرنم آنکھوں میں جھانکا۔ "تم اپنی جان اس قدر ہلکان کیوں کرنے لگے ہو۔ اروشی دیوی امرتا رانی کی ہر بات مان جاتی ہے۔ وہ یہ بات بھی مان جائے گی۔ ویسے میں تمہاری آشا پوری کروں گی کہ جل کماری سے بھی ملوادوں گی...... شاید تم نہیں جانتے ہو کہ وہ تمہاری جدائی اور فراق میں ماہئی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے۔ وہ خود ہی تمہیں راج بھون میں بلوالے گی۔ کیوں کہ تم سا مرد اس کی زندگی میں نہیں آیا۔"

سنگیت! میں کتنا بدنصیب، بدقسمت اور منحوس ہوں۔ جانے کیا بات ہے کہ میں جب بھی کوئی بازی کھیلتا ہوں ہار جاتا ہوں...... میں نیلم کے بغیر نہ صرف ادھورا ہوں، بلکہ تھک بھی گیا ہوں۔" اس نے اپنا منہ سنگیت کے سینے میں چھپالیا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ "جل کماری تمہیں پاکے خوش ہوگی یا نہ ہوگی میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔" سنگیت نے اس کے بالوں کو سہلایا۔ "تم آخر اس قدر ناامید اور مایوس کیوں ہوتے ہو۔ تم چوں کہ بہت ساری بازیاں ہار چکے ہو اس لئے دل شکستہ ہورہے ہو، لیکن اب تم کوئی بازی نہ ہارو گے؟"

سنگیت نے اس کے آنسو کو جو گالوں پر گر رہے تھے۔ اسے اپنی انگلیوں میں جذب کرلیا۔ پھر اس کے گال تھپتھپائے۔ سنگیت نے جس والہانہ انداز سے اسے دلاسا دیا اور محبت بھرے رویے نے اس کے دل کو بڑی تقویت بخشی، وہ پرسکون ہوگیا۔

پھر سنگیت نے اس سے کہا۔ "میں جل کماری کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس غار سے باہر نہیں لے جاسکتی۔ کیوں کہ یہاں اس نے اپنا جادو مسلط کردیا ہے۔ اب صرف ایک تدبیر ہے جس سے تم اس تک پہنچ سکتے ہو...... اب تم ایسا کرو کہ منکا سے کسی ایک دیوار پر آہستہ آہستہ چوٹ لگاؤ۔ اس سے پورے جل منڈل کے بھون میں آوازیں ابھریں گی اور وہ تمہیں اپنے راج بھون بلوالے گی۔"

"آکاش نے اپنے گلے سے منکا اتار کے آہستہ آہستہ غار کی ایک پتھریلی دیوار کو بجانا شروع کیا لیکن تھوڑی دیر گزر گئی اور اس کا کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا۔ اسے تذبذب میں پاکے سنگیت نے بتایا کہ وہ آوازیں ہمیں اس خندق میں سنائی نہیں دیں گی۔ لیکن ان کی زوردار گونج راج بھون میں گونج رہی ہوگی۔ جل کماری سمجھ جائے گی۔ بس اب وہ تمہیں طلب کرتی ہی ہوگی۔

آکاش نے اس منکا کو نہ صرف دیواروں بلکہ پتھروں پر بھی تھوڑی دیر تک بجایا۔ پھر منکا اپنے گلے میں پہن لیا۔ چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک عجیب وغریب اور ہیبت ناک شور خندق میں گونجا جس کی تاب نہ لاکر وہ تیورا کھا کے گرا اور بے ہوش ہوگیا۔

اس بار بھی آکاش کو کچھ اندازہ نہ ہوسکا تھا کہ وہ کتنی دیر تک بے ہوشی کی حالت میں رہا تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو راج بھون میں جل کماری کے مسند کے نیچے پڑا پایا۔ جل کماری کے تیور بڑے غضب ناک

ہورہے تھے۔وہ اپنی مسند پر بیٹھی ہوئی تھی۔

آکاش کا خیال تھا کہ جل کماری اسے دیکھتے ہی خوش ہوکے اسے سہارا دے کے اٹھالے گی اور اسے اپنی مہربانی اور محبت سے جذباتی ہوکے نہال کردے گی۔ کیوں کہ وہ اس کی وجاہت پر دیوانگی کی حد تک مرمٹی تھی۔ ایک عاشق زار محبوبہ کی طرح۔ لیکن اس کے برعکس وہ دانت پیس کر نفرت اور حقارت سے بولی اور اس کی خوب صورت آنکھیں چنگاریاں برسانے لگیں۔

''کاش......! کاش کہ مجھے اس منکے کو چھونے کی شکتی حاصل ہوتی تو میں تجھے بتاتی کہ جل کماری سے ٹکر لینا کتنا جان لیوا کام ہے؟''

''میری جان......! میری پیاری جل کماری......! تم مجھے اتنی نفرت اور حقارت سے تو نہ دیکھو ورنہ میں جیتے جی مرجاؤں گا...... مجھے شما کردو۔ میں تمہارے بغیر اس سنسار میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں اپنی شکست مانتا ہوں...... مجھے صرف اور صرف زندگی اور تمہاری محبت کی ایک نظر چاہئے۔ تم نہیں جانتی ہو کہ میں تمہاری محبت کی آگ میں کیسے جل رہا ہوں۔'' آکاش یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''مکار...... ذلیل......'' وہ بری طرح پھنکاری۔ ''کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں تیری باتوں کے فریب میں آکر تیری جھولی میں پکے پھل کی طرح گر جاؤں گی...... کیا تو مجھے بے وقوف سمجھتا ہے......تو مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کررہا ہے وہ اس لئے کہ یہ پتا چل چکا ہے کہ اروشی دیوی نے امرتا رانی کی بات ماننے سے صاف انکار کردیا ہے۔اس لئے تو میرے چرنوں کو کتے کی طرح چاٹ کے بھیک لینے آیا ہے۔''

اروشی دیوی کے بارے میں جل کماری نے جو انکشاف کیا یہ سن کے اس کا دل اچھل کے حلق میں آگیا۔اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا کہ اگن پوجا کے موقع پر اس کی زندگی کی بھینٹ ہونے سے بچانا کسی طاقت کے بس میں نہیں رہا ہے۔

''اسے بھیک ہی سمجھ لو...... میری جان جل کماری......! تمہارے تن اور من کی شیریں یادیں...... تمہاری مہربانی اور فیاضی میرے دل خلش کے خنجر کی طرح پیوست ہے...... ایشور کے لئے میرا دل نہ توڑو...... میں تمہارے چرن چھوتا ہوں...... چومتا ہوں...... مجھے اگن کی بھینٹ نہ چڑھاؤ...... میں تمہاری زندگی کو ایسی رنگینیوں اور حسن سے بھردوں گا کہ تم خواب وخیال میں سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔تم ہمیشہ میری رفاقت، والہانہ پن اور وارفتگی پر نازاں رہوگی۔'' وہ یہ کہتے ہوئے والہانہ خودسپردگی کے انداز میں بڑھا۔

پل بھر کے لئے جل کماری جیسے اس کی باتوں سے پگھل سی گئی۔عورت کی یہ بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ مرد ایک زرخرید غلام اور کٹھ پتلی بن جائے۔اور پھر اس کی تعریف؟ پھر وہ تذبذب میں پڑگئی کہ کیا کرے کیا نہ کرے......؟ اسے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہورہا، ایک راندہ خلوت آدمی کو دوبارہ قبول کرلے یا دھتکار دے......؟ چند لمحوں تک کشمکش میں مبتلا رہی۔ پھر ایک دم سے اس کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ چہرے پر سفا کی ابھر آئی تو اس نے آکاش کے سینے پر لات مار کے پیچھے دھکیل دیا۔

''مورکھ خبردار جو میرے قریب آیا۔کیا تو یہ بات نہیں جانتا کہ دیوتاؤں کی بھینٹ کبھی واپس نہیں لی جاتی۔ تیرے بھاگ میں جو لکھا ہوا ہے وہ اروشی سے پورا ہوگا۔'' جل کماری کے لہجے میں ایسی سفا کی تھی کہ آکاش سہم کے رہ گیا تھا۔

آکاش نے اندازہ کرلیا تھا کہ اس روز جل کماری کے ساتھ جو ذلالت ہوئی تھی وہ اس کا بدلہ لینے پر تلی ہوئی ہے۔ اب صرف ایک ہی تدبیر رہ جاتی تھی کہ ریاکاری اور منافقت سے کام لے،عورت جو اپنی انا کی توہین اور ذلالت کبھی نہیں بھولتی ہے۔

''میری جان...... میرے من کی رانی......! تمہاری معیت میں جو دن رات گزرتے ہیں وہ میری زندگی کا سرمایہ ہیں...... اگر میں تم سے جدا ہوگیا تو یاد رکھو...... احساس محرومیاں ہم دونوں کو ڈس لیں گی۔'' وہ جذباتی

لہجے میں بولا۔ ''اور وہ لمحات اور گھڑیاں کبھی نہیں بھول سکتی ہو۔ کیوں کہ تمہاری زندگی میں کبھی ایسی بہار اور میرا جیسا راج کمار نہیں آیا۔''

جل کماری نے اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ غور سے سنا۔ پھر اسے محبت کے انداز سے دیکھتی رہی۔ پھر قدرے پرسکون لہجے میں بولی۔

''کہتا تو وہ سچ ہے۔ میرے دل کی بات کہہ رہا ہے۔ تجھے کھو دینے کا غم مجھ کو بھی ہے...... میں شاید تجھے صدیوں تک نہ بھول سکوں گی۔ تو نے جو مجھ سے محبت کے جو میٹھے بول بولے وہ میں نے کبھی نہیں سنے اور نہ آشنا ہوئی تھی۔ تو نے صرف میرے بدن سے پیار نہیں کیا بلکہ مجھ سے کیا...... عورت محبت کی بھوکی ہوتی ہے۔ تو نے اپنی محبت سے میرا تن من خرید لیا تھا...... لیکن تو نے کیا کیا...... ذلیل ...... نیچ ...... میری اکلوتی اولاد کو میرے سیوکوں کے ہاتھ مروادیا...... اس لئے میں تیری بھینٹ دینے کی سوگند اٹھا چکی ہوں...... بھینٹ پر چڑھنے والے کو میں اپنے بستر کی زینت بنا کے اگن ناگ سے دشمنی اور بیر مول نہیں لے سکتی...... کنڈ میں جلتی ہوئی آگ کے شعلے اب اگن ناگ کا شبھ روپ دھارنے لگے ہیں۔ سترہ پہر بیت چکے ہیں اور تیرہ پہر کے بعد تیری بھینٹ چڑھا دی جائے گی...... جا اپنے جیون کے یہ سانس پرارتھنا میں پوری کرلے یا اپنی امرتا رانی کی آغوش میں وقت گزاری کرلے۔ اس سے باہم پیوست وابستہ رہے۔ یہ سوچ لے کہ اگلے جنم تک تو نرک کی آگ میں جلتا رہے گا۔ میں تجھ سے اپنی اولاد کا انتقام لے کر کتنی خوش ہوں گی تو اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔''

آکاش نے مظلومیت میں ڈوبی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اور تیز و تند لہجے میں بولا۔

''تو جھوٹ بول کے میرا حوصلہ پست کررہی ہے۔ خوف زدہ کررہی ہے، اروشی دیوی، امرتا رانی کی بات ہرگز ٹال نہیں سکے گی۔''

''جھوٹ کیا ہے؟ سچ کیا ہے؟ میں بکواس نہیں کررہی ہوں۔ تیرہ پہر بعد تو خود دیکھ لے گا؟'' اس کی مسکراہٹ، زہر بھری تھی۔ ''تو نہ صرف جھوٹی بلکہ مکار بھی ہے۔'' آکاش غرا کے اس کی طرف لپکا۔ اس کی رگوں میں لہو ابلنے لگا۔ وہ آکاش کے ردعمل کو دیکھ کے ہراساں اور سراسیمہ سی ہوگئی۔ اس سے قبل کہ اپنے بچاؤ میں کوئی قدم اٹھاتی وہ اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے دبوچ لیا اور دست درازی کرنے لگا۔ وہ اس کے قابو سے کسی نہ کسی طرح نکلی تو اسے پھر جالیا۔ اس کی نازک سی مخروطی گردن کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسی پرندے کو قابو اور بے بس کرنے کے لئے دبوچا جاتا ہے۔ وہ بے بس سی ہوکے رہ گئی تھی۔

''جل کماری......! تو اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے؟ میں تجھے موت کی بھینٹ چڑھادوں گا۔ اے حسین زہریلی ناگن! تو کیا یہ سمجھتی ہے۔ میری موت اتنی آسان ہے کہ مجھے کسی کیڑے مکوڑے کی طرح ختم کردے۔ پیروں سے مسل اور کچل دے۔''

آکاش کرخت لہجے میں چیخنے لگا۔ وہ اسے قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے اس کی گردن پر اپنی گرفت مضبوط کرنے لگا تھا۔

جل کماری جو اس وقت انسانی بہروپ میں تھی آکاش کا جنونی پن کی کیفیت دیکھ کے سراسیمہ اور ہراساں ہوگئی۔ اس نے پوری قوت صرف کرکے اپنی گردن کو آکاش کی مضبوط گرفت سے آزاد کرانا چاہا لیکن آکاش کی انگلیاں نیزوں کی طرح گلے میں پیوست ہوچکی تھیں۔

جب جل کماری نے دیکھا کہ اسے رہائی نہیں مل رہی ہے تو اس کے حلق سے عجیب و غریب اور خوف ناک غراہٹیں نکلیں جس سے ایک گونج جو بڑی ہول ناک تھیں فضا ان سے تھرانے لگی۔ دوسرے لمحے دیکھتے دیکھتے راج بھون کے در و دیوار سے پھولے ہوئے بدن اور لٹکتی کھالوں والے وحشی جل ناگ ابل پڑے۔ آکاش نے اپنی پنڈلیوں اور دھڑ پر ان کی سرسراہٹیں محسوس کیں۔ اسے ایسی کراہیت محسوس ہوئی کہ تلی سی ہونے لگی تو اس کی گرفت جل کماری کی گردن پر کمزور

پڑ گئی۔ جل کماری نے نجات پانے میں پل بھر بھی ضائع نہیں کیا اور اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکل گئی۔

جل کماری کے سینے میں سانسوں کا زیر و بم ہچکولے کھا رہا تھا۔ اور سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ انہیں قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ ''شادرا......'' جل کماری نے زور سے ایک ہیجانی چیخ ماری، چیخ اس قدر زوردار تھی کہ نہ صرف در و دیوار بلکہ آکاش کا وجود بھی جیسے جھن جھنا اٹھا تھا۔ اس گونج کے ختم ہونے سے پہلے سارے جل ناگ اسے چھوڑ کے پراسرار طریقے سے غائب ہوگئے تھے۔ اور پھر راج بھون کی سیپیوں اور گھونگے اور موتیوں سے بنی چھت سرخ رنگ کے بہت ہی گاڑھے سیال کی بارش ہونے لگی تھی۔

''یہ جو تو دیکھ رہا ہے۔ یہ زہریلے خون کی برسات ہے۔'' جل کماری استہزائیہ انداز سے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ''یہ گرم گرم سیسہ کی طرح ہے جس سے تیرا چہرہ اور جسم جھلس جائے گا۔ مکروہ اور گھناؤنا ہو جائے گا۔ تجھے اپنی صورت پر بڑا گھمنڈ تھا کہ تو دنیا کا سب سے خوب صورت شخص ہے لیکن اب وہ تیری صورت نہیں رہے گی جس پر ناریاں مرتی تھیں۔ وہ آبلوں سے بھر جائے گا۔ دنیا کا سب سے بدصورت مرد بن جائے گا۔ تو کوڑھیوں سے بدتر ہو جائے گا۔ تجھ پر کوئی تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔''

''جل کماری......! اب تیرا کوئی منتر......؟ تیری شکتی اور جادو مجھ پر نہیں چلے گا؟'' آکاش کے دل میں تشویش تو پیدا ہوئی، لیکن وہ دوسرے لمحے ہنسا۔ اس لئے کہ جل کماری حیرت اور خوف سے اسے دیکھ رہی تھی کہ اس کی شکتی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ ''دیکھ پاپی! اس برسات کی ایک بوند بھی میرے اوپر نہیں گری ہے۔ یہ زہریلا سرخ سیال میرے بدن سے قدرے دور گر رہا ہے۔ تجھ میں اگر حوصلہ ہے تو......تو میرے قریب آجا تاکہ دو دلوں کا ملن ہو جائے اور ہم دونوں محبت کے جذبات میں ڈوب جائیں۔''

''میں جانتی ہوں تو کس لئے اور کیوں اور کس بات پر اکڑ رہا ہے......؟'' جل کماری نے نفرت اور حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ ''اب تو میں تجھے کسی قیمت پر ہرگز چھونے نہیں دوں گی۔ تجھ سے میں نفرت کرتی ہوں۔ تجھ سے محبت اور ملن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''جان من......! اتنا غصہ اور اتنی نفرت......؟ اس کے پس پردہ تیری نفرت نہیں محبت بول رہی ہے......؟'' آکاش ہنسا۔

''کمینے...... ذلیل...... تیرے بھاگ میں میری محبت اور ملاپ نہیں بلکہ وہ خندق لکھا ہے۔ اب تو وہاں سڑے گا، اس کا لہجہ کرخت ہوگیا۔ جل کماری نے زیر لب کوئی منتر پڑھا اور پھر اس پر پھونک ماری۔ ''لے اب دیکھ......میری نفرت کا تماشا ہے۔''

آکاش نے جل کماری کی پھونک جیسے ہی اپنے جسم پر محسوس کی۔ اس میں تپش سی تھی۔ وہ کھڑے کھڑے بے ہوش ہوگیا۔

آکاش کی یہ بے ہوشی صرف چند لمحوں کی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ اسے بلند دہانے کے اوپر سے گہرائی میں پھینکا گیا ہے۔ یہ وہی غار تھا جو خندق نما بھی تھا۔ جسے جل کماری نے زندان بنایا ہوا تھا۔ سزا دینے کے لئے۔

وہ غار میں گرنے سے قبل ہوش میں آچکا تھا۔ اس پر بدحواسی طاری تھی۔ لیکن جب اسے نیچے پھینکا جا رہا تھا کسی نادیدہ قوت کے زیر اثر تو اس کے دل میں بھی کوئی ڈر اور خوف نہ تھا کہ زمین پر گرنے سے اس کے جسم پر نوکیلے پتھروں کی چوٹیں نہیں آئیں گی۔ اسے یہ سکون اور اطمینان اس لئے بھی تھا کہ اس کے گلے میں منکا تھا۔ اگر وہ زخمی ہو بھی گیا تو اس کی بدولت پل بھر میں شفا یاب ہو جائے گا۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ غار کے پتھریلے فرش سے چند فٹ اوپر ہی سنگیت نے اپنے مرمریں اور خوب صورت ہاتھوں پر اسے اس طرح روک لیا جیسے وہ کوئی ہلکی پھلکی شے ہو۔ پھر اس نے آکاش کے رخسار پر بوسہ ثبت کر کے اس کو بستر پر لٹا دیا جو اس نے بنایا ہوا تھا۔

آکاش چند لمحوں تک بستر پر دراز رہا۔ اسے بڑی شانتی سی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر وہ ایک دم سے اٹھ کے بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ سنگیت اسے شکایت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شکوے بھی تھے۔ حسرت بھی بھری ہوئی تھی۔

"میری جان سنگیت! مجھے ایسی شکایت بھری نظروں سے دیکھ رہی ہو...... ایسا لگ رہا ہے کہ تم مجھے ملامت کر رہی ہو؟" آکاش کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہیں...... یہ بات نہیں آکاش!" سنگیت بولی۔

"مجھے حیرت اور افسوس اس بات کا ہے کہ تم ایک کڑیل مرد ہو کے اس کمینی کے چرنوں میں گر پڑے؟"

"یہ میری ریاکاری اور مکاری تھی سنگیت......؟" آکاش نے بات بنائی۔ "لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میں موت سے ڈر گیا تھا۔"

"ابھی تو تمہارے راستے میں اور بھی کٹھنائیاں آئیں گی۔" وہ آکاش کے قریب ہو کر محبت بھرے لہجے میں بولی۔ "یہ تو ایک طرح ابتدا تھی۔"

"جل کماری کہہ رہی تھی کہ اروشی دیوی نے امرتا رانی کی اجنبی التجا ٹھکرا دی......! میں پوری طرح اگن پوجا کے مقابلے کے لئے تیار ہوں۔ بس! اب سترہ پہر کی بات رہ گئی ہے...... پھر میں یا تو جل منڈل سے رہا ہو جاؤں گا یا پھر اگن دیوتا میری بھینٹ لے لے گا۔" اس نے اسے جل کماری کی بات بتلائی۔ "سنگیت جانی! کیا اس نے سچ کہا یا مجھے ڈرانے کے لئے......! تم بتاؤ۔"

"اس نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی لیکن وہ تو سترہ پہر کی بات ہے۔" سنگیت نے کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ جل کماری اگن پوجا سے پہلے ہی تمہیں شراپ دینے کی سوچ رہی ہے۔ کیوں کہ تم نے اسے کئی بار چوٹ دی ہے۔ اس کا صدمہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" آکاش نے حیرت سے پوچھا۔ "تم تو بہت ساری باتیں جانتی ہو؟" آکاش نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔

"میرے من کے دیوتا......! تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو کہ مجھے بھی شکتی اور دیوتاؤں کی سہائتا ملی ہوئی ہے۔" وہ اداسی سے بولی۔ "جل کماری کا کوئی منتر اب کوئی کام نہیں کر رہا ہے اس لئے وہ اب تمہیں سیدھے راستے چوٹ دے گی تاکہ تم سے بھرپور انتقام لے۔"

"اسے جو کرنا ہے کرنے دو......؟ میں اس کی بات کی پروا نہیں کرتا۔" آکاش نے اس کی اس بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔ وہ اب سنگیت کی نظروں میں اپنی محبت اور کھویا ہوا وقار بحال کرنا چاہتا تھا۔ اسی طرح سنگیت کا دل جیت سکتا تھا۔

"میرے من کے دیوتا جی!" سنگیت نے اس کے ہاتھوں کو تھام کے اپنے رس بھرے ہونٹ ان پر ثبت کر کے بڑی اپنائیت سے آنکھوں سے لگا لیا۔ سنگیت کا یہ عشق آکاش کو بڑا انوکھا سا لگا۔ اس کے ہاتھ محبت اور گرم جوشی سے تھامنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ سنگیت پر ایک بے خودی اور خود سپردگی سی چھا رہی ہے۔ پھر وہ دونوں دھول بھرے راستے پر سے گزرنے لگے۔

آکاش کے وجود میں سنگیت کے قرب اور محبت نے اس کی آتما کو سرشار کیا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ انسان صرف جسمانی ملاپ سے وہ کچھ نہیں پاتا ہے جو وہ آتماؤں کے جذبے اور قربت سے چاہتا ہے۔ سنگیت کی محبت بھری باتوں نے اسے ایک سرور و کیف کا عجیب سا نشہ دیا تھا۔ عورت صرف جسم ہی نہیں ہوتی ہے۔ وہ تو بڑی انمول اور انوکھی سی ہے۔ جس کی محبت لطیف جذبہ ہے۔

ان دونوں نے اس شوریدہ سری میں جانے کتنے پہر گزار دیئے۔ آکاش کو یاد نہیں رہا۔ سنگیت نے اس کے لئے طرح طرح کے مشروب اور ایسے تازہ مزے دار پھلوں اور جڑی بوٹیوں کا کشید کیا ہوا عرق جانے کہاں سے لا لا کے پلایا جس نے اس کی جسمانی طاقت اور توانائی میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اس کے علاوہ پرندوں کا بھنا ہوا گوشت...... وہ اسے اپنی دنیا کے قصے اور حیرت انگیز واقعات بھی سناتا رہا۔ پھر نیلم اور اس کی بے پناہ محبت اور حسن کے بارے میں بھی

بتایا۔ سنگیت جیسے بڑے شوق اور اشتیاق سے سنتی رہی۔ اس کا تحیر اور تجسس بڑھتا جاتا تھا۔ اسے سپنوں جیسے لگتا تھا۔

وہ اس غار میں ایک دنیا بسائے دنیا و مافیہا سے بے نیاز رہے۔ آکاش کو امرتا رانی کا انتظار تھا۔ سنگیت نے اس کی کمی کا احساس ہونے نہیں دیا۔ اس کی محبت بھری میٹھی میٹھی باتیں آکاش کے دل لبھاتی رہی تھیں۔ انہیں کسی بات کا خیال، احساس اور ہوش نہیں ہوتا تھا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب ان کے سروں پر غار کے دہانے سے جل کماری کی غضب ناک آواز آئی۔

''اس ذلیل...... مکار کو اوپر کھینچ کے لاؤ...... زندہ یا مردہ...... لیکن یہ بھوک پیاس سے مرا نہیں زندہ ہی ہوگا۔''

جل کماری جانے کس کو تڑختے لہجے میں حکم دے رہی تھی تو ایسا لگ رہا تھا کہ سینکڑوں سانپ پھنکار رہے ہوں۔

''وہ کمینی آ گئی ہے...... تم حوصلہ نہ ہارو۔ دل مضبوط کر کے رہنا۔ امرتا رانی اب کچھ نہ کچھ کر کے ہی لوٹے گی۔'' وہ تڑپ کے اس کی آغوش سے نکل آئی۔

''امرتا رانی جب بھی واپس آتی ہے آنے دو...... اب مجھے تمہیں پانے کے بعد زندگی اور موت کی کوئی تمنا نہیں رہی۔'' وہ سنگیت کے مرمریں، سڈول اور خوب صورت ہاتھوں کو چومتے ہوئے بولا۔ ''تم نے مجھے جو دلاسا دیا ہے۔ وہ میں نہیں بھول سکتا۔''

اس لمحے اوپر سے کئی بڑے بڑے اور وزنی جل ناگ اس کے قدموں کے پاس آن کے گرے۔ سنگیت ہاتھ چھڑا کے ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ سنگیت اس کے علاوہ کسی اور کو دکھائی نہیں دی تھی۔ صرف وہی دیکھ سکتا تھا۔ ''کیا تم بھی میرے ساتھ ساتھ چلو گی؟'' آکاش نے پوچھا۔

''نہیں...... لیکن یہ سمجھو کہ ایک طرح سے قریب اور آس پاس رہوں گی۔ تم کسی بات کی چنتا نہ کرنا میرے دیوتا۔'' سنگیت نے جواب دیا۔ اس دوران کئی جل ناگ اسے رسیوں سے جکڑ چکے تھے اور اس عمودی غار کے دیواروں پر آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اسے دور لے جا رہے تھے۔ غار سے باہر لے جا کے ان جل ناگوں نے اسے چھوڑ دیا اور معمول کے مطابق پراسرار طور پر نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔

اس نے نگاہیں اٹھائیں تو جل کماری کو عورت کے روپ میں اسے اپنی طرف گھورتے پایا۔ وہ جیسے اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ غیض و غضب سے بھبھوکا ہو رہا تھا۔ آکاش کو دیکھتے ہی تیوروں پر سینکڑوں بل پڑ گئے تھے۔

''میرا خیال تھا کہ تو اتنے دنوں کی قید میں بھوکا پیاسا مر گیا ہوگا......؟ یا فاقوں نے تیرا حشر نشر کر دیا ہوگا؟ حلیہ مسخ ہو گیا ہوگا اور تو پہچانا نہیں جائے گا...... لیکن بے شرم تو نہ صرف زندہ ہے بلکہ اور خوب صورت اور صحت مند اور توانا دکھائی دے رہا ہے۔ یقین نہیں آ رہا ہے...... ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی تیری سیوا کرتا رہا ہے......! لیکن کون......؟ کسی کی مجال اور ہمت نہیں ہے کہ تیری سیوا کر سکے۔'' پھر اس نے قدرے توقف کیا۔ نفرت اور غصے اور صدمے سے استہزائیہ لہجے میں کہنے لگی۔ ''تیرے چہرے کی سرخی اور شادابی بتا رہی ہے کہ رسیلے ہونٹوں نے چوم چوم کے نکھار دیا ہے...... اس غار میں تیری پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں...... یہاں تو بڑے مزے اور عیش میں رہا ہے۔ تجھے ایک دن بھی فاقہ کرنا نہیں پڑا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تو ابھی تک زندہ کیسے ہے۔ میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ تو فاقوں سے مر گیا ہوگا اور تیری لاش گل سڑ رہی ہوگی۔ لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ تو راج بھون میں رہا ہو......'' وہ تیز تیز بول رہی تھی تو اس کے سینے میں سانسیں بے قابو ہو رہی تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماجرا کیا ہے۔

''میری سیوا تو...... تو کرتی رہی ہے......؟'' آکاش کو شرارت سوجھی۔ ''اس کے کارن تو میں تیرے سامنے زندہ ہوں۔ میری جان!''

''ہیں......؟'' جل کماری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''کیا تو پاگل ہو گیا ہے؟ میں کیوں تیری سوا کرنے لگی؟ مجھے کیا پڑی تھی؟''

"ہاں تو......" آکاش نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"تو رات کو آجاتی تھی۔ صبح تک رہتی تھی...... نہ صرف مہربان ہوجاتی تھی بلکہ میرے لئے پھل، شراب اور پرندوں کا بھنا ہوا گوشت لاتی تھی۔ تو میری محبت کی ماری ہر بات مانتی اور خوش کرتی۔ باندی کی طرح بن جاتی تھی۔ نہ خود سوتی تھی اور نہ مجھے سونے دیتی تھی۔ تو صبح جب چلی جاتی تو رات تک سوتا رہتا۔ پھر تو رات مجھے جگاتی تھی۔ صرف اس لئے کہ تو مجھ سے بے حد محبت کرتی ہے۔ جب کوئی عورت عشق کے جنون میں اندھی ہوجاتی ہے تو بدلی بن کے نچھاور ہونے لگتی ہے۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ تیری محبت اس قدر مثال اور جنونی ہے...... کیا اب تو مجھے اپنے ساتھ لے جانے آئی ہے۔ کیوں کہ اب تو چاہتی ہے کہ میں تیری خواب گاہ اور تنہائی کا رفیق اور تیری نظروں کے سامنے رہوں۔"

"تو بکواس کررہا ہے......؟ جھوٹ بول کے مجھے بے وقوف بنارہا ہے۔ سچ سچ بتا کیا امرتا رانی واپس آگئی تھی؟" وہ تنک کے بولی۔ "امرتا رانی خواب سپنے میں نہیں آرہی ہے اس لئے کہ تو نے جو اس کی جگہ لے لی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تو جس طرح خیال رکھ اور خوش کرسکتی ہے وہ امرتا رانی کہاں! تو جو پل پل کی خبر رکھتی ہے۔ تجھے پتا ہے کہ امرتا رانی کہاں ہے؟"

جل کماری کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ نہ صرف اس کا ذہن کچھ دیر کے لئے مفلوج ہوگیا تھا اور چکرا سی گئی تھی۔ اسے آکاش کے ایک ایک لفظ پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ کون ہوسکتی ہے جس نے غار میں آکے آکاش کی سیوا کی۔ اس کا ہر طرح سے خیال رکھا اور مہربان بھی ہوتی رہی اور اس کی بدولت آکاش کو دیکھ کے ایسا لگتا تھا کہ اسے ایک نئی بھرپور جوانی، طاقت، خوب صورتی اور وجاہت مل گئی اور وہ اپنی عمر سے دس برس کم دکھائی دیتا تھا۔ اس نے ایک لمحے میں بہت کچھ سوچا اور ذہن دوڑایا۔ اس علاقے میں ایسی کوئی عورت نہیں تھی۔ یہ بات اس کے علم میں تھی کہ امرتا رانی ابھی لوٹی نہیں ہے۔ اگر وہ راتوں کو آتی رہتی تو یہ بات اس کے علم میں آجاتی۔ چھپی نہ رہتی۔ جل کماری کو سنگیت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ ابھی تک پردے ہی میں تھی اور ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ پراسرار تھا۔ آکاش کو دیکھ کے اس کی تمام باتیں سچ معلوم دیتی تھیں۔

"میں اور تم سے عشق کروں......؟ سیوا کروں؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟ مجھے تم سے کتنی نفرت ہے بتا نہیں سکتی؟" وہ حقارت سے بولی۔

"عورت جو نفرت کرتی ہے دراصل اس کی پشت پر عشق ہوتا ہے۔ پریم ہوتا ہے۔ چوں کہ تم میرے لئے پاگل تھیں۔ اس بات کا اعتراف کرنے میں ہتک محسوس کررہی ہو۔ کوئی بات نہیں۔ غصہ تھوک دو۔ آؤ میرے گلے لگ جاؤ۔" آکاش نے شوخی سے کہا۔

"اب میں تجھے بتاتی ہوں کہ میری نفرت کے پیچھے تیرے لئے کتنی محبت ہے؟" جل کماری غرائی۔ "تو نے کبھی ایسی محبت نہیں دیکھی ہوگی؟"

اس نے چند قدم دور پتھریلی زمین پر ایک قد آدم کانسی کا جار رکھا ہوا تھا جو اس کے اندازے کے مطابق کم از کم تین فٹ قطر کا ہوگا۔ اس کے قریب ہی بھیانک اور مکروہ صورتوں والے دو سخت آدمی لوہے کے وزنی ہتھوڑے سنبھالے مستعد کھڑے ہوئے تھے۔

"یہ خصوصی اہتمام کا مقصد کیا ہے؟" اس نے جل کماری سے بے پرواہی انداز میں دریافت کیا۔ "کیا تو اپنی چاہت کو نیا رنگ دے رہی ہے؟"

"اب مجھے یاد آیا؟ میں تو اس کمینی سنگیت کو بھول ہی گئی تھی۔ تو اس کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ وہ تیری ہر طرح سے سیوا کررہی تھی۔ خیال رکھا۔ شراب، جڑی بوٹیوں کا کشید کیا ہوا عرق، غذا اور طرح طرح کے مشروب پلا کے نوجوان بنادیا؟" وہ حسد سے بولی۔

لیکن میں تو تیرا بہروپ دیکھتا تھا۔ سنگیت تو کبھی اپنی شکل میں نہیں آئی؟" آکاش پہلے تو سنگیت کا نام سن کے چونکا۔ وہ حیران تھا کہ سنگیت کے بارے میں جل کماری کو کیسے علم ہوا۔ پھر اسے اچانک یاد آیا کہ شیوناگ نے جل کماری کے سامنے سنگیت کا راز فاش

کر دیا تھا۔ پھر وہ سنبھل کے بولا۔ ’’میں تو تجھے سمجھ کے اس سے خوش ہوتا رہا تھا۔ میں اب تجھے خوش کرتا رہوں گا۔ آ...... میرے سینے سے لگ جا؟‘‘

جل کماری نے اس کا چہرہ اور مضبوط سینہ اور بازوؤں کو قہر آلود نظروں سے گھورا۔ پھر وہ ان بھیانک چہروں والوں سے بولی۔

’’اس رذیل...... دغا باز اور مکار کو پکڑ کے اندر بند کر دو...... دیکھو یہ بھاگنے نہ پائے۔ بہت ہی چالاک قسم کا ہے؟‘‘

اس کے ساتھ جل کماری نے کسی نامانوس زبان میں کچھ الفاظ کہے۔ کہیں سے اور خوفناک شکل کے لمبے چوڑے جسموں والے تین آدمی اور نمودار ہو گئے۔

وہ پانچوں غراتے ہوئے اسے قابو میں کرنے کے لئے بڑھے تو اس نے ان پر چھلانگ لگا دی۔ ان میں سے بس ایک اس کی زد میں آ سکا۔

آکاش نے اپنی طاقت سے اس کے چہرے پر مکا دے مارا تو نہ صرف اس کی بتیسی باہر آ گئی اور منہ سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ پھر وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ پیچھے الٹ گیا۔ زمین پر گر کے درد اور تکلیف سے کراہنے لگا۔

چاروں نے اپنے ساتھی کا جو حشر دیکھا تو وہ ادھر ادھر سرک کے بچ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ دوسرے کی خبر لیتا وہ چاروں اس کے جسم سے لپٹ گئے۔ اسے قابو میں کرنا انہیں دشوار ہو رہا تھا۔ لیکن کوشش اور جدوجہد کر کے آخر اسے قابو میں کر لیا۔

وہ چاروں اسے پوری قوت سے زمین پر دبوچے رہے۔ پھر تین بدمعاشوں نے کانسی کا وہ جار اس کے اوپر رکھ دیا۔

بغیر پیندے کا وہ جار اس کے اوپر آتے ہی اس کے گرد ہولناک اندھیرا چھا گیا۔ وہ تیزی سے زمین سے اٹھا اور اس جار کو اپنے جسم پر سے ہٹا دینا چاہا تھا۔ لیکن وہ اس قدر وزنی تھا کہ اپنی پوری کوشش کے اسے ہلا تک نہ سکا۔ اس کی طاقت جواب دے گئی۔

ابھی وہ اس انوکھی قید سے رہائی کی کوئی تدبیر سوچ ہی رہا تھا کہ کانسی کے اس جار پر باہر سے ایک طاقت ور چوٹ پڑی۔ جیسے نقارہ کی وٹ ہوتی ہے۔ اس کے ارتعاش سے نہ صرف اس کا ذہن بلکہ پورا جسم جھن جھنا اٹھا تھا۔ ابھی وہ پوری طرح اپنے حواس یکجا نہ کر پایا تھا کہ دوسری جانب سے ویسی ہی بھرپور چوٹ پڑی۔ اور پھر ان چوٹوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ اور تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ کانسی کے اس منوں وزنی جار کے ارتعاش میں ایسا ہیبت ناک شور گونج رہا تھا وہ کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگا۔ اس کے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے اور وہ سن کے رہ گئے۔ اس کے لئے یہ آوازیں ناقابل برداشت اور بڑی ہولناک تھی جو ہر لمحہ ناقابل برداشت ہونے لگی۔

کچھ دیر بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ لوہے کے ان وزنی ہتھوڑوں کو کانسی کے اس جار پر جو پوری قوت سے چوٹیں ماری جا رہی ہیں اس کا مقصد کیا ہے اور اسے اس کانسی کے جار میں ہی کیوں بند کیا گیا ہے۔ ان موذیوں کو غالباً اس بات کا علم تھا کہ کانسی میں سب سے زیادہ شور ہوتا ہے جو نہ صرف سوہان روح بلکہ اذیت ناک بھی...... یہ اذیت آدمی کو موت کی طرف کشاں کشاں کھینچتی ہے۔

بھونڈی اور کرخت اور کان بجا دینے والی آواز سے اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔ ان بدمعاشوں نے کسی وجہ سے جار اوپر اٹھایا تھا۔ شاید وہ اسے کسی گہرے سے گڑھے میں لے جانا چاہتے تھے۔ جل کماری جو کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی اور اس کی سڈول، مرمریں اور گداز پنڈلیاں چمک رہی تھیں۔ آکاش نے انہیں پکڑ کے کھینچا تو وہ زمین پر توازن قائم نہ ہونے کی وجہ سے گر گئی۔ پھر آکاش نے فوراً ہی اسے گھسیٹ لیا۔ یہ سب چشم زدن میں ہوا اس لئے وہ بدمعاش جو جار اٹھائے ہوئے تھے آکاش اور جل کماری کو قید کر دیا۔

انہوں نے دیکھا نہیں تھا کہ جل کماری، آکاش کی گرفت میں ماہئی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے اور آکاش کی من مانیوں سے بے حال ہو رہی ہے۔ مزاحمت کر رہی ہے اور چیخ و پکار کر رہی ہے۔ آکاش

باہم پیوست وابستہ ہو چکا تھا۔ جب ان بدمعاشوں نے یہ نظارہ دیکھا تو پھر جار اٹھا کے جل کماری کو آکاش کے بازوؤں کی گرفت سے نکالا اور پھر آکاش کو اس جار میں بند کر دیا۔

نفرت، غصے اور صدمے سے برا حال جل کماری کا ہونے لگا کہ آکاش نے اپنی حرکتوں سے ان بدمعاشوں کے سامنے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ اسے جیسے تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ اس کے کپڑے پھٹ کے دھجیاں بن گئی تھیں۔ اتنی ذلت کسی نے آج تک نہیں کی تھی۔ وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح غرانے لگی اور ان بدمعاشوں سے کہا کہ وہ اور زور زور سے چوٹیں لگائیں۔

پھر ان بدمعاشوں نے اپنی اپنی پوری قوت سے چوٹیں لگانا شروع کیں تو آکاش کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا۔ وہ بے ہوش ہوگیا۔ آکاش کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا جل کماری کے وہ خبیث گرگے اس کی بے ہوشی کے بعد بھی اس جار کو بجاتے رہے یا رک گئے۔

لیکن اس کا اندازہ تھا کہ جل کماری کی اس نے جو تذلیل کی ان بدمعاشوں کے سامنے کے وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی اور شاید اس کی موت کا حکم صادر کر دیا ہوگا اور اس حالت میں ان کے سامنے سے ہٹ گئی ہوگی تا کہ اپنی اس حالت کو چھپا سکے جو حیوان کی طرح لگ رہی تھی۔

جب اسے دوبارہ ہوش آیا تو دیکھا کہ وہ جار مسلسل بجایا جا رہا ہے۔ اس کا بدن اس بری طرح دکھ رہا تھا کہ جیسے سارے میں آبلے پڑ گئے ہوں۔ ان بدمعاشوں نے اسے بے ہوشی کی حالت میں بخشا نہیں تھا اس کی درگت بنادی تھی۔

وہ جلدی سے کسی نہ کسی طرح زمین سے اٹھا اور اپنے کانوں کو دونوں ہاتھوں سے بھینچ لیا لیکن اس کے باوجود وہ آوازیں اس کے کان کے پردے پھاڑے دے رہی تھیں جس سے اس کے دل کی دھڑکنیں بگڑتی جا رہی تھیں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ گونجیلا آہنگ اور ہولناک اور بھونڈی اور اذیت ناک آوازیں کب تک اس کا سینہ اور دل چیرتی رہیں گی۔

اس بار وہ قدرے زیادہ دیر تک ہوش میں رہا۔ اس نے نیچے سے جل کماری کے گورے گورے پیر دیکھے۔ لیکن وہ کس حالت میں کھڑی ہے...... ان چوٹوں سے کانسی کی دیوار میں جو سوراخ ہو گئے تھے اسے جل کماری سابقہ حالت میں موجود تھی۔ اور پھر اس کا غضب ناک لہجہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ رذیل اذیت سے تڑپ کے مر جائے۔ مار دو۔“

آکاش! اس وقت پھر بے ہوش ہوگیا۔ وہ متعدد بار بے ہوش ہوا اور ہوش میں آتا رہا۔ اسے ایک طرح سے وحشیانہ سزا دی جا رہی تھی۔ ایک طرح سے بہیمانہ بربریت تھی۔ جلتی پر تیل اس لئے بھی پڑ گیا تھا کہ اس نے اس حالت میں بھی موقع پاتے ہی جل کماری کو دبوچ کے فائدہ اٹھایا۔ طوفان بن کے تہس نہس کر دیا تھا۔ جس کے بارے میں جل کماری سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس لئے وہ خوف ناک انتقام لے رہی تھی۔

آکاش کو جب پھر ہوش آیا تو وہ جیسے آخری مرتبہ تھا۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے سارے جسم اور اعصاب میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ اپنے قدموں پر اٹھ سکے۔ نقاہت سے اس کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی۔ جار کے سوراخوں میں سے وہ باہر جھانک نہیں سکا تھا۔ اس لئے کہ اسے سر اٹھانا اور گھمانا بھی نہایت دشوار اور جانکسل لگ رہا تھا۔ جار میں ایسا گھپ اندھیرا تھا کہ اسے ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیا۔ اس کا سر جار کی دیوار سے ٹکا ہوا تھا۔ وہ جار پر باہر سے پڑنے والی ہر ضرب کی خوف ناک دھمک اس کے سر پر یوں آ رہی تھی جیسے اس کا سر پھاڑ دے گی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ چوٹیں براہ راست اس کے سر پر پڑ رہی ہیں۔

اس نے پھر ایک مرتبہ اٹھنا چاہا تو نقاہت نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔ اس کا سارا جسم جیسے مفلوج ہو چکا تھا۔ اس کی اعصابی مزاحمت دم توڑنے لگی اور اسے

ایسا لگ رہا تھا فرشتہ اجل اس پر ہنستا ہوا آہستہ آہستہ بڑھتا جارہا ہے۔

اس نے اپنے آپ کو بے بس اور مجبور اور نڈھال پا کے جیسے موت کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ اس جینے سے مرجانا ہی بہتر ہے۔ معاً اسے پہلے تو امرتا رانی کا اور پھر سنگیت کا خیال آیا...... پھر ایک دم سے منکا کا...... اسے حیرت ہوئی کہ وہ منکا کو کیوں بھول گیا تھا؟ اس کے خیال آتے ہی اس نے سوچا کہ اس کی جسمانی توانائی لوٹ آئے گی۔ پھر وہ غیر معمولی طاقت ور ہوجائے گا۔ پھر وہ اپنے سر کو اس عذاب ناک اذیت ناک دھمک سے نجات دلادے گا جو اس کے دماغ کی دھجیاں اڑا رہی ہے۔ پھر اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

منکا کا خیال آتے ہی اس میں ایک طاقت سی آ گئی۔ اس نے بڑی سرعت سے ٹٹول کے منکا کو اپنے منہ میں رکھ کے چوسا۔ پھر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ حیرت اور خوشی سے وہ بھونچکا سا ہوگیا۔ دوسرے لمحے اس پر ایک ایسی سرشاری طاری ہوگئی جو اس نے اس سے پہلے شاید ہی کبھی محسوس کی ہو۔ اسے موت سے ایسا خوف محسوس نہیں ہوا جیسے اس جار میں ہوا تھا۔ چشم زدن میں جو طاقت اور توانائی اس نے محسوس کی تھی وہ غیر متوقع سی تھی اور اس نے اس اذیت اور عذاب سے چھٹکارا پالیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک سکتے کی سی حالت میں رہا۔ جیسے مبہوت سا ہوگیا ہو۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ منکا کیسا جادو اثر طاقت رکھتا ہے۔

اس شیطانی جار کی جھن جھناہٹ اور گونج یک لخت ختم ہوگئی تھی۔ وہ ایک صحت منداور توانا شخص کی طرح کھڑا ہوگیا۔

باہر اب بھی جار پر چوٹیں مسلسل پڑ رہی تھیں لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا کوئی سنار زیور بناتے وقت ٹھک ٹھک بھی کررہا ہو اور پھر بہت دور سے چوٹوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اتنی مدھم سی تھیں کہ سماعت پر گراں نہیں ہورہی تھیں۔

باہر سے پڑنے والی مسلسل ضربوں سے اسے اندازہ ہوا کہ باہر والے ابھی تک اپنی کوششوں کے بارے میں خود فریبی کا شکار ہورہے ہوں گے۔ انہیں بالکل علم نہیں ہوا ہوگا جار کے اندر اب گونج اور بھونڈی اور خوف ناک آوازوں نے دم توڑ دیا ہے۔

وقت بہت سست رفتاری سے گزرتا رہا اور کانسی کے اس تیرہ و تار جار کے باہر جو وزنی ضربیں پڑ رہی تھیں۔ گو اب اسے ضربوں کی گونج اور ارتعاش نجات مل چکی تھی...... لیکن دوسری طرف ایک عفریت نے اسے جیسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ لحہ لحہ بڑھتی ہوئی بھوک اور پیاس سے وہ پریشان سا ہوگیا تھا۔ بیرونی اسباب کی بناپر ہونے والی جسمانی تکلیف اور اذیت کو تو وہ منکے سے شکست دے سکتا تھا۔ لیکن پیٹ کا ایندھن کہاں سے اور کیسے بھر سکے یہ منکہ کے اثر میں نہیں تھا۔ اس نے کئی بار اس امید پر منکا منہ میں رکھا اور چوسا لیکن اس کی بھوک پیاس مٹ نہ سکی۔ اس نے کئی بار یہ عمل دہرایا تھا لیکن لاحاصل رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کی زبان خشک ہو کے تالو سے چپکنے لگی تو اس سے رہا نہ گیا۔ وہ اپنی انگلیاں چوسنے لگا۔ اس عمل سے پیاس بجھنے کی بجائے بڑھتی گئی۔ پھر آہستہ آہستہ بھوک کی شدت کے باعث پیٹ میں اینٹھن سی ہونے لگی۔ اس کی انتڑیوں کی بھی یہی حالت تھی اور اس کے شعور پر پیاس کی خوفناک اذیت چھائی جارہی تھی۔ پھر جب یہ پیاس بڑھتے بڑھتے اس کی برداشت سے باہر ہونے لی تو اسے اندیشہ ہوا کہ شاید جل کماری نے اسے اگنی ناگ کی بھینٹ چڑھانے کا ارادہ ترک کردیا ہے۔ وہ اسے اس طرح اذیت دے کر اور سسکا سسکا کے ماردینا چاہتی ہے۔ بے بسی کی سی اس موت کے تصور سے وہ لرز اٹھا تو اس نے بے اختیار اپنی کلائی دانتوں میں دبا کے جیسے چبا ڈالی۔ درد اور تکلیف کی ایک ناقابل برداشت لہر نے اس کے وجود کو دبا ڈالا۔ اس کے پاس پیاس بجھانے کے کے لئے اس کے کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ پھر وہ اور کیا کرتا؟

اس کی خشک ہوتی ہوئی زبان بے تابی سے کلائی کی ادھڑی ہوئی کھال پر کلبلائی لیکن وہاں خشکی تھی۔ پھر اس نے دوبارہ کلائی کو دانتوں سے نوچا اور اس بار اور شدید تکلیف کا احساس زخم سے بہہ نکلنے والے گرم گرم اور نمکین خون کے ذائقہ میں جیسے ڈوب گیا۔ اس کی کلائی کی کوئی شریان دانتوں میں دب کے کٹ چکی تھی۔ اس نے اپنا زخم ہونٹوں سے لگایا اور بدن کے تازہ خون سے اپنی کرب ناک پیاس بجھانے لگا۔ اب وہ کرتا بھی کیا۔ اپنا لہو آپ پینے لگا۔

زبان...... تالو اور حلق میں پہنچی تو اس کی جان میں جان آئی۔ وہ خاصی دیر تک کسی خون آشامی درندے کی طرح اپنے ہی خون سے ہونٹ تر کرتا رہا۔ پھر اس پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ نہ جانے وہ زخم سے خون بہہ جانے کی نقاہت تھی یا پھر اپنا ہی خون پینے کا گہرا خمار کہ وہ رفتہ رفتہ گہری نیند کی آغوش میں سو گیا۔

اس مرتبہ بھی پسلیوں میں پڑنے والی ضربوں کی تکلیف ہوش میں لائی۔ وہ نیم برہنہ سا زمین پر پڑا تھا۔ جل کماری اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی اور بڑی حقارت سے اس کی پسلیوں میں ٹھوکریں مار رہی تھی۔ لیکن چوکنا اور ہوشیار تھی کہ کہیں وہ اسے دبوچ نہ لے۔

''اف کس قدر ڈھیٹ ہے؟ سخت جان ہے......؟'' جل کماری اسے ہوش میں آتا دیکھ کے تحیر زدہ لہجے میں کہنے لگی۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ وہ کانسی کے جار میں زندہ سلامت رہ گیا ہوگا۔ ''تو مرا کیوں نہیں......؟ لیکن اب تیری زندگی میں رہ کیا گیا ہے...... اب موت تیرا جیون ختم کرنے والی ہے۔ تیرا وقت ختم ہونے میں کسر ہی کیا رہ گئی ہے......؟ کیوں کہ تیسواں پہر لگ چکا ہے...... اور اس کے ڈھلتے ہی جب اگن دیوتا...... اگن تاب کے روپ میں درشن دیں گے تو تیری بھینٹ ہوگی...... ایک اور بات اچھی طرح سے کان کھول کے سن لے کہ تیری پتنی نیلم بھی اب اوٹی نگر کے راجہ کے ہوس سے بچ نہ سکے گی۔ اسے ابھی تک پتا نہیں ہے کہ وہ ناگ راجہ کی قیدی ہے...... بس وہ تو تیری یاد میں زندہ ہے اور کوئی سمے ایسا نہیں ہے تجھے یاد کر کے روتی رہتی نہ ہو۔

''نیلم......؟'' میری آتما......؟ میرا جیون......؟ میری محبت...... اسے دنیا کی کوئی طاقت چھو نہیں سکتی...... وہ صرف میری ہے صرف میری......'' آکاش نیلم کا نام سنتے ہی ہذیانی لہجے میں چیخ پڑا۔ ''اسے میں بتاؤں گا کہ وہ کتنے دن موذی کیڑوں کی قید میں رہی ہے۔''

''کیا کہا وہ تیری ہے......؟'' جل کماری زور دار قہقہہ مار کے ہنسی تو اس کی ہنسی بڑی زہریلی تھی۔ ''یہاں جل منڈل میں اگن پوجا ہونے والی ہے اور تیری موت ہے کہ تیرے قریب ہوتی جارہی ہے...... تیری بھینٹ کے بعد تیری لاش شیو ناگ اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اور جب اوٹی نگر میں تیری پتنی نیلم جب تیری نیلی لاش دیکھے گی تو اس کی آشاؤں کا محل ریت کی طرح بکھر جائے گا اور وہ پکے پھل کی طرح ناگ راجہ کی گود میں جا گرے گی اور اپنا تن من، جوبن اور شباب اس پر خود سپردگی سے نچھاور کرتی رہے گی۔''

''خاموش کتیا......! تو بہت بھونک رہی ہے۔ میں تیری زبان کھینچ لوں گا۔'' آکاش کھڑے ہوئے پوری قوت سے چیخا۔

''وہ تیزی سے سرعت سے پیچھے ہٹ گئی کہ وہ پہلے کی طرح دبوچ کے طوفان نہ بن جائے۔ پھر حسد و رقابت سے کہنے لگی۔

''میں نے اپنا تن من تجھ پر وار کر دیا تھا...... پر تو میرے من سے کھیلتا رہا۔ میں نے تجھے کتنا خوش نہ کیا۔ تیری خوشی کے لئے تیری ہر بات مانی...... ایک عورت محبت میں اور کیا کر سکتی ہے۔ تیرے عشق میں میرا جنون اندھا ہو گیا اور میں نے اپنا من ہار دیا تھا...... لیکن مجھے اس کا کیا صلہ ملا۔ امرتا رانی اور سنگیت نے تجھے مجھ سے

چھین لیا...... کیا میں ان دونوں سے حسین اور پرکشش نہیں ہوں......؟ مورکھ! تو نے مجھ سے ہرجائی پن کرکے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میرے انتقام کی آگ سے بچ جائے گا؟ میں گن گن کے ہر بات کا بدلہ لوں گا۔"

جل کماری نے توقف کرکے ایک زہریلا قہقہہ لگایا۔ اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم ہچکولے کھانے لگا اور اس کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔

"میں ایک اور بات کا انکشاف کردوں کہ تیری پتنی کی کوکھ میں تیری اولاد پل رہی ہے۔ تو حیران ہورہا ہے کہ مجھے اس بات کا کیسے پتا چل گیا؟ میں نے اپنی شکتی سے پتا لگالیا ہے کہ وہ لڑکا ہی ہوگا۔ بس اگلے چاند تک کی دیر ہے۔ میں نے تیری لاش دینے کے بدلے شیو ناگ سے وچن لے لیا ہے کہ جب تک تیری پتنی کی کوکھ میں پلنے والا تیرا لڑکا پیدا نہ ہوگا ناگ راجہ نیلم پر ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ اور تیرا لڑکا مجھے دان کیا جائے گا۔ اسے میں اپنے ہاتھوں جل منڈل میں پالوں گی اور وہ جوان ہوکر میرے چرن چاٹے گا۔ تیرے لڑکے کی جوانی میری ٹھوکروں میں ہوگی اور میں کٹھ پتلی بنالوں گی۔ وہ میرے غلام سے بھی بدتر ہوگا۔ میں اس سے اپنی ہر خواہش پوری کروں گی۔ اسے ہمیشہ ذلیل وخوار کرتی رہوں گی۔ اس طرح سے میرے من اور میری آتما کو شانتی ملے گی مورکھ تیری سمجھ میں آیا؟ وہ زہریلی ہنسی ہنسی۔

جل کماری کا یہ منصوبہ نہ صرف بہت ہی خطرناک اور بلکہ گھناؤنا بھی تھا۔ جسے سن کر آکاش دنگ اور حیران رہ گیا کہ یہ عورت جتنی حسین ہے اتنی ہی خطرناک اور سازشی ذہن کی۔ وہ اس پر قابو نہیں پاسکی تھی لیکن وہ اس کے لڑکے کو اپنے حسین بہروپ کا غلام بنانا چاہتی تھی۔

اسے اس بات سے ضرور خوشی ہوئی کہ نیلم امید سے ہے...... لیکن جل کماری نے اپنے ناپاک اور مذموم منصوبے کی جو تفصیلات بتائی تھیں اس کی خوشیوں کو تاراج کردیا...... مایوسی، انتقام اور ناامیدی کے گھپ اندھیرے کے سمندر میں غرق کردیا تھا۔ وہ چند ساعتوں تک ششدر ومبہوت سا ہوکے اس کی بات سنتا رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو آکاش سے رہا نہ گیا۔ وہ اس پر کسی چیتے کی طرح جھپٹا تاکہ اسے دبوچ کے جار میں جو حشر نشر کیا تھا ویسا ہی کرکے اسے موت کی نیند گلا دبا کے سلادے۔

اس مکار ناگن نے آکاش کے چہرے اور آنکھوں سے بھانپ لیا تھا کہ وہ نہ صرف جار میں جو اس کے ساتھ کیا تھا وہ خواہش پوری کرکے اسے موت کی نیند سلادے۔ جار میں آکاش نے اس کے ساتھ جو بربریت، تشدد اور حیوانیت کی تھی وہ اسے کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس نے فوراً ہی دو قدم تیزی سے پیچھے ہٹ کے غرائی اور اس نے اجنبی زبان میں تحکمانہ لہجے میں کچھ کہا...... اس جل منڈل کی بے وفا اور غدار دھرتی سے بے شمار موٹے موٹے جل ناگ ابل پڑے اور اس کے پیروں سے لپٹ گئے۔

وہ جل ناگ اسے کوئی نقصان تو نہ پہنچا سکے بلکہ اسے بے بس کرکے ایک طرف رینگنے لگے۔ وہ اپنے قدم اٹھا نہ سکا تھا۔

"جا بھوکے...... بھکاری...... اگن کنڈ پر بھانت بھانت کے بھوجن تیری راہ تک رہے ہیں...... جا کے مرنے سے اپنے پیٹ کی آگ بجھالے اور تو جو پیاس سے جان بلب ہورہا ہے وہ بجھ جائے گی۔ بھوجن اس لئے ضروری ہے کہ مرتے وقت تجھ میں شکتی ہو۔"

اس وقت اسے ریاکاری سوجھی کہ کسی نہ کسی طرح جل کماری کو دبوچ کے اظہار محبت کردے۔ محبت کے اظہار سے شاید جل کماری نرم اور ٹھنڈی پڑ جائے۔ اور اس کا غصہ اور نفرت ڈھل کے رہ جائے۔ یہ عورت کو زیر کرنے کا زبردست ہتھیار تھا۔

جل کماری نے اس کا بڑا مضحکہ اڑایا تھا۔ اس نے لڑکھڑاتے ہوئے زمین پر گرنے کی اداکاری کرتے ہوئے جل کماری کو دبوچ لیا۔ وہ اس کے بازوؤں کی

گرفت میں کسمسائی اور حلقہ توڑنے کی کوشش کی اور کچھ کہنا چاہا اس کے ہونٹوں نے جل کماری کے ہونٹوں کو بولنے نہیں دیا۔ پھر اس نے چند لمحوں کے بعد اس کے چہرے کو محبت بھرے انداز سے سرخ کر دیا اور بولا۔

''میری جان جل کماری! تو دنیا کی سب سے حسین عورت ہے۔''

جل کماری نے اس کے بازوؤں کا حلقہ توڑ دیا اور ایک طرف کھڑی ہو کے لباس اور بال درست کرتی ہوئی نفرت سے بولی۔

''تو مجھے بے وقوف بنا رہا ہے احمق......؟'' کیا میں نہیں جانتی کہ مرد ذات کتنی مکار، خود غرض اور مطلب پرست ہوتی ہے...... تو نے میرے ساتھ جار میں جو ذلالت کی کیا میں بھول سکتی ہوں......؟ وہ کبھی معاف نہیں کی جاسکتی...... میں تیرے بہکانے اور فریب میں نہیں آنے کی...... چل۔ دفع ہو۔''

جل کماری اتنا کہہ کے ایک سمت چل دی۔ چند لمحوں کے بعد اسے سنگیت کا خیال آیا۔ جل ناگ اب اس کی نظروں سے غائب ہو چکے تھے، لیکن اب اس کی داہنی طرف قدرے فاصلے پر موجود تھے۔ اس نے سنگیت کو جل ناگوں کے درمیان میں سوگوار انداز میں چلتے پایا۔ سنگیت اس کے پاس آئی تو آکاش نے اس سے بڑے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔ ''سنگیت! امرتا رانی اب تک کیوں نہیں آئی؟''

''میں خود حیران اور پریشان ہوں کہ وہ کہاں رہ گئی؟'' سنگیت نے افسردگی سے کہا۔ ''بھینٹ کا سمے سر پر آن پہنچا ہے۔ اور اس کا اب پتا نہیں...... مجھے بڑی فکر اور تشویش سی ہو رہی ہے...... تم نہیں جانتے میری کیا حالت ہو رہی ہے۔ غم سے سینہ پھٹا جا رہا ہے۔''

''مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ جل منڈل کی یہ اجنبی سرزمین میرے خون سے رنگین ہو کر رہے گی۔'' آکاش کا لہجہ بے جان سا ہو گیا۔

''کیا کریں میرے من کے دیوتا! کبھی کبھی پاپ بھی پن پر بھاری پڑ جاتا ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی، اور اسے ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ ''پاپ اور پن؟'' وہ ہذیانی انداز میں ہنس پڑا اور سنگیت کو سینے سے لگایا کہ وہ اس کے لئے کس قدر متفکر اور پریشان ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اسے جل منڈل کے اس وسیع غار کے اوپری چٹانوں کی طرف اٹھتے لپکے۔ شعلے نظر آنے لگے جو سرخ سے تھے۔ یہ منظر دیکھ کے اس کا رواں رواں لرز اٹھا اور رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ وہ شعلے واقعی کسی چمکتے اور دہکتے ہوئے سرخ ناگ کے زندہ روپ میں بل کھا کھا کے اوپر بلند ہوتے ہی جا رہے تھے اور ان جہنمی شعلوں میں سے دبی دبی سسکاریاں گونج رہی تھیں۔

''میں اس سے آگے نہیں جاسکتی میرے دیوتا!'' وہ اس کے سینے سے الگ ہو کے بولی۔ ''میں جل منڈل میں ہی امرتا رانی کا انتظار کروں گی جاؤ...... میرے دیوتا! بھگوان تمہاری آتما کو سورگ میں سدا سکھی رکھے۔ کاش! میں تمہاری کسی مدد کے قابل ہوتی۔''

سنگیت یہ کہتے ہوئے بڑی جذباتی ہو گئی تھی۔ اس کی خوب صورت آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آکاش کا دل بھی بے اختیار بھر آیا تھا یہ دیکھ کے۔ اب آکاش جل منڈل کی اس ظالم اور بے رحم سرزمین پر تنہا اور بے یار و مددگار ہو چکا تھا۔ موت اس سے چند قدم کے فاصلے پر منتظر نظر آئی۔ اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنی وفا پرست اور قابل پرستش پتنی کی یاد کو اپنے من کے نہاں خانوں میں بسائے رکھا تھا۔ حالات اور واقعات نے اسے جذبات کی رو میں بہہ کے امرتا رانی، سنگیت اور دو ایک ناگنیں اور پھر اپنی غرض اور نیلم کو پانے کے لئے غلاظت کے دلدل میں گر گیا بلکہ گرنا پڑا تھا۔ اگر اس کی راہ میں اس قدر مشکلات جنم نہ لیتیں تو وہ ان کی طرف دیکھتا بھی نہیں اور نہ اپنے آپ کو ہرگز ہرگز آلودہ کرتا۔ وہ اس کے لئے مجبور سا ہو گیا تھا۔

جل ناگ پھر سے آ گئے اور اسے اپنے کریہہ اور مضبوط دھڑوں میں لپیٹے آگے بڑھنے لگے۔

(جاری ہے)

عینی

شگفتہ ارم درانی۔ پشاور

سرپٹ حسینہ بیابان جنگل میں سرپٹ دوڑے جارہی تھی کہ پھر اچانک ایک گھنے درخت کے نیچے رک گئی کہ اس جگہ دودھیا روشنی پھیل گئی پھر درخت پر سے ایک جھولا نیچے کو آتا نظر آیا اور پھر......

رات کے ویران اور گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی دلگداز اور دلفریب کہانی

رات کے جانے کس پہر میری آنکھ کھل گئی، مجھے شدت سے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ باہر سرد رات کی ٹھنڈک نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، گرم بستر سے نکلنے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا، لیکن پیاس سے میرا حلق خشک تھا، اس لئے چاروناچار اٹھ کر کچن کی طرف چل پڑا۔ دو گلاس پانی پی کر میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ لیکن یہ کیا......! صائمہ آج بھی اپنے بستر پر موجود نہیں تھی۔ میں غم وغصے اور پریشانی کے ملے جلے جذبات دل میں لئے بستر پر بیٹھ کر اس کے سونے کی خالی جگہ کو دیکھنے لگا۔

صائمہ سے میری شادی کو تین سال ہونے کو آئے تھے۔ آج تک کبھی مجھے اپنی بیوی سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی، ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے، اور ایک دوسرے کی ہر بات پر اعتبار کرتے تھے۔ میری ہر ضرورت اور پسند ناپسند کا وہ خیال رکھتی تھی، اور میں کبھی کبھی خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کرتا تھا کہ صائمہ جیسی بیوی مجھے ملی۔ شادی کے دوسرے سال جب مجھے کام کے سلسلے میں کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر جانا پڑا۔ تب وہیں مجھے یہ خوشخبری ملی کہ میں ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہوں۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، جلد ہی اپنا

کام ختم کر کے میں پاکستان آیا اور اپنی بیٹی "قرۃ العین" کو دیکھ کر جیسے دنیا میں ہی مجھے جنت مل گئی ہم اسے پیار سے عینی کہنے لگے۔

میں اور صائمہ دونوں اپنی بیٹی کا خود سے زیادہ خیال رکھنے لگے اور کیوں نہ رکھتے وہ ہماری آنکھوں کا تارا جو تھی۔ میرے دل میں صائمہ کے لئے محبت اور زیادہ بڑھ گئی۔ وہ بھی مجھے بے لوث چاہتی تھی۔ زندگی بہت سکون اور پیار محبت کے ساتھ گزر رہی تھی کہ ایک رات......

اچانک کھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی کوئی بلی کچن میں گھس کر ادھم مچا رہی تھی، میں اٹھا اور کچن کی طرف جانے لگا، لیکن صائمہ کی طرف نادانستگی میں دیکھتے ہی رک گیا، وہ اپنی جگہ پر موجود نہیں تھی۔ غالباً وہ کچن میں کچھ لینے گئی ہوگی، یہ سوچ کر میں بے فکر ہوگیا اور نیند کا غلبہ اس قدر شدید تھا کہ کچھ اور سوچے بغیر ہی سوگیا۔

بات آئی گئی ہوگئی، لیکن پھر درمیان میں کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا تو میں سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ کیا چکر ہے، اور صائمہ مجھے بنا بتائے رات کی تاریکی میں آخر کہاں جاتی ہے، ایک اور بات جو میں نے نوٹ کی تھی وہ یہ کہ صائمہ ہمیشہ جمعرات کی رات کو ہی کمرے سے غائب ہوتی تھی، کئی مرتبہ پورا چھاننے پر بھی وہ نہیں ملتی تھی، اور میں اس سے پوچھنا یا اس پر غصہ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ کہیں اس خیال سے وہ مجھ سے نالاں نہ ہوجائے کہ میں نے اس پر شک کیا، میں نے سوچا کہ شاید وہ خود مجھے کچھ عرصے میں بتادے اور بات ایسی نہ ہو جیسا میں سوچ رہا تھا۔ لیکن آخر کو تھا تو میں بھی مرد ہی...... اور مردوں کی فطرت میں شک بہرکیف موجود رہتا ہے۔ اور پھر مجھے شک کیوں نہ ہوتا کہ رات کے نجانے کون سے پہر میری بیوی مجھے بنا بتائے اکثر گھر سے غائب رہنے لگی تھی۔

اور آج پھر اس کا خالی بستر میرے سامنے تھا اور میرا منہ چڑا رہا تھا۔ صائمہ میری نظروں میں اپنا اعتماد آہستہ آہستہ کھو رہی تھی، لیکن اف یہ میرا خلوص...... ہر بار اسے بے گناہ اور معصوم ثابت کرنے پر ہی تلا ہوا تھا۔

معاً کسی خیال کے آتے ہی میں برق رفتاری سے اٹھا اور عینی کے کمرے کا دروازہ کھولا میں جاننا چاہتا تھا کہ کیا وہ رات کو عینی کو بھی ساتھ لے جاتی ہے یا نہیں۔ لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا عینی بہت سکون سے نیند کی وادیوں کی سیر کر رہی تھی، اور اس کے چہرے پر بہت دلفریب مسکراہٹ تھی، اسے دیکھ کر ایک لمحے کو میرا سارا غصہ ہوا ہوگیا...... میں بوجھل قدموں سے اپنے بستر پر آگیا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رات کے 2:30 بج رہے تھے میرے ذہن میں پھر سے طرح طرح کے خیالات گردش کرنے لگے۔

"کیا صائمہ مجھ سے محبت نہیں کرتی؟ کیا اسے کوئی اور پسند آگیا ہے؟ اور وہ مجھ سے چھپا رہی ہے کہ کہیں میں اسے...... لیکن ایسا کیوں؟ آخر میری محبت میں کیا کمی ہے؟ میں تو خود سے زیادہ چاہتا ہوں اسے...... آخر کیوں وہ مجھے دھوکہ دے رہی ہے؟ آخر کیوں...... خود اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر برباد کر رہی ہے؟ کیوں...... اگر واقعی وہ مجھ سے اکتا چکی ہے اور میرے ساتھ مزید نہیں جینا چاہتی تو میں خود اسے آزاد کردوں گا۔ تاکہ وہ جس کے ساتھ چاہے خوشی سے زندگی گزارے۔ مجھے تو بس اس کی خوشی چاہئے چاہے وہ میرے ساتھ ہو یا کسی اور کے ساتھ۔" یہ سوچتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے میری محبت سسک رہی تھی۔

کچھ اکیلے پن سے گھبراتا ہے دل
کچھ تیری یادوں میں کھوجاتا ہے دل
جب کوئی آہٹ سی ہوتی ہے سلیم
ٹوٹ جانے سے بھی ڈر جاتا ہے دل

لیکن کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے مکمل چھان بین ضروری تھی اس لئے میں نے اس معاملے کی گہرائی میں پہنچنے کے لئے صائمہ کی جاسوسی کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کیونکہ اب میں مزید اس آنکھ مچولی کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اور پھر سے جمعرات کا دن آگیا۔

آفس سے میں جلد ہی گھر آگیا تھا تاکہ کام کی تھکاوٹ کی وجہ سے نیند نہ آجائے۔ آج موسم قدرے بہتر تھا۔ ہلکی بوندا باندی وقفے وقفے سے جاری تھی۔ رات کا

کھانا کھا کر صائمہ عینی کو اس کے کمرے میں سلانے کے لئے چلی گئی۔ اور میں بستر پر نیم دراز ہو کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ قریباً آدھے گھنٹے کے بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور صائمہ اندر داخل ہوئی میں نے جھوٹ موٹ آنکھیں موند کر سونے کی اداکاری کی۔ صائمہ نے کوئی خاص توجہ نہ دی اور اپنی جگہ پر لیٹ کر ٹیبل لیمپ کی لائٹس آف کردیں۔

میں آج پوری طرح سے چاق وچوبند تھا۔ آج بہر حال میں اس معاملے کی حقیقت کو جاننا چاہتا تھا۔

گھڑی نے رات کے ڈیڑھ بجائے اور صائمہ اپنے بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میری طرف بغور دیکھا جیسے اطمینان کر رہی ہو کہ میں واقعی سو رہا ہوں میں نے پھر سے سونے کی اداکاری کی اور صائمہ مطمئن ہوگئی۔ بہت احتیاط سے بغیر کوئی آواز پیدا کئے وہ اٹھی اور باہر نکل گئی اس کے نکلتے ہی میں بھی فوراً اٹھا اور کمرے سے باہر آگیا اس کا رخ گھر کے خارجی دروازے کی طرف تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ کر بڑی احتیاط سے قدم اٹھا رہی تھی اور اس سے بھی زیادہ احتیاط میں برت رہا تھا کہ کہیں اسے میری موجودگی کا احساس نہ ہوجائے۔ آہستگی سے مین گیٹ کھول کر وہ باہر نکل گئی میں اس کے پیچھے قدرے فاصلے پر چل رہا تھا اسے میری موجودگی کا شائبہ تک نہ ہوا۔ میں دبے پاؤں بغیر کسی آہٹ کے چل رہا تھا۔ میرا ایک، ایک قدم بھاری ہو رہا تھا نجانے کون سی حقیقت کھلنے والی تھی آج مجھ پر......! میں اندر ہی اندر کسی بھی غیر متوقع صورت حال کو دیکھنے اور برداشت کرنے کی ہمت پیدا کرنے لگا۔ جاننا چاہتا تھا کہ آخر کون ہے وہ جس نے میری محبت، میری زندگی کو مجھ سے چھین لیا ہے۔

بہر حال چلتے چلتے صائمہ کا رخ ہماری آبادی کے قریبی جنگل کی طرف ہوگیا۔ یہ سوچ کر میں سہم کر رہ گیا کہ آخر رات کے اس پہر اس تاریک جنگل میں صائمہ کا کیا کام ہے......بچپن میں پڑھی ہوئی وہ ڈراؤنی کہانیاں ذہن میں گھومنے لگیں جس میں راتوں کو اٹھ کر کوئی عورت تاریک جنگل میں جا کر چڑیل کا روپ دھار لیتی ہے اور بھولے بھٹکے مسافروں کے خون سے اپنی پیاس بجھاتی ہے۔ ''تو کیا صائمہ بھی......چڑیل......!''

ہم دونوں جنگل کے بیچوں بیچ آگئے میں ایک درخت کی اوٹ میں تھا۔ اور میرا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ صائمہ چلتے چلتے رک گئی اور ایک بڑے تنے والے درخت کے نیچے دوزانو ہو کر بیٹھ گئی اور پھر جو منظر میں نے دیکھا، وہ میرے اوسان خطا کرنے کے لئے کافی تھا ایک نہایت ناقابل یقین اور غیر متوقع منظر......

اس درخت کی ٹہنیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور ایک نہایت خوبصورت دوشیزہ ٹہنیوں کا جھولا جھولتی ہوئی نیچے اتر آئی اس نے گلابی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر بہت دلفریب مسکراہٹ تھی بہت وقار سے چلتی ہوئی وہ صائمہ کے قریب آ کر بیٹھ گئی بالکل ایسے جیسے دو سہیلیاں ساتھ بیٹھ جاتی ہیں مجھ پر جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اندر ہی اندر خود کو ملامت کرنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی پر شک کیا۔

لیکن آخر رات کے اس پہر وہ اس لڑکی سے کیا باتیں کرنے آئی تھی......؟ اور آخر وہ لڑکی کون تھی جو اس ویرانے خوف ناک جنگل میں رات کے اس پہر کہیں سے نمودار ہوگئی تھی۔

''کیسی ہو صائمہ......؟'' جلترنگ بجاتی اس کی آواز سے ہر طرف جیسے ساز بج اٹھے۔

''میں ٹھیک ہوں صبا اپنی سناؤ......!'' صائمہ نے پیار سے پوچھا۔ ''اللہ کا شکر ہے تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔؟ اس لڑکی نے جس کا نام صبا تھا صائمہ کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں بس سوچ رہی تھی کہ اس دن اگر تم نہ ہوتیں تو کیا ہوتا...... !مجھ پر کتنے احسانات ہیں تمہارے......! میرے گھر کی ساری خوشیاں......تم نے ہی مجھے دی ہیں۔ آخر تمہارا یہ قرض میں کیسے اتاروں گی......؟''

گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے صائمہ بولی۔

''اوہو......میری بہن سو بار کہا ہے تم سے ایسی باتیں مت کیا کرو۔ کوئی احسان نہیں کیا میں نے تم پر...... یہ

سب اللہ کی طرف سے مقرر تھا۔ میں تو بس ذریعہ بنی تھی۔ سب کچھ کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔" صبا نے آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ یہاں وہاں کی باتوں کے بعد صائمہ واپسی کے لئے تیار ہونے لگی۔ اور میں اس سے پہلے ہی تیز قدموں سے چلتا ہوا واپس گھر پہنچ گیا۔ دل میں مسلسل حیرتوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"کون تھی صبا! صائمہ اسے کیسے جانتی تھی...... !اور پھر رات کو چوروں کی طرح سنسان جنگل میں ملنے کا کیا مطلب تھا؟ اور آخر کون سے احسانات تھے اس کے ہمارے گھر پر......" کئی سوالات میرے ذہن میں گردش کررہے تھے اور میرے پاس کسی ایک سوال کا جواب بھی نہیں تھا۔ انہی الجھنوں میں کھویا میں بستر پر گرتے ہی دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوگیا۔

"اٹھیں سلیم ...... آفس نہیں جاناں کیا......" !صبح صائمہ کی آواز پر میری آنکھ کھلی میں اٹھا اور فریش ہونے واش روم کی طرف بڑھ گیا ناشتے کی ٹیبل پر عینی اور صائمہ میرا انتظار کررہی تھیں۔ مجھے آتا دیکھ کر عینی دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے قدموں سے لپٹ گئی، میں نے اسے پیار سے اٹھالیا۔ اور پھر ہم سب نے مل کر ناشتہ کیا۔ آج میں اندر اندر ہی اپنی سوچ پر شرمندگی محسوس کررہا تھا کہ اتنی محبت کرنے والی بیوی کو میں نے شک کی نظر سے دیکھا۔ وہ واقعی مخلص تھی میرے ساتھ......اور وہ لڑکی جو کوئی بھی تھی مجھے یقین تھا کہ صائمہ خود مجھے اس کی حقیقت سے آگاہ کردے گی میں قدرے مطمئن اور بے فکر سا ہوگیا تھا۔

بہر حال دن اسی طرح گزرتے گئے لیکن میں انتظار ہی کرتا رہ گیا کہ کب صائمہ مجھ سے وہ ساری بات اور اس کے پس پردہ حقائق شیئر کرے گی۔ چاروناچار میں نے دوبارہ اس کی جاسوسی شروع کردی میرا ضمیر مجھے اجازت نہیں دے رہا تھا کہ میں پھر سے اپنی پاکدامن بیوی پر شک کروں لیکن اصل معاملہ آخر ہے کیا یہ تجسس مجھے بے چین کئے جارہا تھا۔

میں اب ہر جمعرات کی رات صائمہ کے ساتھ اس جنگل جانے لگا لیکن وہاں سے کوئی نئی بات پتہ نہ چلی سوائے اس کے صائمہ اور صبا دونوں گہری سہیلیاں تھیں اور رات کو مل کر ڈھیروں باتیں کرتی تھیں۔

ایک دن تنگ آکر میں نے خود ہی صائمہ سے پوچھ لیا۔ "صائمہ یہ صبا کون ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا اور اسے جیسے بجلی کا جھٹکا لگا حیران وششدر وہ میرا منہ دیکھنے لگی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ "کک کک کو کون، کون صبا ؟میں کسی صبا کو نہیں جانتی۔"

"لیکن میں نے خود......" اور اس سے پہلے کہ میں اپنی بات پوری کرتا صائمہ یہ کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئی کہ "میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

اور پھر یہ معمول چل نکلا جب بھی میں صائمہ کو صبا کے بارے میں کریدنے لگتا وہ بات بدل دیتی یا بس خاموش ہوجاتی اور اس کی یہ خاموشی اب آہستہ آہستہ میری برداشت سے باہر ہونے لگی تھی۔ اس کے بعد درمیان کی ایک دو جمعراتیں صائمہ کہیں نہیں گئی اور میں یہ سوچ کر مطمئن ہوگیا کہ چلو جو بھی تھا اب صائمہ نے رات کو جانا بند کردیا ہے اور مجھے سکون مل گیا ہے لیکن دوبارہ سے وہی ڈرامہ شروع ہوگیا اس بار میں نے بھی پکا ارادہ کرلیا کہ رات کو اسی وقت سامنے آؤں گا جب وہ دونوں محو گفتگو ہوں۔

خیر ایک رات حسب معمول صائمہ کا پیچھا کرتے کرتے میں جنگل میں داخل ہوگیا اور درخت کی اوٹ میں کھڑا ہوکر صبا کے آنے کا انتظار کرنے لگا ہمیشہ کی طرح صبا اپنے مخصوص انداز میں نمودار ہوئی اور صائمہ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ "صائمہ، میری بہن، میں جانتی ہوں کہ تم کس پریشانی میں گرفتار ہو۔ آج یہ مسئلہ بھی حل کئے دیتے ہیں۔"

اور پھر مجھے میری سماعتوں پر یقین نہ آیا جب صبا نے میری طرف اندھیرے میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آجایئے سلیم صاحب، یہاں آجایئے آج ساری حقیقت سے ہم خود آپ کو آگاہ کردیتے ہیں۔!" اس کے چہرے پر اطمینان اور مسکراہٹ تھی۔ لیکن اسے کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں چھپا ہوا ہوں، پہلے تو دل چاہا کہ الٹے قدموں واپس بھاگ جاؤں لیکن یہ بزدلی تھی۔ اس لئے میں خجالت

کے ملے جلے جذبات لئے ان کے سامنے آ گیا صائمہ بھی میری طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اور صائمہ سے فوراً بولا۔ ”صائمہ یقین کرو اگر تم مجھے خود بتا دیتی تو میں کبھی اس طرح تمہاری جاسوسی نہ کرتا۔ لیکن تم نے مجھے آج تک اس بارے میں جانے کیوں بے خبر رکھا۔“ اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی گفتگو کا آغاز کرتا میں نے اپنی پوزیشن صائمہ کی نظروں میں کلیئر کر دی۔

”میں نے منع کیا تھا اس کو۔“ صائمہ کی بجائے صبا مجھ سے بذات خود ہم کلام ہوئی۔

”لل، لیکن۔ کک، کیوں......“ میری زبان اس سے بات کرتے ہوئے اٹکنے لگی۔

”وہ اس لئے سلیم بھائی کہ یہ حقیقت اگر کسی کو بھی پتہ چل جاتی تو وہ اسے حقیقت تسلیم نہ کرتا آج چونکہ آپ یہاں موجود ہیں اس لئے میں خود آپ کو ساری بات بتاتی ہوں۔ یقین کرنا یا نہ کرنا آپ پر ہے۔“

”کیسی حقیقت......؟ آخر مجھ سے آپ لوگ کیا چھپا رہی ہیں اور کیوں......؟ آپ کون ہیں اور یہ سب کیا ماجرا ہے۔؟“ میرا ضبط ٹوٹ گیا اور میں ایک ہی سانس میں سب بول گیا۔

”اطمینان رکھیئے۔ اور غور سے سنیئے گا۔“

آپ کے ملک سے باہر جانے کے اگلے ہفتے ہی آپ کی بچی اسپتال میں پیدا ہوئی آپ کے گھر کے عین سامنے جو ہندو گھرانہ آباد ہے اس کا سربراہ رام لال چاند کی چودھویں تاریخ میں ایک شیطانی عمل کر کے خود کو امر کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اس ناپاک مقصد کے لئے اسے پانچویں ماہ کی 15 تاریخ کو رات 11:00 بجے کو پیدا ہونے والی بچی کے خون کی بھینٹ کالی ماتا کے چرنوں میں دینی تھی۔ اتفاق دیکھئے کہ اس مقررہ وقت پر اسپتال میں صرف دو بچیوں نے جنم لیا۔ ایک وہ جو اپنی پیدائش کے اگلے ہی گھنٹے فوت ہو گئی اور دوسری آپ کی بچی عینی......

رام لال نے اپنے شیطانی چیلوں سے یہ حقیقت معلوم کروالی تھی اور آپ کی بچی کو ہر صورت میں حاصل کرنا چاہ رہا تھا، اپنے اس ناپاک ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ لیکن میں نے اس کا ہر وار اللہ کے حکم سے ناکام بنا دیا۔“ ذرا توقف کے لئے وہ رکی تو فوراً میں بیچ میں بولا پڑا۔

”تم نے......مم میرا مطلب آپ نے......کیسے؟ وہ تو ایک بہت بڑا جادوگر ہے تو آپ نے کیسے......!“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”کیونکہ میں بھی ایک انسان نہیں......ایک جن زادی ہوں۔“ اس نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

اور مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ میں مارے ڈر کے سکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ سوچ سوچ کر میرا دل کانپ رہا تھا کہ میں اس گھنے جنگل میں ایک جن زادی سے بات کر رہا تھا۔

”گھبرایئے مت......!“ اس نے میری گھبراہٹ بھانپتے ہوئے کہا۔

”میں جنات میں سے ضرور ہوں لیکن آپ کی خیر خواہ ہوں۔ مجھ سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“

اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم تھا۔ میری سانسیں ذرا بحال ہوئیں صائمہ نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دلائی۔

”اب آپ پوچھیں گے کہ جن تو ہزاروں ہیں اور انسانوں کے خیر خواہ بھی کافی ہیں پھر میں نے ہی آپ کی مدد کیوں کی؟ تو اس کا جواب بھی سن لیجیے، میں آپ ہی کے کمرے میں رہتی تھی۔ آپ کو شاید یاد ہوگا کہ یہ مکان عرصہ دراز سے بند پڑا تھا۔ پھر آپ لوگوں نے اسے آباد کیا میں نے کبھی آپ کو تنگ نہیں کیا کیونکہ میں الحمدللہ مسلمان ہوں۔ اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا ہمارے مذہب میں نہیں۔“

اور پھر اچانک بولتے بولتے اس کا لہجہ غمگین ہو گیا۔

”اس کے علاوہ میں خود دکھوں کی ماری ہوں میری بھی ایک بیٹی تھی جو رام لال کے شیطانی منصوبوں کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔ اس ظالم نے مجھے اس گھر میں ہمیشہ کے لئے قید کر دیا تھا۔ لیکن جب عینی کی پیدائش پر رام لال کے ناپاک ارادے کی خبر مجھے ہوئی تو میں نے شہنشاہ جنات سے گڑگڑا کر حضرت سلیمانؑ کا واسطہ دے کر فریاد

کی تو مجھے نہ صرف اس حصار سے نجات مل گئی بلکہ ایک آدم زادی کی مدد کے لئے اضافی طاقتیں بھی عطا کردی گئیں، جس پر میں اپنے رب کی بہت شکر گزار ہوں۔

رام لال کے چیلے اسپتال میں جونہی عینی کے قریب آتے میرے بنائے ہوئے حصار کی وجہ سے جل کر بھسم ہوجاتے مجبوراً رام لال کو خود ہی آنا پڑا۔ اور اب مجھے اس کا سامنا خود کرنا تھا۔ اب تک صائمہ کو کچھ معلوم نہیں ہوا تھا، لیکن جب رام لال اپنی تمام تر شیطانیت سمیت وہاں وارد ہوا تو صائمہ خوف سے کانپ اٹھی، میں نے وقتی طور پر صائمہ کی زبان بندی کردی تاکہ اس کی آواز سن کر کوئی اور اندر نہ آسکے، باقی میری اور رام لال کی آواز وہاں صرف صائمہ ہی سن سکتی تھی۔

''تو......تو یہاں کیسے آئی۔؟'' رام لال نے قہر برساتی نظروں سے پوچھا۔

''دیکھ لے رام لال اور مان جا تجھ سے کئی گنا بڑی طاقت اس اوپر والے کی ہے جس کے حکم سے میں آج تیرے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہوں۔''

''لیکن تیرا اس سے کیا واسطہ ہے؟'' رام لال دانت پیستے ہوئے بولا۔

''بچی ہے یہ میری اور بچانے آئی ہوں میں اسے۔ جب تو نے میری بچی کو مجھ سے دور کیا تھا اس وقت میں بہت بے بس تھی لیکن آج نہیں...... تو اس بچی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا رام لال۔ میں اس ماں کی گود اجڑنے نہیں دوں گی۔!'' میں نے صائمہ کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔

جو حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ رام لال مجھے لبلبے کی طرح کمزور سمجھتے ہوئے اپنے کسی چیلے کو حاضر کئے بغیر خود ہی خنجر لئے میرے قریب آ گیا۔ اور یہی شاید اس کی سب سے بڑی بھول تھی۔

میرے جسم سے لگتے ہی اس کا خنجر موم کی طرح پگھل گیا۔ میرا دایاں ہاتھ لمبا ہوتا گیا اور لمبا ہوتے ہوتے اس کی گردن کے گرد سانپ کی طرح لپٹ گیا۔ میرے ہاتھ کے اگلے حصے نے اژدھے کا روپ دھار لیا اور اس شیطان کے وجود کو پوری طرح جکڑ کر ایک ہی جھٹکے میں اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی۔ صائمہ یہ منظر دیکھ کر پہلے ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔ پھر دوسرے روز میں نے خود آ کر اس کو پوری حقیقت بتائی۔

''لیکن آپ اگر ہمارے گھر میں رہتی تھیں تو پھر یہاں اس جنگل میں صائمہ سے ملنے کیوں آتی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کے گھر میں پہلے رہتی تھی پھر قید کردی گئی اور پھر مجھے احساس ہوا کہ ہماری اصل جگہ یہ جنگل یہ ہرے بھرے درخت ہیں، یہاں میں اپنے پورے خاندان کے ساتھ رہتی ہوں اور بہت خوش ہوں، صائمہ نے خود ضد کی تھی کہ مجھ سے تعلق رکھنا چاہتی ہے، تو میں اس کو کبھی کبھی جمعرات کی رات اپنے پاس بلالیتی ہوں، کیونکہ انسانی روپ میں بس صرف جمعرات کو ہی آسکتی ہوں، اور اپنی عینی کی خیریت جان کر دل کو تسلی دے لیتی ہوں۔'' صبا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''اب آپ دونوں جایئے آرام کیجیے، صبح ہونے والی ہے۔ اور صائمہ میری بہن اب مجھے اجازت دو۔ اور میری معذرت قبول کرو کہ اب میں مزید تم سے نہیں مل پاؤں گی۔ دیکھو ہم جنات کی اپنی ایک دنیا ہے، ہمارے اور تم انسانوں کے بیچ اللہ نے ایک پردہ رکھا ہوا ہے، تم انسانوں سے ذرا فاصلے پر رہنے کے پابند ہیں۔ میں ہمیشہ عینی اور تم دونوں کے لئے دعا کرتی رہوں گی، اللہ تمہیں خوش رکھے۔ میں اب اپنی دنیا میں جاتی ہوں تم بہت یاد آؤ گی لیکن میں تم لوگوں کے آس پاس ہی رہوں گی۔ فکر مت کرنا ٹھیک ہے ناں......'' صبا پیار بھرے لہجے میں بولی۔'' اور ہاں سلیم بھائی! آپ اپنی بیوی پر کبھی شک مت کرنا یہ آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔''

اور پھر نجانے کہاں سے درخت کی ٹہنیوں سے بنا ایک جھولا خود ظاہر ہوا۔ جس پر صبا بڑی شان سے بیٹھ گئی، اس کے چہرے پر ایک تبسم تھا اور پھر وہ ''الوداع'' کہتے ہوئے رات کے اندھیرے میں غائب ہوگئی۔

☠

پراسرار آئینہ

رضوان سومرو۔کراچی

کمرے میں موجود قد آور آئینہ میں سے ہلکی نیلی شعاعیں پھوٹنے لگیں پھر اچانک ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے بچے کی گردن دبوچ لی، بچے کی چیخیں کمرے میں گونجیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بچہ آئینے میں سماگیا۔

پراسرار دنیا کا ایک عجیب وغریب ناقابل یقین اور اچنبھے میں ڈالتا خوفناک شاخسانہ

سارا ملک فتح پر جشن منا رہا تھا، افواج نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا کہ دشمن کے دانت کھٹے ہوگئے تھے۔ سارا شہر بہادر فوجیوں کو دیکھنے کے لئے پلیٹ فارم پر اُمڈ آیا تھا پھر جیسے ہی اسپیشل ٹرین پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہوئی تو پوری فضا نعروں سے گونج اٹھی۔ ٹرین کے رکتے ہی ہنستے مسکراتے فوجی سپاہی نیچے اترنے لگے۔ عوام میں غازیوں کے لواحقین بھی تھے، شہید کے لواحقین کی آنکھوں میں غم نہ تھا بلکہ فخر تھا۔

اس دوران ایک ڈبے کا دروازہ کھلا تو دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ وہ انتہائی حسین تھی، اتنی خوبصورت عورت اس شہر کے باشندوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اسے ڈبے کے دروازے پر نمودار ہوتے ہی جیسے سناٹا سا چھا گیا، ہر کوئی اسے دیکھ کر اپنے دل کی

دھڑکنوں میں غیر معمولی سی تیزی محسوس کر رہا تھا ایسا صرف مرد ہی محسوس کر رہے تھے مردوں کی نظریں اس سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ پھر جیسے سارا پرجوش ماحول قبرستان کے سناٹے میں تبدیل ہوگیا ماحول نہایت بوجھل اور اجنبی سا ہوگیا۔

اس نے اترتے ہی ہاتھ بڑھا کر ایک اور شخص کو اترنے میں مدد دی اس شخص کے اترتے ہی اس شخص کے منہ سے بے اختیار ''الحمدللہ'' نکلا جسے سن کر اس عورت کے چہرے پر جیسے خوف بھر گیا، اس نے بے حد غصیلی نظروں سے اس شخص کو دیکھا اور نظریں پھیر لیں نوارد لنگڑا رہا تھا۔

نوارد کو دیکھ کر لوگوں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی دوسرے لمحے ہی سب اداس ہوگئے کیونکہ جنگ پر جانے سے پہلے اس کا پیر بالکل ٹھیک تھا لیکن اب اس کا پیر شدید زخمی تھا۔ نوارد کا نام میجر صداقت تھا، وہ میجر صداقت کے ساتھ ہی تھی اس کا قد میجر کے تقریباً برابر ہی تھا مگر جسم انتہائی ہیجان انگیز مستی سے بھرا پڑا تھا۔ بال بے حد سیاہ اور چمکدار تھے۔ آنکھیں انتہائی روشن اور چمکدار، ہونٹ انتہائی سرخ جن پر ایک سحر انگیز مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

بعد میں لوگ قسم کھا کر اس کے حسن اور شباب کی تعریف کرتے پائے گئے اور آنکھوں کے بارے میں لوگوں کا یہی بیان تھا کہ آنکھوں میں سختی اور سرد مہری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

میجر نے اس کا تعارف اپنی بیوی کی حیثیت سے کرایا تھا، میجر کی بیوی آٹھ سال پہلے ایک معصوم بچے کو چھوڑ کر دنیا سے منہ موڑ گئی تھی میجر دوسری شادی کا خواہاں تھا۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ میدان جنگ سے بیوی لائے گا۔ وہ لڑکی میجر کو ہندوستان کے ایک سرحدی گاؤں سے ملی تھی مسلمان ہونے کی وجہ ہندوستانی افواج نے سارے گاؤں والوں کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔

پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی میجر کی بیوی کو ڈبے سے ایک لمبا چوڑا قد سے بھی بڑا ٹرنک اتروانے کی پڑ گئی، مزدور سامان اتار رہے تھے مگر اس نے میجر کو مجبور کیا کہ دوستوں سے باتیں بعد میں کرنا پہلے اپنی نگرانی میں ٹرنک بحفاظت اتروا کر گھر بھجوا دو۔ لوگوں نے اسے اسٹیشن سے رخصت ہوتا دیکھ کر سکون کی سانس لی۔

گھر پر میجر کے آٹھ سالہ بیٹے کاشف اور چھوٹے بھائی زاہد نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا مگر اس کے انداز میں اب بھی وہی بیگانگی اور سرد مہری تھی جو کہ اسٹیشن پر تھی۔ زاہد نے اس کے حسن و سراپے کو دیکھ کر اپنے اندر ایک عجیب احساس کو انگڑائیاں لیتے ہوئے محسوس کیا وہ سب سے نپے تلے انداز میں ملی مگر وہ زاہد کو دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے مسکرائی پھر چہرہ گھما لیا۔

اس کا نام تارا تھا کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اس کے انداز سے بے چینی اور اضطراب ظاہر ہونے لگا پھر اس کا چہرہ فوراً زرد پڑ گیا اور دونوں ہاتھوں سے سینہ کو تھام لیا۔

''کیا ہوا......؟'' میجر نے گھبرا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں...... شاید تھکن ہو رہی ہے، کمرے میں جانا چاہتی ہوں، میرا ٹرنک کمرے میں بھجوا دینا۔'' وہ بولی۔

میجر نے اس کے ٹرنک کو اس کے کمرے میں رکھوا دیا۔

☆......☆......☆

جب تک وہ ٹرنک کھلا نہیں تارا بے حد بے چینی اور پریشانی سے کمرے میں ٹہلتی رہی جب ٹرنک کھلا تو میجر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا ٹرین میں ایک بہت بڑا قد آور آئینہ موجود تھا۔ اس کا فریم شیشم کا بنا ہوا تھا فریم میں انتہائی نفاست اور کاریگری سے انگور کی بیلیں کھود کر بنائی گئی تھیں جس میں عجیب بات یہ تھی کہ انگوروں کی جگہ چھوٹے چھوٹے انسانی چہرے بنے ہوئے تھے کاریگر کی مہارت کا یہ نمونہ تھا کہ چہروں پر مختلف تاثرات بھی دکھائے گئے تھے، کچھ پر حیرت کے تاثرات تھے کچھ پر خوف و دہشت کے

اور کچھ مسکرا رہے تھے۔ جسامت میں چھوٹا ہونے کے باوجود وہ چہرے زندگی سے بھرپور تھے۔

میجر نے فریم کو دیکھا تو خوف کی ایک سرد لہر اسے اپنے جسم کے اندر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی لیکن اس کے برخلاف تارا بہت خوش نظر آرہی تھی۔ ''ڈارلنگ ...... پلیز! اسے دیوار سے لٹکوادو۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔'' تارا نے انتہائی محبت بھرے لہجے میں کہا۔

بدقت تمام اس آئینہ کو بیڈ روم کی دیوار پر آویزاں کردیا گیا، آئینہ اتنا لمبا چوڑا تھا کہ دیوار کا بیشتر حصہ چھپ گیا۔

تارا آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اپنے سراپے کا جائزہ لینے لگی، زاہد اور میجر انتہائی حیرت سے اس کے متناسب جسم کو دیکھ رہے تھے۔ زاہد اپنے اندر انتہائی سنسناہٹ محسوس کررہا تھا، اسکا دل چاہ رہا تھا کہ اس خوبصورت سراپے کو اپنی آغوش میں دبوچ لے۔ تارا نے مکمل مطمئن ہونے کے بعد تھکن کا عذر کیا اور تنہا رہنے کی درخواست کی چنانچہ سب لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆......☆......☆

تنہائی ملتے ہی تارا نے اپنے پورے جسم سے کپڑوں کو آزاد کردیا اور آئینہ کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ آئینہ میں اپنے خوبصورت قیامت ڈھاتا جسم کو یک ٹک دیکھے جارہی تھی اور کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ آئینہ کے اندر سے روشنی کی نیلی شعاعیں پھوٹنے لگیں ان نیلی شعاعوں نے تارا کے مادرزاد جسم کو اپنے حصار میں لے لیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پلک جھپکتے ہی نیلی شعاعیں سکڑنے لگیں اور آہستہ آہستہ سکڑتے سکڑتے وہ تمام شعاعیں مکمل طور پر آئینہ میں سما گئیں۔

تارا کا جسم پہلے سے زیادہ جوان اور خوبصورت نظر آرہا تھا پھر چند لمحے بعد اسکا جسم آہستہ آہستہ آئینہ سے باہر نکل پڑا تو اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے سراپے پر نظر ڈالی اور ہونٹوں پر گہری معنی خیز دلکش مسکراہٹ سجائے خراماں خراماں چلتی ہوئی مسہری کے قریب آئی اور پھر بستر پر لیٹ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

رفتہ رفتہ تھکن کا اظہار کرنا اور کمرہ بند کرکے آرام کرنا تارا کا ایک طرح کا معمول بن گیا، وہ اکثر کمرہ بند کرلیتی اور پھر ڈیڑھ دو گھنٹے بعد کمرے سے باہر نکلتی تو اس کا حسن اور بھی زیادہ نکھر انکھرا نظر آتا۔

ادھر میجر کے دل میں اتنی حسین اور دلکش بیوی کے قربت کا جذبہ ٹھنڈا پڑتا جارہا تھا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ کوئی سرد مزاج عورت تھی یا میجر کے جذبات کو پرسکون نہ کرتی یا ایک بیوی کے حقوق ادا کرنے سے کتراتی ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بلکہ میجر اسے ہاتھ لگاتا تو کسی انجانے خوف ودہشت سے کانپ جاتا ایک عجیب سی کپکپی اس کے جسم وجان میں دوڑ جاتی۔ وہ اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا، اس کے جذباتی کھنچاؤ کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس نے زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارنا شروع کردیا۔

میجر کے برعکس زاہد اس سے یوں پیش آتا جیسے کہ وہ تارا کا غلام ہو، وہ تارا کی ہر چھوٹی اور بڑی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا اسے دیکھنے اور باتیں کرنے کے بہانے ڈھونڈتا اسے چھپ چھپ کر دیکھا کرتا۔

اس رات موسم انتہائی سرد تھا میجر فوج کی طرف سے دیئے گئے عشائیہ میں شرکت کرنے کے لئے جاچکا تھا۔

گھر میں زاہد تارا اور پرانی وفادار خادمہ تھی جس کا نام رضیہ تھا، رضیہ کو تارا ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

اس وقت زاہد اپنے کمرے میں بیٹھا شراب سے شغل کررہا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے تارا کا خوبصورت سراپا گھومنے لگا۔ بالآخر وہ نشے میں جھومتا ہوا اٹھا اور تارا کے کمرے کی جانب بڑھتا چلا گیا، وہ یہ بھول گیا تھا کہ تارا اس کی بھابھی ہے، جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچا دوازہ بند تھا اس نے دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے جیسے ہاتھ بڑھایا تو دروازہ خود بخود اندر کی جانب کھلتا چلا گیا۔

کمرے کے اندر تارا نیم برہنہ حالت میں بستر پر لیٹی تھی، اس کے سینے کے زیروبم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گہری غنودگی میں نہیں۔

تارا کا انتہائی خوبصورت جسم زاہد کے سامنے موجود اسے دعوت گناہ دے رہا تھا۔

زاہد اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ اس کے خوبصورت پیر پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر چند لمحے یہ عمل کرتے ہوئے اس کی آنکھیں شدت جذبات سے سرخ ہوگئیں اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے تارا کے جسم سے آگ کا لاوا نکل کر اس کے جسم میں سرایت کررہا ہے۔ اسے یہ عمل کرتے ہوئے دو چار منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ تارا کی پلکیں وا ہوگئیں تو زاہد خوف زدہ ہوکر اپنے پیچھے کو ہٹانے لگا کہ اتنے میں تارا کی آواز اس کی سماعت میں رس گھولنے لگی۔

''ڈرو...... مت میں جانتی ہوں کہ تم میرے قریب کے تمنائی ہو، آؤ...... آگے آؤ...... اور اپنی خواہش پوری کرلو۔''

جیسے ہی زاہد اس کے قریب آیا تو تارا نے لپک کر اس کی گردن پکڑ لی۔

گرفت اتنی سخت تھی کہ زاہد کی زبردست چیخ نکلی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

☆......☆......☆

پولیس نہایت حیران تھی کہ زاہد اچانک گیا تو کہاں گیا۔ اس طرح کوئی کیسے غائب ہوسکتا ہے۔ پولیس اور میجر نے چند دنوں تک تحقیقات کی بالآخر وہ بھی تھک ہار کر بیٹھ گئے

لیکن رضیہ کو نہ جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ تارا ضرور جانتی ہے کہ زاہد کہاں ہے اس واقعہ کے بعد رضیہ نے تارا کی نقل وحرکت پر گہری نظر رکھنا شروع کردی ،جب تارا کہیں باہر ہوتی رضیہ چپکے سے اس کے کمرے میں گھس جاتی اور اس کی ہر چیز کا جائزہ لینا شروع کردیتی کمرے میں ادھر ادھر جھانکتی ،آرائشی چیزیں ملبوسات زیورات، کریم پاؤڈر سرخی بلکہ ہر چیز کا جائزہ لیتی پھرتی، اسے بھی میجر کی طرح ان سب چیزوں سے بوسیدگی کا احساس ہوتا، خاص طور پر آئینہ کا معائنہ کرتی، آئینہ اتنا بڑا اور عجیب تھا کہ کمرے کی ہر چیز پر چھایا محسوس ہوتا، کمرے کے کسی بھی گوشے سے نقل وحرکت کی جاتی تو آئینہ میں اس کا عکس ضرور نظر آتا۔

رضیہ جب بھی تارا کے کمرے میں قدم رکھتی تو ایک نامعلوم خوف کا احساس در آتا لیکن اس کے باوجود وہ تلاشی سے باز نہ آتی۔

☆......☆......☆

رات کے 12 اور 1 کے درمیان کا عمل رہا ہوگا۔ میجر دن بھر زاہد کو ڈھونڈنے کے بعد تھک ہار کر تارا کے پہلو میں بستر پر بے خبر پڑا تھا تارا اس کے سونے سے قبل کافی دیر تک اس کے سر اور بالوں کو سہلاتی رہی تھی، سکون کا احساس اتنا شگفتہ تھا کہ میجر کی آنکھیں اپنے آپ بند ہونے لگی تھیں اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اس سے پہلے اتنا دلفریب اور روح پرور احساس اسے کبھی نہ ہوا تھا تھوڑی ہی دیر میں میجر نیند کی گہری وادیوں میں گم ہوگیا۔

رینو کا نے جب یہ دیکھا کہ میجر سو چکا ہے تو وہ اطمینان سے اٹھی اور آئینہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی آہستہ سے اس نے اپنے آپ کو کپڑوں کی قید سے آزاد کرلیا پھر کچھ ہی لمحوں بعد آئینہ کے اندر سے ہلکی نیلی روشنی پھوٹ پڑی آئینہ کی سطح کی طرح سنہری ہوگئی عجیب وغریب دھند میں تبدیل ہوگئی، یہ دیکھ کر تارا نے آہستہ سے آئینہ پر اپنا سیدھا ہاتھ رکھ دیا اور پھر دوسرے لمحے تارا دھند میں تبدیل ہوکر آئینہ کے اندر داخل ہوگئی۔

آئینہ کے اندر داخل ہوتے ہی آئینہ پھر سے ویسا ہی ہوگیا جیسے کہ عام آئینہ ہوتا ہے۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ آئینہ کے فریم پر بنے ہوئے تمام چھوٹے چھوٹے چہروں پر خوف ودہشت کے تاثرات نظر آنے لگے تھے پھر اچانک ان چہروں کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے لیکن یہ بھی عجیب بات تھی کہ آنسو پانی کے نہیں خون کے تھے آنسو گرنے سے پہلے

ہی تحلیل ہو جاتے۔

☆......☆......☆

رضیہ روزانہ آئینہ کے فریم پر بنے ہوئے چہروں کا بغور مطالعہ کرتی ایک دن سہ پہر کے وقت وہ کمرے میں گھسی تھی حسب عادت فریم کو غور سے دیکھ رہی تھی کہ ایک چہرہ کچھ مانوس سا محسوس ہوا، رضیہ نے چہرے کے پھولے ہوئے گالوں اور ابھری ہوئی پیشانی پر انگلی پھیری تو چہرہ واقعی جانا پہچانا سا لگا تھا اسے قریب سے دیکھنے کے لئے جھکی اور جھکی یہاں تک کہ چہرہ اس سے چند آنچ کے فاصلے پر رہ گیا تو وہ اچھل پڑی، اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ دہشت سے دل دھڑکنے لگا، اس نے اس چہرے کو پہچان لیا تھا کیوں نہ پہچانتی بلاشبہ وہ زاہد کا چہرہ تھا۔

☆......☆......☆

رضیہ دہشت زدہ ہو کر تیزی سے گھومی! وہ چاہتی تھی کہ ابھی اسی وقت میجر کو یہ بات بتا دے پھر جو مناسب ہوگا میجر خود ہی کرے گا عین اسی وقت اس کی ناک میں ایسی بو سمائی جیسے سالہا سال سے بند کسی غار کو کھول دیا گیا ہو اس نے چونک کر آئینہ میں دیکھا تو اسے وہاں تارا نظر آئی مگر عجیب بات یہ تھی کہ وہ کمرے میں تنہا کھڑی تھی مگر جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ آئینہ کے اندر تارا خود تھی، اس کا عکس نہیں اس کی آنکھیں کسی بلی کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں رضیہ نے بھاگنا چاہا لیکن ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے رضیہ کی کلائی پکڑی ...... اور پھر رضیہ کے منہ سے دل خراش چیخ نکلی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

☆......☆......☆

ادھر میجر کا آٹھ سالہ بیٹا انتہائی خوبصورت بچہ تھا اسے کرکٹ اور فٹ بال سے بے حد لگاؤ تھا اس وقت وہ تارا کے کمرے کے پیچھے والے باغ میں جھولا جھول رہا تھا کہ اس کے کانوں میں چیخ سنائی دی، اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا کہ یہ کس طرح کی چیخ ہے۔

☆......☆......☆

دعویٰ

ایک آدمی مجمع کے درمیان کھڑا ہو کر یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں سامنے والی دکان سے کوئی بھی چیز آسانی سے چرا کر لا سکتا ہوں لوگ اس کی بات پر یقین نہیں کر رہے تھے آخر مجمع میں سے ایک شخص بولا اگر تم کوئی چیز چرا کر لائے تو میں تمہیں سو روپے دوں گا۔ وہ دکان کے اندر گیا اور گھی کا ایک ڈبہ اٹھا لایا تو شرط لگانے والا بولا بے شک تم نے ڈبا صفائی سے چرایا لیکن تم کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں پولیس افسر ہوں۔ یہ سن کر ڈبا چرانے والا بولا اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جس دکان سے میں ڈبا چرا کر لایا ہوں وہ میری اپنی دکان ہے۔ ہاہاہا۔

(رضوان حسین۔ فیصل آباد)

کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رضیہ اچانک بغیر بتائے ملازمت چھوڑ کر کیوں چلی گئی وہ ایک طویل عرصہ سے ملازمت پر موجود تھی کبھی کسی کو اس کے کام سے شکایت نہ تھی نہ اس سے کبھی کسی نے کوئی گلہ کیا تھا، ادھر کچھ دنوں سے وہ پریشان ضرور نظر آ رہی تھی؟ اس کی پریشانی کیا تھی کوئی نہیں جانتا تھا؟

پولیس نے سر توڑ کوشش کی مگر رضیہ کی گمشدگی کی وجہ کوئی نہ جان سکا، لوگوں نے بڑے قیاس کئے مگر زاہد کی طرح رضیہ بھی معمہ بن گئی۔

اب تو میجر کے گھر سے انتہائی خوف محسوس ہونے لگا تھا، نہ جانے کیوں میجر حسن ان سب واقعات میں تارا کا ہاتھ محسوس کر رہا تھا، اس کے اندر کا چھپا ہوا فوجی باہر آ گیا، اس نے اس کی مکمل تفتیش کرنے کا فیصلہ کر لیا، اس نے تفتیش اس جگہ سے شروع کرنی تھی جہاں سے رینو کا ملی تھی گو کہ اس علاقے کا تعلق بھارت کے گاؤں سے تھا لیکن پھر بھی وہ وہاں جا کر معلومات کرنا چاہتا تھا۔ ایک

دن وہ چپ چاپ کسی کو بتائے بغیر گھر سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

اکیلے پن تنہائی اور گھر کی پراسرار فضا نے کاشف کو متاثر کیا تھا چنانچہ وہ اپنی تنہائی دور کرنے کے لئے رینوکا کی طرف مائل ہوتا گیا، دن بھر وہ تارا کے ساتھ ہی کھیلتا رہتا تھا؟ تارا نے اسے وہ محبت وہ انسیت دی کہ وہ بھول گیا کہ اس کی ماں مرچکی ہے۔

ایک دن سہ پہر میں تارا جب اس کے پاس نہ آئی تو وہ خود ہی اس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اس نے دیکھا کہ تارا آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بال کاٹ رہی ہے، اس کے پورے جسم پر کپڑے کی ایک دھجی تک نہیں تھی پھر اچانک کاشف کو اپنی آنکھیں ملنا پڑیں کیونکہ رینو کا اب آئینہ کے اندر سما چکی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ آئینہ سے باہر آگئی لیکن اب کی بار وہ پورے کپڑوں میں تھی۔

کاشف اپنے حلق سے نکلنے والی چیخ کو روک نہ سکا، اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کے قدم یقیناً من من کے ہوگئے رینوکا نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا، اس کے قریب آگئی اور نہایت محبت سے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''یہ جادو کا آئینہ ہے۔''

''جادو کا آئینہ؟'' کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں اس آئینہ میں پریاں رہتی ہیں۔'' تارا نے قدرے مکاری سے کہا۔

''پریاں ...... وہ بھی کوہ قاف کی پریاں...... جو کہ روزانہ مجھے اس آئینہ میں بلاتی ہیں۔ اور مجھے روزانہ ان سے ملنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری عمر اس وقت 500 سال سے زیادہ ہے۔''

''مم...... مجھے جانے دو...... تم چڑیل ہو۔'' کاشف گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتی ہوں...... تم میرے راز سے واقف ہو چکے ہو، 500 سال میں تم جیسے کئی بے وقوف بچے اس راز سے واقف ہوئے اور انگور کی بیل کا حصہ بن گئے۔ تم بھی بنو گے۔'' یہ کہہ کر اس نے کاشف کی گردن پکڑلی...... اور کاشف کے منہ سے خوف زدہ فلک شگاف چیخ نکل گئی۔

☆......☆......☆

وہ ایک انتہائی میلا کچیلا مجذوب شخص تھا، اسے دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس شخص کو نہائے ہوئے صدیاں گزر گئی ہوں، وہ شخص ریلوے پلیٹ فارم پر بیٹھا بڑے انہماک سے پلیٹ فارم پر لکیریں بنانے میں مصروف تھا۔ میجر صداقت نے اسے دیکھا تو اس کے دل میں رحم آگیا۔ میجر رینوکا کی تفتیش کے سلسلے میں آگے جا رہا تھا۔

میجر نے جیب سے ایک روپیہ کا نوٹ نکالا اور آہستہ آہستہ اس کی جانب قدم بڑھانے لگا اس زمانے میں ایک روپیہ کافی بڑی رقم ہوا کرتی تھی۔

''بابا...... یہ روپیہ لے لو کچھ کھا لینا......'' میجر بولا۔

میجر کی بات سن کر مجذوب نے سر اوپر اٹھایا اور بغور میجر کی جانب دیکھنے لگا۔

میجر کو اس کی آنکھوں میں عجیب چمک نظر آئی، میجر کے سر کو اچانک کرنٹ سا لگا۔

''اللہ کی عدالت میں کھوٹے سکے نہیں چلتے۔'' اتنا کہہ کر وہ دیوانوں کی طرح ہنسنے لگا۔

''چڑیا اڑ گئی تو کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔'' وہ پھر بولا۔

''کیا مطلب بابا؟'' میجر نے پوچھا۔

پنجرہ توڑ دیئے...... چڑیا خود مر جائے گی۔'' یہ بول کر وہ پھر ہنسنے لگا دفعتاً میجر کو یاد آیا کہ وہ اپنا سروس پستول تو گھر بھول آیا ہے، وہ دیوانہ وار اول فول بکتے ہوئے مجذوب کو چھوڑ کر گھر کی طرف بھاگا، یہ دیکھے بغیر کہ ہوسکتا ہے مجذوب کے منہ سے کوئی کام کی بات نکل جائے۔

میجر جیسے ہی گھر پہنچا تو اس کے کانوں میں کسی کی چیخ سنائی دی وہ کسی اور کی نہیں بلکہ اس کے اپنے بیٹے کاشف کی تھی۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بچہ آئینہ کی سطح میں داخل ہو رہا، یہاں

تک کہ تارا بھی اس کے ساتھ ہے۔ میجر نے چیخ کر تارا کی جانب بڑھنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے تارا کے ہاتھ کی بھرپور ضرب سے وہ اڑتا ہوا دروازے سے جاٹکرایا۔ اب وہ دونوں آئینہ کی سطح سے اندر پیر رکھ چکے تھے، کاشف نے جیسے کسی معمول کی طرح اس کے ساتھ ہی قدم بڑھادیئے تھے۔

آئینہ کی سطح ایک عجیب طرح کی دھند میں تبدیل ہوگئی تھی میجر نے ایک بار پھر چیخ کر کاشف کو خبردار کرنے کی کوشش کی، لیکن میجر نے محسوس کیا کہ کاشف نے اس کی چیخ نہیں سنی تو میجر اٹھا اور لنگڑاتا ہوا آئینہ کی جانب بھاگا اور پوری قوت سے کاشف کے پیر پکڑ لیئے، تارا نے یہ دیکھ کر میجر کو ایک بھرپور قسم کی لات رسید کی تو میجر کراہتا ہوا آئینہ سے دور جا گرا، سر کی چوٹ اتنی شدید تھی کہ میجر چکرا گیا۔

حواس بحال ہونے کے بعد میجر نے دیکھا کہ آئینہ بالکل عام سے آئینہ کی مانند نظر آرہا ہے، یہ بات ناقابل یقین تھی کہ ایک عام سا بے ضرر آئینہ جس نے ابھی ابھی اس کے معصوم بچے کی زندگی کو نگلا تھا، دیکھنے میں بے ضرر معلوم ہوتا تھا میجر کسی نہ کسی طرح سے خود کو گھسیٹ گھسیٹ کر آئینہ کے قریب پہنچا۔'' اچانک اس نے ایک عجیب اور حیرت انگیز بات دیکھی فریم کے کھدے ہوئے چہروں سے خون کے آنسو گرنے لگے تھے۔

خون کے آنسو دیکھ کر میجر کے حلق سے خوف ودہشت بھری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی پھر اچانک اس کی نگاہ ایک چہرے کی جانب اٹھ گئی، آج سے پہلے خون بہاتے ہوئے اس چہرے کو میجر نے غور سے نہیں دیکھا تھا وہ چہرہ کسی اور کا نہیں بلکہ زاہد کا تھا۔...... رضیہ کا چہرہ اور کاشف کا چہرہ بھی کرب تھا۔

نفرت اور غصے سے میجر کا چہرہ سرخ ہوگیا، اپنی ساری تکلیف بھول کر اس نے اپنی بیساکھی اٹھا کر آئینہ پر دے ماری۔ آئینہ کا شیشہ چیخ گیا اور پھر خون کی چھوٹی چھوٹی بوندیں آئینہ سے باہر نکل آئیں پھر اسے کسی عورت کی کراہیں سنائی دیں۔

دوسری ضرب سے آئینہ کا شیشہ کئی جگہ سے ٹوٹ گیا، ساتھ ہی خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا۔

میجر کا سارا چہرہ خون میں نہا چکا تھا، میجر ذرا دم لینے کے لئے رکا کہ اسی لمحے شیشہ بڑی تیزی سے اپنی پرانی حالت میں واپس آ گیا۔

میجر نے دوبارہ اپنی بیساکھی اٹھائی......اور پوری قوت سے آئینہ پر مارنے کے لئے آگے بڑھا لیکن اس کے ہاتھ جیسے جم سے گئے عین اسی لمحے آئینہ میں تارا کا چہرہ نظر آیا اس کے چہرے سے غصہ اور نفرت کا اظہار ہونے لگا تھا، اور پھر اسی پل آئینہ سے ایک نیلے رنگ کا ہاتھ نمودار ہوا جس نے لپک کر میجر کی گردن پکڑلی ،گرفت اتنی سخت تھی کہ میجر کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔

قریب تھا کہ میجر کا دم نکل جاتا، اسی لمحے کہیں سے اذان کی آواز میجر کے کانوں میں گونجی اذان کی آواز کا معجزہ تھا کہ اس ہاتھ نے فوراً میجر کی گردن چھوڑ دی میجر کے ہاتھ جیسے ہی آزاد ہوئے تو اس نے پوری قوت سے بیساکھی اٹھا کر آئینہ پر دے ماری، اسی لمحے میجر کے کانوں میں ایک دل خراش اور فلک شگاف چیخ کی آواز گونجی اور ساتھ ہی آئینہ پر جگہ جگہ سے داڑیں پڑ گئیں اس میں سے ہلکا ہلکا خون رسنے لگا۔

میجر کے دوسرے وار سے آئینہ کئی حصوں میں بٹ گیا......ساتھ ہی خون کا جیسے فوارہ پھوٹ پڑا۔ میجر اس وقت تک آئینہ پر اپنی بیساکھی سے ضرب لگاتا رہا جب تک آئینہ کا شیشہ کئی حصوں میں بٹ نہ گیا، ساتھ ہی ساتھ کربناک چیخوں اور آہوں کی آوازیں بھی گونجتی رہیں، اذیت ناک سسکیاں سنائی دینے لگیں جیسے کوئی دم توڑ رہا ہو، اور پھر آہستہ آہستہ سکوت چھا گیا۔

میجر نڈھال ہوکر فرش پر گر پڑا۔ تارا کا نام ونشان مٹ گیا۔ دوسرے دن میجر نے ٹوٹا ہوا آئینہ باہر پھنکوادیا اس کے بعد میجر نے اپنا ٹرانسفر سرحدی علاقے میں کروالیا۔ پراسرار آئینہ کا قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا تھا۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

جو سر ذرا بھی اٹھ گیا، وہ راندۂ حرم ہوا
جو سر سدا جھکا رہا، فقط اسے امان تھی
میں زندگی کی سیج پر ہدف تھا اک کھلا ہوا
بچھے ہوئے تھے تیر سب، چڑھی ہوئی کمان تھی
(انتخاب: دعا عالم بخاری......بصیرپور)

جب بھی آتا ہے تیرا نام میرے نام کے ساتھ حلیم
جانے کیوں لوگ میرے نام سے جل جاتے ہیں
(محسن عزیز حلیم......کوٹھا کلاں)

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں حلیم
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کیا ہوتا
(عبدالحلیم محسن......کوٹھا کلاں)

یہ اندھیری رات اور تردد موسم کیا لمحے ہم پہ بیت گئے
ہم ہار گئے وہ جیت گئے کیا کھیل تھا جو ہم کھیل گئے
(طارق عزیز......کوٹھا کلاں)

جدا کر کے اسے خود سے میں گھر آکر بہت رویا
جہاں جاتے تھے ہم دونوں، وہاں جا کر بہت رویا
میں پہلے اس کا رونا، سوچ کر ہنستا رہا پہروں
میں پھر اس کی ہنسی کو، ذہن میں لا کر بہت رویا
(ملک عابد......فیصل آباد)

زندگی چھوٹی ہے مگر اتنی چھوٹی بھی نہیں
آنکھیں سوکھ گئی ہیں اور اب روتی بھی نہیں
زرہ زرہ سی باتوں پہ اگر ہم نہ جھگڑتے
تو شاید یہ زندگی تم سے جدا ہوتی بھی نہیں
(فاطمہ سلیم......کراچی)

نہ خدا دل بناتا، نہ کسی سے پیار ہوتا
نہ کسی کی یاد آتی، نہ کسی کا انتظار ہوتا
دل دیا ہے اسے سنبھال کر رکھنا
شیشے سے بنا ہے پتھر سے دور رکھنا
(فرزانہ عابد......لاہور)

ٹوٹے دل نے بھی تیرے لئے دعا مانگی
میری سانسوں نے ہر پل تیری رضا مانگی
جانے کیا دل لگی ہے تم سے
میں نے آخری خواہش میں بھی تیری وفا مانگی
(طاہر اسلم بلوچ......سرگودھا)

سب نے چاہا کہ تجھے ہم نہ ملے
ہم نے چاہا کہ تجھے غم نہ ملے
اگر خوشی ملتی ہے تجھے ہم سے جدا ہو کے
تو یہی دعا ہے کہ تجھے ہم نہ ملے
(انعم شہزادی......گجرات)

شاہوں کی طرح تھے نہ امیروں کی طرح تھے
ہم شہر محبت میں فقیروں کی طرح تھے
دریاؤں میں ہوتے تھے جزیروں کی طرح ہم
صحراؤں میں پانی کے ذخیروں کی طرح تھے
افسوس کہ سمجھا نہیں ہمیں اہل نظر نے
ہم وقت کی جھیل میں ہیروں کی طرح تھے
(انتخاب: دینا زہرہ ہاشمی...... جھنگ)

ہر دل میں درد چھپا ہوتا ہے
بیاں کرنے کا انداز جدا ہوتا ہے
کچھ لوگ آنکھوں سے درد بہادیتے ہیں
اور کسی کی ہنسی میں بھی درد چھپا ہوتا ہے
(نامعلوم)

ہم کھو گئے جو راہوں میں ڈھونڈا کرو گے تم
ہر اک کو روک روک کے پوچھا کرو گے تم
ہم کہتے نہ تھے راحت ہم سے نہ بڑھاؤ دوستی
تنہائی میں بیٹھ کرو رویا کرو گے تم
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈو الہ یار)

اسے کبھی نہ کبھی تو بچھڑ ہی جانا تھا
یہ حادثہ بھی میری زندگی میں آنا تھا
وہ اک شخص مجھے ساری عمر ترسے گا
نصیب اس کے کہ اس نے مجھے گنوانا تھا
(فلک فیضان......رحیم یار خان)

گونگے بنے رہے تو سب ہی مانتے تھے بات
بدلے تو ہم کسی کو بھی قائل نہ کر سکے
(سجاد حسین نومی......پنڈ دادن خان)

گل و غزل

بھی جگنو تو کبھی چاند کی صورت دیکھوں
میں تو ہر چیز میں بس تیری محبت دیکھوں
دل کے آنگن میں ابھی تک ہے اجالا تیرا
میرے ہونے کی نشانی ہے حوالہ تیرا
ترو تازہ ہیں چمن میں گل نایاب ابھی
تیری یادوں سے منور ہیں میرے خواب ابھی
شہر احساس میں مرنے نہیں دوں گا تجھ کو
ساتھ رکھوں گا بچھڑنے نہیں دوں تجھ کو
تیری تصویر نکالے ہوئے بیٹھا ہوں میں
در افکار پہ روشن ہے چراغ حسرت
آنکھ لگتی ہے تو دستک سی ہوا دیتی ہے
تیرے قدموں کی مجھے چاپ جگا دیتی ہے
سوکھے پتوں کی طرح میں بھی بکھر جاؤں گا
تجھے بھولا تو میرے یار میں مرجاؤں گا
اس لئے روز ملاقات کیا کرتا ہوں
بند آنکھوں سے تجھے دیکھ لیا کرتا ہوں
کسی نگر میں ہے مجھے اپنا کوئی راز تو دے
زندگی ڈھونڈ رہی ہے تجھے آواز تو دے
(حکیم خان حکیم......اٹک)

نہ وہ صبح نہ وہ شام وہ سے سہانے کہاں گئے
وہ امنگیں زیست کی کیا ہوئیں؟ وہ حسین زمانے کہاں گئے
جدوجہد جیسی وہ ساعتیں، وہ تیرے خیال کی راحتیں
جو کھلے تھے شاخ امید پر، وہ گلاب جانے کہاں گئے
عجب انتشار کا دور ہے کہ چمن کا رنگ ہی اور ہے
وہ طیور خوش نوا تھے جہاں وہ اب آشیانے کہاں گئے
جہاں دیکھو آگ ہی آگ ہے، جہاں افتراق کا راج ہے
وہ محبتیں، وہ لطافتیں، وہ لوٹ جانے کہاں گئے
ہمیں علم تھا کسے کیا ملا، تری بزم ناز سے پھر بھی ہم
ذرا خود فریبی تو دیکھئے کہ فریب کھائے کہاں گئے
نہیں نقش پا کا وجود بھی کہیں، واجد شاہراہ حیات پر
آپ وہ جو اپنے قریب تھے وہ جہاں سہانے کہاں گئے
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی......کراچی)

پیاس چاہت کی بجھا دیتا ہے وہ
شہد لفظوں میں ملا دیتا ہے وہ
وہ بدلتا ہے رتوں کی طرح رنگ
تتلی وعدے کی نغما دیتا ہے وہ
مجھ میں آتا ہے نظر بچپن اسے
بے زبان گڑیا بنا دیتا ہے وہ
جو زمانے سے نہ ہو آگے کبھی
ایسے انسانوں کو بھلا دیتا ہے وہ
اسم احمدؐ کی نہ قوت پوچھیے
رنج و غم سارے مٹا دیتا ہے وہ
دل بھی بازی گر کی صورت ہے صیاں
گل نیا اکثر کھلا دیتا ہے وہ
سرخرو خانم کبھی ہوتا نہیں
وہ جو مولا کو بھلا دیتا ہے وہ
(فریدہ خانم......لاہور)

پھول سے ہونٹوں پہ شرارے ہوں جیسے
میری چاہت میں یوں انگارے ہوں جیسے
جن سے پہنی تھی وفا کی امید ہم کو
گزرے دنوں میں وہ ہمارے ہوں جیسے
شام ہوتے ہی بجھ جھاتے ہیں یادوں کے چراغ
ان دیکھی راہوں پہ روشن ستارے ہوں جیسے
جن کی محبت میں ہم سدا جلتے رہے
ان کی آنکھوں میں وفا کے اشارے ہوں جیسے
سوچا بھی نہ تھا وہ یوں بچھڑ جائے گا جاوید
ایک منزل کے پھر دو کنارے ہوں جیسے
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

''کبھی نیزے'' کبھی ''سولی'' پہ ملاقات ہوئی
تیرے ملنے کے طریقے...... کبھی آسان نہ ہوئے
اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں
روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
''دستار'' کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے
پاؤں میرے چھو رہے تھے، کتنے سرداروں کے سر
کس قدر اونچا تھا میں ''سولی'' چڑھ جانے کے بعد
خون ہی خون تھا مقتل کے ہر گوشے میں
ڈر کے قاتل سے، میں اپنا ''سر'' کدھر رکھ دیتا؟
یارو! اسی کے دم سے ہیں مقتل کی رونقیں......!!
قاتل کو ''زندگی'' کی دعا دینا چاہئے......
آج خوابوں کے بدن خون میں تر ہونے لگے ہیں
آج مقتل کو بڑی دھج سے سنوارا جائے......
عجب اپنا سفر ہے فاصلے بھی ساتھ چلتے ہیں
کہاں قاتل بدلتے ہیں؟ فقط چہرے بدلتے ہیں
کہاں تک دوستوں کی بے دلی کا ہم کریں ماتم؟
چلو اس بار بھی ہم ہی سر مقتل نکلتے ہیں
آ میرے دوست! ذرا دیکھ کہ میں ہارا تو نہیں؟
میرا سر بھی تو پڑا ہے، میری دستار کے ساتھ
میرے قبیلۂ سرکش کا تاجور ہے وہ شخص
بڑھے جو دار کی جانب، پیمبروں کی طرح
(انتخاب: دعا عالم بخاری......بصیر پور)

جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے
میری زندگی کی جو آس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل وہی لوگ ہیں میرے ہمسفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے
یہ خیال سارے ہیں عارضی یہ گلاب سارے ہیں کاغذی
گلِ آرزو کی جو باتیں تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے
جنہیں کر سکا نہ قبول میں وہ شریک راہ سفر ہوئے
جو میری طلب میری آس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے
(ساجدہ راجہ......ہنداں سرگودھا)

تم سے بہت کچھ کہنا ہے مگر
کبھی تم نہیں ملتے تو کبھی الفاظ نہیں ملتے
ایک نئی دنیا بسانا چاہتے ہیں مگر
کبھی نیند نہیں آتی تو خواب نہیں آتے
یہ دوریاں تو مٹادوں میں ایک پل میں مگر
کبھی قدم نہیں چلتے تو کبھی راستے نہیں ملتے
میں تو ملنے کو بے تاب ہوں بہت مگر
کبھی وقت نہیں ملتا تو کبھی تم نہیں ملتے
(صبا محمد اسلم......گوجرانوالہ)

اداس جاگتی آنکھوں کا خواب لائی ہوں
میں پردوں میں چھپا کر گلاب لائی ہوں
جو ہوسکے تو تنہائیوں میں پڑھ لینا
تمہارے واسطے دل کی کتاب لائی ہوں
وہ اک سوال جو تم نے کبھی نہیں پوچھا
سجا کر پلکوں پر اس کا جواب لائی ہوں
تجھ کو مجھ سے نہیں میری محبت سے مگر ہوگا
لے دیکھ خلاصہ احباب لائی ہوں
دل پر لگے زخم تو سب مٹا چکی ہوں ندیم
یہ تو روح کے زخموں کا حساب لائی ہوں
(مصباح کریم میراتی......چتوکی)

جیون دھارا بہتے بہتے ایسے موڑ پہ آ پہنچی ہے
ہاتھ ہیں دونوں خالی میرے، آنکھوں میں اشکوں کی ندی ہے
مجھ کو کسی پہ مان نہیں پر
میرا کوئی بھگوان نہیں؟
جلتے جلتے کاٹ دیئے میں نے دن ارمانوں کے
وقت نے مجھ سے چھین لئے چہرے کچھ انسانوں کے
میری کوئی پہچان نہیں
کیا یہ میرا ایمان نہیں
دل پہ کچھ کے سہتے سہتے اب تو میں نڈھال ہوئی
مجھ میں بپا ہے ایک قیامت زندگی اب تو وبال ہوئی
کیا میرے بت میں جان نہیں
یا لوگو میں انسان نہیں؟
(پیا سحر......مدینہ سیداں گجرات)

یہ مرحلے کٹھن ہیں، جینا یہاں محال ہے
سحر آفریں ماحول میں اپنا تو برا حال ہے
وہ حسین سا تصور یہ ارماں گھٹے گھٹے سے

یہاں اُف بھی کرے یہ کس کی مجال ہے
ڈھالا ہے خود کو ہم نے لباس نشاط سے
وگرنہ حیات اپنی اک مستقبل وبال ہے
کیا پوچھتے ہو دوست کیا تم کو بتائیں ہم
یہاں ستم جو ملا ہے وہ ستم لازوال ہے
وہ مختصر سی مدت وہ قربتوں کے لمحے!
وہ پرخلوص چاہت جیسے بھولنا محال ہے
کھودیا ہے تجھ کو کچھ پانے کی جستجو میں
دل سے مگر نہ جائے وہ تیرا خیال ہے
دل آج بھی میرا سکون میں نہیں ہے امتیاز
ان بے مروت لوگوں میں دل کا خستہ حال ہے
(ایس امتیاز احمد......کراچی)

بس ایک معافی ہماری توبہ کبھی جو ہم اب ستائیں تم کو
لو ہاتھ جوڑے لو کان پکڑے اب اور کیسے منائیں تم کو
تمہارے آتے ہی اس نگر سے ہمیں رقابت سی ہوگئی ہے
میں یہ شراکت بھی کیسے سہہ لوں کہ چھو رہی ہیں ہوائیں تمکو
تم آئینہ ہو اور سنگ بریں یہاں کے لوگوں کا مشغلہ ہے
ہر ایک پتھر سے ڈھال بن کر بھلا کہاں تک بچائیں تم کو
تو کیا تم اب تک ہماری نظروں کے سب تقاضوں سے بے خبر ہو
ہمیں محبت ہے تم سے محسن اور اب کیسے بتائیں تمکو
بچھڑتے لمحے لبوں کی لرزش کا کیا سبب تھا
سنا تھا وقت قبولیت ہے سو دے رہے تھے دعائیں تم کو
بس ایک معافی ہماری توبہ کبھی جو ہم اب ستائیں تم کو
لو ہاتھ جوڑے لو کان پکڑ اب اور کیسے منائیں تم کو
(فلک فیضان......رحیم یار خان)

بہت کوشش کی اسے بھولنے کی پر بھول نہیں پائے ہم
یہ میری محبت کا اثر ہے کہ جدائی قبول نہیں کر پائے ہم
تم نے جن نظروں سے دیکھا تھا ہمیں اے جان وفا
ان نظروں کا مفہوم آج تک سمجھ نہیں پائے ہم
تم میری دسترس سے دور بہت دور ہو جانم
ان فاصلوں کا تضاد کبھی دور نہیں کر پائے ہم
کتنی بے دردی سے ٹھکرایا تھا میرے پیار کو تم نے
ان اٹھتے ہوئے آنسوؤں کے طوفان کو روک نہیں پائے ہم
تنہائی میری قسمت ہے مجھے کوئی گلا نہیں تجھ سے
پر تیری اس نفرت کو اب تک بھول نہیں پائے ہم
(مونا شاہ قریشی.........کبیر والا)

اسے کہنا یہ صدیوں سے تیرا میرا جو رشتہ ہے
اُسے توڑ مت جانا، مجھے تم چھوڑ مت جانا
ہمارے بس میں ہوتا تو تمہیں ہم قید کر لیتے کہیں جانے نہیں دیتے
جو جائے راستہ تم تک اسے تم موڑ مت جانا، مجھے تم چھوڑ مت جانا
سنو کہنا اسے کہ تیرے ساتھ رہنا ہے، نہ تم بن میرا جینا ہے
غموں سے ناتا میرا جوڑ مت جانا، مجھے تم چھوڑ مت جانا
مانا کہ قسمت میں جدا ہونا ہی لکھا تھا نہ ملنے تھے شگفتہ دل
مگر یہ التجا میری میرا دل توڑ مت جانا مجھے تم چھوڑ مت جانا
(شگفتہ حسین......کراچی)

ٹھکرا کر محبت میری کہاں جانے کا ارادہ ہے
مجھے زندگی کے کس موڑ پر لانے کا ارادہ ہے
یہ جو اب خفا خفا سے رہنے لگے ہو
یہ پیار کا عروج ہے یا چھوڑ جانے کا ارادہ ہے
جاتے جاتے یہ بتا جاؤ اے جان جہاں
میرے پیار میں تھی کمی یا کسی اور سے دلگی کا ارادہ ہے
میرے بعد میری یاد آئے تو مڑ کر نہ دیکھنا اے ہمسفر
کیوں کہ تیرے بعد میرا بھی دنیا کو چھوڑ جانے کا ارادہ ہے
(انتخاب: محمد ابوہریرہ بلوچ......بہاولنگر)

اپنی کوشش لٹا کر تم پر مہربان ہوجاؤں
کاش کہ کچھ دن تیرے شہر میں مہمان ہوجاؤں
تو اپنا نایاب دل مجھ کو دے دے اور پھر مانگے
میں مکر جاؤں اور بے ایمان ہوجاؤں
وہ مجھ پر ستم کرے ہر کسی کی طرح
میں اس ادا پر بھی قربان ہوجاؤں
تو میرے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لے
اور پھر میں تیرے لیے آسمان ہوجاؤں
اب تو مجھے اتنی محبت ہوگئی ہے تم سے مصباح
خدا کوئی معجزہ کرے اور میں تیری جان ہوجاؤں

لوگ اپنا بنا بنا کر چھوڑ دیتے ہیں
رشتہ غیروں سے وہ جوڑ لیتے ہیں
ہم سے تو اک پھول بھی توڑا نہیں جاتا
لوگ نہ جانے کیسے دل توڑ دیتے ہیں
(محمد ندیم عباس میواتی......چتوکی)

اسی کڑی دھوپ میں جلتے ہوئے پاؤں کی طرح
تو کسی اور کے آنگن میں ہے چھاؤں کی طرح
تو تو واقف ہے میرے جذبوں کی سچائی سے
پھر کیوں خاموش ہے پتھر کی طرح!!
میں تو خوشبو کی طرح ساتھ رہا ہوں تیرے
تو بھٹکتا رہا ہے بے چین وفاؤں کی طرح
وہ جو برباد ہوئے تھے وہی بدنام ہوئے ہیں
تم تو معلوم رہے اپنی اداؤں کی طرح
غم تو یہ ہے کہ ہمیں کوئی خوشی راس نہیں
زندگی کاٹ رہے ہیں ہم سزاؤں کی طرح
(آصفہ سراج......لاہور)

کب ٹھہرے گا درد اے دل، کب رات بسر ہوگی
سنتے تھے وہ آئیں گے، سنتے تھے سحر ہوگی
کب جان لہو ہوگی، کب اشک گہر ہوگا
کس دن تیری سنوائی، اے دیدہ تر ہوگی
کب مہکے گی فصل گل، کب بہکے گا مے خانہ
کب صبح سخن ہوگی، کب شام نظر ہوگی
واعظ ہے نہ زاہد ہے، ناصح ہے نہ قاتل ہے
اب شہر میں یاروں کی، کس طرح بسر ہوگی
کب تک ابھی رہ دیکھیں، اے قیامت جانانہ
کب حشر متعین ہے، تجھ کو تو خبر ہوگی
(شرف الدین جیلانی..........ٹنڈوالہ یار)

اگر ہر پھول کی خوشبو لبھاتی دل کو
گلاب خاص نہ ہوتا بہاروں میں
اگر ہر کوئی ساتھ دیتا زمانے میں
تو تنہا چاند نہ ہوتا ستاروں میں
اگر وفا ہوتی خون کے رشتوں میں
تو یوسف کیوں بکتا مصر کے بازاروں میں
موقع ملتے ہی رشتہ بدلتے ہیں
یہ ادا خاص ہے آج کل کے یاروں میں
شاید ہم بھی مٹھو بلوچ خوش نصیب ہوتے
اگر وہ اپنا سمجھتے ہیں ہزاروں میں
(دکھی طاہر اسلم بلوچ......سرگودھا)

اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
ظلم کی رات بہت جلد ڈھلے گی اب تو
آگ چولہوں میں ہر اک روز جلے گی اب تو
بھوک کے مارے کوئی بچہ نہیں روئے گا
چین کی نیند ہر شخص یہاں سوئے گا
آندھی نفرت کی چلے گی نہ کہیں اب کے برس
پیار کی فصل اگائے گی زمین اب کے برس
ہے یقیں اب نہ کوئی شور شرابا ہوگا
ظلم ہوگا نہ کہیں خون خرابا ہوگا
اوس اور دھوپ کے صدمے نہ سہے گا کوئی
اب میرے دیس میں بے گھر نہ رہے گا کوئی
نئے وعدوں کا جو ڈالا ہے "جال" اچھا ہے
رہنماؤں نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
(ایم اے خان......بہاولپور)

درِ قفس سے پرے جب صبا گزرتی ہے
کسے خبر کہ اسیروں پہ کیا گزرتی ہے
تعلقات کبھی اس قدر نہ ٹوٹے تھے
کہ تیری یاد بھی دل سے خفا گزرتی ہے
وہ اب ملے بھی تو اس طرح ملتا ہے جیسے
بجھے چراغوں کو چھو کر ہوا گزرتی ہے
یہ اہل ہجر کی بستی ہے احتیاط سے چل
مصیبتوں کی یہاں انتہا گزرتی ہے
نہ پوچھ اپنی انا کی بغاوتیں محسن
درِ قبول سے بچ کر دعا گزرتی ہے
(لاریب قیصر......چکوال)

☆☆

مجبور زندگی ہے
ہونٹوں پہ اک ہنسی ہے
کیوں زندگی کے ہاتھوں
مجبور آدمی ہے
صحرا ہے میرے آگے
آنکھوں میں تشنگی ہے
دیکھا ہے جب سے تم کو
کچھ درد میں کمی ہے
چاہوں اسے ہی ہر دم
یہ کیسی بے خودی ہے
ملتے ہیں غم ہمیشہ
یہ کیسی زندگی ہے
سب سو گئے اجالے
گھر گھر میں تیرگی ہے
رکھنا سنبھال کر تم
یہ جو خوشی ملی ہے
ہر روز یہ دھماکے
ہلچل مچی ہوئی ہے
دل جل رہا تھا رانا
لیکن اسے خوشی ہے
(قدیر رانا......راولپنڈی)

یادوں کے گلاب کھلتے ہیں
بچھڑے ہوئے لوگ ملتے ہیں
ٹکڑے ہوئے دل کے ہزاروں
غم آنسو میں ڈھلتے ہیں
دوست بھی بدل گئے نظریں
پھر آنسو میرے سلگتے ہیں
بجھتے ہیں چراغ روشنی کوئی نہیں
دکھ اپنا کسی کو سناتے ہیں
ہوگئی سحر کسی کے انتظار میں
پاس رہ کے بھی وہ ستاتے ہیں
روز ذکر ہوا ہے کسی کی وفا کا
پہلو یوں بھی لوگ بدلتے ہیں
چھوڑ گزرے دنوں کی یادوں کو جاوید
جانے والے کب لوٹ کے آتے ہیں
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

حیات لمحوں میں کھو رہی ہے
فرات لہروں میں رو رہی ہے
جو داغ تم نے عطا کئے تھے!
جوانی اشکوں سے دھو رہی ہے
خزاں کے سر تہمتیں جڑیں گی
بہار کیوں خار بو رہی ہے
جہان کی تخلیق کا سبب کیا؟
ہماری یہ جستجو رہی ہے
قمر ہے سناٹا سا نگر میں
افق پہ وہ شام ہورہی ہے
(چوہدری قمر جہاں علی پوری......ملتان)

کوئی ہمراز، کوئی ہم درد
ایسا ہوتا!
میں اپنے دل کے
سارے درد
جس سے کہتی
مسکراہٹیں ہیں در پردہ
کسی درد کی عکاسی
بن باتیں جان جاتا
میری خاموشی سے
جان جاتا!
کاش......
کوئی ہمراز
کوئی ہم درد
ایسا ہوتا......!
(عطیہ زاہرہ......لاہور)

غم بھلا کر کبھی چلے آؤ
آرزو ہے یہی چلے آؤ
دل بہلتا نہیں کسی صورت
میری خاطر ابھی چلے آؤ
کوئی اپنوں سے روٹھتا تو نہیں
سوچ کر بس یہی چلے آؤ
عمر بھر ساتھ ہم نبھائیں گے
تم سے زندگی چلے آؤ
کوئی اپنا نہیں زمانے میں
تم سے ہے دوستی چلے آؤ
تم کو دیکھا نہیں ہے برسوں سے
ہوسکے گر کبھی چلے آؤ
(محمد شفیق اعوان......اٹک)

بخشا ہے ترے ہجر نے انعام مسلسل
ہوتا ہے تری یاد کا الہام مسلسل
مجھ بے کس و نادار کو ملتا ہے دلاسہ
آتا ہے ترے در سے جو پیغام مسلسل
دنیا کے غموں سے مجھے پیارا ہے تراغم
آتی ہی نہیں اس پہ کبھی شام مسلسل
یہ قریۂ محبت ہے پلکوں کو بچھاؤ
لازم ہے ہر اک گام پہ اکرام مسلسل
میخانے میں کافر و مومن کی نہیں پہچان
ساقی کی نگاہوں سے چلے جام مسلسل
اس دل کی فصیلوں پہ تری یاد کے طائر
دن رات مچاتے ہیں یہ کہرام مسلسل
باطل کی نگاہوں میں کھٹکتا ہوں میں فائق
کرتا ہوں فقیروں کا جو اکرام مسلسل
(عمران فائق......اٹک)

یہ گمان تھا کہ خواب رکھا ہے
جیسے کوئی میرے سامنے گلاب رکھا ہے
زرد پتوں پہ سرخ ہونٹوں کا
ہم نے ہی انتساب رکھا ہے
ایک ہتھیلی پہ بادلوں کی نمی
دوسری پر سراب رکھا ہے
انے والی خزاں کے ہاتھوں نے
میز پر میری ایک گلاب رکھا ہے
میرے گھر کے ہر ایک کمرے میں
اس کی یادوں کا باب رکھا ہے
بھیگی آنکھوں کے طاقچوں پہ ابھی
ایک سوکھا سا خواب رکھا ہے
روز محشر کے واسطے واجد
سب غموں کا حساب رکھا ہے
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی......کراچی)

☆☆

کالی چڑیل

شہزادہ چاندزیب عباسی-کراچی

نوجوان کے کسی انجانے زبان کے چند الفاظ کے نکلتے ہی ایک عجیب الخلقت جن نمودار ہوا اور اس کی آواز سنائی دی، محترم میرا ہاتھ پکڑلیں اور آنکھیں موندلیں اور پھر پلک جھپکتے ہی دلوں کو دہلاتا منظر رونما ہوا۔

قدم قدم پر خیر وشر کا دلوں پر سکتہ طاری کرتا ٹکراؤ جسے پڑھ کر حقیقتاً رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے

نصف شب کا وقت تھا۔واپڈا کی مہربانی سے مڈل کلاس ایریا میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔اس لئے موسم خاصا سرد تھا۔اس سرد موسم میں گلی کے آوارہ کتے بھی کہیں کونے کھدرے میں دبکے ہوئے تھے، البتہ وقتاً فوقتاً بھونک کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔ میں اس اندھیری رات میں اس بنگلہ نما گھر کی عقبی سمت میں موجود تھا۔اور چوری چھپے اس گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ لیکن دیوار کافی اونچی تھی۔ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تو میری نظر چند اینٹوں پر پڑی جو کچھ فاصلے پر رکھی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں ان اینٹوں سے چبوترا سا بنا کر احاطے کی دیوار پر چڑھ چکا تھا۔ چاند کی ناکافی روشنی میں، میں نے اندر جھانکا۔ احاطے میں کوئی ذی نفس موجود نہ تھا۔ میں پنجوں کے بل کودا۔ کودنے سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی مگر کوئی بھی ردعمل ظاہر نہ ہوا کچھ دیر وہیں دبکا رہنے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا اور دبے قدموں چلتا ہوا ایک طرف بڑھا۔ یہاں قطار میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ جن میں سلائیڈنگ ونڈوز آویزاں تھیں۔ میں نے پہلی کھڑکی پر طبع آزمائی کی مگر مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ کھڑکی اندر سے مقفل تھی۔ دوسری کھڑکی پر مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ میں نے کھڑکی کے ایک پٹ کو احتیاط سے معمولی سا سرکایا۔ کھڑکی میں اندر کی طرف پردہ لٹک رہا تھا۔ میں نے انگلی کی مدد سے پردے کو اس حد تک سرکایا کہ معمولی سی جھری بن گئی۔ اب میرے لئے اس کمرے میں جھانکنا آسان تھا۔

کمرے میں ایک بڑی سی کینڈل کی مدھم روشنی میں جو منظر دکھائی دیا۔اس نے میرے رگ و پے میں خوف کی ایک لہر سی دوڑا دی۔ اس آراستہ کمرے کے بیڈ پر ایک حسین وجمیل لڑکی کی لاش پڑی تھی۔اس کی کٹی ہوئی شہ رگ سے خون بہہ رہا تھا۔ بیڈ سے کچھ فاصلے پر ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا تھا۔ جس کے دائیں ہاتھ میں تیز دھار خنجر موجود تھا۔ خون آلود خنجر صاف ظاہر کررہا تھا کہ اس حسین وجمیل دوشیزہ کا قتل اسی سفاک شخص نے کیا ہے۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ لڑکی کی شہ رگ سے بہنے والا خون بیڈ پر گرنے کے بجائے خود بخود غائب ہوتا جارہا تھا۔

میں سکتے کے سے عالم میں یہ خوفناک اور ناقابل یقین منظر دیکھ رہا تھا۔ میرا نام غلام سرور ہے اور میں کوئی چور نہیں محض فطری تجسس کے تحت اس گھر میں داخل ہوا تھا۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ دوسال پہلے ہمارے علاقے میں وہ ادھیڑ عمر شخص وارد ہوا تھا۔ اس نے اس علاقے میں پلاٹ خرید کر شاندار قسم کا گھر بنوایا۔ بعد میں معلوم ہوا وہ ہندو تھا

اور نام اس کا رگھوناتھ تھا۔ بظاہر اس کا نہ ہی کوئی کاروبار تھا اور نہ ہی وہ کوئی کام کاج کرتا تھا۔ اس کے باوجود اس کا رہن سہن شاندار تھا۔ اکثر اس کے پاس نت نئی جدید ماڈل کی گاڑیاں ہوتیں۔ اور کوئی نہ کوئی خوب صورت لڑکی بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ جسے وہ اپنے ساتھ گھر لے جاتا۔ اس کے بارے میں محلے میں چہ میگوئیاں ہوتی رہتی تھیں۔ بہت سے لوگ کہتے تھے کہ وہ اسمگلر ہے۔ اور کچھ اسے عورتوں کا بیوپاری کہتے تھے۔

لیکن رگھوناتھ سے باز پرس کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ میرا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ والد گارمنٹس فیکٹری میں ملازم تھے جو صبح سویرے گھر سے نکلتے اور اکثر رات گئے دیر سے گھر آتے۔

والدہ زیتون بی بی گھر پر سلائی کڑھائی کر کے گھر کے اخراجات چلانے کے لئے ابو کی معاونت کرتی تھیں۔ مجھ سے ایک چھوٹی بہن غزالہ بھی تھی جو میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی جبکہ میں فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔

مجھے جاسوسی ناول اور کہانیاں پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ اپنے اس شوق کی تکمیل کے لئے میں اپنی جیب خرچ سے جاسوسی ناول اور ایک مشہور ہارر ڈائجسٹ پڑھتا تھا۔ اور اکثر کہانیاں پڑھتے پڑھتے خود کو بھی ان کہانیوں کا ایک کردار سمجھنے لگتا تھا۔

میرے والدین میری ان حرکتوں سے نالاں رہتے تھے۔ رگوناتھ نامی اس شخص کی پراسرار شخصیت اور اس کے بارے میں لوگوں کی مختلف قسم کی آراسن کر میرے دل میں خیال جاگا۔ کیوں نہ رگھوناتھ کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ ہوسکتا ہے اس طرح اس کی شخصیت سے پردہ اٹھ جائے۔ میں نے اپنے ان خیالات کا اظہار اپنے دو دوستوں ذاکر اور خلیل سے بھی کیا۔ لیکن وہ مجھ سے متفق نہ تھے بلکہ انہوں نے مجھے بھی اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر میرا ارادہ اٹل تھا اور میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ آج شام ہی میں نے رگھوناتھ کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی کو اس کے گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ تو میری جاسوسی کی رگ پھڑک اٹھی۔ میں نصف شب کے بعد والدین کے سوتے ہی چپکے سے گھر سے باہر نکلا۔ اور رگھوناتھ کے گھر میں داخل ہوگیا۔ لیکن اس کمرے کا منظر دیکھتے ہی میرے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ میں نے مناسب یہی جانا کہ فوراً سے پیشتر یہاں سے نکل جاؤں اور پولیس کو اس قتل کی لرزہ خیز واردات سے آگاہ کروں۔ میں نے اپنے اس ارادے کو فوراً ہی عملی جامہ پہنایا۔ اور جس خاموشی سے اس گھر میں داخل ہوا تھا اسی خاموشی سے گھر سے باہر نکل گیا۔ اب میرا رخ اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن کی طرف تھا۔

پولیس اسٹیشن میں بھی رات کے اس پہر سناٹے کا راج تھا۔ ایک سنتری مین گیٹ کے قریب کرسی پر بیٹھا گہری نیند سو رہا تھا۔ فضا اس کے خوفناک خراٹوں سے گونج رہی تھی۔ وہ اپنے گردوپیش سے بے نیاز اپنی نیند پوری کر رہا تھا۔ میرے بار بار پکارنے پر بھی جب وہ نہ اٹھا تو مجبوراً میں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ ”کیا بات ہے اوئے؟ رات کے اس پہر تمہیں کیا تکلیف لاحق ہو رہی ہے جو پولیس اسٹیشن آ کر مجھے جگا ڈالا۔“ سنتری نے گہری نیند سے جاگتے ہی قدرے ناگوار لہجے میں پوچھا۔

”وہ......وہ......رگوناتھ نے......اپنے گھر میں ایک لڑکی کو قتل کر دیا ہے۔“ میں نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

قتل کی واردات کی خبر سنتے ہی سپاہی کی آنکھوں سے نیند بھاگ گئی۔ وہ مجھے لے کر ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں کرسی پر ایک موٹی توند والا ایک اے ایس آئی محوخواب تھا۔ جسے سنتری نے بمشکل جگایا۔ اس نے جاگتے ہی سنتری کے آباؤ اجداد کی شان میں چند ناقابل اشاعت الفاظ ادا کئے، پھر بولا۔ ”یہ لڑکا کون ہے؟“

”سر جی اس لڑکے کا کہنا ہے کہ کسی رگھوناتھ نامی شخص نے اپنے گھر میں ایک لڑکی کو قتل کر دیا ہے۔“ سنتری نے جواب دیا۔

اے ایس آئی نے غور سے مجھے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور بولا۔ ”لڑکے کہیں تم نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا اگر تمہاری اطلاع جھوٹی نکلی تو تمہاری خیر نہیں۔“

”نہیں سر یہ سچ ہے۔“ میں نے اسے مختصر الفاظ میں بتایا کہ کس طرح رگھوناتھ کے گھر داخل ہوا اور وہاں میں نے

ایک خوب صورت لڑکی کی گلا کٹی لاش دیکھی جس کی گردن سے بہنے والا خون خود بخود غائب ہو رہا تھا۔

''بیٹا سب سے پہلے تو تم ہارر اور پراسرار کہانیاں پڑھنا چھوڑ دو تم دن بھر جو کچھ ان کہانیوں میں پڑھتے ہو، وہی رات کو خواب میں دیکھتے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ گھر جا کر آرام سے سو جاؤ۔'' اے ایس آئی نے مجھے پچکارا، اسے اب تک میری بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

''نہیں سر میں سچ کہہ رہا ہوں، خدا کی قسم میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' میں نے کہا۔

اور اے ایس آئی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''غلام سرور؟''

''دیکھو غلام سرور۔ میرا نام جمال شاہ ہے۔ اگر تمہاری یہ اطلاع غلط نکلی تو تمہارے لئے اچھا نہیں ہوگا۔'' پولیس اسٹیشن میں اس وقت جمال شاہ کے علاوہ نصف درجن پولیس اہلکار ڈیوٹی پر موجود تھے۔ وہ مجھے لے کر ایک کھٹارا موبائل میں سوار ہوئے اور میرے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے رگھوناتھ کے گھر کے دروازے پر جا پہنچے، اس ساری کارروائی میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو چکا تھا۔ اس لئے مجھے ڈر تھا کہ کہیں رگھوناتھ نے اس لاش کو ٹھکانے نہ لگا دیا ہو۔

اسی وقت بجلی آ گئی اور ارد گرد کی لائٹیں روشن ہو گئیں۔ ایک سپاہی نے جمال شاہ کے اشارے پر ڈور بیل پر انگلی رکھ دی اور اس وقت تک نہ ہٹائی جب تک دروازہ نہ کھل گیا۔ آنے والا بڑی بڑی مونچھوں والا پینتیس سالہ شخص شلوار قمیض میں ملبوس تھا، غالباً وہ رگھوناتھ کا ملازم تھا۔ اس کی آنکھیں اب تک نیند سے بوجھل تھیں، شاید وہ گہری نیند سے جاگا تھا۔ ''جج جی صاحب؟'' وہ پولیس کو رات کے اس پہر دروازے پر دیکھ کر سٹپٹا گیا۔

''ہمیں اس لڑکے نے اطلاع دی ہے کہ تمہارے مالک نے کسی لڑکی کا خون کر دیا ہے اور اس کی لاش اس کے کمرے میں موجود ہے۔'' جمال شاہ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''قتل اور اس گھر میں صاحب ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے آقا اپنے کمرے میں بے خبر سو رہے ہیں۔'' ملازم نے استعجاب انگیز حیرت سے جواب دیا۔

''سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے یہ سب ابھی پتہ چل جائے گا۔'' جمال شاہ اسے دھکیلتے ہوئے سپاہیوں سمیت گھر میں داخل ہو گیا۔ میں بھی ان کے ساتھ خاموشی سے اندر داخل ہو چکا تھا۔ میں پولیس اہلکاروں سمیت اس کمرے کے دروازے پر جا پہنچا۔ جہاں میں نے اس لڑکی کی گلا کٹی لاش دیکھی تھی۔ جمال شاہ نے دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ پھر دروازہ کھلا اور جمال شاہ سپاہیوں سمیت گرانڈیل رگھوناتھ کو دھکیلتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میں بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس لڑکی کی گلا کٹی لاش اب تک بیڈ پر پڑی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ بیڈ کی چادر لڑکی کی گلا کٹی لاش کے باوجود صاف ستھری تھی۔ اس پر خون کا ہلکا سا دھبہ تک موجود نہ تھا۔

''ہمیں اس لڑکے نے بتایا ہے کہ تم نے کسی لڑکی کا خون کیا ہے، کہاں ہے مقتولہ کی لاش؟'' جمال شاہ نے رگھوناتھ کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا اور میں حیرت سے اچھل پڑا، لڑکی کی گلا کٹی لاش بیڈ پر سامنے ہی موجود تھی جبکہ جمال شاہ رگھوناتھ سے لاش کے بارے میں استفسار کر رہا تھا۔

''آفیسر تم اس لڑکے کے کہنے پر بغیر کسی وارنٹ کے رات کے اس پہر میرے گھر میں داخل ہوئے ہو۔ اس کے باوجود میں تم سے تعاون کرتے ہوئے اجازت دیتا ہوں کہ میرے گھر کی تلاشی لے لو تاکہ تمہیں تسلی ہو جائے۔'' رگھوناتھ استہزائیہ انداز میں بولا۔ وہ بیڈ پر پڑی لڑکی کا گلا کٹی لاش اور پولیس اہلکاروں کے کمرے میں موجودگی کے باوجود پر سکون تھا۔

''سر لڑکی کی لاش سامنے بیڈ پر موجود ہے۔'' میں نے ان کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے لاش کی طرف اشارہ کیا۔ اور جمال شاہ اور کمرے میں موجود سپاہی مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے انہیں میری ذہنی کیفیت پر شک ہو جبکہ رگھوناتھ کے چہرے پر پراسرار مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"تمہارا دماغ تو درست ہے۔ بیڈ تو خالی پڑا ہے؟" جمال شاہ نے مجھے کڑے تیوروں سے گھورا۔

رگھوناتھ نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے تو یہ لڑکا پاگل نظر آتا ہے۔ اور تم لوگ اس کے کہنے پر میرے گھر پر چڑھ دوڑے۔

"میں سچ کہتا ہوں۔ وہ دیکھو سامنے بیڈ پر لڑکی کی گلا کٹی لاش موجود ہے۔" میں لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔

"بکواس بند کرو، اب اگر تم نے اس قسم کی کوئی الٹی سیدھی بکواس کی تو پولیس اسٹیشن لے جا کر تمہاری خوب خاطر تواضع کروں گا۔" جمال شاہ غصے سے بولا اور میرا بازو پکڑ کر رگھوناتھ سے معذرت کرتا ہوا تقریباً گھسیٹتے ہوئے مجھے لے کر سپاہیوں سمیت رگھوناتھ کے گھر سے باہر نکل گیا۔

میں اس قدر صورتحال پر حیرت و پریشان تھا کہ لڑکی کی لاش ان پولیس اہلکاروں کو کیوں نہیں دکھائی دی جب کہ وہ لاش بیڈ پر پڑی مجھے بخوبی دکھائی دے رہی تھی۔ "لڑکے آئندہ اس قسم کی کوئی اور فضول حرکت مت کرنا۔ ورنہ کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔" اس نے مجھے تنبیہ کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"لیکن سر لاش تو سامنے بیڈ پر پڑی تھی، پھر آپ کو کیوں نہیں نظر آئی۔" میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔ اور جمال شاہ بگڑ گیا۔ "خبردار اب اگر تم نے کسی لاش کا نام لیا تو؟" پھر اس نے ایک دراز قد پولیس اہلکار کی طرف دیکھا اور تند لہجے میں بولا۔ "فدا حسین تم اسے اس کے گھر چھوڑ آؤ اور اس کے گھر والوں کو سمجھاؤ یا تو اسے باندھ کر رکھیں یا کسی پاگل خانے میں داخل کر دیں۔" فدا حسین نے مجھے بازو سے مضبوطی سے پکڑا اور میرے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہوا میرے گھر کے دروازے پر جا پہنچا۔

رات کے اس پہر دروازے پر دستک کی آواز سن کر ابو نے دروازہ کھولا اور میرا ہاتھ ایک باوردی پولیس اہلکار کی گرفت میں دیکھ کر گھبرا گئے۔ "لو سنبھالو اپنے بیٹے کو۔" فدا حسین نے سارا معاملہ ان کے گوش گزار کرنے کے بعد کہا کہ وہ مجھے ہارر اور جاسوسی کہانیاں نہ پڑھنے دیں اور اگر ہو سکے تو کسی اچھے نفسیاتی معالج کو دکھائیں، میں اس دوران نظریں جھکائے ہوئے تھا، شرمندگی اور ندامت میرے چہرے پر صاف دکھائی دے رہی تھی، اس کے بعد فدا حسین واپسی کے لئے مڑا اور ابو نے مجھے اندر کھینچ کر دروازہ مقفل کر دیا۔ امی جان بھی شور شرابے کی آواز سن کر جاگ چکی تھیں۔ "کیا ہوا کون تھا دروازے پر؟ خیریت تو ہے؟" امی جان نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات پوچھ ڈالے۔ "اپنے جیمز بانڈ بیٹے کو سنبھال کر رکھو اور خبردار آئندہ اسے ہارر اور جاسوسی کہانیاں مت پڑھنے دینا۔" ابو نے تلخ لہجے میں کہا اور سارا معاملہ امی جان کو بتایا جو حیرت اور پریشانی سے یہ ماجرا سن رہی تھیں۔ پھر ان دونوں نے مجھے خوب ڈانٹنے کے بعد میرے کمرے میں دھکیل دیا۔

میں افسردہ ہونے کے ساتھ ساتھ حیران و پریشان بھی تھا کہ مقتولہ کی لاش بیڈ پر صاف دکھائی دے رہی تھی لیکن پولیس اہلکاروں کو لاش کیوں نظر نہیں آئی تھی۔ میں رات بھر سوچتا رہا اور جاگتا رہا۔

صبح پانچ بجے کے قریب میری آنکھ لگی، دیر سے سونے کے باعث میں دن کو گیارہ بجے جاگا اور ناشتے کرنے کے بعد گھر سے نکل گیا۔ دیر سے جاگنے کے باعث میں کالج نہیں جا سکا، اتفاق سے خلیل اور ذاکر بھی کالج نہیں گئے تھے، ہم تینوں دوست کافی دیر تک سڑکوں پر مٹر گشت کرتے رہے، میں نے انہیں جب رات میں گزرے واقعے کے بارے میں بتایا تو وہ ناقابل یقین انداز میں سنتے رہے۔

خلیل کا کہنا تھا کہ "رگھوناتھ کوئی جادوگر ہے مجھے اس سے دور دور رہنا چاہئے۔ ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔" ذاکر نے بھی اس کی تائید کی، کچھ روز اسی طرح گزرے۔

اتوار کے دن ہم سارا دن کرکٹ کھیلتے رہے۔ شام کے قریب میں اور ذاکر خلیل کے گھر پہنچ گئے۔ آج میں امی جان کو بتا آیا تھا کہ میں رات دیر سے گھر آؤں گا۔ ہم تینوں دوست مل کر اسٹڈی کریں گے۔ بیٹھک میں بیٹھ کر ہم ہارر

فلمیں دیکھنے لگے، فلم دیکھتے دیکھتے اور ساتھ ہی ساتھ گپ شپ میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ رات گیارہ بجے کے قریب میں نے خلیل سے جانے کی اجازت طلب کی تو ذاکر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم دونوں کے گھر ایک ہی گلی میں تھے، رات ہونے کے باعث اندھیرا پھیل چکا تھا، خلیل نے ہمیں ٹارچ بھی دی اور ہم اس سے رخصت ہوگئے، ہارر فلم اتنی دلچسپ تھی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا اور راستے میں قبرستان بھی پڑتا ہے۔

ذاکر خوف زدہ لہجے میں بولا۔ ''لعنت ہے تم پر مرد ہو کر ڈرتے ہو۔ قبرستان میں مردے دفن ہوتے ہیں ان بیچاروں سے کیا ڈرنا۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

اور ذاکر شرمندہ ہوگیا۔ کچھ دیر بعد ہم قبرستان کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ چاروں طرف پھیلا ہوا مہیب سناٹا اندھیری رات کے باعث قبرستان کا ماحول پراسرار سا لگ رہا تھا۔ ذاکر خوف زدہ ہونے کے باعث خاموش اور سہا ہوا تھا۔

اچانک ہم دونوں ٹھٹک کر رک گئے۔ کافی دور ایک قبر کے پاس کسی انسان کا سایہ دکھائی دے رہا تھا۔ ''یہ کک کون ہے کہیں بھوت یا بدروح تو نہیں؟'' ذاکر نے سختی سے میرا بازو دبوچ لیا۔

''خاموش آہستہ بولو۔'' میں نے ٹارچ آف کرتے ہوئے سرگوشی کی۔ ٹارچ آف کرنے کا سبب یہ تھا کہ قبرستان میں موجود وہ شخص ہماری موجودگی سے باخبر نہ ہوجائے۔ ''آؤ دیکھتے ہیں یہ کون ہے؟ اور رات کے اس پہر قبرستان میں کیا کررہا ہے؟'' اس کا ہاتھ تھام کر مختلف قبروں کی آڑ لیتا ہوا میں آگے بڑھا اور ایک قبر کے کتبے کی آڑ میں دبک گیا۔ یہاں سے وہ شخص صاف دکھائی دے رہا تھا۔ چاند کی ناکافی روشنی بھی ہماری معاون تھی۔

ہم دونوں اسے پہچان چکے تھے وہ یہ رگھوناتھ تھا جو ایک ٹوٹی پھوٹی قبر میں کچھ رکھ رہا تھا۔ پھر ہم نے دیکھا وہ کچھ دیر وہاں کھڑا اشلوک پڑھنے کے بعد قبرستان سے باہر جانے لگا۔ ''آؤ دیکھیں۔ اس نے قبر میں کیا رکھا ہے؟'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''نن نہیں مجھے ڈر لگ گیا ہے۔'' ذاکر سہم گیا۔

''بکواس بند کرو۔'' میں نے اسے ڈانٹا اور تقریباً اسے گھسیٹنے کے سے انداز میں لئے ہوئے اس قبر تک پہنچ گیا جس میں رگھوناتھ نے کچھ رکھا تھا۔ رگھوناتھ اب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا قبرستان سے باہر نکل گیا تھا۔ میں نے ٹارچ روشن کی اور اس خستہ حال ٹوٹی ہوئی قبر کا جائزہ لینے لگا۔ قبر میں ایک کافی بڑا رخنہ تھا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا، ایک تیلی سے ڈوری سے ایک پتلا بندھا قبر میں لٹک رہا تھا۔ ڈوری کا دوسرا سرا پتلے کی گردن کے گرد بندھا ہوا تھا۔ ''چلو یار یہ نہ ہو کہ ہم کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائیں۔'' ذاکر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یار تم خواہ مخواہ ڈر رہے ہو۔ آرام سے بیٹھے رہو، کچھ نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا اور آیت الکرسی پڑھتے ہوئے ڈوری باہر کھینچی۔ یہ کپڑے کا بنا ہوا ایک پتلا تھا۔ جس میں جابجا سوئیاں نصب تھیں۔ میں نے آیت الکرسی پڑھتے ہوئے پتلے کے جسم سے ایک ایک کر کے وہ ساری سوئیاں باہر نکال کر ایک طرف پھینک دیں، ایسا کرتے ہوئے میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا لیکن خیریت گزری کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ ''اب چلو تم خواہ مخواہ ڈر رہے تھے۔'' میں نے پتلا ایک طرف پھینکا اور ذاکر کا ہاتھ تھام کر چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ ایک خوفناک چیخ سنائی دی اب تو میں بھی ڈر چکا تھا ہم دونوں خوفزدہ ہو کر دوڑتے ہوئے آگے بڑھے ہی تھے کہ جہاں کے تہاں تھم گئے۔ ہمارے سامنے تنومند رگھوناتھ کھڑا غضب ناک نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ''بالک تم نے دوبار میرا راستہ کھوٹا کیا ہے۔

ایک بار جب میں نے اپنی غلام کالی چڑیل کی پیاس بجھانے کے لئے اس لڑکی کا گلا کاٹا تھا۔ تم پولیس کو لے کر میرے گھر میں داخل ہوگئے، اور دوسرا آج اس پتلے سے سوئیاں نکال کر میرے مہلک ترین عمل کو ناکارہ بنادیا، جو میں نے اپنے ایک دشمن کو ہلاک کرنے کے لئے کیا تھا۔ اب میرا دشمن محفوظ ہو چکا ہے۔'' وہ غضب ناک انداز میں

بولا اور زیر لب کچھ بڑبڑایا۔

اگلا ہی لمحہ نہایت ہی حیرت انگیز اور خوفناک تھا، ہماری آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، ایک ہیولہ سا نمودار ہوا، جس نے دراز قد قوی ہیکل عورت کا روپ دھار لیا، اس عورت کا چہرہ انتہائی خوفناک اور بھیانک تھا۔ تاریکی کے باوجود اس کی روشن آنکھیں چمکتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ دو دہکتے ہوئے سرخ انگاروں کی مانند سامنے کے دانت لمبے، نوکیلے اور ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

ذاکر اس خوفناک بلا کو دیکھتے ہی لہرا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ جبکہ میں ساکت و جامد کھڑا اس خوفناک صورت عورت کو دیکھ رہا تھا۔

یہ ''شا کالی'' ہے جسے کالی چڑیل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ میری غلام ہے اور اس کی شکتی لامحدود ہے۔ یہ میرے بہت سے مشکل کاموں میں کام آتی ہے اور اسے زندہ و شاداب رکھنے کے لئے مجھے ہر ہفتے کسی انسان کا خون اس کی بھینٹ کرنا پڑتا ہے۔ اس روز میں نے اس لڑکی کا گلا اسی لئے کاٹا تھا اور آج میں اس جگہ تمہارا گلا کاٹ کر شا کالی کی پیاس بجھاؤں گا۔'' وہ سانپ کی طرح پھنکارہ جبکہ وہ خوفناک کالی چڑیل مجھے قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، اس کے پاؤں ہاتھی کی طرح بھاری بھرکم تھے جن میں لمبے لمبے ناخن تھے۔ رگھوناتھ نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا اور ایک خطرناک تیز دھار خنجر نکال کر خوفناک ارادے سے میری طرف بڑھا، مجھے اپنا انجام صاف نظر آرہا تھا، رگھوناتھ نے میرے قریب پہنچ کر خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا، میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ میرا دل گویا دھڑکنا بھول چکا تھا اور نگاہیں اس کے خنجر والے ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں۔ اسی لمحے کالی چڑیل نے خوفناک چیخ ماری اور پلک جھپکتے میں غائب ہوگئی۔ رگھوناتھ ٹھٹک کر رک گیا اور پھر نظریں گھما کر ایک طرف دیکھا۔ اور کسی نادیدہ قوت کو مخاطب کرکے بولا۔ ''تو نے اچھا نہیں کیا۔ میرے اور اس مہاشے کے بیچ آکر مجھے اپنی یہ ناکامی ہمیشہ یاد رہے گی، دیوی دیوتا کی شکتی تو نہیں جانتا۔ ماں شیراں والی کا شراپ تجھے کبھی شما نہیں کرے گا۔''

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے رگھوناتھ کو دیکھ رہا تھا کہ آخر وہ کس سے مخاطب ہے۔ اتنا اندازہ تو میں کر ہی چکا تھا کہ رگھوناتھ کے کس بل ڈھیلے ہو چکے ہیں۔

''میں جا رہا ہوں پرنتو اتنا یاد رکھنا میں اس بالک کو نہیں چھوڑوں گا۔ تم کب تک اسے بچاؤ گے۔'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا اور پھر غضب ناک نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ایک طرف روانہ ہوگیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں انتقامی جذبے کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔ مگر اب میں مطمئن ہو چکا تھا۔

رگھوناتھ کسی نادیدہ طاقت سے خوفزدہ ہو کر جا چکا تھا۔

''اب تم بھی اپنے ساتھی کو ہوش میں لاکر یہاں سے چلے جاؤ اور اس شیطان سے ہوشیار رہنا یہ کبھی بھی پلٹ کر وار کرسکتا ہے۔'' ایک ٹھوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''آپ کون ہیں؟'' میں نے ہمت کرکے پوچھا۔

''میں خداوند کریم کا ایک ادنیٰ سا بندہ ہوں تم نے قبر میں لٹکے پتلے سے سوئیاں نکال کر ایک بے گناہ انسان کی جان بچائی، تمہاری اسی نیکی کے باعث خدا کے حکم سے تمہیں بچانے آگیا اور اگر تم پتلے سے سوئیاں نکالتے وقت آیت الکرسی نہ پڑھتے تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔''

وہی آواز دوبارہ ابھری۔

''آپ میرے سامنے کیوں نہیں آتے؟'' میں نے پوچھا مگر اس بار جواب میں خاموشی چھائی رہی، میں نے بڑی مشکلوں سے جھنجھوڑ کر اور ذاکر کے رخساروں پر تھپڑ مار کر ہوش میں لایا وہ اب تک خوفزدہ تھا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''ڈرو مت وہ خبیث جا چکا ہے۔'' میں نے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر قبرستان سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد ہم اپنی گلی میں داخل ہو چکے تھے۔ میں ذاکر کو اس کے گھر کے دروازے پر چھوڑ کر اپنے گھر جا پہنچا۔ دیر سے گھر لوٹنے پر مجھے امی ابو سے ڈانٹ سننا پڑی۔

خوش قسمتی سے آج مجھ پر نیند کی دیوی جلد مہربان ہوگئی اور میں سوگیا۔

صبح امی نے مجھے جلدی جگایا اور میں ناشتہ کرکے تیار

ہوکر کالج روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچتے ہی مجھے خلیل سے معلوم ہوا کہ آج ذاکر کالج نہیں آیا ہے اسے بہت تیز بخار ہے۔ چھٹی کے بعد ہم دونوں ذاکر کے گھر گئے، جہاں ہمیں معلوم ہوا کہ اسے رات کو ہی تیز بخار چڑھا تھا اور وہ رات بھر ہذیان بکتا رہا تھا میں اپنے تعلیمی اخراجات پورا کرنے کے لئے شام کو چند بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھاتا تھا۔

☆......☆......☆

شیخ حامد ایک تاجر تھے۔ کرن ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جو سیون کلاس کی اسٹوڈنٹ تھی۔ میں کرن کو پڑھانے اس کے گھر جایا کرتا تھا۔ میں شام چھ بجے کے قریب شیخ صاحب کے گھر گیا۔ اس روز وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک پارٹی میں گئے ہوئے تھے، گھر پر صرف ایک ادھیڑ عمر ملازمہ اور کرن تھی۔ میں معمول کے مطابق کرن کو پڑھانے کے بعد وہاں سے روانہ ہوگیا۔ راستے میں خلیل اور چند دوسرے دوستوں سے ملاقات ہوگئی۔ گپ شپ میں کافی وقت گزر گیا۔

جب میں گھر پہنچا تو رات کے نو بج رہے تھے۔ ابو اب تک فیکٹری سے نہیں لوٹے تھے۔ گھر پر صرف امی اور غزالہ تھیں۔ ”آج تم پھر لیٹ آئے ہو، شکر کرو تمہارے ابو گھر پر نہیں ہیں۔“ امی جان نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

”امی جان آپ کے ہوتے ہوئے مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ میں امی جان سے لپٹ گیا۔ ”ارے ہاں کچھ دیر پہلے ایک آدمی ایک سوٹ کیس دے گیا تھا کہا تھا کہ یہ سرور نے بھجوایا ہے؟ پتہ نہیں کیا ہے اس میں، میں تو اس لئے نہیں دیکھ پائی کہ سوٹ کیس میں تالا لگا ہوا تھا۔“ امی نے کہا اور میں چونک گیا۔

”میں نے تو کسی قسم کا سوٹ کیس نہیں بھجوایا۔ کہاں ہے وہ سوٹ کیس؟“ میں نے قدرے پریشان لہجے میں پوچھا۔

”میں نے تمہارے کمرے میں رکھ دیا ہے۔“

میں اپنے کمرے میں جانے ہی لگا تھا کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ ”یہ کون ہے جو اس قدر زور سے دروازہ بجارہا ہے۔“ امی جان بڑبڑائیں جبکہ میں کندھے اچکاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ ”آرہا ہوں بھئی۔“ مگر دروازے پر مسلسل زوردار دستک جاری تھی، ایسا لگ رہا تھا کہ باہر موجود شخص دروازہ توڑنے کے درپے ہے، میں نے دروازہ کھولا اور حیرت زدہ رہ گیا۔

دروازے پر اے ایس آئی جمال شاہ چند سپاہیوں سمیت موجود تھا۔ ”غلام سرور ہم تمہیں چوری کے الزام میں گرفتار کرنے آئے ہیں۔“ جمال شاہ نے ہتھکڑی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”چوری میں نے تو کوئی چوری نہیں کی۔“ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے چشم زدن میں مجھے ہتھکڑی پہنا کر اندر دھکیلتے ہوئے سپاہیوں سمیت گھر میں گھس گیا۔ ”یہ آپ اچھا نہیں کررہے ہیں۔“ میں نے احتجاج کیا اور جمال شاہ نے مجھے زوردار تھپڑ رسید کردیا۔

”بچو ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے کرتوت سامنے آجائیں گے۔ اس روز تو قتل کی جھوٹی اطلاع دینے پر میں نے تمہیں معاف کردیا تھا۔ مگر چوری ایک سنگین جرم ہے۔ شیخ حامد نے خود ہمیں اطلاع دی ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ کسی تقریب میں گئے ہوئے تھے۔ جبکہ کرن بی بی ملازمہ کے ساتھ گھر میں اکیلی تھی۔ اس دوران تم کرن بی بی کو ٹیوشن پڑھانے گئے۔ رات آٹھ بجے گھر واپسی پر شیخ حامد صاحب اپنے بیڈروم میں پہنچے تو ان کی تجوری کھلی پڑی تھی۔ جس میں سے دولاکھ روپے اور لاکھوں کے زیورات غائب ہیں۔“

”یہ جھوٹ ہے ٹیوشن پڑھانے کے بعد میں اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ کررہا تھا جس کی گواہی وہ ضرور دیں گے۔“ میں نے گال سہلاتے ہوئے جواب دیا۔

جمال شاہ کا تھپڑ میرے دائیں گال اور کان پر پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے کان سائیں سائیں کررہا تھا۔ امی جان اور غزالہ ششدر کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ جمال شاہ کے اشارے پر سپاہی گھر کی تلاشی لینے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد ایک موٹی توند والا سپاہی سوٹ کیس اٹھائے میرے کمرے سے باہر نکلا۔ ”سر اس کمرے سے یہ سوٹ کیس ملا ہے۔“ وہ پرجوش لہجے میں بولا اور سوٹ کیس جمال شاہ کے سامنے رکھ دیا۔ ”چابی کہاں ہے اس کی؟“ جمال شاہ نے میری

طرف دیکھا۔

"اس کی چابی نہیں ہے میرے پاس اور نہ ہی یہ سوٹ کیس میرا ہے۔ کچھ دیر پہلے میری غیر موجودگی میں ایک شخص امی جان کو یہ سوٹ کیس دے گیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ سچ کہہ رہا ہے بیٹا اس کے آنے سے پہلے ایک آدمی نے مجھے یہ سوٹ کیس دیا اور کہا کہ یہ غلام سرور نے بھیجا ہے، یہ ضرور کسی نے میرے بیٹے کو پھنسانے کی سازش کی ہے۔" امی نے کہا۔

"اس کا تالا توڑو۔" سوٹ کیس کا معائنہ کرنے کے بعد جمال شاہ نے حکم دیا۔ کچھ ہی دیر میں ایک سپاہی نے سوٹ کیس کا تالا توڑ ڈالا۔ جمال شاہ نے سوٹ کیس کھولا۔

"اندر نوٹوں کی گڈیاں اور زیورات موجود تھے۔" تم کہتے ہو کہ میں نے چوری نہیں کی تو پھر یہ رقم اور لاکھوں کے زیورات کہاں سے آئے۔" وہ میرے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے بولا۔

"مت مارو میرے بیٹے کو میں نے کہا ناں کہ یہ سوٹ کیس ایک دوسرے آدمی نے اس کی غیر موجودگی میں دیا تھا۔" امی جان مجھے پٹتا دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔

"خاموش رہو بڑی بی۔ اگر تم سچ کہہ رہی ہو پھر بھی تمہارا بیٹا چور ہے۔ وہ شخص جس نے تمہیں سوٹ کیس دیا وہ ضرور اس کا ساتھی ہوگا۔ مجھے تو یقین ہے اس کا تعلق چوروں کے کسی گروہ سے ہے۔"

وہ مجھے مارتے پیٹتے ہوئے گھر سے باہر لے جانے لگے۔ جبکہ امی جان سینے پر ہاتھ رکھ کر گر پڑیں۔ غزالہ روتی ہوئی درد کی شدت سے تڑپتی امی جان سے لپٹ گئی۔

"چھوڑو مجھے میری ماں کو کچھ ہوگیا ہے۔" میں ماں کو گرتا ہوا دیکھ کر چلایا مگر ان ظالموں نے میری ایک نہ سنی اور مجھے گھسیٹتے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔ اسی وقت فیکٹری سے گھر پہنچنے والے ابو جان ہکا بکا یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ پولیس اہلکاران کے بیٹے کو ہتھکڑی پہنائے بے دردی سے پولیس موبائل میں پھینک رہے تھے۔ محلے کے بہت سے افراد بھی شور شرابا سن کر گھروں سے باہر نکل چکے تھے۔ "کہاں لے جا رہے ہو میرے بیٹے کو؟" وہ تڑپ کر آگے بڑھے۔

"یہ چور ہے اس نے شیخ حامد کے گھر سے لاکھوں کی رقم اور زیورات چرائے ہیں۔ جو اس سوٹ کیس میں موجود ہیں اور یہ سوٹ کیس اس کے کمرے سے برآمد ہوا ہے۔" جمال شاہ زہر خند لہجے میں بولا، پولیس اسٹیشن پہنچنے تک پولیس اہلکاروں نے مجھے بری طرح زدوکوب کیا۔ میرا پورا بدن پولیس اہلکاروں کی مار سے بری طرح دکھ رہا تھا۔ اس وقت لاک اپ میں ایک دبلا پتلا نوجوان بھی موجود تھا۔ جس نے آگے بڑھ کر مجھے سہارا دیا۔ "شکل سے تو تم سیدھے سادھے اور کسی کالج کے اسٹوڈنٹ دکھائی دیتے ہو۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو مجھ پر چوری کا جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔ لیکن سمجھ نہیں آتا کہ شیخ حامد کو مجھے پھنسوانے کی کیا ضرورت تھی۔ میری تو ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے بلکہ وہ تو مجھ پر بہت مہربان تھے۔" میں لاک اپ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کراہتے ہوئے بولا۔ اور مختصر الفاظ میں اسے اپنی روداد سنا ڈالی۔

جسے وہ حیرت سے سنتا رہا اور پھر بولا۔ "یہ واقعی نہ سمجھ آنے والی بات ہے۔ اگر رگھونا تھ نامی وہ شخص کوئی ایسی حرکت کرتا تو حیرت نہ ہوتی کیوں کہ دو بار تم نے اس کا راستہ کھوٹا کیا۔" اس نے کہا۔ ہم کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

"اس کا نام واصف تھا وہ جیب کترا تھا اور جیب تراشی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر بھی تھی کہ ابو اب تک میرا پتہ کرنے پولیس اسٹیشن کیوں نہیں آئے۔

شام پانچ بجے کے قریب خلیل اور ذاکر پولیس اسٹیشن آئے، ان کے چہرے افسردہ تھے۔ انہوں نے جو خبر سنائی اسے سنتے ہی مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی ہو، امی جان کو میری گرفتاری کے صدمے سے دل کا دورہ پڑا تھا۔ اور وہ اسپتال جانے سے پہلے فوت ہوگئی تھیں۔

میں بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیا۔ ذاکر خلیل اور واصف نے مجھے صبر کرنے کی تاکید کی۔ سنگدل پولیس

اہلکاروں نے مجھے والدہ کے جنازے میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔ یہ بے حسی کی انتہا تھی۔ دوسرے روز مجھے کورٹ میں پیش کرکے تین روز کا ریمانڈ لیا گیا۔ پھر تو تفتیش کے نام پر مجھ پر ٹارچر کی انتہا کردی گئی۔ مجھے کئی کئی گھنٹے چھت پر لگے ہک سے رسی کی مدد سے الٹا لٹکایا جاتا اور انتہائی بے رحمی سے کسی سینڈ بیگ کی طرح میرے جسم پر لاتیں اور گھونسے مارے جاتے۔ میرے پاؤں کے تلوں پر ڈنڈے برسائے جاتے، میرے ریمانڈ کو تیسرا روز تھا۔ جب مجھے ایک اور بری خبر سننے کو ملی۔ غزالہ کو اغوا کرلیا گیا تھا۔ رات گئے ایک سنسان پارک سے غزالہ کی گلا کٹی لاش ملی، پوسٹ مارٹم رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اس کے جسم میں موجود خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا گیا تھا۔ اور قتل سے پہلے اسے بے آبرو کیا گیا تھا۔ میرے لئے سب سے صدمے والی بات یہ تھی کہ چوری کا مال گھر سے برآمد ہونے کی وجہ سے ابو اور تمام محلے والے مجھے چور سمجھنے لگے تھے۔ اور مجھے ہی میری ماں کی موت کا ذمہ دار ٹھہراتے رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ میری حرکتوں کی وجہ سے میری ماں کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ ریمانڈ کے ختم ہوتے ہی مجھے کورٹ میں پیش کیا گیا۔ جہاں مجھے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا۔ پھر میرے مقدمے کی سماعت ہوتی رہی۔

بالآخر مجھے پانچ سال قید بامشقت کی سزا سنادی گئی۔ وقت اچھا ہو یا برا کبھی نہیں ٹھہرتا۔ یہ گزر ہی جاتا ہے، یہ پانچ سال بھی گزر ہی گئے اور میں جیل سے رہا ہوگیا۔ لیکن ان گزرے پانچ سالوں نے میری معصومیت کو نگل لیا تھا۔ جیل میں جرائم پیشہ قیدیوں سے میں لڑائی جھگڑے سمیت بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔ جیل سے رہائی پاتے ہی میں نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ دروازے پر دستک دینے سے ایک باریش شخص باہر نکلا اور مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''تم کون ہو؟ اور میرے گھر پر کیا کررہے ہو؟'' میں نے تعجب سے استفسار کیا۔

''میاں کہیں نشے میں تو نہیں یہ میرا گھر ہے۔ باریش شخص بولا۔ ''لیکن یہ میرا گھر ہے۔ یہاں میرا بچپن گزرا ہے۔ یہاں میرے والد گل رحمٰن رہتے تھے۔'' میں استعجاب انگیز حیرت سے بولا۔

''اچھا تو تم رحمٰن صاحب کے وہی اوباش بیٹے ہو جس نے حامد صاحب کے گھر چوری کی تھی۔ اور تمہاری وجہ سے تمہاری ماں کی جان چلی گئی تھی۔''

''اے منہ سنبھال کر بات کرو مجھ پر چوری کا جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔ اور سیدھی طرح میرے سوال کا جواب دو میرے ابو کہاں ہیں۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔

''رحمٰن صاحب میرے ہاتھ یہ مکان فروخت کرگئے تھے۔ کہاں گئے یہ میں نہیں جانتا۔'' اس نے رکھائی سے کہا اور دروازہ بند کردیا۔ میں تھکے تھکے قدموں سے ایک طرف چل دیا۔ مجھے محلے کا جو بھی شخص دیکھتا نفرت سے منہ پھیر لیتا۔ گویا سب مجھے چور سمجھ رہے تھے۔

میرے شب و روز فٹ پاتھ پر گزرنے لگے۔ میں نے ہوٹل میں بیرا گیری بھی کی لیکن نہ جانے کیسے ہوٹل کے مالک کو پتہ چل گیا کہ میں چوری کا سزا یافتہ مجرم ہوں، اس نے مجھے کام سے نکال دیا۔ دو تین روز بعد ایک کپڑے کی دکان پر ملازم ہوگیا۔ وہاں بھی مالک کو جیسے ہی پتہ چلا کہ میں جیل میں رہ چکا ہوں۔ اس نے بھی مجھے کام سے نکال دیا۔ ان حالات نے مجھے زندگی سے دلبرداشتہ کردیا تھا۔ اور میں سنجیدگی سے خودکشی کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

ایک روز اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پل سے کودنے کے لئے ریلنگ پر چڑھنے ہی لگا تھا کہ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔ میں نے مڑ کر دیکھا ایک نحیف و نزار شخص مجھے غصے سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ جسم پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اور سر اور داڑھی کے بال جھاڑ جھنکاڑ کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ گلے میں مختلف اقسام کی مالائیں اور ماتھے پر قشقہ یہ ظاہر کررہا تھا کہ وہ کوئی ہندو سادھو ہے۔

''بابا مجھے مرجانے دو۔'' میں سسک پڑا۔

''آتما ہتھیا پاپ ہے مورکھ سنسار میں جب تک منش زندہ رہتا ہے۔ سکھ دکھ آتے جاتے ہیں۔'' وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

بابا میرے ساتھ بہت ظلم ہوئے ہیں۔ مجھے چوری

کے جھوٹے الزام میں پانچ سال جیل میں رہنا پڑا۔ میری بہن کو کسی نے قتل کر دیا۔ میری ماں صدمے سے مر گئی، یہ سب شیخ حامد کی وجہ سے ہوا۔ جس کی بیٹی کو میں پڑھا رہا تھا۔ میں نے تو اس کے ساتھ کچھ برا نہیں کیا نہ جانے اس نے مجھ سے کس چیز کا بدلہ لیا ہے۔'' میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اس میں اس کا کوئی دوش نہیں بالک یہ سب اس کالی چڑیل کے کارن ہوا۔ جو اس دشٹ رگھوناتھ کی غلام ہے۔ ہر دھرم میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔ رگھوناتھ بھی ان میں سے ایک ہے۔ تم نے دو بار اس کا راستہ کھوٹا کیا۔ تمہارے دھرم کی ایک شکتی تمہیں بچا رہی تھی۔ وہ تمہاری جان تو نہ لے سکا پرنتو شیخ حامد کے گھر سے چوری رگھوناتھ نے کروائی۔ اور وہ کالی چڑیل شیخ حامد کے ذہن پر قابض ہوگئی۔ اس طرح شیخ حامد نے تمہارے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کروائی، پھر کالی چڑیل ایک بدمعاش کے ذہن پر قابض ہوگئی جس نے چوری کا مال تمہارے گھر میں رکھوایا۔ تمہاری بہن کو بھی رگھوناتھ نے اغوا کروایا، اس کا ریپ کرنے کے بعد اس کی ہتھیا بھی رگھوناتھ نے کی اور کالی چڑیل اس کے جسم کا سارا خون پی گئی۔'' سادھو بولتا چلا گیا۔

''میں رگھوناتھ کا خون پی جاؤں گا۔'' میرا خون غصے سے کھول اٹھا۔

''تم اس سے اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ تمہارے دیش سے جا چکا ہے اور اس کے ساتھ کالی چڑیل کی شکتی ہے۔ وہ بہت شکتی شالی چڑیل ہے۔ کسی بھی انسان کے دل و دماغ پر قابو کر کے اسے اپنے اشاروں پر نچا سکتی ہے۔ غرض کہ کوئی کام ایسا نہیں جو اس کے لئے مشکل ہو۔'' سادھو گھمبیر لہجے میں بولا۔

''تو پھر میں کیا کروں؟'' میرے لہجے میں بے چارگی تھی۔

''تم میرے ساتھ چلو میں انیائے کی اس جنگ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔'' سادھو نے کہا۔

میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی۔ میں اس سادھو کے ساتھ ہولیا۔ اس سادھو کا نام جے پال تھا۔ ہم دونوں گھومتے پھرتے ایک دور دراز کے گاؤں میں جا پہنچے۔ اب میں بھی ایک ملنگ دکھائی دے رہا تھا۔ کئی روز سے نہیں نہایا تھا۔ داڑھی مونچھیں بڑھ چکی تھیں، لباس میلا کچیلا ہو چکا تھا۔ ''بابا ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' میں نے دیہات میں پہنچتے ہی پوچھا۔

''جہاں بھگوان لے جائے پرنتو میرا تم سے وچن ہے میں رگھوناتھ کو اس کے پاپوں کی سزا دوں گا۔'' جے پال بولا۔

وہ واقعی ایک مخلص شخص تھا۔ جو ہر وقت میری دلجوئی کرتا رہتا۔ اس روز وہ شام کے وقت مجھے لئے ہوئے ایک دور دراز کے گاؤں میں واقع مندر میں جا پہنچا۔ وہاں ہماری ملاقات برجو نامی پجاری سے ہوئی۔ جو جے پال کے آگے بچھا جا رہا تھا۔ یہیں مجھے پتہ چلا یہ انڈین بارڈر سے متصل علاقہ لاشاری ہے۔ جہاں کی اکثریت ہندو افراد پر مشتمل ہے۔ برجو نے ہماری خوب خاطر تواضع کی وہ گپ شپ میں مشغول تھے کہ میں سونے چلا گیا۔ جے پال نے مجھے علی الصبح جگا دیا۔ ہم ناشتہ کرنے کے بعد مندر سے باہر نکل گئے وہ مجھے لئے ہوئے ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گیا۔ کئی گھنٹوں بعد دور سے ایک چیک پوسٹ دکھائی دی جس پر انڈین ترنگا لہرا رہا تھا۔

میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ مجھے یہی ڈر تھا کہ غیر قانونی طور پر انڈین حدود میں داخل ہونے کے جرم میں مجھے دھر لیا جائے گا مگر میرے خدشے بے بنیاد نکلے۔ چیک پوسٹ پر موجود فوجیوں نے سادھو کے چرن چھوئے اور آشیر باد لینے کے بعد ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔

رات سات آٹھ بجے کے قریب ہم ایک دیہات میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی جے پال نے ایک مندر کا رخ کیا۔ مندر میں موجود جگن ناتھ نامی پجاری نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔

طویل سفر نے ہم کافی تھک چکے تھے۔ اس لئے پیٹ پوجا کے بعد مندر ہی سے ایک کمرے میں محو استراحت ہو گئے۔

میری آنکھ صبح آٹھ بجے کے قریب کھلی تو جے پال بستر پر موجود نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک خوب صورت داسی ٹرے میں ناشتہ لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ ''مہاراج پوجا کر رہے ہیں کچھ سے بعد آئیں گے۔'' داسی نے کہا اور ٹرے میرے سامنے رکھ کر چل دی، ابھی میں ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ جے پال کمرے میں داخل ہوا۔ ''کیسے ہو بالک؟'' میں نے تمہیں اس لئے جگانا مناسب نہیں سمجھا کہ تم سفر سے کافی تھک گئے ہو گے۔''

''بابا یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے لب کشائی کی۔

''ہم اس وقت بیام پور میں موجود ہیں۔ رگھوناتھ بھی اس دیش میں آچکا ہے۔ وہ تیرتھ یاترا کے لئے تمہارے دیش گیا تھا۔ وہیں اس کا من لگ گیا۔ پھر وہ وہاں رہنے لگا۔ پھر اس کی تم سے مڈبھیڑ ہوئی پھر جب وہ اکتا گیا تو واپس اپنے دیش آ گیا۔ پرنتو میں اس یدھ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے سامنے اس کے پاپوں کی سزا دوں گا۔ بس سمے آنے کی دیر ہے اور سمے دور نہیں۔''

چند روز مندر میں رہنے کے بعد وہ مجھے لے کر ایک دور دراز کے پہاڑی علاقے میں جا پہنچا۔ جہاں ایک کٹیا بنی ہوئی تھی، حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کٹیا میں کھانے پینے کی چیزیں بھی موجود تھیں۔ کچھ فاصلے پر آبشار بہہ رہی تھی۔ جس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ اور ارد گرد دور دور تک کسی انسانی آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔

جے پال یہاں آتے ہی ایک جاپ میں مشغول ہوگیا تھا۔ اس کا یہ جاپ کئی دنوں بعد اختتام پذیر ہوا۔ ''بالک سمے آ گیا ہے۔ کل ہم رگھوناتھ کی طرف جائیں گے تیار رہنا۔'' جے پال پر جوش لہجے میں بولا۔

ہم دوسرے روز اس پہاڑی علاقے سے نکلے چند گھنٹوں بعد ایک میدانی علاقے میں پہنچے ہی تھے کہ ٹھٹک کر رک گئے ہمارے سامنے رگھوناتھ کھڑا تھا جو نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا تھا۔

''مجھے اپنی شکتی سے جیسے ہی معلوم ہوا کہ تم دونوں میری تلاش میں ہو۔ تو میں نے سوچا تمہیں کشٹ کیوں دوں اس لئے خود ہی تمہارے سامنے آ گیا۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

''پاپی تیرے پاپوں کا گھڑا بھر چکا ہے۔ تو نے اس معصوم پر ہتھیا چار کیا۔'' جے پال اسے دیکھتے ہی غصے میں آ گیا۔

''جے پال تم بھی کالی کے سیوک ہو اور میں بھی کالی کا سیوک ہوں، فرق صرف اتنا ہے کہ میں تم سے مہان ہوں۔ ایک مسلے کے لئے مجھ سے ٹکرانا اچھا نہیں تم کالی کے عتاب کا شکار ہو جاؤ گے۔'' رگھوناتھ پر سکون لہجے میں بولا۔

''کوئی بھی دھرم کسی انسان پر ہتھیا چار کی آ گیا نہیں دیتا۔ دیوی ماں دیکھ رہی ہے۔ میں پن کا کام کر رہا ہوں۔'' جے پال نے کہا اور زیر لب کچھ بڑبڑا کر اپنی مالا سے ایک دانہ توڑ کر رگھوناتھ کی طرف پھینکا، اگلا ہی لمحہ نہایت ہی حیرت انگیز تھا۔ کئی زہریلے خطرناک سانپ نمودار ہوئے اور پھنکارتے ہوئے رگھوناتھ کی طرف بڑھے۔ رگھوناتھ کے چہرے پر پریشانی کا ذرا سا بھی شائبہ تک نہ تھا۔ وہ پر سکون انداز میں اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے کسی مضبوط چٹان کی طرح ایستادہ تھا۔ پھر اس نے جھک کر زمین سے مٹی اٹھا کر سانپوں کے سامنے پھینکی ایک بہت بڑا اژدھا نمودار ہوا جو پلک جھپکتے میں ان سانپوں کو نگل کر غائب ہو گیا۔

''جے پال تمہارے یہ تیر تو گئے کام سے اب کچھ اور آزماؤ۔ پرنتو اب بھی سمے ہے اس مہاشے کو۔ میرے حوالے کر دو اور یہاں سے چلے جاؤ، میں تمہیں شما کر دوں گا۔'' رگھوناتھ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور جے پال کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے زیر لب کچھ بڑبڑا کر فضا میں ہاتھ لہرایا، اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں مٹی کی ایک ہانڈی نظر آئی۔ ''وچار کر لو جے پال اب بھی سمے ہے۔'' رگھوناتھ نے تنبیہ کیا۔

مگر جے پال نے اس کی بات پر کان دھرے بغیر ہاتھ گھما کر مٹی کی ہانڈی اس کی طرف پھینکی۔ ہانڈی گھومتی ہوئی رگھوناتھ کے سر پر جا پہنچی۔ اسی وقت ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی اور رگھوناتھ کے قریب ایک ہیولہ سا نمودار ہوا جس

نے قوی ہیکل کالی چڑیل کا روپ دھار لیا۔ وہ غضب ناک انداز میں جے پال کی طرف بڑھی مگر رگھوناتھ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ اور حیرت انگیز طور پر اپنے سر پر بلند گول گول گھومتی مٹی کی ہانڈی کو تھام لیا۔ اور چشم زدن میں جگ پال کی طرف اچھال دیا۔

ہانڈی واپس لوٹی اور جے پال کی طرف بڑھی جے پال کے چہرے کا رنگ فق ہوچکا تھا، چاروں طرف بھیانک شوروغل کی ایسی آوازیں ابھرنے لگیں جیسے لاتعداد بدروحیں چیخ رہی ہوں۔ جے پال تو خوف زدہ تھا ہی میرے ہوش وحواس بھی جاتے رہے۔ میں نے پلٹ کر بھاگنا چاہا لیکن میرے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لئے تھے۔ میرا پورا جسم خوف کے باعث لرز رہا تھا۔ بھیانک آوازوں کا شور لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جارہا تھا، پھر مٹی کی وہ ہانڈی جے پال کے سر پر آ گری۔

ہانڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی جے پال دلدوز انداز میں چیخا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کے جسم سے بے شمار چھوٹے چھوٹے ناگ لپٹے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد اس کا جسم ساکت ہوگیا اور ناگ غائب ہوگئے۔ لمحہ بھر بعد میں نے جو منظر دیکھا وہ بیان سے باہر ہے۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے پھٹنے لگا پھر اس میں آگ لگ گئی۔ ''یہ تو گیا کام سے، اب تمہیں کون بچائے گا؟'' رگھوناتھ نے مجھے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آقا مجھے خون کی طلب ہورہی ہے۔ اگر تمہاری آ گیا ہو تو میں اس کے خون سے اپنی پیاس بجھالوں۔'' کالی چڑیل نے اپنے خوفناک نوکیلے دانت کچکچاتے ہوئے کہا اور میں خوف سے لرز اٹھا۔

''نہیں میں اسے اتنی آسان موت نہیں دوں گا اب یہ جب تک زندہ رہے گا میرا غلام رہے گا اسے اپنے ساتھ لے چلو۔'' اس نے کالی چڑیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے بولنے کے لئے اپنے لب کھولنا چاہے۔ لیکن بول نہیں سکا۔ رگھوناتھ اپنے کسی عمل کے ذریعے میری قوت گویائی سلب کرچکا تھا۔ میں رگھوناتھ کے ساتھ نہیں جانا چاہتا تھا۔ لیکن میرے قدم بے اختیار اٹھنے لگے۔ میں سر جھکاتے ہوئے خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔ کالی چڑیل غائب ہوچکی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ میں کالی چڑیل کی شیطانی قوت کے زیر اثر چل رہا ہوں۔ وہ میرے دماغ پر قابض ہوچکی تھی۔

ہم ایک شاندار حویلی میں داخل ہوئے۔ ''آج سے تم یہیں رہو گے اور یہاں سے بھاگنے یا کسی قسم کی غلط حرکت کا سوچنا بھی مت، ورنہ تم جان ہی چکے ہو کہ میں کتنی مہان شکتی کا مالک ہوں اور میرے ساتھ کالی کے آشیرباد کے ساتھ ساتھ شاکالی کی طاقت بھی ہے۔'' وہ مجھے ایک کمرے میں دھکیلتے ہوئے رعونت سے بولا۔

وہ ایک عام سا سرونٹ کوارٹر جیسا کمرہ تھا جس میں ایک پرانا سا بیڈ پڑا تھا، رگھوناتھ کمرے سے جاچکا تھا۔ اس نے کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ میرا یہاں سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ جے پال کے کہنے پر رگھوناتھ سے انتقام کے چکر میں انڈیا آ کر میں ایسے گرداب میں پھنس چکا تھا۔ جس سے نکلنا میرے بس سے باہر تھا۔ دن کا کھانا ایک ادھیڑ عمر ملازم لے کر آیا اور میرے سامنے رکھ کر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ رات آٹھ بجے کے قریب وہی ملازم دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ ''تمہیں آقا نے بلوایا ہے۔'' وہ مجھے لے کر ایک شاندار سے کمرے میں گیا۔ جہاں رگھوناتھ صوفے پر بیٹھا شراب نوشی میں مشغول تھا۔ ''آؤ مہاشے آج تمہیں میرا ایک ضروری کام نمٹانا ہے۔'' وہ شراب کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

''کیا کام؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''تم میرے ڈرائیور کے ساتھ پارک میں جاؤ گے۔ وہاں گاڑی سے نکل کر باہر کھڑے ہوجانا۔ شاکالی کسی نہ کسی لڑکی کو سحر زدہ کرکے گاڑی تک آنے پر مجبور کردے گی۔ تم اسے لے کر یہاں آجانا تمہارا کام صرف اتنا ہی ہے لیکن ایک بات اپنے دھیان میں رکھنا راستے میں بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ تم شاکالی کو جانتے ہی ہو وہ تمہیں پاتال سے بھی کھینچ کر باہر لے آئے گی۔'' اس نے مجھے مخاطب کرکے کہا۔

کچھ دیر بعد میں ایک سیاہ شیشوں والی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ سیاہ شیشوں والی گاڑی سے باہر سے اندر دیکھنا ناممکن تھا جبکہ اندر سے باہر دیکھنا آسان تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک پارک کے قریب روکی۔ میں ڈرائیور کے اشارے پر گاڑی سے اترا اور باہر کھڑا ہوگیا۔ پارک میں خوب چہل پہل تھی۔ کچھ دیر بعد ایک خوبرو ماڈرن لڑکی ایک طرف سے چلتی ہوئی آئی اور میرے قریب آ کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور لڑکی گاڑی میں بیٹھ گئی، کچھ دیر بعد ہم رگھوناتھ کی کوٹھی میں تھے۔ لڑکی اب تک ہوش و حواس میں نہیں تھی میں سمجھ گیا یہ کالی چڑیل کے زیر اثر ہے۔ اس کا تجربہ میں خود بھی دیکھ چکا تھا۔ جب میں سحر زدہ ہو کر نہ چاہنے کے باوجود چلتا ہوا رگھوناتھ کے ساتھ اس کوٹھی تک چلا آیا تھا۔ اب رگھوناتھ مجھے اپنے مذموم مقاصد میں استعمال کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رگھوناتھ لڑکی کو لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور مجھے کمرے سے باہر کھڑے رہنے کی تاکید کی۔

کمرے کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ کمرے میں وہ خبیث شیطانی کھیل میں مصروف ہے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ رگھوناتھ کا خون پی جاؤں۔ لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ رگھوناتھ کالے جادو کا ماہر ہے۔ اس کے علاوہ وہ کالی چڑیل بھی اس کی غلام تھی۔ جو اپنے آقا کی حفاظت سے ہرگز غافل نہیں تھی۔ یہ سب جاننے کے باوجود میرے سینے میں آتش فشاں دہک رہا تھا۔ اور میں نے سوچ لیا تھا کہ جیسے ہی کمرے کا دروازہ کھلے گا۔ اور رگوناتھ باہر نکلنے لگا۔ میں اس پر حملہ کر دوں گا۔ اپنے ارادے کے پختہ ہوتے ہی میں کچن سے تیز دھار چھری اٹھا لایا۔ خوش قسمتی سے اس وقت وہاں کوٹھی کا کوئی بھی ملازم موجود نہ تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا سب سے پہلے وہ لڑکی لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی، جس کا مسلا ہوا لباس اور بکھرے بال اس پر بیتی کہانی بیان کر رہے تھے۔ اس کے بعد رگھوناتھ جیسے ہی باہر نکلا۔ میں نے برق سرعت سے اس پر چھری کا وار کیا۔ مگر میرا ہاتھ فضا میں اٹھا ہی رہ گیا۔ کسی نادیدہ طاقت نے مجھے اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔ میرے حلق سے بے اختیار چیخ نکلی۔ میں کراہتا ہوا اٹھا اسی لمحے ایک ہیولہ سا نمودار ہوا۔ جس نے کالی چڑیل کا روپ دھار لیا۔ اس کا بھیانک چہرہ اس وقت بہت ہی خوفناک دکھائی دے رہا تھا۔ وہ غراہٹ آمیز آواز میں بولی۔ ”تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے آقا پر حملہ کرنے کی، میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔“ وہ بہت اشتعال میں تھی۔

”دھیرج شا کالی دھیرج اسے اتنی جلدی نہیں مارنا میں اس کی وہ حالت کر دوں گا کہ یہ موت کی بھیک مانگے گا۔ مگر اسے موت بھی نہ ملے گی۔“ رگھوناتھ سانپ کی طرح پھنکارہ اور قدرے توقف سے بولا۔ ”غلام سرور اب اس لڑکی کو کسی سنسان مقام تک چھوڑ آؤ ڈرائیور تمہارے ساتھ جائے گا۔“

کچھ دیر بعد ہم سیاہ نقشوں والی کار میں اس لڑکی سمیت جا رہے تھے۔ ڈرائیور نے ایک سنسان مقام پر کار روکی اور کہا۔ ”تم دونوں نیچے اترو۔“ میں اور وہ لڑکی جیسے ہی کار سے باہر نکلے۔ کالی چڑیل کی ٹھوس آواز ابھری۔ ”تمہارے لباس میں وہ چھری اب تک موجود ہے۔ جس سے تم میرے آقا کو مارنا چاہتے تھے۔ اب اسی چھری سے اس لڑکی کا گلا کاٹو۔ مجھے خون کی بہت طلب ہو رہی ہے۔“

”نہیں مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ میں کسی انسان کا خون نہیں کر سکتا۔“ میرے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔

”تو پھر تم مرنے کو تیار ہو جاؤ“ کالی چڑیل کی آواز دوبارہ ابھری، اس کے ساتھ ہی مجھے ایسا لگا جیسے کوئی دونوں ہاتھوں سے میرا گلا دبا رہا ہو۔ میرا سانس رکنے لگا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان نادیدہ ہاتھوں کو گرفت میں لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ”مم میں تمہاری...... ہر بات...... ماننے......کو تیار ہوں۔“ خود کو موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر میں بمشکل پھنسی پھنسی آواز میں اٹکتے ہوئے بولا۔ اس کے ساتھ ہی میرا گلا نادیدہ ہاتھوں کی گرفت سے آزاد ہوگیا۔

میں نے اپنے لباس میں سے وہ تیز دھار چھری نکالی اور مرے مرے قدموں سے اس سحر زدہ لڑکی کی طرف بڑھا، میں نے لڑکی کے قریب آ کر چھری والا ہاتھ بلند کیا

لیکن ہمت نہ ہوسکی کہ اس بے گناہ لڑکی کے گلے خون سے ہاتھ رنگوں اپنی جان بچانے کے لئے کسی بے گناہ کی جان لینا گناہ عظیم ہے۔ میرے ضمیر نے مجھے ملازمت کیا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدلتا۔ نہ جانے کیسے میرا چھری والا ہاتھ تیزی سے گھوما اور لڑکی کے گلے سے خون کا فوارہ بہہ اٹھا۔ اس میں میرے ارادے کا دخل نہیں تھا یہ خود بخود ہو گیا تھا۔ میں سمجھ گیا یہ اس کالی چڑیل کی کارستانی ہے۔ اس نے میرے ذہن پر قابض ہو کر لڑکی کا گلا کٹوایا تھا۔

لڑکی زمین پر گر کر تڑپنے لگی تھی اور اس کا خون زمین پر بہنے کے بجائے خود بخود غائب ہو رہا تھا، میں اپنے ہاتھ میں موجود خون آلود چھری کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک مجھ پر روشنی سی پڑی مجھے ایسا لگا جیسے کسی کیمرے کی فلش لائٹ چمکی ہو۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور دھک سے رہ گیا۔

ڈرائیور گاڑی سے باہر کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں کیمرہ موجود تھا۔ گویا ڈرائیور نے میری تصویر کھینچ لی تھی۔

"آؤ اب گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" ڈرائیور نے خباثت سے ہنستے ہوئے آواز لگائی۔

میں خاموشی سے گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد میں کوٹھی میں رگھوناتھ کے سامنے موجود تھا۔

"اب تمہارے جرم کا ناقابل تردید ثبوت بھی میرے پاس موجود ہے۔ میں تمہاری حالت مردوں سے بھی بدتر بنا دوں گا۔" رگھوناتھ نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کے بعد میں رگھوناتھ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گیا۔ میں نے کالی چڑیل کے سحر میں مبتلا ہو کر تین چار مزید لڑکیوں کا خون کیا۔ اگرچہ یہ قتل میں نے اپنے ہوش و حواس میں نہیں کئے تھے اس کے باوجود بھی مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ میرا ضمیر مجھے ملازمت کر رہا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس جال سے کیسے نکلوں۔

اس روز بھی میں رگھوناتھ کے کہنے پر کسی نئے شکار کی تلاش میں جا رہا تھا کہ میں نے سوچا اس ذلت بھری زندگی سے موت بہتر ہے۔ یہ سوچتے ہی میں تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ڈرائیور پر جھپٹ پڑا اور اسے دبوچ لیا۔

ڈرائیور اس افتاد سے گھبرا گیا۔ اور گاڑی اس کے کنٹرول سے باہر ہو کر بری طرح لہراتی ہوئی سڑک کے کنارے نصب پول سے جا ٹکرائی۔ اور اس کے ساتھ ہی میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا۔

مجھے ہوش آیا تو خود کو ایک آرام دہ بستر پر پڑے پایا۔ قریب ہی ایک پینتیس سالہ شخص موجود تھا۔ وہ خاصا خوبرو اور اسمارٹ نوجوان تھا۔ "کیسے ہو دوست؟" وہ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر مسکرایا۔

"میں کہاں ہوں؟" میں نے پوچھا اور بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

"گھبراؤ مت تمہیں کوئی خاص چوٹ نہیں لگی۔ صرف سر پر چوٹ لگی تھی۔ اسی کے باعث تم بے ہوش ہو گئے تھے۔ میں نے تمہیں سڑک کے کنارے بے ہوش پڑے دیکھا تو تمہاری حالت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کوئی شدید چوٹ نہیں۔ میں خود بھی ڈاکٹر ہوں اسی لئے تمہیں اپنے اپارٹمنٹ میں لے آیا۔ اور تمہیں ٹریٹمنٹ دی، اسے اپنا ہی گھر سمجھو، تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ ویسے بھی میں اکیلا ہی رہتا ہوں۔ میرے علاوہ یہاں صرف ایک ملازم ہے۔ جو گھر کی صفائی کے بعد میرے لئے کھانا پکا کر چلا جاتا ہے۔" وہ بولتا چلا گیا۔

"لیکن میں تو گاڑی میں تھا جب وہ پول سے ٹکرائی پھر میں سڑک کے کنارے کیسے پہنچ گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اور ڈاکٹر کے استفسار پر آپ بیتی اسے سنا ڈالی۔ جسے وہ حیرت اور دلچسپی سے سنتا رہا۔ پھر بولا۔ "میرا نام منصور مرزا ہے۔ اور تعلق انڈیا کے ایک دور دراز کے دیہات سے ہے۔ والد میرے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے، والدہ کی وفات کے بعد شہر آ گیا۔ دن رات محنت کر کے تعلیم حاصل کی اور یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ اپنا پس منظر بتانے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی الجھن باقی نہ رہے۔ تمہارا مقابلہ ماورائی طاقتوں سے ہے۔ جن سے الجھنا تمہارے لئے ناممکن ہے۔ میرا گاؤں ایک پہاڑی علاقہ ہے اس گاؤں میں ایک پہاڑ پر ایک بزرگ بابا جلال موجود ہیں۔ جن سے متعلق بہت سی کرامات مشہور ہیں۔

سنا ہے ان کے قبضے میں بہت سے جنات اور روحیں بھی ہیں، میں تمہیں انہی کے پاس لے چلتا ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تمہیں رگھوناتھ اور اس کالی چڑیل سے نجات دلادیں گے۔"

میں بے توجہی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ میرے ذہن میں بس ایک ہی سوال گردش کررہا تھا۔ میں جب رگھوناتھ کے ڈرائیور پر جھپٹا تھا تو گاڑی میں موجود تھا اور تیز رفتار گاڑی پول سے ٹکرائی تھی۔ پھر میں سڑک کے کنارے کیسے پہنچ گیا۔ جبکہ منصور کا کہنا تھا کہ اس سڑک پر کسی گاڑی کو حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ اور نہ ہی وہاں کوئی دوسرا زخمی موجود تھا اور رگھوناتھ اور کالی چڑیل اب تک مجھ تک کیوں نہیں پہنچے۔ حالانکہ وہ دونوں ہی حیرت انگیز پراسرار صلاحیتوں کے مالک تھے۔

دوسرے روز منصور مجھے لے کر اپنے گاؤں روانہ ہوگیا۔ ہم رات آٹھ بجے اس پہاڑی علاقے میں پہنچے۔ منصور نے کہا تھا کہ صبح بابا سے ملاقات کریں گے۔ ڈاکٹر منصور نے اپنے گھر کا تالا کھولا، ہم دونوں نے مل کر گھر کی صفائی کی اور سونے کے لئے کمرے میں چلے گئے۔

"منصور بھائی بابا کا آستانہ کہاں ہے؟"

میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس گاؤں کے شمال میں پہاڑ پر بنے ایک غار میں وہ رہتے ہیں۔ اب سوجاؤ انشاء اللہ صبح وہاں چلیں گے۔" منصور نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا اور آنکھیں موند لیں۔

دوسرے روز دن گیارہ بجے ہم اس پہاڑی علاقے میں موجود تھے جہاں بابا جلال کا آستانہ تھا۔ مجھے وہاں پہنچ کر حیرت ہوئی، حاجت مندوں کا ایک ہجوم تھا۔ جو وہاں موجود تھا۔ غار کے دہانے پر ایک دراز قد باریش شخص کھڑا تھا۔ جو باری باری ہر ایک کو اندر بھیج رہا تھا۔ ہماری باری کافی دیر بعد آئی۔ ایک پرانی سی چٹائی پر بابا جلال بیٹھے تھے وہ نحیف ونزار کمزور جسم کے مالک تھے۔ چہرے پر سفید رنگ کی نورانی داڑھی اور آنکھوں میں جلال اور ہاتھ میں تسبیح موجود تھی۔ انہوں نے اپنی جلالی آنکھوں سے ہمیں دیکھا۔ مسکرائے اور بیٹھنے کو کہا۔

ہم دونوں بابا کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ بابا نے مجھ پر نظریں جمائیں اور گویا ہوئے۔ "بیٹا اس کائنات میں ہزاروں بھید ہیں۔ بلاضرورت انہیں کریدنا انسان کو کسی بڑی مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہوا۔ تم فطری تجسس کے تحت شیطانی طاقتوں کے مقابل آگئے۔ انجام صاف ظاہر ہے۔ تمہیں ماں کی ممتا باپ کی شفقت سے ہاتھ دھونا پڑے، تمہاری بہن بھی طاغوتی قوتوں کے انتقام کا شکار ہوگئی۔ اور انتقامی جذبے سے مغلوب ہوکر تم اپنے ملک سے بھی دربدر ہوگئے۔ حالانکہ تمہیں چاہئے یہ تھا کہ اس سادھو پر بھروسہ کرنے کے بجائے اس ذات پاک سے رجوع کرتے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے اور بدلہ لینے سے معاف کردینا بہتر ہے۔ سب اللہ پر چھوڑ دو۔ جو ہوا اسے بھول کر اللہ کی عبادت میں گم ہوجاؤ۔ تمہارے سارے دکھ پریشانیاں ختم ہوجائیں گی۔ یہ دنیا فانی ہے اور انسان کی زندگی بہت کم ہے، اللہ نے انسان کو ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا۔ وہ مقصد یہ ہے کہ دکھی انسانوں اور ضرورت مندوں کے کام آیا جائے۔ اگر اسے ہم سے صرف اپنی عبادت مقصود ہوتی تو اس کے لئے فرشتے کم نہیں تھے جو کھائے پیئے بغیر بنا کسی حاجت کے اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔" بابا شیریں لہجے میں بولتے چلے گئے اور ہم سنتے رہے۔

میں نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ "تو پھر ٹھیک ہے بابا میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیں، میرا وعدہ ہے میں پلٹ کر دنیا کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔" میں نے نظریں جھکا کر التجا کی۔

بابا چند لمحوں کے لئے سوچ میں ڈوب گئے۔ آنکھیں موندلیں پھر آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور کہا۔ "اگر ایسا ہے تو ایسے ہی سہی لیکن یاد رکھو تم اپنے ذاتی انتقام کو بھول جاؤ اور سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر اس کی یاد میں گم رہو۔"

"اس دنیا میں اب میرا ہے ہی کون باپ، ماں، بہن سب مجھ سے بچھڑ گئے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے اعتماد کو ذرا برابر بھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔" میں نے کہا۔

منصور رخصت ہو کر چلا گیا۔

میرے شب و روز وہیں گزرنے لگے۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتا۔ بابا پڑھنے کے لئے جو وظیفہ دیتے، میں دلجمعی سے اسے پورا کرتا۔ مجھے وہاں رہتے ہوئے دو سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ بابا مجھ پر بہت مہربان تھے۔ ان کے مرید مجھ پر رشک کرتے تھے میں نے ان کے حکم پر کئی طویل چلے کاٹے۔ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ بابا نے مجھے روحوں اور جنات کو بھی تسخیر کرنے کا علم بھی سکھا دیا۔ اس پہاڑی علاقے میں رہتے ہوئے میں نے بابا جی کی بہت سی کرامات دیکھیں۔

ایک روز میں بابا کے ساتھ غار میں موجود تھا لوگ باری باری اندر آ رہے تھے۔ ایک شخص سات آٹھ سالہ بچے کا ہاتھ تھامے بابا کے سامنے آیا اور رقت آمیز لہجے میں بولا۔ ”بابا جی میرا یہ بیٹا اچانک اپنی قوت گویائی کھو بیٹھا ہے۔ اور بولنے سے قاصر ہے، آپ اس کے لئے دعا کیجئے۔“ یہ کہتے ہی اس بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بابا چٹائی سے اٹھے اور لڑکے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ”کیا تم بول نہیں سکتے؟“ وہ اس گونگے لڑکے سے مخاطب تھے۔

”بابا میں جھوٹ نہیں بول رہا یہ گونگا ہے۔“ وہ شخص بولا۔

بابا نے گویا اس کی بات سنی ہی نہیں اور دوبارہ لڑکے سے کہا۔ ”اللہ کے حکم سے کلمہ پڑھو۔“ دوسرا ہی لمحہ نہایت حیرت انگیز تھا۔ لڑکے نے باآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“ بابا نے پوچھا۔ ”سلیم“ لڑکے نے جواب دیا۔

بابا حیران کھڑے باپ کی طرف مڑے۔ ”اب اپنے بیٹے کو لے جاؤ اب یہ انشاء اللہ بولتا ہی رہے گا۔“ وہ شخص ان کا شکریہ ادا کرتا ہوا وہاں سے روانہ ہو گیا۔

غار میں داخل ہونے والا دوسرا شخص باوردی پولیس اہلکار تھا۔ اس کے چہرے پر رعونت تھی۔ ”بول تو کیوں آیا ہے؟“ بابا نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

”بابا میں ایک پولیس آفیسر ہوں، کچھ روز پہلے ایک بوڑھی عورت آئی جی صاحب کے پاس گئی اور مجھ پر اپنی بیٹی کے قتل کا جھوٹا الزام لگایا، آئی جی صاحب بہت سخت ہیں انہوں نے میرے خلاف انکوائری کا حکم دے دیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں بے گناہ نہ لٹک جاؤں۔“

نہ جانے کیوں بابا کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا۔ میں نے انہیں کبھی غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ سائلین سے بہت پیار محبت سے پیش آتے تھے۔ ”تو کیا کہتا ہے تو بے گناہ ہے نا ہنجار دیکھے گا اپنے کرتوت۔“ انہوں نے غصے سے پولیس اہلکار کی طرف دیکھا اور انگلی سے غار کی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ اگلا ہی لمحہ نہایت حیرت انگیز تھا۔

غار کی دیوار کسی سینما اسکرین کی طرح روشن ہو چکی تھی۔ اور اس پر جیتے جاگتے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ ڈھلتے سورج کا منظر تھا۔ ایک پرانے سے بوسیدہ گھر کا دروازہ کھل رہا تھا۔ ایک سولہ سترہ سالہ خوب صورت لڑکی نے گھر کے دروازے سے قدم باہر رکھے۔ اس نے اپنے جسم کے گرد ایک پرانی سی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وہ جیسے ہی گھر سے نکل کر سڑک پر آئی۔

ایک پولیس موبائل کے بریک چرچرائے، وہی پولیس آفیسر اور دو سپاہی باہر نکلے اور چشم زدن میں اس لڑکی کو دبوچ لیا۔ اب پولیس موبائل کا سفر دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔ پولیس موبائل ایک گھر کے سامنے جا کر رکی، وہ دونوں پولیس اہلکار اس لڑکی کو دبوچے ایک کمرے میں لے گئے، وہاں پہنچتے ہی انہوں نے لڑکی کے منہ سے ہاتھ ہٹایا اور بیڈ پر پھینک دیا۔ دونوں سپاہی کمرے سے باہر چلے گئے۔ اب وہاں وہی پولیس آفیسر موجود تھا جو اس وقت بابا کے سامنے فریادی کے بھیس میں موجود تھا۔

”تمہیں خدا اور رسول کا واسطہ مجھے جانے دو۔“ لڑکی رونے لگی۔

”ایسے کیسے جانے دوں بلبل پہلے یہ تو بتا رات کے اس سمے تو کہاں جا رہی تھی؟“ وہ آفیسر بہکی ہوئی آواز میں بولا۔

”میری ماں بیمار ہے۔ ان کے لئے دوا لینے جا رہی

تھی۔" روتی ہوئی لڑکی نے جواب دیا۔

"میری دوا بھی دیتی جا میں دل کا مریض ہوں، مجھے خوش کر دے۔ تو بھی خوش رہے گی اور تیری غربت بھی دور ہو جائے گی۔ میں تجھے ٹاپ کلاس کی ہیروئن بنا دوں گا۔" وہ بدستور بہکتے ہوئے لہجے میں بولا، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ام الخبائث کے نشے میں دھت ہے۔

"دیکھو میں حافظ قرآن ہوں، تمہیں اللہ کا وسطہ مجھے جانے دو۔" لڑکی اس کے آگے گڑگڑائی۔

"میں پولیس کا سب انسپکٹر ارجن پانڈے ہوں۔ مجھ پر میرے اپنے دھرم کی دیوی دیوتاؤں کے واسطے بے اثر ہیں، تم تو اپنے دھرم کے واسطے دے رہی ہو۔" وہ خباثت آمیز ہنسی سے ہنسا اور اسے دبوچ لیا۔ اس نے اس معصوم لڑکی کو بے لباس کر دیا تھا۔ اب کمرے میں شیطانی کھیل شروع ہو چکا تھا۔ لڑکی کی چیخیں فضا کا کلیجہ ہلا رہی تھیں۔ یہ منظر دیکھتے ہی میرا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے سامنے موجود خبیث پولیس آفیسر کا گلا دبا دوں لیکن بابا جی کا احترام آڑے آ رہا تھا۔ پھر وہ شیطان کمرے سے باہر چلا گیا اور دوسرے دو شیطان کمرے میں داخل ہو گئے، شیطانی کھیل دوبارہ شروع ہو گیا۔ پھر ایک اور منظر ابھرا۔ وہ تینوں شیطان نشے میں دھت بیڈ پر پڑے تھے۔ لڑکی نے اپنا بکھرا ہوا جسم سمیٹا لباس پہن کر کراہتی ہوئی بیڈ سے اتری، کپڑے پہنے اور ایک پولیس اہلکار کی طرف بڑھی، جس کے قریب ہی پسٹل پڑا تھا۔ وہ تینوں کثرت شراب نوشی سے اس قدر دھت تھے کہ انہیں اپنا ہوش ہی نہ تھا۔ لڑکی نے پسٹل اٹھایا نال اپنی کنپٹی سے لگائی اور ٹریگر دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مناظر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

"شیطان تیرا انجام بہت برا ہو گا مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا مگر اتنا یاد رکھنا اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اب جا یہاں سے میری نظروں سے دور ہو جا۔" بابا کا اشتعال بڑھتا چلا گیا۔

ارجن پانڈے غار سے باہر نکل گیا۔

"بابا کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آپ اس شیطان کو اس کے بھیانک جرم کی سزا دیتے۔" میں اب تک غصے میں تھا۔

"اسے سزا ضرور ملے گی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ہمیں ان معاملات میں پڑنے کی اجازت نہیں، یہاں آنے والے لوگوں میں ہر مذہب کے لوگ ہیں، ہمیں بلا تفریق ان کے کام آنا ہے۔" بابا مجھے دلنشیں انداز میں سمجھانے لگے، مجھے وہاں رہتے ہوئے تین سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

اس دوران میں ان جنوں سے بھی ملا جو بابا کے آستانے پر رہتے تھے اور عام انسانوں کو نظر نہیں آتے تھے، قاسم نامی جن میرا دوست بن چکا۔ ایک دو بار میں نے روحوں کو حاضر کرنے کا عمل بھی کیا۔ اور مجھے اس میں کامیابی بھی ہوئی۔

پھر ایک روز مجھے بابا نے اپنے حجرے میں طلب کیا۔

"غلام سرور یہاں سے کوسوں دور کسی کو میری ضرورت ہے میں چند دنوں کے لئے جا رہا ہوں، کچھ روز کے لئے تم میری جگہ رہو گے لیکن اتنا یاد رکھنا بلا تفریق انسانوں کے کام آنا اور کسی سے زیادتی مت کرنا۔" انہوں نے کہا اور اپنی جگہ سے غائب ہو گئے۔

بابا جی کے عقیدت مند ان کی غیر حاضری کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ عبدالحفیظ جن جو یہاں کا نگران تھا اور قاسم جن کا باپ تھا۔ اس نے عقیدت مندوں سے کہا کہ آج سے غلام سرور بابا جی کا قائم مقام ہے۔ اور جب تک بابا جی نہیں آ جاتے یہ انہی کی طرح ضرورت مندوں کے کام آتا رہے گا۔

میں بابا جی کی طرح لوگوں کے کام آنے لگا ان کو گئے ہوئے پانچواں روز تھا۔ اس روز میں شام کے وقت حجرے میں تنہا بیٹھا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کیوں نہ اپنی ماں اور بہن کی روح کو حاضر کروں اس طرح ایک بار ان کا دیدار بھی ہو جائے گا۔ میں نے وظیفہ پڑھنا شروع کیا۔ میرا وظیفہ مکمل ہوتے ہی حجرے میں دو ہیولے نمودار ہوئے جنہوں نے انسانی شکل اختیار کر لی یہ امی جان اور غزالہ تھی۔

غزالہ کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا، میں ان دونوں کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور بے اختیار امی جان کی طرف بڑھا

میں ان سے لپٹنا چاہتا تھا مگر پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ روحوں کا کوئی ٹھوس وجود نہیں ہوتا۔ یہ غیر مرئی ہوتی ہیں۔ ''ماں جی میں تم دونوں کے بغیر بہت اداس ہوں۔'' میں آبدیدہ لہجے میں بولا۔

''بیٹا میں بہت خوش ہوں تمہیں اللہ نے اونچا مقام دیا ہے اس کی قدر کرنا اور اس کی مخلوق کے کام آتے رہنا۔'' امی جان کی روح نے کہا میں اب غزالہ کی روح کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''غزالہ تمہارے ساتھ کیا بیتی؟''

''مت پوچھو بھائی ایک روز نشے میں دھت دو افراد ہمارے گھر داخل ہوئے اور مجھے اسلحے کے بل بوتے پر اغوا کر کے رگھوناتھ کے گھر لے گئے، وہاں رگھوناتھ نے مجھے بے عزت کرنے کے بعد میرا گلا کاٹا اور کالی چڑیل میرے جسم کا سارا خون پی گئی۔'' اس کی بات سنتے ہی میرا خون کھول اٹھا۔ میں اپنے جس ماضی کو یہاں آ کر فراموش کر چکا تھا وہ اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ میرے سامنے آ چکا تھا۔

رگھوناتھ کے ظلم اپنے گھرانے کی تباہی مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ میں یہ بھول گیا کہ میں نے باباجی سے کیا وعدہ کیا تھا۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ مجھے رگھوناتھ سے اپنے گھرانے کی تباہی کا انتقام لینا ہے۔ اب میں پہلے والا عام سا نوجوان غلام سرور نہیں بلکہ باباجی کا قائم مقام تھا۔ جس کے بہت سے جن غلام تھے۔ ''بہن تم فکر مت کرو میں اس شیطان کو تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔'' میں غصے سے کھولتے ہوئے بولا۔

''نہیں میرے بھائی تم ایسا کچھ نہیں کرو گے اب تمہارا ایک مقام ہے۔'' غزالہ نے مجھے سمجھانا چاہا۔

میں سوچنے سمجھنے کے مقام سے نکل چکا تھا۔ ''نہیں بہنا اب اس شیطان کو ڈھیل دینا اچھا نہیں نہ جانے وہ کتنی زندگیوں کو برباد کرے گا۔'' میں نے طیش کے عالم میں کہا اور ان کی روحوں کو جانے کی اجازت دے دی کیونکہ میں جانتا تھا روحوں کو عالم الارواح سے باہر بہت تکلیف سہنا پڑتی ہے۔ میں کچھ دیر حجرے میں ٹہلتا رہا پھر عبدالحفیظ جن کو طلب کیا۔ وہ انسانی روپ میں میرے سامنے حاضر ہوگیا۔ ''عبدالحفیظ تم جانتے ہی ہو رگھوناتھ نے مجھ پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے ہیں۔ وہ میری بہن کا قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ میرے پورے گھرانے کی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ میں اسے انجام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں تم میری مدد کرو گے۔'' میں نے بنا کسی تمہید کے اپنا مدعا بیان کر ڈالا۔

''نہیں آپ ہرگز ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ باباجی نے بھی آپ کو درگزر کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ انسانیت کے کام آئیں اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیں۔'' عبدالحفیظ جن نے مجھے سمجھانا چاہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، چاہے تم میری مدد نہ کرو۔'' میں نے غصے سے کہا اور اسے جانے کا حکم دیا اور آنکھیں بند کر کے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اور ایک جلالی وظیفے کا ورد کرنے لگا۔ وظیفہ مکمل کر کے میں نے ایک طرف پھونک ماری اور اپنی بصارت کا دائرہ وسیع کرنے لگا۔ میں اب کوئی عام انسان نہیں بلکہ باباجی کا جانشین تھا جس کے لئے ہزاروں میل کے فاصلے بھی کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ اب مجھے وہ کوٹھی صاف نظر آ رہی تھی جس میں رگھوناتھ سکونت پذیر تھا۔ میں نے اپنی بصارت کے دائرے کو مزید وسیع کیا۔ رگھوناتھ کے کمرے کا اندرونی منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ خبیث ایک لڑکی سے داد عیش میں مصروف تھا۔ یہ دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔ اور میرے لب ہلنے لگے اب میں ایک بہت ہی جلالی وظیفے کا ورد کر رہا تھا۔ وظیفہ مکمل ہوتے ہی میں نے شہادت کی انگلی کا اشارہ کیا اور کوٹھی کی سمت پھونکا، رگھوناتھ کی کوٹھی آگ کے شعلوں سے بھڑک اٹھی۔ اور آناً فاناً کوٹھی کے چاروں طرف آگ لگ گئی یہ آگ بڑی خوفناک تھی۔ اب یہ منظر دیکھنا ضروری نہیں تھا مجھے یقین تھا کہ رگھوناتھ اس خوفناک آگ میں جل کر مر جائے گا۔

میں اٹھا اور اطمینان سے اپنے بستر پر آ کر سو گیا۔ صبح حسب معمول فجر کی نماز پڑھ کر اپنے حجرے میں عبادت میں مشغول ہوگیا۔ آٹھ بجے حاجت مندوں کی آمد شروع ہوگئی۔ جس سے میں ظہر کی نماز تک فارغ ہوا اور

ظہر کی نماز پڑھ کر عبدالحفیظ جن کو طلب کیا۔ ’’تم نے دیکھا میں نے رگھوناتھ کو اس کے انجام تک پہنچادیا۔‘‘ میں سرشار لہجے میں بولا۔

’’آپ نے بے شک رگھوناتھ کی کوٹھی کو آگ لگائی تھی لیکن وہ کالی چڑیل اسے بحفاظت نکال کر لے گئی۔ افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اس خوفناک آگ میں وہ لڑکی جسے وہ خبیث اغوا کرکے لایا تھا جل کر ہلاک ہوگئی اور دو ملازم جن کا رگھوناتھ کے گندے کاموں میں کوئی ہاتھ نہ تھا وہ بھی مارے گئے۔‘‘ عبدالحفیظ جن نے گہرے دکھ سے کہا اور میں سناٹے میں آ گیا۔ میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔

’’میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو اور اللہ کی مخلوق کے کام آؤ۔‘‘ اس نے کہا اور پھر قدرے توقف سے بولا۔ ’’آپ نے جو کارروائی کی ہے ہوسکتا ہے اس کا انجام اچھا نہ ہو۔‘‘ عبدالحفیظ جن کے خدشات حقیقت کا روپ دھار گئے۔

دوسرے روز جب درجنوں افراد اپنے اپنے مسائل کے حل کے لئے موجود تھے۔ نصف درجن پولیس اہلکار وہاں آ پہنچے ان کی قیادت ارجن پانڈے کررہا تھا، وہی ارجن پانڈے جسے بابا نے اپنے حجرے سے باہر نکال دیا تھا۔

’’بلاؤ اس ڈھونگی کو جو کئی معصوم لڑکیوں کا ہتھیارا ہے۔ میرے پاس اس کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔‘‘ وہ درشت لہجے میں بولا۔

’’اپنی زبان سنبھال کر بات کرو۔ تم اس وقت بابا جی کے آستانے پر موجود ہو۔ ایک عقیدت مند اشتعال میں آ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے عقیدت مند پولیس اہلکاروں کو چاروں طرف سے گھیر چکے تھے۔ شور شرابا سن کر میں بھی حجرے سے باہر آ گیا۔

’’کیا ہورہا ہے یہاں؟‘‘ اچھا تو تم ہو غلام سرور میں تمہاری تصویر دیکھ چکا ہوں۔‘‘ وہ بولا اور ایک تصویر میرے سامنے کردی میں تصویر دیکھتے ہی جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔ یہ وہی تصویر تھی جو رگھوناتھ کے ڈرائیور نے اس وقت کھینچی تھی جب میں نے کالی چڑیل کے زیر اثر آ کر ایک لڑکی کے گلے پر چھری پھیری تھی۔ تصویر میں میرے ہاتھ میں خون آلود چھری صاف دکھائی دے رہی تھی جبکہ مقتول لڑکی کی گلا کٹی لاش میرے قدموں میں پڑی تھی۔

’’تم ہتھیارے ہو کئی لڑکیوں کے قاتل ہو جن کی گلا کٹی لاشیں شہر کے مختلف مقامات سے ملی تھیں اس کے علاوہ گزشتہ روز تم نے رگھوناتھ مہاراج کے گھر پر آگ لگوادی۔ جس سے تین افراد اپنی جان سے گئے۔ اور کوٹھی جل کر خاکستر ہوگئی۔‘‘ ارجن پانڈے نے تصویر میرے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

’’ارجن پانڈے یہ سب جھوٹے الزام ہیں۔ ان لڑکیوں کا قاتل رگھوناتھ ہے جو اپنی عیاشی اور کالی چڑیل کو خون پلانے کے لئے لڑکیوں کا خون کررہا ہے۔‘‘ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

’’سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے اس کا پتہ خود چلے گا میں تمہیں گھسیٹتا ہوا پولیس اسٹیشن تک لے جاؤں گا۔‘‘ پانڈے نے تند لہجے میں کہا اور وہاں موجود بابا کے عقیدت مند اشتعال میں آ گئے۔ انہوں نے پولیس اہلکاروں سے رائفلیں چھین لیں اور انہیں دھکیلنے لگے۔

’’غلام سرور یہ سب تمہیں مہنگا پڑے گا، آج تو ہم چلے جائیں گے۔ لیکن بعد میں بھاری نفری کے ساتھ یہاں آئیں گے تب دیکھیں گے یہ لوگ تمہیں کیسے بچائیں گے۔‘‘ ارجن پانڈے غرایا۔

’’پانڈے اس وقت چلے جاؤ میں کل خود تم سے ملوں گا۔‘‘ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور عقیدت مندوں کو حکم دیا کہ پولیس اہلکاروں کی رائفلیں لوٹا دیں۔

ارجن پانڈے پولیس اہلکاروں سمیت وہاں سے چلا گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صرف چھ سپاہیوں کے بل بوتے پر سینکڑوں لوگوں سے نہیں لڑسکتا۔ میں اپنے حجرے میں واپس چلا گیا۔ اسی لمحے عبدالحفیظ نمودار ہوا۔

’’میں نے کہا تھا ناں کہ آپ کی لگائی ہوئی آگ کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ اب پولیس اہلکار بھاری نفری کے ساتھ یہاں آئیں گے بابا جی کے عقیدت مند ان کی راہ

میں مزاحم ہوں گے اور اس تصادم میں کتنے ہی بے گناہ لپیٹ میں آئیں گے۔ بابا جی کا مقدس آستانہ بدنام ہوجائے گا۔" عبدالحفیظ دقت آمیز لہجے میں بولا۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں آج ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اور تب ہی واپس لوٹوں گا جب اس خبیث کا خاتمہ ہوجائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے، جس سے بابا جی ناراض ہوجائیں۔" عبدالحفیظ نے مجھے سمجھانا چاہا۔

"نہیں اب مجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" میں اٹل لہجے میں بولا۔ میں عبدالحفیظ کے منع کرنے کے باوجود پہاڑ سے اتر گیا۔ میرے دل ودماغ میں انتقام کی ان دیکھی آگ جل رہی تھی وہ آگ جو عقل وشعور کی دشمن ہے۔ اپنے علم سے میں معلوم کرچکا تھا کہ رگھوناتھ اس وقت کالی کے ایک مندر میں موجود ہے۔ میں غصے میں کھولتا ہوا مندر کے دروازے پر جا پہنچا۔ جہاں ایک پجاری کھڑا تھا جو مجھے دیکھ کر تذبذب میں مبتلا ہوگیا۔ کیوں کہ میں شکل وصورت سے مسلمان دکھائی دے رہا تھا۔ بھلا ایک مسلمان کا مندر میں کیا کام؟ "مہاشے کہاں گھسے جارہے ہو۔" اس نے میرا راستہ روکنا چاہا۔

"رگھوناتھ ملعون کو مندر سے باہر نکالو۔ وہ قاتل ہے شیطان ہے ورنہ میں تم سب کو برباد کردوں گا۔" میں نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔

"مہاراج اس سمے جاپ کررہے ہیں، تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ واپس لوٹ جاؤ۔" پجاری نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے پیچھے دھکیلا۔

غصے کی شدت سے میرے جسم کا سارا خون سمٹ کر آنکھوں میں اتر آیا۔ وہ رگھوناتھ کے قبیلے کا ہی شخص تھا میں نے زوردار گھونسہ پجاری کے چہرے پر رسید کیا وہ چیختا ہوا وہیں گر گیا اور میں کسی وحشی جانور کی طرح اس پر پل پڑا۔ کچھ ہی دیر میں وہ مندر کے دروازے پر بے ہوش پڑا تھا۔ اسی لمحے میرے قریب ایک ہیولہ سا نمودار ہوا جس نے عبدالحفیظ جن کا روپ دھار لیا اس وقت وہ اپنی اصل شکل وصورت میں تھا۔ کئی فٹ لمبا اور قوی ہیکل چہرہ انتہائی خوفناک اور بھیانک اگر کوئی عام انسان ہوتا تو اسے دیکھتے ہی بے ہوش ہوجاتا۔ اس کی انگاروں کی طرح دہکتی آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔" کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ میں زبردستی گھسنا یا اسے نقصان پہنچانا گناہ ہے۔ بابا جی آستانے پر لوٹ آئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو طلب کیا ہے۔ اس لئے آپ میرے ساتھ چلیں۔" عبدالحفیظ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"عبدالحفیظ اس وقت میرے سر پر خون سوار ہے میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ اس مندر میں میرا ازلی دشمن رگھوناتھ موجود ہے۔ میں غصے میں بولا۔ عبدالحفیظ نے مجھے روکنے اور سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر میرا اشتعال بڑھتا جارہا تھا۔

بالآخر ایک موقع پر میں نے ایک جلالی وظیفہ پڑھتے ہوئے مندر کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور مندر میں آگ لگ گئی۔

عبدالحفیظ نے کہا۔ "اللہ آپ پر رحم کرے۔" اور میری نگاہوں کے سامنے سے غائب ہوگیا۔ مندر سے چیخ وپکار کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ بہت سے پجاری اور داسیاں جان بچانے کے لئے مندر سے باہر نکلنے لگے۔ مندر سے چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں اور مندر میں لگی آگ بڑھتی جارہی تھی۔ میں مندر سے باہر کھڑا اپنے ازلی دشمن رگھوناتھ کا منتظر تھا۔ مندر اب مکمل اس خوفناک آگ میں گھر چکا تھا۔ مندر کے بہت سے پجاری اور داسیاں مندر سے باہر کھڑے افسردہ نگاہوں سے مندر کو جلتے ہوئے دیکھ رہے تھے، رگھوناتھ اب تک مندر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اسی لمحے فضا پولیس موبائلز کے ہوٹرز سے گونج اٹھی۔ یہ دو پولیس موبائلیں تھیں جن سے درجن بھر پولیس اہلکار اترے اور مجھے گھیرے میں لے لیا۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی آچکی تھیں اور آگ پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھیں۔ ارجن پانڈے کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ "اوہ تو اس مندر میں آگ لگانے کا پاپ تم نے کیا ہے۔" اس نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے مجھے اٹھا کر چشم زدن میں موبائل کے پچھلے حصے میں پٹخ دیا۔

درد کی ایک کٹیلی لہر میرے بدن میں سرایت کرگئی، میں نے غصے میں ایک جلالی ورد کرنا چاہا مگر یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہوگئے کہ میں وظیفہ بھول چکا تھا۔ میں نے پولیس اسٹیشن پہنچنے تک کئی وظیفے یاد کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، مجھے کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔

مجھے ارجن پانڈے کے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔

''اب بول اس روز پہاڑی پر تو بڑا اکڑ رہا تھا۔ اب دکھا اپنے چمتکار۔'' اس نے زوردار تھپڑ میرے چہرے پر رسید کیا۔ تھپڑ اس قدر زور سے مارا گیا تھا کہ میرا سر چکرا اٹھا اور ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔

''یہ تھپڑ تمہیں مہنگا پڑے گا۔'' میں نے اسے غضب ناک نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ اور ارجن پانڈے نے مجھ پر لاتوں، گھونسوں کی بارش کردی۔ ''لے جاؤ اسے کمرہ تفتیش میں الٹا لٹکا دو۔'' سپاہیوں نے مجھے ایک کمرے میں لے جا کر الٹا لٹکا دیا۔ ''میں تم جیسے ڈھونگی باباؤں کی اصلیت اچھی طرح جانتا ہوں۔ سچ سچ بتا تو کون ہے اور ان لڑکیوں کے گلے کیوں کاٹے۔'' ارجن پانڈے نے کہا اور پولیس اہلکار کسی سینڈ بیگ کی طرح میرے جسم پر گھونسے اور لاتیں برسانے لگے۔

پولیس چاہے انڈیا کی ہو یا پاکستان کی دونوں کی کارکردگی ایک جیسی ہے۔ انسان پر اتنا تشدد کیا جاتا ہے کہ وہ اپنا ناکردہ گناہ بھی قبول کرلیتا ہے، میں بھی مار پڑتے ہی فرفر بولنے لگا اور اپنی روداد بیان کرڈالی۔ ''اوہ تو ایسا کہو ناں تم پاکستانی جاسوس ہو۔ جو غیر قانونی طور پر سرحد پار کرکے ہمارے دیش میں داخل ہوئے ہو۔'' انہوں نے مجھ پر تشدد کی انتہا کردی کچھ ہی دیر میں، میں تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہوچکا تھا۔

مجھے ہوش آیا تو بدستور چھت سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔ پولیس اہلکاروں کے ٹارچر اور کئی گھنٹوں سے الٹا لٹکنے کے باعث میرا بدن بری طرح دکھ رہا تھا۔ میں نے دوبارہ کئی وظیفے یاد کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، ایسا لگ رہا تھا جیسے سب کچھ ذہن سے مٹ چکا ہو مجھے اپنی حالت پر رونا آرہا تھا۔

بابا کے آستانے پر میری کتنی قدر ومنزلت تھی جن اور انسان میرے آگے پیچھے جاتے تھے اور یہاں میں کسی ذبح کئے ہوئے جانور کی طرح الٹا لٹکا ہوا تھا۔ میں اپنی بے بسی پر بری طرح کڑھ رہا تھا کہ ایک ہیولہ سا نمودار ہوا جس نے قاسم جن کی شکل اختیار کرلی۔ یہ عبدالحفیظ جن کا بیٹا اور میرا دوست تھا۔ ''دیکھو دوست ظالموں نے میرا کیا حال کردیا ہے۔'' میں بے بسی سے بولا۔

قاسم نے ہاتھ بڑھا کر مجھے آزاد کیا اور کمرے میں کھڑا کردیا اس وقت وہ اپنی اصل شکل وصورت میں تھا اور میری حالت دیکھ کر غصے میں تھا۔ ''آپ کو ابا جان نے تنبیہ کیا تھا مگر آپ نے ان کی نہ سنی یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔ بابا جی آستانے پر آچکے ہیں۔ خاص طور پر مندر میں آگ لگانے والا واقعے سے وہ بہت سخت ناراض ہیں۔ ہم مسلمان ہر مذہب کی عبادت گاہ کا احترام کرتے ہیں، آپ کی اس حرکت سے انڈیا میں فسادات بھڑک اٹھے ہیں۔ انتہا پسند ہندوؤں نے احتجاج کے ساتھ ساتھ۔ مسلمانوں کو جانی ومالی نقصان پہنچانا شروع کردیا ہے۔'' قاسم نے کہا اور میں نے شرمندگی سے گردن جھکالی۔

''قاسم نہ جانے کیوں میں بابا جی کے بتائے ہوئے سارے وظیفے بھول چکا ہوں۔''

''بابا جی نے آپ کی تمام روحانی قوتیں سلب کرلی ہیں۔'' وہ بولا اور میں سناٹے میں آگیا۔ گویا بابا جی نے مجھے اپنی حکم عدولی کی سزا دے ڈالی تھی اور اب میں ایک عام انسان تھا۔ ''قاسم مجھے اس جہنم سے باہر نکالو۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور تین سپاہی اور ایک حوالدار کمرے میں داخل ہوئے، مجھے آزاد دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے اور اپنی رائفلیں میری طرف سیدھی کرلیں، میں جانتا تھا کہ وہ اس جن زادے کو نہیں دیکھ سکتے۔ ''تمہیں تو الٹا لٹکایا گیا تھا پھر تم کیسے آزاد ہوئے۔ حوالدار بولا اور میرے قریب پہنچ کر مجھے تھپڑ مارنا چاہا۔ قاسم نے اپنا ہاتھ لمبا کیا اور اسے آہستہ سے تھپڑ رسید کیا۔ یہ تھپڑ اگرچہ بہت آہستہ مارا گیا تھا لیکن وہ بھاری بھرکم

حوالدار اڑتا ہوا سا دیوار سے جا ٹکرایا اور گر کر ساکت ہوگیا۔ دیوار سے ٹکرانے کے باعث اس کے سر پر چوٹ لگی تھی۔ جس سے خون بہہ رہا تھا۔

سپاہی حوالدار کا حشر دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے۔ انہوں نے ٹریگر دبانا چاہا مگر اب یہ ناممکن تھا۔ پھر جن زادے نے ان کی پٹائی شروع کردی۔ تو وہ خوف سے چیخنے لگے۔ انہیں مار تو پڑ رہی تھی۔ لیکن مارنے والا نظر نہیں آرہا تھا۔ ان میں دو تو خوف و دہشت سے بے ہوش ہوگئے جبکہ تیسرا چیختا ہوا کمرے سے بھاگ گیا۔

قاسم نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے آنکھیں بند کرنے کو کہا میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ میرے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا اور پھر میں نے خود کو ہوا میں اڑتا ہوا محسوس کیا۔ یہ میری زندگی کا پہلا انوکھا تجربہ تھا۔ جو ایک جن زادے کی بدولت حاصل ہورہا تھا۔ میں کسی پرندے کی طرح ہوا میں اڑ رہا تھا۔ پھر میرے پاؤں زمین سے ٹکرائے اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اور اردگرد کا جائزہ لیا یہ کوئی بہت پرانا مکان تھا۔ جس میں جگہ جگہ جالے لگے ہوئے تھے اور ہر طرف گردوغبار تھا۔ "دوست یہ اس دیہات کا ویران مکان ہے۔ انسانی آبادی یہاں سے بہت دور ہے۔ یہاں پہلے جنوں کے ایک قبیلے کا بسیرا تھا جو اب یہاں سے جاچکے ہیں، پھر بھی ان کی دہشت سے آنے والے بھولے بھٹکے مسافر ڈر کے مارے یہاں کا رخ نہیں کرتے، تم کچھ عرصہ یہیں روپوش رہو۔ کھانے کے لئے اس پرفضا مقام میں ہر قسم کا پھل اور پینے کے لئے چشمے کا پانی ہے۔ جب مناسب وقت آئے تو میں تمہیں لینے آؤں گا اور تم بابا جی سے معافی مانگ لینا، مجھے امید ہے وہ تمہیں معاف کردیں گے۔ اور اب کچھ عرصہ ہماری ملاقات نہیں ہوسکتی کیونکہ ہوسکتا ہے اس سے بابا جی ناراض ہوجائیں اور میں بھی ان کے عتاب کا شکار ہوجاؤں۔" قاسم نے کہا اور پلک جھپکتے میں غائب ہوگیا۔

یہ چار کمروں پر مشتمل خستہ حال مکان تھا۔ اس کی حالت سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ برسوں سے یہاں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔ ایک کمرے میں گرد آلود بیڈ بھی رکھا تھا۔ میں نے کچھ دیر میں کوششوں کے بعد اس کمرے کو صاف کیا۔ اور بستر پر لیٹ گیا۔ میں اس قدر تھکا ہوا تھا کہ بیڈ پر لیٹتے ہی سوگیا۔

صبح دیر سے آنکھ کھلی تو مجھے بہت افسوس ہے۔ میری فجر کی نماز قضا ہوچکی تھی۔ بھوک اور پیاس بھی لگ رہی تھی۔ میں اس ویران گھر سے باہر نکلا اور سرسبز وادی کافی خوب صورت تھی۔ مختلف اقسام کے پھلوں کے درخت موجود تھے۔ میں نے سیب کے درخت سے چند سیب توڑے اور شکم سیر ہونے کے بعد پانی کی تلاش میں روانہ ہوگیا۔ قاسم نے بتایا تھا کہ اس وادی میں پانی کا ایک چشمہ بھی موجود ہے۔ میں چشمے کی تلاش میں ایک پگڈنڈی پر چل پڑا۔

کافی فاصلے پر جاکر مجھے بہتے پانی کی آواز سنائی دی۔ میں نے اپنے چلنے کی رفتار بڑھادی، پھر مجھے پانی کا چشمہ نظر آہی گیا۔ مگر میں وہاں جانے کے بجائے ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا۔ اس کا سبب وہاں موجود ایک حسین و جمیل دوشیزہ تھی۔ جو اس قدر خوب صورت تھی کہ میں پیاس بھول کر اسے مبہوت ہوکر دیکھتا چلا گیا۔ بہت صاف و شفاف گلابی چہرہ جس پر نازک سے نقوش تھے اور سنہری زلفوں نے اس حسین چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ جسم جیسے سانچے میں ڈھلا ہوا۔ وہ دوشیزہ ایک گاگر میں پانی بھر رہی تھی۔ پھر میں نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا اس نے چونک کر اس درخت کی طرف دیکھا جس کی آڑ میں، میں چھپا ہوا تھا، میں اسے چونکتا دیکھ کر درخت کی آڑ سے باہر نکلا آیا اور اس کے سامنے جا پہنچا۔ "خوب صورت لڑکی تم کون ہو؟ اور اس ویرانے میں کیا کررہی ہو؟" میں نے لڑکی کی خوب صورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

لڑکی نے اپنے حسن کی تعریف سن کر شرما کر پلکیں جھپکائیں اور بولی۔ "میں مہاراج بھگوان داس کی داسی ہوں۔" اور گاگر اٹھا کر پگڈنڈی پر چل پڑی۔ میں عشق و محبت سے دور رہنے والا انسان تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت لڑکی دیکھی تھی۔ مگر کسی سے اس قدر متاثر نہ ہوا تھا۔ جتنا اس لڑکی سے متاثر ہوچکا تھا۔ یہی نہیں بلکہ سحر زدہ سا اس ملکوتی حسن کی مالک لڑکی کے پیچھے چل پڑا۔

لڑکی شاید اپنے تعاقب سے باخبر تھی۔ اس کی تصدیق اس کے ایک بار پلٹ کر دیکھنے سے ہوئی وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور پھر اپنے راستے پر چل پڑی۔ میں کشاں کشاں سحر زدہ سا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ میں اس وقت اپنے مقام اور مرتبے کو بھول بیٹھا تھا۔ کافی دیر بعد اس سفر کا اختتام ایک کٹیا کے سامنے ہوا، کٹیا کے دروازے پر ایک 80 اسی سالہ بوڑھا سرد موسم میں جسم پر فقط ایک لنگوٹ باندھے کھڑا تھا۔ کثرت عمر کے باوجود وہ کافی صحت مند تھا۔ داسی ایک لمحے کے لئے پجاری کے قریب رکی، پھر کٹیا میں داخل ہوگئی۔ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی میں اس کے حسن کے سحر سے آزاد ہوگیا۔ اور واپس مڑنا چاہا۔

اسی لمحے فضا میں پجاری کی آواز گونجی۔ ''بالک یہاں تک آ ہی گیا ہے تو اندر بھی آ جا۔'' ''میں جھجکتا ہوا اس کے ساتھ کٹیا میں داخل ہوا، داسی ایک طرف سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر شرما کر سر جھکا لیا۔

''بالک تم کس کارن مالنی کا پیچھا کر رہے تھے؟'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''میرا نام غلام سرور ہے۔ میں کبھی کسی لڑکی کو دیکھ کر اتنا بے کل نہیں ہوا۔ پھر نہ جانے اسے دیکھ کر مجھے کیا ہوا کہ میں بے اختیار اس کے پیچھے چل پڑا۔ شاید یہ مجھے بہت اچھی لگی ہے۔'' میں صاف گوئی سے بولا۔

''بالک مجھے تمہارا سچ بولنا اچھا لگا۔ میں پاربتی دیوی کا سیوک بھگوان داس ہوں، یہ میری داسی مالنی ہے اور میری بیٹی سمان ہے۔ تم بڑی گھٹناؤں سے بچ کر نکلے ہو۔ پرنتو اس سے بڑی مصیبتیں تمہارے لئے اپنے پہاڑ سے منہ کھولے کھڑی ہیں۔ تم ایک اچھے منش ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ضدی بھی ہو۔ اور یہی ضد ہے جس کے کارن تم نقصان اٹھا رہے ہو۔ اور اسی ضد کے کارن تم نے اپنے دھرماتما کو ناراض کیا۔ اور اب وقت کی ٹھوکروں میں ہو۔ تمہارا ماضی کیا ہے۔ مستقبل میں کیا ہوگا یہ بھی میں جان چکا ہوں۔ پرنتو اسے بتانے کی مجھے آگیا نہیں، میرا وچار ہے کہ کچھ سمے میرے ساتھ رہو۔ تمہارے بھاگیہ میں یہی لکھا ہے۔''

بھگوان داس نے کہا اور خاموش ہوگیا۔

میرے شب و روز وہیں بیتنے لگے وہ واقعی ایک گیانی پجاری تھا۔ وہ اکثر مختلف قسم کے جاپ کرتا رہتا۔ اس دوران میں مالنی کے ساتھ اکیلا جھونپڑی میں ہوتا۔ لیکن ہمارے درمیان ایک پاکیزہ رشتہ تھا۔ میں کبھی کبھار اسے آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتا تھا۔ وہ بھی میری شرافت کی قائل ہو چکی تھی اور رفتہ رفتہ مجھ سے بے تکلف ہوتی جارہی تھی۔

مجھے اس سرسبز وادی میں رہتے ہوئے تین ماہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔ ان دنوں بھگوان داس کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ اس روز اسے بہت تیز بخار تھا اور سانسیں بھی اکھڑی اکھڑی تھیں۔ جب اس نے مجھے اپنے قریب بلایا۔ ''میرا انت ہونے والا ہے۔ مالنی میری اولاد سے بڑھ کر ہے اور اس نے میری بڑی سیوا کی ہے۔ میرے اور بھگوان کے علاوہ اس کی رکھشا کرنے والا کوئی نہیں۔ تم مسلمان ہو لیکن میرا گیان یہ بتا رہا ہے کہ تم ایک مخلص اور اچھے انسان ہو۔ اور جو وچن دو گے اسے نبھاؤ گے بھی۔ میں مالنی کو تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔'' اس نے قریب بیٹھی مالنی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھمایا۔ ''مجھے وچن دو کہ تم اس کی رکھشا کرو گے۔''

مجھ میں انکار کی ہمت نہ تھی اور سچی بات یہ تھی کہ میں خود بھی مالنی کو چاہنے لگا تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی اپنے لئے پیار کی جھلک دیکھی تھی۔ میں نے بھگوان داس سے وعدہ کیا بھگوان داس تو شاید اسی وعدے کا منتظر تھا۔ اس کا سر ایک طرف ڈھلکا اور وہ ساکت ہوگیا۔ میں نے مالنی کے ساتھ مل کر اس کے دھرم کے مطابق اس کا کریا کرم کر دیا۔

دوسرے روز میں نے مالنی سے کہا۔ ''مالنی میرے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ تمہارے دھرم کے مطابق تم سے شادی کروں، میں تمہیں اپنے مذہبی طریقے سے اپنانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اس کے لئے قاضی اور گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔ جو یہاں میسر نہیں لیکن اس ویرانے میں جہاں دور دور تک کوئی انسان نہیں۔ لیکن خدا ہر جگہ موجود ہے۔ ہم اس خدا کو گواہ بنا کر ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں۔''

مالنی اور میں نے خدا کو گواہ بنا کر ایک دوسرے کو جیون ساتھی چن لیا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ پاگلوں اور عاشقوں میں کوئی فرق نہیں، ان کی اپنی منطق ہوتی ہے اور وہ کسی دوسرے کی نہیں سنتے۔ چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔

وہ رات میری کی زندگی کی حسین ترین رات تھی، مالنی جیسی خوب صورت لڑکی میرے دل کی دھڑکنوں سے زیادہ قریب تھی، ہم دونوں رات بھر ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں سنتے رہے، رات کے آخری پہر سوئے اور دن چڑھے بیدار ہوئے۔

مالنی کو میں نے اپنی داستان حیات بھی سنا ڈالی تھی۔ جسے مالنی حیرت اور دلچسپی سے سنتی رہی۔ اور پھر بولی۔ ''یہ مہاراج بھگوان داس کا پوتر استھان ہے یہاں کوئی بھی شکتی مداخلت نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی شکتی یہاں کے حالات جان سکتی ہے۔'' یہ سن کر مجھے اطمینان ہوا۔

میرے شب و روز مالنی کے ساتھ وہیں گزرنے لگے اس ویرانے میں، میں کبھی کبھی سوچتا کاش میری زندگی بھی ان لاکھوں افراد کی طرح ہوتی جو اس کائنات میں آتے ہیں اور بغیر کچھ کئے واپس چلے جاتے ہیں محدود افراد انہیں جانتے ہیں جو اچھے یا برے الفاظ میں کچھ عرصہ یاد کرتے ہیں پھر بھول جاتے ہیں۔ لیکن افسوس میری ضد اور فطری تجسس سے میں حالات کے بھنور میں پھنس گیا۔

ہم چھ ماہ مزید اس ویرانے میں رہے۔ لیکن پھر میں اکتا گیا۔ میں کسی انسانی آبادی تک جانا چاہتا تھا۔ مجھے رگھوناتھ کے مظالم یاد آ گئے تھے۔ میں اس سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ اب میں پہلے والا غلام سرور نہیں تھا۔ جس کے جن غلام اور روحیں تابع تھیں جو انگلی کی ایک جنبش سے طوفان کھڑا کر دیتا تھا۔ لیکن میں ایک ضدی پسند تھا اور یہ ضد ہی تو ہے جو انسان کو نا قابل تلافی نقصان پہنچاتی ہے۔ اور کبھی کبھار یہ ضدی ہی اسے اس کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ میں مالنی کے روکنے کے باوجود اس سے اصرار کر کے اس سمیت سور گباشی بھگوان داس کے استھان سے نکلا اور چلتا ہوا اس آبادی سے کافی دور نکل گیا۔

ابھی ہم آبادی سے کافی دور تھے کہ پشت سے کسی نے پکارا، میں نے مڑ کر دیکھا اور حیرت زدہ رہ گیا۔ رگھوناتھ کسی خون خوار درندے کی طرح مجھے غضب ناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں کب سے تمہاری تلاش میں تھا۔ لیکن تمہارے چاروں طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ آج جب دھند چھٹی تو میں تم سے ملنے آ گیا، آخر تم میرے پرانے متر ہو۔ اور تمہارے ساتھ یہ خوب صورت ناری بھی ہے جو میرے کام بھی آئے گی اور کالی چڑیل کی پیاس بھی بجھائے گی۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

''رگھوناتھ تمہیں تمہاری موت میرے سامنے لے آئی ہے۔ میں تمہیں کتے کی موت ماروں گا، اب میں پہلے والا غلام سرور نہیں کیا تم بھول گئے، میں نے تمہاری حویلی جلا کر خاکستر کر دی تھی۔'' اپنے ازلی دشمن کو سامنے دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا۔

''میں تمہیں نرکھ میں جھونک دوں گا۔'' وہ شعلہ اگلتی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا اور اس کے ہونٹ ہلنے لگے وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے میرے ساتھ مالنی بھی تھی جو خوفزدہ نظروں سے رگھوناتھ کو دیکھ رہی تھی۔ میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ رگھوناتھ نے اپنا منتر ختم کر کے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ مگر اس کا ہاتھ اٹھے کا اٹھا رہ گیا۔ وہ اپنا ہاتھ میری طرف جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نادیدہ قوت نے اس کا ہاتھ جکڑ لیا ہو۔

اسی لمحے فضا میں ایک نعرہ بلند ہوا۔ ''حق اللہ ہو۔'' اور زمین لرزنے لگی، میں نے رگھوناتھ کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار دیکھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔

''نادان کب تک بھٹکتا رہے گا۔'' میری سماعت سے ایک ٹھوس آواز ٹکرائی اور میں جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا اس آواز کو میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

جب پہلی بار پاکستان میں رگھوناتھ مجھے کالی چڑیل سمیت جان سے مارنے پہنچا تھا تب اسی آواز نے مجھے اس ظالم جادوگر سے بچایا تھا۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا

ہم سے کچھ فاصلے پر ایک دبلا پتلا مجذوب کھڑا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ بدن پر پیوند زدہ پھٹے پرانے کپڑے اور پاؤں میں چپل ندارد تھی۔ اس کی آنکھیں روشن اور انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی اور آواز گونج دار تھی۔ میں مجذوب کو پہنچاتے ہی مالنی کا ہاتھ چھوڑ کر اس مجذوب کے قدموں سے لپٹ گیا۔ "بابا مجھے راہ راست پر لے آؤ میں واقعی بھٹک گیا ہوں۔ بابا جی نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔" میں اس کے قدموں سے لپٹا رو رہا تھا۔ مجذوب اپنے پاؤں چھڑاتے ہوئے اور مالنی کے قریب جا پہنچا۔ "تو خود تو در بدر ہے اس بچی کو کہاں لئے ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔ اسے مجھے دے دے۔" مجذوب مالنی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

میرا یہ حال تھا کہ نہ انکار کر سکتا تھا اور نہ ہی اقرار کرنے کا حوصلہ تھا۔ مالنی میری محبت تھی میری چاہت تھی میں نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ "اپنا من اجلا کر اور ایک کھونٹے سے بندھا رہ جگہ جگہ منہ مارنا چھوڑ دے۔" مجذوب کی ٹھوس آواز ابھری۔ اس کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں میں نے چند لمحوں بعد آنکھیں کھولیں تو حیرت سے اچھل پڑا، مجذوب اور مالنی دونوں اپنی جگہ سے غائب تھے۔

"بابا، مالنی۔" میں چند لمحوں تک ان دونوں کو پکارتا رہا اور دیوانوں کی طرح اس ویرانے میں بے قراری سے ڈھونڈتا رہا اور پھر تھک ہار کر ایک طرف چل دیا۔ مجذوب جاتے جاتے میری زندگی مالنی کو بھی لے گیا تھا۔ اب میں پھر تنہا تھا۔ پھر میں نے سوچا شاید اسی میں میری بہتری ہے۔ میری قسمت میں گردش تھی۔ اگر مالنی میرے ساتھ ہوتی تو نہ جانے رگھوناتھ اس کا کیا حشر کرتا۔ "چلو اچھا ہی ہوا وہ محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گئی۔" میں نے سوچا۔

میں بنا رکے چلتا رہا۔ پھر رات کی تاریکی میں جہاں تھا وہیں لیٹ کر سو گیا۔ اور پھر صبح سورج کی پہلی کرن نمودار ہوتے ہی چل پڑا۔ سہ پہر کے قریب میں ایک آبادی میں داخل ہو چکا تھا۔ اب مزید چلنا میرے لئے مشکل تھا۔ کئی گھنٹوں سے پیدل چل چل کر میرے پاؤں زخمی ہو چکے تھے۔ میں ایک سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔ کافی دیر بعد دور سے ایک مسافر بس آتی دکھائی دی۔ جسے میں نے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ اور بس کے رکتے ہی سوار ہو گیا۔

میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھا ہوا تھا کہ بس ایک جھٹکے سے رک گئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ چیک پوسٹ تھی۔ جہاں پولیس اہلکار ہر گزرنے والی گاڑی کی تلاشی لے رہے تھے۔ پھر اس بس میں دو پولیس اہلکار چڑھے۔ ان میں سے ایک کو دیکھتے ہی میرے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ یہ ارجن پانڈے تھا۔ ارجن پانڈے بھی مجھے دیکھ چکا تھا۔ وہ میرے قریب پہنچا اور ہولسٹر سے پسٹل نکال کر مجھ پر تان لیا۔ یہ دیکھ کر مسافروں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ کچھ خوف و ہراس اس کے الفاظ سے بھی پھیلا جو اس طرح تھے۔ "اوہ تو اس بس میں آتنک وادی بھی موجود ہے۔" اس نے مجھے گریبان سے پکڑا اور بس سے نیچے اتار دیا۔ "پانڈے جی میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں بے گناہ ہوں، مجھے چھوڑ دو۔"

"چپ تیری......" اس نے مجھے پے در پے کئی تھپڑ رسید کئے۔ کچھ دیر بعد میں پولیس اسٹیشن میں موجود تھا جہاں پولیس والے میری خاطر خواہ مرمت کر رہے تھے۔ اور میں تکلیف کی شدت سے چیخ و پکار کر رہا تھا۔ ارجن پانڈے کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ میں شہر میں ہونے والے لڑکیوں کے قتل کی پراسرار وارداتوں کی ذمہ داری قبول کر لوں اور ساتھ ہی اپنے پاکستانی جاسوس ہونے کا اقرار کر لوں۔

پہلے تو عام طریقے سے لاتوں سے ڈنڈوں سے پٹائی کی گئی۔ میں نے رگھوناتھ کی کوٹھی اور مندر کو آگ لگانے کا جرم قبول کر لیا تھا۔ مگر ناکردہ جرم قبول کرنے سے انکاری تھا۔ میں قسمیں کھا کھا کر کہتا رہا کہ میں قاتل یا جاسوس نہیں۔ میرے ہر انکار کے بعد تشدد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ میں چیختا رہا چلاتا رہا لیکن میری آہ و بکا سننے والا اور مجھے اس ظلم و ستم سے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ میری انگلیوں کو شکنجے میں پلاس کی مدد سے ناخن کھینچے گئے، میں تکلیف کی شدت

سے چیختے چیختے بے دم ہوجاتا تھا۔ مجھ سے کہا جارہا تھا کہ لڑکیوں کا قاتل ہونے اور پاکستانی جاسوس ہونے کا اقرار کرلوں۔ ہندوستانیوں کو ہمیشہ اس بات کا قلق رہتا ہے کہ ہندوستان کے ٹکڑے کرکے پاکستان بنا ہے۔ جب ان کے ہتھے کوئی مسلمان چڑھتا ہے تو اسے اس حد تک ٹارچر کیا جاتا ہے کہ یا تو وہ زندگی ہار جاتا ہے یا پاگل یا معذور ہوجاتا ہے۔ سینکڑوں بے گناہ پاکستانی انڈین جیلوں میں برسوں سے اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ لیکن اپنی تمام تر کوشش کے باوجود وہ مجھے جاسوس نہ ثابت کرسکے۔ اور مجھ پر درجنوں لڑکیوں کے قتل عام، مندر میں آگ لگانے کا جرم غیر قانونی طور پر ہندوستان میں داخل ہونے کا جرم عائد کرکے عدالت میں چالان پیش کردیا گیا۔ عدالت میں مجھ پر وکیل نے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ جس کا میں اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جواب دینے لگا۔ ''مسٹر غلام سرور کیا تم اپنے اس جرم کو قبول کرتے ہو کہ تم نے درجنوں معصوم لڑکیوں کے گلے انتہائی بے رحمی سے کاٹے۔ مہاراج رگھوناتھ کی کوٹھی کو آگ لگائی۔''

''میں نے کسی لڑکی کو قتل نہیں کیا یہ مجھ پر جھوٹا الزام ہے۔'' میں نے جواب دیا تو پھر اس تصویر کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' سرکاری وکیل نے وہی تصویر میرے سامنے لہرائی جو رگھوناتھ کے ڈرائیور نے کھینچی تھی تصویر میں مقتول لڑکی کی تصویر میرے قدموں میں پڑی تھی اور میرے ہاتھ میں خون آلود چھری موجود تھی۔ سرکاری وکیل نے تصویر جج کے سامنے رکھ دی اور مجھ سے پوچھا۔

''کیا یہ تصویر تمہاری ہے۔''

''ہاں یہ میری ہی تصویر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''جب تم خود کہہ رہے ہو کہ یہ تصویر تمہاری ہے تو پھر اس حقیقت سے کیوں انکار کررہے ہو کہ یہ خون تم نے نہیں کئے۔'' سرکاری وکیل نے سوال کیا۔

''اس لئے کہ میرا دل و دماغ اس وقت کالی چڑیل کے قبضے میں تھا جب میں نے چھری سے اس لڑکی پر حملہ کیا۔'' میں نے جواب دیا۔ اور کمرہ عدالت میں موجود تمام افراد حیرت زدہ رہ گئے، کمرہ عدالت مختلف قسم کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ ''آرڈر آرڈر۔'' جج نے ہتھوڑا بجا کر سب کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔

''یہ کالی چڑیل کون ہے؟'' وکیل نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔ ''یہ پنڈت رگھوناتھ کی غلام ہے جو انسان کے دل و دماغ پر قابض ہوجاتی ہے اور انسانی خون اس کی خوراک ہے، شہر میں ہونے والا لڑکیوں کا قتل عام بھی رگھوناتھ نے اس لئے کیا کہ کالی چڑیل کے لئے خون مہیا ہوسکے۔ کالی چڑیل کو رگھوناتھ اپنے مذموم مقاصد میں استعمال کررہا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ اور سرکاری وکیل کے استفسار پر اپنی روداد سنا ڈالی۔

''مسٹر غلام سرور تم یہ الف لیلیٰ ہزار داستان کی طرز کی کہانی سنا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔ اس جدید دور میں آتمائیں، چڑیلیں، جن، بھوت، نان سنس یہ کیا بکواس ہے۔'' سرکاری وکیل جارحانہ لہجے میں بولا اور اپنا چہرہ جج کی طرف کرکے بولا۔ ''جناب اعلیٰ اس تصویر اور آلہ قتل پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات یہ ظاہر کررہے ہیں کہ یہ ایک سفاک قاتل ہے۔ اس کے علاوہ رگھوناتھ مہاراج کی کوٹھی کو آگ بھی اسی نے لگائی۔ کالی کے مندر میں آگ لگانے کا گھناؤنا پاپ بھی اسی نے کیا۔ جہاں اسے ارجن پانڈے نے گرفتار کیا وہاں سے بھی یہ ایک حوالدار اور سپاہیوں کو زخمی کرکے پولیس اسٹیشن سے بھاگ نکلا۔ یور آنر اسے سخت سزا دی جائے۔''

وہ مجھے پہلی ہی سماعت میں سزائے موت دلوانا چاہتا تھا۔ عدالت نے فیصلہ سنانے کے لئے دس دن بعد کی تاریخ دے دی۔ مجھے جیل بھجوانے کے لئے جیل کی وین میں دھکیل دیا۔ اور وین جیل کی طرف روانہ ہوگئی۔ میں قیدیوں کے بیچ پھنسا، گہری سوچ میں مستغرق تھا کہ وین ایک سنسان سڑک پر جھٹکے سے رکی، میں نے چونک کر دیکھا میرے اردگرد موجود تمام قیدی کسی بت کی طرح ساکت و جامد تھے۔ پھر وین کا دروازہ خود بخود کھلا تو مجھے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ وین کے پچھلے کیبن میں موجود رائفل بردار محافظ بھی کسی مجسمے کی طرح ساکت تھے۔ میں حیرت زدہ سا، وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ سب میری سمجھ سے

باہر تھا کہ جیل کی وین اس ویران سڑک پر کیوں رکی اور اس میں موجود تمام قیدی اور گارڈ کسی مجسمے کی طرح کیوں ساکت ہیں۔

اسی وقت ایک کرخت آواز سنائی دی۔ ''گاڑی سے باہر آجاؤ۔'' میں یہ آواز سنتے ہی سناٹے میں آگیا، میں اس آواز کو بخوبی پہچانتا تھا یہ آواز کالی چڑیل شاکالی کی تھی۔ گویا اس گاڑی کو روکنے اور قیدیوں اور محافظوں کو کسی مجسمے کی طرح ساکت کرنے میں کالی چڑیل کا ہاتھ تھا۔ مگر وہ مجھے اس وین سے باہر کیوں نکالنا چاہتی تھی۔ یہی سوچ مجھے الجھا رہی تھی۔ اور میں نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہوجائے میں جیل کی اس وین سے باہر نہیں نکلوں گا۔ ''جلدی سے باہر آجاؤ۔'' کالی چڑیل کی آواز دوبارہ ابھری۔

''نہیں میں باہر نہیں آؤں گا۔'' میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔ مگر کچھ ہی دیر بعد اٹھا اور جیل کی وین سے باہر نکل گیا۔ اس میں میرے ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ کالی چڑیل مجھ پر قابض ہوچکی تھی۔ سامنے ہی رگھوناتھ کھڑا تھا اس سے کچھ فاصلے پر ایک شاندار کار موجود تھی۔ میں گویا نیند میں چلتا ہوا کار کی عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ میرے گاڑی میں بیٹھتے ہی رگھوناتھ بھی کار میں بیٹھ گیا۔ اور کار چل پڑی، تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم ایک سنسان مقام پر موجود تھے۔

میں جیسے ہی کار سے باہر نکلا، کالی چڑیل نے میرے ذہن کو آزاد کردیا اور میں حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ رگھوناتھ میرے سامنے کھڑا تھا۔ اسی لمحے وہ کالی چڑیل بھی ظاہر ہوگئی۔ ''میں نے سنا تھا کہ تم بڑے مہاپرش بن گئے ہو، مگر شاکالی نے تمہیں بے بس کرڈالا۔ تم حیران ہوگے کہ میں نے تمہیں جیل کیوں نہیں جانے دیا۔ تو سنو اس کا کارن یہ ہے کہ وہ تمہارے لئے آسان سزا ہوتی۔ تم کچھ عرصہ جیل میں قید رہتے پھر تمہیں پھانسی ہوجاتی اور مکتی مل جاتی۔ جبکہ میں اتنی آسانی سے تمہیں مکتی نہیں دینا چاہتا۔ میں تمہیں کسی خارش زدہ کتے کے روپ میں تبدیل کردوں گا۔ تم گلی گلی بھیک مانگتے پھروگے۔'' رگھوناتھ اشتعال میں آگیا۔ اور اس کے لب ہلنے لگے منتر پڑھتے ہوئے اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور میرے چہرے پر پھینک دی۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے چہرے پر کسی نے تیزاب پھینک دیا ہو۔ کچھ مٹی میری آنکھوں میں بھی گئی اور آنکھوں میں سخت قسم کی جلن شروع ہوگئی۔ میرے حلق سے بے ساختہ چیخ نکلی اور میں اپنی آنکھوں کو مسلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایسا لگا جیسے ٹانگوں سمیت میرے پورے بدن میں سے جان نکل گئی ہو۔ میں کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرا۔ آنکھوں میں جلن ختم ہوچکی تھی مگر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ گویا میں اندھا ہوچکا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو۔

اسی لمحے رگھوناتھ کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔ ''میں چاہتا تو تمہیں جان سے مار ڈالتا۔ مگر اس سے تمہیں مکتی مل جاتی۔ میں نے تمہیں اندھا کردیا ہے۔ اب تم زندگی بھر دیکھ نہیں سکوگے۔ تمہارا نچلا دھڑ مفلوج ہوچکا ہے۔

اب تم زندگی بھر چل بھی نہیں سکتے۔ اب تمہارے لئے ایک ہی راستہ ہے۔ زندگی بھر بھیک مانگو۔ اس سے مجھے شانتی ملے گی۔ ہاں تم پر ایک مہربانی ضرور کروں گا۔ تمہیں بمبئی کی کسی مصروف ترین سڑک کے فٹ پاتھ پر ڈال دوں گا تاکہ تمہیں باآسانی بھیک مل سکے۔''

اور پھر میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا۔ مجھے نہ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا، آنکھوں کے سامنے بدستور اندھیرا تھا۔ نچلا دھڑ مفلوج ہونے کے باعث چلنے پھرنے سے قاصر تھا۔ رگھوناتھ نے مجھ سے بھیانک انتقام لیا تھا۔ میں سوچنے لگا اس سے اچھا تھا کہ رگھوناتھ مجھے جان سے مار ڈالتا۔ میری سماعت سے گاڑیوں کے چلنے کی آواز ٹکرا رہی تھی۔ گویا میں واقعی کسی فٹ پاتھ پر پڑا تھا۔ بے بسی کے احساس کے ساتھ ہی میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور میں ہاتھ اٹھا کر موت کی دعا کرنے لگا۔ مگر افسوس موت بھی بے رحم ہے یہ اپنے وقت سے پہلے نہیں آتی۔ اسی لمحے سکہ گرنے کی مخصوص کھنک سنائی دی۔ کسی نے بھکاری سمجھ کر میرے قریب سکہ پھینکا تھا۔ میں بھکاری نہیں ہوں،

اٹھاؤ اپنا سکہ میں چلایا۔ ''بیچارے کا شاید دماغ بھی چل گیا ہے۔'' ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ میرے سامنے سکے گرتے رہے۔ مگر میں نے انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

میں بھوکا پیاسا اس فٹ پاتھ پر گھٹنوں پڑا رہا۔ پھر ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ ''بابا یہ کھانا کھالو۔'' کھانے کو جی تو نہیں چاہ رہا تھا مگر بھوک بہت لگ رہی تھی۔ میں نے ٹٹول کر کھانا شروع کیا۔ اس مہربان شخص نے مجھے پانی بھی پلایا۔ نہ جانے کتنے دن بیت گئے، میں اسی فٹ پاتھ پر حقیر کیچوے کی طرح پڑا رہا۔ کوئی نہ کوئی مجھے کھانا دے جاتا تھا۔

جس سے میری سانسوں کا سلسلہ برقرار تھا۔ مگر ایک ہی جگہ کئی روز سے پڑے رہنے سے میرا بدن دکھنے لگا تھا۔ میں سارا دن لوگوں کی ٹھوکروں میں پڑا کسی راستے کے بے جان پتھر کی طرح ادھر ادھر لڑھکتا رہتا۔ اور پھر تھک ہار کر ایک جگہ پڑا رہتا۔ کئی روز سے بغیر نہائے ایک ہی لباس میں پڑے رہنے سے میرے بدن سے بدبو آنے لگی تھی۔ بدن میں زخم پڑ چکے تھے نہ جانے کتنے دن، کتنے ہفتے، کتنے مہینے گزرے مجھے کوئی احساس نہیں تھا۔ چہرہ سر کے بڑے بڑے بالوں اور بے ترتیب داڑھی، مونچھوں سے ڈھک چکا تھا۔ ایک روز میں ہاتھ اٹھائے حسب معمول موت کی دعا مانگ رہا تھا۔ مجھے احساس ہی نہ ہوا کہ میں دل ہی دل میں دعا مانگتے ہوئے با آواز بلند بولنے لگا تھا۔

اسی وقت مجھے بھاری لب و لہجے میں آواز سنائی دی۔ ''کسی بھی حالت میں موت کی دعا مت مانگو، مایوسی کفر ہے۔''

''میں ذلت بھری زندگی سے تنگ آچکا ہوں۔'' میں سسک پڑا۔

''پھر مجھے ایسا لگا جیسے نو وارد مجھے ٹٹول رہا ہو۔ پھر اس کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔ ''اوہ میرے خدا؟'' پھر اس شخص کے قدموں کی آواز سنائی دی جو مجھ سے دور جا رہی تھی۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد مجھے دوبارہ قدموں کی چاپ اپنے قریب آتی سنائی دی۔ پھر اس شخص کی آواز گونجی۔ ''اسے میرے ساتھ مل کر احتیاط سے اٹھاؤ، اس کے جسم میں ایک جگہ پڑے رہنے سے پھوڑے ہو چکے ہیں۔'' پھر کسی نے مجھے اٹھایا میں نے اندازہ لگایا یہ دو افراد تھے۔ کچھ دیر بعد کسی گاڑی کا دروازہ کھلا اور مجھے گاڑی میں بیٹھا لیا گیا۔ گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی چل پڑی۔ اس دوران نہ ہی کسی نے مجھ سے بات کی اور نہ ہی میں نے کسی کو مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ ویسے بھی میری حیثیت راستے کے ایک پتھر کی سی تھی۔ جسے جہاں پھینک دیا جائے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ سفر کافی دیر تک جاری رہا پھر مجھے گاڑی سے اتارا گیا اور اٹھا کر کسی آرام دہ بستر پر لٹا دیا گیا۔ پھر اسی مہربان شخص کی آواز سنائی دی۔ ''اب تم جا سکتے ہو۔''

کچھ دیر بعد وہ شخص مجھ سے مخاطب ہوا، میرا نام طارق ہے، اتنا تو میں جان ہی چکا ہوں کہ تم پر کالے جادو کا خطرناک ترین وار کیا گیا ہے۔ آگے تم بتاؤ تم پر کیا بیتی؟'' میں اس ہمدردانہ رویے پر خود پر ضبط نہ کر سکا اور بہتے ہوئے آنسوؤں میں اپنی سرگزشت اسے سنا ڈالی۔

''تم اسی طرح لیٹے رہو، میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔'' طارق نے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کی واپسی کچھ دیر بعد ہوئی اور نامانوس زبان میں کچھ پڑھنے لگا۔ پھر میرے چہرے پر پانی ڈالا گیا۔ آنکھوں پر پانی پڑتے ہی روشنی سی چمکی اور میں خوشی سے پاگل ہو گیا۔ اب میں دیکھ سکتا تھا۔ میری آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی تھی۔ میرے سامنے ایک اسمارٹ ادھیڑ عمر شخص کھڑا تھا۔ وہ خوبرو اور ورزشی جسم کا مالک تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا جگ تھا۔ جس سے اس نے میرے چہرے پر پانی ڈالا تھا۔ اب میں نے اردگرد کا جائزہ لیا یہ بارہ بائی بارہ کا کمرہ تھا۔ جس کے دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ بیڈ پر میں لیٹا تھا۔ جبکہ خود میری یہ حالت تھی کہ کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے اور پورے بدن پر پھوڑے نما دانے تھے۔ جن میں سے بعض پھٹ چکے تھے اور ان سے مواد بہہ رہا تھا، طارق نے کچھ دیر بعد ایک نوجوان جس کا نام بعد میں تنویر معلوم ہوا اس

کے ساتھ مل کر میرے کپڑے تبدیل کیے۔ دوسرے روز اس نے تنویر کے ساتھ مل کر مجھے بے لباس کیا اور ایک نشتر سے میرے پھوڑے پھوڑنے کے دوران زیرلب کچھ پڑھتا رہا۔ اور ساتھ ہی ساتھ میرے جسم پر نمک ملا ہوا نیم گرم پانی ڈالتا رہا۔ اس دوران مجھے تکلیف کا احساس بھی ہوا لیکن میں نے ضبط سے کام لیا۔ اس کے بعد میرے زخموں پر زرد رنگ کا مرہم لگا دیا گیا۔ میرا یہ علاج ہفتہ بھر جاری رہا۔ اب میرے جسم پر موجود زخم مندمل ہو چکے تھے۔ اور میری جلد پہلے کی طرح صاف و شفاف ہو چکی تھی۔

پھر تنویر روزانہ باقاعدگی سے میرے نچلے دھڑ پر مالش کرنے لگا۔ اس دوران بھی طارق کچھ پڑھ کر پھونکتا رہا۔ کچھ ہی روز میں میرا نچلا دھڑ حرکت کرنے لگا۔ اس کے چند دنوں بعد میں بھلا چنگا ہو کر اس عمارت سے باہر آیا اور حیران رہ گیا۔ یہ گیسٹ ہاؤس قسم کی قدیم عمارت تھی۔ اس سرسبز علاقے میں دور دور تک کوئی دوسری عمارت یا مکان نہیں تھا۔ وہاں رہنے کے دوران میں نے طارق اور تنویر کے بارے میں جاننے کی کوشش کی مگر وہ مجھے اپنے بارے میں بتانے سے گریزاں تھے۔

کچھ روز بعد میں نے طارق سے جانے کی اجازت طلب کی۔ ”یہاں سے جا کر کیا کرو گے۔“ طارق نے پوچھا۔

”میری زندگی کا اب بھی ایک ہی مقصد ہے رگھوناتھ اور کالی چڑیل کا خاتمہ تاکہ مزید بے بس اور لاچار لڑکیاں ان کی درندگی کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔“ میں نے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

”تم کیا سمجھتے ہو اتنی آسانی سے رگھوناتھ اور اس کالی چڑیل کا خاتمہ کر سکو گے۔ تمہاری سنائی ہوئی روداد سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ رگھوناتھ کوئی عام انسان نہیں مہاشکتی کا مالک ہے اور سونے پر سہاگا کالی چڑیل بھی اس کے ساتھ ہے۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ طارق استہزائیہ انداز میں بولا۔

”چلو کچھ تو ہوگا اگر میں اسے مار نہ سکا تو اس کے ہاتھوں مروں گا تو سہی۔“ میرے چہرے پر چٹانوں کا سا عزم تھا۔

”مجھے تمہارا حوصلہ پسند آیا سنو تم کچھ عرصہ یہیں رہو۔“

”تمہارے ساتھ رہنے سے کیا ہوگا۔“ میں نے پوچھا۔

”انسانی جسم میں بہت سی طاقتیں پوشیدہ ہیں۔ عام انسان ان صلاحیتوں اور اپنی طاقت سے آگاہ نہیں۔ بس انہیں ابھارنے کی ضرورت ہے۔ تم نے میرے نام سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں الحمدللہ مسلمان ہوں۔ مجھے بچپن ہی سے ماورائی علوم سے جنون کی حد تک دلچسپی تھی۔ اور میرا تعلق ایک دولت مند گھرانے سے تھا۔ والدین کی طرف سے بھی آزادی تھی۔ میں ہندو پنڈتوں، سادھوؤں کے ساتھ بھی رہا ان سے بھی بہت کچھ سیکھا، پھر مجھے بدھ مت کا ایک پیروکار ملا جو بہت بڑا گیانی تھا۔ شاکیہ منی کا یہ پیروکار بہت منت سماجت کے بعد مجھے اپنا شاگرد بنانے پر راضی ہوا۔ میں نے مختلف ریاضتوں پر انتھک محنت سے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ طارق نے کہا۔

”آپ نے آج تک نہیں بتایا آپ کون ہیں؟ اور کیا کرتے ہیں شاید آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں۔“ میں نے گلہ کیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ اسی لئے تمہیں اپنا شاگرد بنانا چاہتا ہوں۔ لیکن میں تمہیں اپنے بارے میں بتا نہیں سکتا۔ پلیز! ناراض مت ہونا، اسے میری مجبوری سمجھو اور مجھے آپ کے تکلف سے مخاطب مت کرو بے شک میں تم سے عمر میں بڑا ہوں۔ لیکن تم مجھے اپنا دوست سمجھ سکتے ہو۔ بلکہ سمجھو۔“ اس نے مجھے سینے سے لگاتے ہوئے کہا اور میں ہنس پڑا۔

دوسرے روز سے میری مشقیں شروع ہوگئیں۔ طارق نے مجھے پہلے روز کھلی فضا میں آلتی پالتی مار کر خاص انداز میں بیٹھایا اور درخت کے تنے پر خنجر سے ایک چھوٹا سا گول دائرہ بنایا اور پلکیں جھپکائے بغیر آنکھیں اس پر مرکوز کرنے کی ہدایت کی اور اہلنے جلنے اور کسی بھی قسم کی حرکت سے مجھے منع کر دیا۔

دوسرے روز اس مشق میں دس منٹ کا وقت بڑھا دیا گیا۔ پانچویں دن میری آنکھوں میں درد ہونے لگا۔ اور

پانی بہنے لگا۔ میری آنکھیں ایک ہی سمت دیکھتے رہنے سے پتھرانے لگی تھیں۔ اور جسم اینٹھنے لگا تھا۔ بعض اوقات آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا۔ مگر میں ضبط کئے بیٹھا رہتا۔ تصور اور تخیل کو یکسو کرنا آسان کام نہیں، طارق کا انداز سائنسی تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان کو ذہنی اور جسمانی ورزش کرتے رہنا چاہئے اس سے اس کا جسم طاقتور ہوتا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ''مراقبہ ذہن کی خفیہ صلاحیتیں ابھارنے کی ورزش ہے۔''

میں تصور اور تخیل کو یکسو کرنے میں متواتر لگا رہا۔ اس دوران طارق اور تنویدا اکثر کئی کئی گھنٹے غائب رہتے وہ نہ جانے کہاں جاتے تھے کیا کرتے تھے، میں نہیں جانتا اور نہ ہی جاننے کی کوشش کی چند ماہ کی محنت سے میں نے ارتکاز ذہن کی مشق پوری کرلی تھی۔ میں نے خیال کے گھوڑے کو لگام دے ڈالی تھی۔ اور اپنے منتشر خیالات پر حاوی ہو چکا تھا۔ اب میں گھنٹوں یکسو ہو کر ساکت و جامد بیٹھا رہتا۔ سانس روکنے کی مشقوں کا دورانیہ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ مراقبے کا دورانیہ بھی بڑھتا جارہا تھا۔ دوران مراقبہ مجھے کچھ بھی کھانے پینے کی اجازت نہ تھی۔

رفتہ رفتہ میں پورا پورا دن مراقبے میں گزار دیتا۔ کئی بار میں دوران مراقبہ گر گیا۔ رفتہ رفتہ مراقبے کی مدت ایک ہفتہ تک جا پہنچی۔ چھوٹی موٹی مشقیں کرتے کرتے اصل مرحلہ آ گیا۔ اب مجھے طارق کے حکم پر مسلسل ایک ماہ تک بغیر کچھ کھائے پیئے مراقبہ مکمل کرنا تھا۔ جو انتہائی مشکل کام تھا۔ مجھے ایک تاریک کمرے میں بیٹھا دیا گیا۔ دوران مراقبہ ذہن میں آنے والے خیالات کو میں نے خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ اور یکسو ہو کر آسن جمائے بیٹھا رہا۔ اس دوران مجھے مچھر کاٹتے رہے جسم پر چیونٹی اور اس قسم کے دوسرے حشرات الارض گھومتے رہے، مگر میں یکسو ہو کر مراقبے میں گم رہا۔ کئی بار مختلف قسم کی خوفناک بلائیں دکھائی گئیں۔ مگر میں انہیں طارق کے حکم پر نظر انداز کر گیا۔

دو سال کی مسلسل محنت، انہماک، مراقبوں اور ارتکاز کے بعد میرے اندر ایسی قوتیں پیدا ہو چکی تھیں کہ جن کا میں تصور بھی نہیں سکتا تھا۔ اس روز مجھے طارق نے گلے سے لگایا اور پیٹھ تھپتھپانے کے بعد بولا۔ ''اب تم ایک مضبوط شخص ہو۔ اگر چاہو تو جا سکتے ہو مگر لوٹ کر یہاں مت آنا کیونکہ اب ہم تمہیں نہیں ملیں گے، ہم جس مقصد کے تحت یہاں آئے تھے وہ پورا ہونے والا ہے۔''

دوسرے روز میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مگر اب میں پہلے والا غلام سرور نہیں تھا۔ مراقبوں اور انتھک ریاضتوں نے مجھے آئرن مین بنا دیا تھا۔ میلوں پیدل چلنے کے بعد میں شہری حدود میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا، مجھ سے چند قدموں کے فاصلے پر دراز قد کالی چڑیل اپنے بھیانک چہرے کے ساتھ نمودار ہو چکی تھی اور جارحانہ تیوروں کے ساتھ مجھے گھور رہی تھی۔ مجھے صحیح سلامت اپنے قدموں پر کھڑا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ تم اچانک جب اس چوراہے سے غائب ہوئے تو میں نے اور آقا نے تمہارے بارے میں جاننا چاہا مگر حیرت کی بات یہ کہ تم کہیں بھی دکھائی نہ دیئے۔

آج ہمارے سامنے سے ان دیکھی دیوار جیسے ہی ہٹی میں یہاں آ پہنچی۔ ''سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کون سی شکتی تمہاری سہائتا کر رہی تھی۔'' کالی چڑیل مجھے خوفناک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی اور میں سمجھ گیا یہ طارق کا کرشمہ تھا۔ اس نے میرے چاروں طرف ایسا سخت حصار کر رکھا تھا کہ جب تک میں وادی میں رہا ر گھوناتھ اور کالی چڑیل میرے بارے میں نہ جان سکے اور جیسے ہی وادی سے باہر نکلا ان کی نظروں میں آ گیا۔

''کیوں تمہارا آقا تو شکتی شالی ہے اور تم بھی اس سے کم نہیں۔ اب کہاں گئی تم دونوں کی شکتی۔ کہتے ہیں کہ گیدڑ کی شامت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ تمہاری شامت نے ہی تمہیں یہاں بھیجا ہے۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''لگتا ہے تم پہلے والی ذلت بھری زندگی بھول گئے ہو، جب اپاہج ہو کر شہر کے چوراہے پر بھیک مانگ رہے تھے۔'' وہ مشتعل انداز میں بولی۔ چند لمحوں تک ہم دونوں میں تلخ جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اس دوران اس کے اشتعال میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔

بالآخر اس نے زمین سے مٹی اٹھا کر میری طرف پھینکی۔ یہ وہی جادو کا خطرناک ترین وار ہے، جس کی زد میں آ کر میں پہلے بھی مفلوج ہو چکا تھا۔ مگر اب میں پہلے والا عام انسان نہیں۔ طارق کا لائق ترین شاگرد تھا۔ جس نے کڑی ریاضتوں اور مراقبوں سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ میں نے اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سامنے کی، میری طرف بڑھنے والا ریت کا بگولا خود بخود غائب ہو گیا۔ اپنے مہلک ترین وار کو ناکارہ ہوتے دیکھ کر کالی چڑیل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے اس بار آگ کے گولے میری طرف پھینکے۔ مگر میری انگلی کے اشارے سے وہ راستے میں ہی اس طرح بجھ گئے جیسے ان پر بڑی مقدار میں پانی ڈال دیا گیا ہو۔ اس کے بعد اس نے بہت سے مہلک ترین وار مجھ پر کئے لیکن سب بے اثر رہے۔ اب اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ خوف کے بھی آثار تھے۔

"کالی چڑیل اب میری باری ہے سنبھل کر رہنا، اگر چاہو تو مدد کے لئے اپنے آقا رگھوناتھ کو بھی پکار سکتی ہو۔ پھر نہ کہنا کہ میں نے تمہیں کوئی موقع نہ دیا۔" میں نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچ کر کسی باؤلر کی طرح بازو گھمایا اور مٹھی کھول دی، کالی چڑیل کے حلق سے بھیانک چیخ نکلی اور وہ اڑتی ہوئی سی ایک طرف جا گری۔ اسے ایسا لگا تھا کہ جیسے اس کے سینے سے کوئی بھاری بھرکم پتھر ٹکرایا ہو۔ زمین پر گرتے ہی وہ اٹھی، میں نے اس پر ایک اور مہلک ترین وار کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی وہاں گرد و غبار کا ایسا طوفان اٹھا کہ وہاں پر اندھیرا چھا گیا۔ جب یہ گرد و غبار کا طوفان تھما تو کالی چڑیل اپنی جگہ سے غائب تھی۔ میں کالی چڑیل جیسی ماورائی قوت کو زک پہنچا کر خوش تھا۔ یہ رگھوناتھ کے مقابلے میں میری پہلی فتح تھی۔

میں چلتے ہوئے شہری حدود میں داخل ہو چکا تھا رات ہو چکی تھی۔ اور مجھے رہنے کے لئے ٹھکانے کی ضرورت تھی۔ جبکہ جیب میں پھوڑی کوڑی تک نہیں تھی۔ یہاں جیل میں قید کے دوران دوسرے قیدیوں سے سیکھا ہوا جیب تراشی کا فن کام آیا۔ میں فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ایک شخص سے ٹکرایا اور اس کے ہپ پاکٹ میں موجود بٹوہ میری جیب میں منتقل ہو گیا۔ ایسا کرتے وقت مجھے شرمندگی ہوتی۔ ضمیر نے ملامت بھی کیا۔ لیکن یہ میری مجبوری تھی۔ وہ رات میں نے ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں بسر کی۔ ناشتہ کرتے ہی میں ہوٹل سے باہر نکل گیا۔ مجھے رگھوناتھ کی تلاش تھی۔ اب میں فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتا تھا۔ مختلف مندروں میں جا کر پجاریوں سے اس کے بارے میں پوچھا مگر ہر ایک اس کے ٹھکانے سے لاعلم تھا، آخر ایک مندر میں میری امید بر آئی، ایک ادھیڑ عمر پجاری نے مجھے بتایا کہ وہ کالی کے ایک مندر میں موجود ہے۔ میں اس کے بتائے ہوئے پتہ پر اس دیہات میں پہنچا جہاں کالی کا پرانا مندر موجود تھا تو رات کے دس بج رہے تھے۔

منزل پر جلد پہنچنے کے لئے میں نے دیہات میں داخل ہوتے ہی تیز رفتاری سے بھاگنا شروع کر دیا۔ نصف شب کے قریب میں اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر کالی کا وہ پراسرار مندر موجود تھا۔ میں اس مقام کو دیکھ کر چونک پڑا، مجھے یاد آ گیا، اس مندر سے کچھ کلومیٹر کی مسافت پر پہاڑوں کے بیچوں بیچ بابا جی کا آستانہ تھا۔ جہاں کبھی میں ان کا چہیتا ہوتا تھا۔ پھر بابا جی نے اپنی نافرمانی پر میرے سر پر سے اپنا شفقت بھرا ہاتھ اٹھا لیا۔ میں نے اپنے گرد حصار باندھا اور با آواز بلند رگھوناتھ کو للکارا۔

"خبیث پنڈت ہمت ہے تو باہر نکل آج تیرے پاپوں کا گھڑا ٹوٹنے والا ہے۔" کچھ دیر بعد میں نے دیکھا رگھوناتھ مندر سے باہر نکل رہا تھا۔ لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک قوی ہیکل سادھو بھی تھا۔ جس نے بدن پر صرف ایک لنگوٹ باندھ رکھی تھی، اس کا بالائی دھڑ عریاں تھا اور چہرے سمیت پورا بدن کالا سیاہ تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی اور چہرے پر سکون تھا۔ وہ دونوں میرے سامنے آ کر رک گئے۔

"رگوناتھ میں نے آخر تجھے ڈھونڈ نکالا، آج اس دھرتی پر یا تو زندہ رہے گا یا میں۔" اسے دیکھتے ہی میں آپے سے باہر ہو گیا۔

"دھیرج رکھو بالک دھیرج شاید تم مجھے نہیں جانتے، میں کالی چرن ہوں، کالی کا مہان سیوک اور یہ میرا چیلا

ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے تھوڑا بہت کچھ سیکھ لیا ہے جس کے بل بوتے پر اچھل رہے ہو۔ میں تمہیں شا کرتے ہوئے ایک موقع دے رہا ہوں۔ رگھوناتھ سے معافی مانگ کر اس کے متر بن جاؤ اور اس کی طرح میرے چیلے بن جاؤ میں تمہیں بہت کچھ سکھاؤں گا۔'' کالی چرن نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''کالی چرن میرا تم سے کچھ لینا دینا نہیں۔ لیکن یہ میری ماں اور بہن کا قاتل ہے۔ اسی کی وجہ سے مجھے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ یہ کئی معصوم لڑکیوں کی عصمتوں اور زندگیوں کا قاتل ہے۔ تمہارے جیسے مہان پجاری کو زیب نہیں دیتا کہ اس جیسے شیطان کی حمایت کرو۔'' میں نے کہا اور اپنی روداد بیان کرنے لگا میرا مقصد یہی تھا کہ وہ رگھوناتھ کے کرتوتوں سے آگاہ ہو جائے۔

''مجھے سب پتہ ہے بالک میں سب جانتا ہوں۔ میں اس سے اس معاملے میں کچھ سننے کو تیار نہیں۔'' وہ مجھ پر نگاہیں جماتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔

''تو پھر ٹھیک ہے تمہیں بھی بہت کچھ سہنا پڑے گا۔ میں نے کہا، تم کیا سمجھتے ہو۔ تم نے مجھے ڈھونڈا ہے۔ اس مندر کے پجاری نے میرے ہی کہنے پر تمہیں ٹھکانہ بتایا تھا تاکہ تم دوڑتے ہوئے میری طرف آؤ اور مارے جاؤ اور یہی ہوا اس کے علاوہ میرے پاس تمہارے لئے اچھی خبر بھی ہے۔ تمہیں اپنے پتا تو یاد ہوں گے جو بیٹی کی دردناک موت کے بعد در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ میں نے تمہارے بوڑھے باپ کو اسی مندر میں قید کر رکھا ہے۔''

میرے دل و دماغ میں آندھیوں کے جھکڑ چلنے لگے، بدن کا سارا خون سمٹ کر آنکھوں میں اتر آیا۔ ماں اور بہن کے بعد میرا صرف باپ زندہ تھا۔ جسے نہ جانے اس خبیث نے کیسے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ میں نے انجام سے بے پرواہ ہو کر شہادت کی انگلی سے رگھوناتھ کی طرف اشارہ کیا۔

رگھوناتھ چیختا ہوا گرا اور تڑپنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ سخت اذیت میں ہو، کالی چرن کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے رگھوناتھ کی طرف کچھ پڑھ کر پھونکا۔ اس نے تڑپنا بند کر دیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مہاشے تم نے کالی چرن کو للکارا ہے۔ اب اس کا انجام بھی دیکھ لو گے۔'' وہ غصے سے کھولتے ہوئے بولا اور اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ میں سمجھ گیا وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے انگلی سے میری سمت اشارہ کیا۔ درجنوں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے خونخوار اور ہیبت ناک جانور میری طرف لپکے لیکن میں حصار میں محفوظ کھڑا تھا، یہ کالی چرن کے بیر تھے۔ جو بھی حصار کے قریب پہنچتا اس کے جسم میں آگ بھڑک اٹھتی۔ کچھ ہی دیر میں یہ کھیل ختم ہو گیا۔ اس کے لاتعداد بیر مجھے کوئی بھی نقصان پہنچانے میں ناکام رہے تھے۔

اسی لمحے میرے عقب میں ایک لرزہ خیز چیخ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہاں دیوہیکل کالی چڑیل کھڑی غضب ناک نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ کالی چرن نے اپنے سر کا ایک بال توڑ کر میری طرف پھینکا جو کسی سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا میرے حصار سے جا ٹکرا۔ ایک جھماکا سا ہوا اور میرا حصار ٹوٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے تحفظ کے لئے دوبارہ حصار باندھتا کالی چرن کوئی منتر پڑھ کر زمین کی راکھ مجھ پر پھینک چکا تھا۔ اور میرا بدن ان دیکھی زنجیروں سے بندھ گیا۔ میرے لئے معمولی سی جنبش کرنا بھی محال ہو چکا تھا۔ یہ ان دیکھی زنجیروں کی بندش بازوؤں سے لے کر دونوں ٹانگوں تک میں بندھ چکی تھی۔ میرے لئے معمولی سی حرکت کرنا بھی محال ہو چکا تھا۔ میں سنبھلنے کی کوشش کے باوجود بھی زمین پر گر اپڑا۔

''کیوں مہاشے! میں نے کہا تھا ناں کہ اپنی جان بچا کر بھاگ جاؤ مگر تم نے میری ایک نہ سنی اور میرا اپمان کیا۔'' کالی چرن نے مجھے حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا جبکہ رگھوناتھ مجھے بے بس دیکھ کر آگے بڑھا اور میرے جسم پر ٹھوکریں برسانے لگا۔

''رگھوناتھ تو بزدل ہے کہ ایک بندھے ہوئے شخص پر ہاتھ اٹھا رہا ہے، اگر ہمت ہے تو کالی چرن سے کہہ کہ مجھے آزاد کر دے اور ہم دونوں کو آمنے سامنے آنے دے۔ پھر دیکھ میں تیرا کیا حشر کرتا ہوں۔'' میں بجائے کراہنے کے

چیختے ہوئے بولا۔

"پاپی تجھے آج مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جی بھر کر بھونک لے اسی لئے میں نے تیری قوت گویائی سلب نہیں کی۔ بلا اپنے دھرم اوتار کو جو تجھے مجھ سے بچائے تو چاہے تو اس بڈھے کو بھی بلا سکتا ہے جس کی چھایہ تلے تو رہتا تھا اور وہیں سے تو نے رگھوناتھ کی کوٹھی کو آگ لگائی تھی بلکہ اگر کہے تو میں تجھے وہیں گھسیٹتا ہوا لے چلتا ہوں جہاں وہ بڈھا موجود ہے اس کے سامنے مارنے میں مجھے مزا آئے گا۔"

"کالی چرن اپنی زبان کو لگام دے۔ خبردار جو تو نے بابا جی کے بارے میں کوئی گستاخی کی۔" بے بس ہونے کے باوجود میں غیض وغضب سے چلایا۔

"بڑا درد ہو رہا ہے اپنے گرو کے بارے میں میرے وچار سن کر، چل تجھے وہیں گھسیٹتا ہوا لے چلتا ہوں۔" کالی چرن نے رگھوناتھ کو اشارہ کیا۔ اس نے میرے سر کے لمبے بالوں کو مٹھی میں دبوچا اور گھسیٹنا شروع کر دیا۔ زمین پر گھسیٹنے سے میرے بدن میں درد کی کٹیلی لہریں دوڑنے لگیں۔ لیکن میں خود پر ضبط کئے رہا۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھے چیختا اور کراہتا دیکھ کر ان دونوں شیطانوں کو ذہنی تسکین پہنچے۔ میلوں گھسیٹنے کے بعد جب وہ پہاڑی علاقہ آ گیا جہاں بابا جی کا آستانہ تھا۔ تو میرا جسم زمین پر گھسیٹنے سے لہولہان ہو چکا تھا۔ یہ مسلسل ریاضتوں اور مراقبوں کا کمال تھا کہ اس کے باوجود میں اپنے ہوش وحواس میں تھا۔

"بلا اب اپنے دھرم ماتما کو اگر اس میں شکتی ہے تو تجھے بچا لے۔" کالی چرن نے کہا اور رگھوناتھ اس کے اشارے پر مجھ پر ٹھوکریں برسانے لگا۔

اسی لمحے رگھوناتھ کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ تڑپتا ہوا ایک طرف جا گرا، میں نے محسوس کیا میرے بدن کے گرد بندھی زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

کالی چرن میرے عقب میں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا مجھ سے کچھ فاصلے پر بابا جی کھڑے تھے۔ ان کی شعلہ اگلتی نگاہیں کالی چرن پر جمی ہوئی تھیں۔

"کالی چرن یہ تیرا اور اس کا جھگڑا تھا۔ جسے تجھے مندر کے سامنے ہی نمٹا دینا چاہئے تھا۔ لیکن تو اسے یہاں لے آیا۔ اسے لے کر یہاں سے چلا جا۔"

"تیرا یہ دھرماتما بھی مجھ سے ڈر گیا۔" کالی چرن ہنسا۔

"کالی چرن اپنا منحوس منہ بند رکھو۔" میں غضب ناک ہو گیا۔

بابا جی نے ایک نگاہ غلط بھی میری طرف ڈالنا مناسب نہیں سمجھی اور اطمینان سے بولے۔ "کالی چرن کسی کمزور پر ظلم نہیں ڈھاتے۔ جا چلا جا اور اسے معاف کر دے، یہ نادان ہے۔

"کیوں اپنے چیلے کو تکلیف میں دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے ناں۔" کالی چرن بکواس کرنے سے باز نہیں آیا اور مسلسل اپنی بکواس جاری رکھی۔ "آج تو بھی اپنی طاقت آزما لے تاکہ تیرا یہ چیلا اپنے گرو کی شکتی دیکھ لے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولا اور تڑپتے ہوئے رگھوناتھ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اسی وقت ایک خوب صورت نسوانی آواز گونجی۔ "کالی چرن تجھے اپنی شکتی پر بہت گھمنڈ ہے پہلے تو ایک عورت سے ٹکرا کر دیکھ لے پھر بابا جی سے مقابلے کا سوچنا۔"

"میں نے کالی چرن اور رگھوناتھ نے آواز کی سمت دیکھا وہاں ایک نقاب پوش لڑکی کھڑی تھی۔ مجھے نہ جانے کیوں اس کی آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ کالی چرن نے غضب ناک ہو کر دونوں ہاتھ اس لڑکی کی طرف جھٹکے جن سے آگ کے شعلے نکلے اور کسی بگولے کی طرح اس نقاب پوش لڑکی کی طرف بڑھے۔ لڑکی نے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سامنے کی بگولے غائب ہو گئے، کالی چرن نے کئی بیر اس لڑکی کی طرف بھیجے مگر اس کی انگلی کی معمولی سی جنبش سے وہ بیر جھلس کر ڈھیر ہو گئے۔

ان دونوں کو دست پیکار دیکھ کر میں نے موقع غنیمت جانا اور دوڑ کر زوردار چھلانگ لگائی اور زوردار فلائنگ کک رگھوناتھ کے سینے پر پڑی وہ الٹ کر گرا اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر مجھ پر کوئی جادو کا وار کرتا۔ میں نے پے در پے کئی گھونسے اس کے چہرے پر رسید کئے۔ میں اس وقت طارق کے سکھائے ہوئے سارے جنتر منتر بھول کر خالی ہاتھوں سے رگھوناتھ کو سبق سکھا رہا تھا۔

لاتیں، گھونسے مارتے مارتے میں نے رگھوناتھ کو اٹھا کر سر سے بلند کیا اور زمین پر پٹخ دیا۔ وہ تکلیف کی شدت سے کربناک انداز میں چیخا۔

اسی وقت ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی، میں نے چیخ کی سمت دیکھا۔ کالی چڑیل کچھ فاصلے پر کھڑی غضب ناک نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ کالی چڑیل اپنے آقا کو بچانے کے لئے کوئی قدم اٹھاتی۔ باباجی نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اور شہادت کی انگلی سے کالی چڑیل کی طرف اشارہ کیا تو اس کے جسم میں آگ لگ گئی، فضا کالی چڑیل کی خوفناک چیخوں سے گونج اٹھی تھی، کالی چرن اور نقاب پوش لڑکی بھی اپنی لڑائی بھول کر اس خوفناک بلا کو دیکھ رہے تھے جو باباجی کے غضب کا شکار ہو چکی تھی، آگ کالی چڑیل کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ اس خوفناک آگ نے اس کے جسم کو راکھ میں بدل دیا، پھر یہ راکھ بھی تیز ہوا سے اڑگئی۔

اسی وقت علاقہ نعرہ تکبیر کی آوازوں سے گونج اٹھا، سب نے آواز کی سمت دیکھا۔ وہاں درجنوں کی تعداد میں بابا کے محافظ جن کھڑے تھے۔ ان میں قاسم بھی تھا۔ اس کا باپ عبدالحفیظ بھی تھا۔ کالی چرن کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں، اس کشیدہ صورتحال میں ماحول پر سکوت سا چھا گیا تھا۔ اس سکوت کو باباجی کی آواز نے توڑا جو کہہ رہے تھے۔ ”گھبراؤمت کالی چرن، ہم میں سے کوئی بھی تمہاری لڑائی کے بیچ نہیں آئے گا۔“

یہ سنتے ہی کالی چرن کی آنکھیں چمکنے لگیں وہ دوبارہ اس لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جبکہ رگھوناتھ شدید زخمی پڑا اب تک کراہ رہا تھا۔ میں نیچے پڑے کراہتے ہوئے رگھوناتھ کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور اس پر گھونسوں کی بارش کردی۔ رگھوناتھ جو پہلے ہی زخمی تھا اس کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا اور اس پر جان کنی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور بدن جھٹکے لینے لگا ادھر نقاب پوش لڑکی اور کالی چرن ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

یہ دو ماورائی قوتوں کی لڑائی تھی۔ جو اس وقت زوروں پر تھی۔ وہ دونوں ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ جن اور انسان دونوں ہی یہ ہولناک لڑائی دیکھنے میں محو تھے۔ ایک موقع پر کالی چرن نے فلک شگاف نعرہ بلند کیا اور کسی مداری کی طرح اچھلتے ہوئے فضا میں عجیب وغریب اشارے کرتے ہوئے اپنا دایاں پیر زمین پر مارا تو زمین کانپنے لگی، ایسا لگ رہا تھا کہ زلزلہ آچکا ہو۔ طوفانی قسم کی تیز ہوائیں شروع ہو چکی تھیں۔ زمین اس خوفناک طریقے سے ہلی تھی کہ میں زمین پر گر پڑا تھا۔ اس طوفان میں صرف وہ پراسرار لڑکی باباجی اور کالی چرن اپنے قدموں پر کھڑے تھے۔

اس زلزلے اور خوفناک طوفان نے جنوں تک کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ ہوائیں بڑھتی جارہی تھیں۔ پھر ان طوفانی ہواؤں سے لڑکی کے چہرے کا نقاب ہٹ گیا۔ اور میں اپنی جگہ سے جیسے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پراسرار لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ مالنی تھی، وہی مالنی جو مجھے بھگوان داس کے استھان پر ملی تھی اور بھگوان داس نے اسے مجھے سونپ دیا تھا۔ وہ میری محبت میرا خواب تھی۔ لیکن اس وقت کالی چرن جیسے خوفناک جادوگر سے برسرپیکار تھی۔ میں کالی چرن کو اس کے مقابل دیکھ کر ہراساں ہو چکا تھا اور اس کی مدد کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ باباجی کے اشارے نے مجھے روک دیا جو کہہ رہے تھے۔ ”تم اس شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہم وعدہ بھی کر چکے ہیں کہ کوئی اس مقابلے میں ان کے بیچ نہیں آئے گا۔“

ادھر کالی چرن نے گول دائرے میں گھومتے ہوئے کسی ماہر باؤلر کی طرح ہاتھ آگے کر کے مٹھی کھولی، درجنوں سوئیاں مالنی کے پاؤں کے تلوؤں میں پیوست ہو گئیں اور پاؤں لہولہان ہو گئے مگر مالنی کے چہرے پر تکلیف اور اذیت کا شائبہ تک نہیں تھا، اس نے اپنے دونوں پاؤں زور سے زمین پر مارے تو اس تکلیف سے نجات پا گئی۔ اس کے بعد بھی کالی چرن نے اس پر کئی خطرناک وار کیے۔ ایک ساتھ ہی سیکڑوں بیر مالنی کی طرف بھیجے لیکن مالنی نے ان کا کام تمام کر دیا، اس نے مالنی کے چاروں سمت آگ لگادی۔ جو مالنی کی انگلی کے ایک اشارے پر بجھ گئی۔

یکا یک مالنی کی مترنم آواز فضا میں گونجی۔ ”کالی چرن اب میری باری ہے لیکن میں حملہ کرنے سے پہلے ایک بار

پھر تجھے جان بچانے کا موقع دے رہی ہوں اگر تو چاہے تو جان بچا کر جا سکتا ہے۔"

کالی چرن نے قہقہہ لگایا اور بولا۔"سندر ناری تم کالی کے مہان سیوک کو بھاگنے کو کہہ رہی ہو۔ جس نے برسوں دیوی کی تپسیا کی۔

مالنی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور با آواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف جھٹکے۔ درجنوں تیر کالی چرن کی طرف لپکے میں نے پہلی بار کالی چرن کے چہرے پر خوف وہراس کے آثار دیکھے۔ اس نے ان تیروں کو اپنی طرف آنے سے روکنے کے لئے کئی جنتر منتر پڑھے مگر ناکام رہا، بالآخر جان بچانے کے لئے میدان سے بھاگا۔ مگر درجنوں تیر اس کے جسم کے مختلف حصوں میں پیوست ہوگئے۔ اس کے حلق سے دلدوز چیخیں نکلیں اور وہ تڑپتا ہوا زمین پر گرا۔ اور چند لمحے تڑپنے کے بعد ساکت ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اس کے مردہ جسم میں آگ بھڑک اٹھی۔ اب وہاں کالی چرن کی لاش کے بجائے راکھ کا ڈھیر تھا۔ جسے ہوا اڑا کر لے گئی۔ کالی چرن کا کام تمام ہوتے ہی میں رگھوناتھ کی طرف مڑا اور حیرت سے اچھل پڑا وہ اپنی جگہ سے غائب ہو چکا تھا۔

اپنے گرو کی متوقع شکست، کالی چڑیل کے انجام اور مجھے مالنی کی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور چشم زدن میں غائب ہو چکا تھا۔

اب میں نے مالنی کی طرف قدم بڑھائے اور پکارا۔ "مالنی تم؟" میرے لہجے میں حیرت کے ساتھ مسرت بھی تھی۔

"یہ مالنی نہیں ہاجرہ بی بی ہے جس نے اپنی زندگی اللہ کی راہ میں وقف کردی ہے۔

"بابا جی مجھے بھی اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیجئے۔" میں رونے لگا۔

"یہ تیرے بس کا روگ نہیں نہ ہی درویشی تیرا نصیب ہے۔ تم لوٹ جاؤ وہیں جہاں سے آئے تھے۔ مگر اب بھٹکنا مت ورنہ منزل نہیں ملے گی۔" بابا جی نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی بابا جی، میری ماضی کی مالنی اور آج کی ہاجرہ اور میرے ساتھی جن میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔

میرا ازلی دشمن رگھوناتھ بھاگ چکا تھا۔ ہاجرہ بابا جی کے ساتھ چلی گئی اور میرے والد صاحب خود رگھوناتھ کے قبضے میں تھے، وہ بھی نہ ملے۔ میں نے آوازیں لگائیں بابا جی کو پکارا، ہاجرہ کو صدا لگائی اپنے دوست جنوں کو آواز دی مگر نہ ہی مجھے کوئی جواب ملا نہ ہی کوئی دکھائی دیا۔

میں دیوانوں کی طرح بے قراری سے ان پہاڑوں میں گھوما وہاں بھی گیا جہاں کبھی بابا جی کا آستانہ ہوا کرتا تھا۔ مگر اب وہاں کوئی نہ تھا۔ باپ کی تلاش میں اس مندر تک گیا جہاں رگھوناتھ نے انہیں قید کر رکھا تھا۔ مگر نہ ہی وہ ملے اور نہ رگھوناتھ کا کوئی سراغ ملا۔ کئی روز ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ کسی طرح اس ملک سے نکل جاؤں۔ جہاں میرا کوئی نہ تھا مگر یہ بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ نہ ہی میرے پاس پاسپورٹ تھا اور نہ کوئی دوسرے کاغذات مجھے وہ سادھو غیر قانونی طور پر اس ملک میں لایا تھا۔

آخر مجھے طارق کا خیال آیا مگر وہ بھی اس گیسٹ ہاؤس میں موجود نہ تھا۔ گزر اوقات کے لئے دو تین بار ضمیر کو سلا کر لوگوں کی جیبیں بھی کاٹیں۔ میں چھپتے چھپاتے طارق کو ڈھونڈ رہا تھا تاکہ اس کی مدد سے اس ملک سے نکل جاؤں، پولیس کا ڈر بھی تھا، میں غیر قانونی طور پر انڈیا میں داخل ہوا تھا۔ اور اس ملک کی پولیس کو مطلوب بھی تھا۔ جیل سے بھاگنے اور لڑکیوں کے قتل کے کئی الزامات مجھ پر تھے۔ مجھے معلوم تھا اگر میں پولیس یا بی ایس ایف سمیت کسی بھی ایجنسی کے ہتھے چڑھا تو پھانسی پر لٹکا دیا جاؤں گا۔ اس لئے میں ہوٹل سے نکلتے ہوئے خاصا محتاط تھا۔ میں نے اپنا حلیہ بھی یکسر تبدیل کر لیا تھا۔ پہلے میری داڑھی مونچھیں تھیں جبکہ اب میں کلین شیو تھا۔

ان دنوں سردیوں کا موسم تھا۔ ویسے بھی میں اپر پہنے رکھتا تھا جس کی وجہ سے میرا چہرہ تقریباً چھپ جاتا تھا۔ اس روز میں معمول کے مطابق سڑک پر مٹر گشت کر رہا تھا کہ سڑک کے کنارے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر حیرت سے اچھل پڑا۔ وہ لڑکی ہو بہو میری بہن غزالہ کی طرح تھی۔ ہو بہو وہی

چہرہ وہی قد وقامت میں چلتا ہوا اس سے کچھ فاصلے پر پہنچ گیا۔ اس کے دائیں بائیں دو گرانڈیل افراد کھڑے تھے جو شکل وصورت سے ہی جرائم پیشہ لگ رہے تھے، ایک کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا جو معمول سے زیادہ ابھری ہوئی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے کوٹ کی جیب میں پسٹل یا ریوالور قسم کی چیز تھی۔

اسی وقت لڑکی نے آنکھیں اٹھا کر میری طرف دیکھا ان آنکھوں میں خوف وہراس واضح نظر آرہا تھا۔ غزالہ اور اس لڑکی میں صرف معمولی فرق تھا، غزالہ کی آنکھیں براؤن جبکہ اس لڑکی کی آنکھیں بلیک تھیں۔

میں لڑکی کو خطرے میں دیکھ کر مضطرب ہوچکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میری بہن نہیں ہے لیکن میری بہن کی ہمشکل تو تھی جب غزالہ رگھوناتھ کی درندگی کا شکار ہوئی اس وقت میں پولیس کی حراست میں تھا۔ لیکن آج میں آزاد تھا، مجھے کسی بھی قیمت پر اس مظلوم لڑکی کو بچانا تھا۔ یہ بھی رگھوناتھ کے قبیلے کے لوگ معلوم ہورہے تھے۔ جو ایک معصوم لڑکی کو سرعام اغوا کرکے لے جارہے تھے۔ میری اپنی پوزیشن نازک تھی اس لئے سرعام ان سے الجھنے کے بجائے میں نے ان کا تعاقب کرنے اور مناسب مقام پر ان سے نمٹنے کا فیصلہ کرلیا۔

اسی وقت ان میں سے ایک نے ٹیکسی کو اشارے سے روکا اور ٹیکسی کے رکتے ہی وہ دونوں لڑکی سمیت ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوگئے۔ ان کے بیٹھتے ہی ٹیکسی آگے بڑھ گئی اور میں بے چین ہوگیا۔ ان کا تعاقب کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی گاڑی لازمی تھی۔ خوش قسمتی سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ یہ ٹیکسی تھی۔ جسے میں نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور ٹیکسی کے رکتے ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر ادھیڑ عمر سکھ پگڑی باندھے بیٹھا تھا۔ ''سردار جی جو آگے ٹیکسی جارہی ہے اس کا پیچھا کرنا ہے۔''

''کیوں؟'' سردار جی نے مجھے مشکوک نگاہوں سے گھورا۔

''وہ جی اس میں میرے مامے کا پتر بیٹھا ہے اور اس کے ساتھ ایک کڑی بھی ہے وہ جی وہ شادی شدہ ہے پھر بھی ایسی حرکتیں کرتا ہے آج میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا ہوں۔ وہ میرا سالا ہے اور میں اس کا سالا ہوں۔

وٹے سٹے میں رشتہ ہوا تھا۔ بہن کا معاملہ ہے۔ پلیز سردار جی چھیتی کرو یہ نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے نکل جائے، میں آپ کو کرائے سے دو چار سو زیادہ دوں گا۔'' میں نے ٹوٹی پھوٹی پنجابی میں جھوٹی کہانی سنا کر سردار جی کو متاثر کرنے کی کوشش کی، میری جھوٹی کہانی کا اور ٹوٹی پھوٹی پنجابی زبان کا سردار پر اثر ہوا یا نہیں چار سو کے لالچ سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے ٹیکسی کو گیئر میں ڈالا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھادیا۔

کچھ ہی دیر میں اس نے اس ٹیکسی کو جالیا جس میں غزالہ کی ہمشکل موجود تھی۔ ''سردار جی انہیں پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ ہم ان کا پیچھا کررہے ہیں۔''

''تسی فکر مت کرو جی میں نے بہت سی جاسوسی فلمیں دیکھ رکھی ہیں، ایسا پیچھا کروں گا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔'' پھر واقعی اس نے مناسب فاصلہ رکھ کر آگے جانے والی ٹیکسی کا تعاقب کیا، آگے والی ٹیکسی ایک وسیع وعریض عمارت کے سامنے جارکی۔ میں نے عمارت سے کافی فاصلے پر گاڑی رکوائی اور سکھ ڈرائیور کو زائد کرایہ دے کر رخصت کیا۔ وہ بدمعاش بھی ٹیکسی کو رخصت کرکے اندر داخل ہوچکے تھے۔

مجھے یہ سارا معاملہ پراسرار لگ رہا تھا۔ عمارت کے گیٹ پر ایک مسلح پہرے دار کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں گھوم کر عمارت کی عقبی سمت آگیا اور احاطے کی دیوار پھلانگ کر باآسانی عمارت میں داخل ہوگیا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اتنی بڑی عمارت میں کوئی ذی نفس دکھائی نہ دے رہا تھا۔ میں کوریڈور سے ہوتا ہوا مختلف کمروں میں جھانکتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور اچانک ٹھٹک کر رک گیا، ایک کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی، کمرے کا دروازہ مقفل تھا۔ میں نے کی ہول سے آنکھ لگائی اور اندر کا منظر دیکھنے لگا۔ یہ کسی فلمی سیٹ کا منظر تھا۔ کمرے میں بہت تیز روشنی تھی۔ ایک شخص کمرے کے ساتھ موجود تھا جبکہ وہ دونوں بدمعاش اس لڑکی کو دبوچے کھڑے تھے۔ ان

سے کچھ فاصلے پر ایک دوسرا شخص بھی موجود تھا۔ جس کے ہاتھوں میں پسٹل موجود تھا۔ یہ انسپکٹر ارجن پانڈے تھا۔ جو ایک حافظ قرآن لڑکی کی عصمت دری اور قتل کی واردات میں ملوث تھا۔ جسے بابا جی نے اپنے آشتانے سے دھتکار دیا تھا اور مجھے پولیس اسٹیشن لے جا کر بہیمانہ تشدد کیا تھا۔ وہ اس وقت اسی لڑکی سے مخاطب تھا۔ ”دیکھو علینہ تم ویسے بھی بولی وڈ کی فلموں میں کام کرنے کے سپنے دیکھ رہی تھی۔ یہ فلم تو تمہیں دنیا بھر میں مشہور کردے گی اور پیسہ بھی توقع سے زیادہ ملے گا۔“

”مگر میں اس قسم کی فلموں میں کام نہیں کرسکتی۔“ وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔

”دیکھو سیدھی طرح مان جاؤ۔ ورنہ نریندر اور اجے تم سے زبردستی کریں گے۔ پھر بھی ہوگا وہی جو میں چاہتا ہوں۔“

”اب معاملہ میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ یہاں بلیو فلمیں بنائی جارہی تھیں لیکن ارجن پانڈے کا اس گھناؤنے کاروبار سے کیا تعلق ہے کیا وہ بھی اس نیٹ ورک سے منسلک تھا، ادھر ارجن پانڈے نے لڑکی کو گولی مارنے کی دھمکی دی، علینہ نے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے اپنی شرٹ کا اوپری بٹن کھولا۔

اب معاملہ میری برداشت سے باہر ہو چکا تھا، اس سے پہلے کہ میں کوئی کارروائی کرتا۔ کسی نے عقب سے میرے سر پر کسی ٹھوس چیز کا وار کیا، میری آنکھوں کے سامنے ستارے سے گھوم گئے اور میں حوش وخرد سے محروم ہوگیا۔

مجھے ہوش آیا تو خود کو ایک تاریک کمرے میں کرسی پر اس مضبوطی سے بندھا ہوا تھا کہ ہلنے جلنے کے بھی قابل نہیں تھا۔ کمرے میں تاریکی اس قدر تھی کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں کافی دیر تک اس تاریک کمرے میں پڑا رہا۔

پھر اچانک کمرہ روشن ہوگیا۔ یہ دائیں دیوار پر نصب انرجی سیور تھا۔ جس نے اس کمرے کو روشن کیا تھا۔ اب میں نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا اور کانپ گیا۔ یہ کسی بھی قسم کے ساز وسامان سے عاری کمرہ تھا۔ مجھے مضبوط رسی کے ذریعے جس کرسی پر باندھا گیا تھا وہ کمرے کے عین وسط میں تھی اور فرش میں اس مضبوطی سے فکس تھی کہ اسے ہلانا جلانا ناممکن تھا۔ چھت پر لگے ہک سے ایک آہنی زنجیر لٹک رہی تھی۔ سب سے خوفناک بات اس آہنی زنجیر سے لٹکتی لاش تھی جس کا دایاں پاؤں اس زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ زنجیر سے الٹا لٹکے شخص کی پیشانی میں سوراخ تھا۔ جو یقیناً گولی کا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر فرش پر ایک دبلا پتلا شخص بے سدھ پڑا تھا۔ دیوار پر جابجا ایذا رسانی کے آلات آویزاں تھے۔ گویا یہ ٹارچر سیل تھا۔ اگر میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نہ ہوتے تو اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر باہر جانا بہت آسان تھا۔

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اندر داخل ہونے والا ارجن پانڈے تھا۔ اس کے ساتھ پینتیس سالہ دراز قد شخص تھا جو تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس نے ہاف آستین کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بازوؤں کے مسلز، ابھرا ہوا چٹان سینہ صاف ظاہر کررہا تھا کہ وہ باڈی بلڈر ہے۔ اس کی آنکھوں میں تجسس تھا وہ بغور اس طرح میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے قصائی بکرے کو دیکھتا ہے۔ پانڈے تم تو کہہ رہے تھے یہ بہت خطرناک شخص ہے۔

”مجھے تو اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔“ وہ میرے چھریرے بدن کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”رام گوپال یہ جتنا معصوم ہے اتنا ہے نہیں، یہ سرعام پولیس اہلکاروں کو بے ہوش کرکے لاک اپ سے فرار ہوگیا تھا۔“ پھر اس نے تفصیل سے میرے بارے میں اسے بتاتے ہوئے کہا۔

”یہ کسی پلید مردے کی روح ہے۔“

”مہاراج کالی چرن کو بھی اس نے مارا اسی لئے میں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے ہیں تاکہ یہ یہاں کوئی چمتکار نہ دکھا سکے۔“

”اور غلام سرور یہ رام گوپال ہے۔ انڈرورلڈ کا ڈان اور جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ، اس کے بعض دھندوں میں میں بھی اس کا پارٹنر ہوں، جیسے بلیو پرنٹ فلموں کا وہ کاروبار جس عمارت میں تم داخل ہوئے تھے، وہاں بلیو پرنٹ فلمیں

تیار کی جاتی ہیں، اب تم وہاں نہیں، ایک ایسے ٹارچر سیل میں موجود ہو جہاں خطرناک مجرموں کو رکھا جاتا ہے۔ یہ لاش جو چھت سے لٹک رہی ہے یہ وہ گارڈ ہے جو اس عمارت کے گیٹ پر موجود تھا جس میں تم اس کی نظروں میں آئے بغیر داخل ہوئے تھے۔ اسی لئے اسے نرکھ میں پہنچا دیا گیا ہے۔''

ارجن پانڈے بولا اور آگے بڑھ کر مجھ پر گھونسوں کی بارش کردی، میرے ہونٹوں سے خون بہنے لگا، ارجن پانڈے باندھے ہوئے کو مارنا مردانگی نہیں اگر ہمت ہے تو مجھے کھول کر دیکھو۔'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ لیکن اس نے کوئی جواب دیئے بغیر اپنی کارروائی جاری رکھی۔

کچھ ہی دیر بعد میں بے ہوش ہو چکا تھا مجھے جب دوبارہ ہوش آیا تو خود کو اسی کمرے کی چھت سے لٹکی زنجیر سے بندھا ہوا پایا۔ سب سے خوفناک بات گارڈ کی وہ لاش تھی جو میرے ساتھ ہی بندھی ہوئی تھی۔ اس سفاک شخص نے نائیلون کی رسی سے لاش کو میرے جسم کے ساتھ باندھ ڈالا تھا۔ لاش کا جسم پھول چکا تھا۔ اور بدبو آرہی تھی۔ اس بدبو سے میرا جی متلانے لگا۔ میرے ہاتھ پشت پر کسی مضبوط رسی سے باندھے ہوئے تھے۔ وہ بے ہوش شخص اب تک فرش پر اس طرح بے حس و حرکت پڑا تھا۔ میں سوچنے لگا کہیں وہ بھی مردہ نہ ہو، ورنہ اب تک ہوش میں آچکا ہوتا۔ مجھے اس طرح لاش کے ساتھ بندھے کئی گھنٹے گزر گئے۔ پورے بدن میں تکلیف اور درد کی کٹیلی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ میں نے ایک گہرا سانس لیا اور سینے میں سانس روک کر ذہن کو خیالات کی یلغار سے پاک کر کے مراقبے میں گم ہو گیا۔

تکلیف کا احساس ختم ہو گیا نہ جانے کتنے گھنٹے گزر گئے۔ مجھے کچھ پتہ نہیں چلا۔ لاش کی بدبو بھی میری یکسوئی کو متاثر نہ کرسکی تھی۔

اچانک گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجنے لگی یہ دوطرفہ فائرنگ تھی، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کئی افراد فائرنگ کررہے ہوں لیکن میں اس سب سے بے نیاز مراقبے میں گم تھا اور میری سانسیں بند تھیں، یہی میری کامیابی اور زندگی کی ضمانت تھی ورنہ میں لاش کی شدید بدبو سے بے ہوش ہو چکا ہوتا۔ یا دنیا سے گزر جاتا پھر یہ فائرنگ رک گئی دروازہ کھلا اور مجھے لاش سمیت زنجیر سے اتار لیا گیا میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سامنے موجود افراد کو دیکھ کر میں چونک پڑا۔

یہ طارق اور تنویر تھے ان کے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں موجود تھیں مجھے چشم زدن میں رسیوں کی بندش سے آزاد کروالیا گیا۔ فرش پر پڑے بے سدھ شخص کو تنویر نے اپنے کاندھے پر اٹھالیا، میرے لئے اٹھنا بہت مشکل تھا۔ کئی گھنٹوں سے الٹا لٹکنے کے باعث ٹانگیں اور جسم جیسے مفلوج ہو چکا تھا۔ طارق نے مجھے سہارا دیا۔ یہ وقت سوال و جواب کا نہیں تھا، میں ان کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔ کوریڈور میں تین چار گولیوں سے چھلنی افراد کی لاشیں پڑی تھیں یہ یقیناً رام گوپال اور ارجن پانڈے کے ساتھی تھے۔ اچانک چند فائر ہوئے گولیاں ہمارے قریب سے گزریں۔ طارق اور اس کے ساتھی مجھے لئے ہوئے ایک ہال نما کمرے میں گھس گئے۔

اسی وقت ایک آواز گونجی۔ ''تم لوگ یہاں سے زندہ باہر نہیں نکل سکتے۔'' یہ پانڈے کی آواز تھی۔ جو مائیک سے آرہی تھی۔

''پانڈے جس طرح ہم اس عمارت میں داخل ہوئے ہیں اور تمہارے کئی کتے جہنم رسید کردیئے ہیں اسی طرح اس عمارت سے باہر بھی جائیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ اس عمارت میں صرف تم زندہ بچے ہو۔'' طارق نے جواب دیا۔

''یہ ہمیں باتوں میں الجھا رہا ہے تاکہ قانون نافذ کرنے والے ادارے پہنچ جائیں اور ہم کسی چوہے کی طرح اس چوہے دان میں پھنس جائیں بہتر یہی ہے کہ جس خفیہ راستے سے ہم اس عمارت میں داخل ہوئے تھے اسی سے باہر نکل جائیں۔'' تنویر نے سرگوشی کی اور طارق نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چند فائر کئے اس کا نشانہ ہال نما کمرے کے روشن بلب تھے۔ کمرے میں تاریکی چھا گئی۔ اسی ہال نما کمرے میں خفیہ راستہ تھا۔ ہم اس خفیہ راستے

سے عمارت سے باہر آ گئے۔ جہاں عمارت کے عقبی سمت ایک ہائی روف موجود تھی۔ بے ہوش شخص کو ہائی روف میں ڈال کر ہم کافی عجلت میں وہاں سے نکلے۔

''یہ کون ہے؟ اور تم یہاں کیسے پہنچے؟'' میں نے بے ہوش شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طارق سے پوچھا۔

''یہ پروفیسر داؤد ہیں۔'' باقی تفصیلات کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ کر بتاؤں گا۔ اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔ ہم بغیر رکے آگے بڑھتے رہے، ایک پیٹرول پمپ سے فیول ڈلوایا اور آگے بڑھ گئے۔ ہم رات کے آخری پہر اس عقوبت خانے سے نکلے تھے اور دوسرے روز مسلسل سفر کرتے ہوئے شام کے وقت ایک دیہی علاقے میں داخل ہوئے، گاڑی ایک کھنڈر نما عمارت کے سامنے رکی اور ہم بے ہوش پروفیسر داؤد کے ہمراہ اس عمارت میں داخل ہوگئے۔ یہ عمارت ٹوٹی پھوٹی اور خستہ حال تھی، کمرے گرد وغبار اور مکڑی کے جالوں سے اٹے ہوئے تھے، کافی کوششوں سے ایک کمرے کو صاف کر کے استعمال کے قابل بنایا۔

طارق کے تیسرے ساتھی کا نام سلطان تھا۔ اس نے اپنے پاس موجود بیگ میں سے سرنج نکالی اور پروفیسر داؤد کو انجکشن لگا دیا کچھ ہی دیر میں وہ ہوش میں آ چکا تھا اور پلکیں جھپکاتے ہوئے بے تاثر نگاہوں سے ہم سب کو دیکھ رہا تھا۔

''پروفیسر گھبراؤ مت اب تم اپنوں میں ہو۔'' طارق نے کہا۔

کچھ دیر بعد ایک جیپ آ کر اس عمارت کے سامنے رکی، اس میں چھ سات مسلح افراد تھے۔ یہ بھی طارق کے ساتھی تھے۔ انہوں نے عمارت کے مختلف حصوں میں پوزیشن سنبھال لی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طارق کا تعلق بھی کسی جرائم پیشہ گروہ سے ہے، میں نے سوچا۔

''تنویر یہ علاقہ بارڈر کے قریب ہے، ہم نصب شب کے قریب خاموشی سے یہاں سے نکل جائیں گے۔'' طارق کہہ رہا تھا۔

''طارق تمہارے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں، دو دفعہ تم نے میری جان بچائی۔ اور تم نے مجھے دوست بھی کہا ہے۔ لیکن اتنے مسلح افراد کی موجودگی یہ ظاہر کر رہی ہے کہ تم کوئی جرائم پیشہ شخص ہو اس لئے مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دو۔'' میں نے ان کی گفتگو میں دخل اندازی کی وہ دونوں چونک پڑے، تنویر کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے جبکہ طارق مسکرا رہا تھا۔

پروفیسر داؤد فرش پر بے خبر سو رہا تھا۔ اس کی مخدوش حالت کے باعث سلطان نے پین کلر انجکشن میں خواب آور دوا ملا کر لگا دیا تھا۔ ''یہ جو فرش پر پڑے ہیں ان کا نام ہے پروفیسر داؤد یہ ہمارے ملک کے مایہ ناز سائنسدان ہیں۔ فرحین ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جسے کرکٹ سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ ان ہی دنوں وانکھڈے اسٹیڈیم میں پاکستانی اور انڈین کرکٹ ٹیم کا میچ تھا۔ فرحین نے ضد کی وہ انڈیا جا کر میچ دیکھنا چاہتی ہے۔ پروفیسر داؤد اس کی ضد سے مجبور ہو گئے اور اسے لے کر انڈیا آ پہنچے وہ کسی معصوم بچی کی طرح خوش تھی اور اپنی فیورٹ ٹیم کو اپنی آنکھوں سے انڈیا کے خلاف ایکشن میں دیکھ رہی تھی۔ خوش قسمتی سے پاکستان یہ میچ جیت گیا۔ دوسرے روز سیمی فائنل تھا۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹل کی لابی میں موجود تھے کہ انہوں نے محسوس کیا وہاں موجود ایک شخص کی نظریں فرحین پر جمی ہوئی ہیں، پھر وہ ان کے قریب آ گیا۔ ''میرا نام رام گوپال ہے اور تعلق فلم انڈسٹری سے ہے۔ میں اس لڑکی کو اپنی فلم میں بطور ہیروئن مرکزی کردار کی آفر کرتا ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کرتے ہوئے آفر کی اور پروفیسر داؤد نے شائستہ لہجے میں انکار کر دیا۔

دوسرے روز وہ میچ شروع ہونے سے پہلے اسٹیڈیم میں جانے کے لئے گاڑی میں سوار ہوئے، ابھی راستے میں ہی تھے کہ ایک لینڈ کروزر نے سامنے آ کر اس کا راستہ مسدود کر دیا۔ اور چار مسلح افراد نیچے اترے، ان میں رام گوپال بھی تھا۔ چیختی چلاتی فرحین کو اغوا کر لیا گیا جبکہ پروفیسر داؤد کے سر پر پسٹل کا دستہ مار کر بے ہوش کر دیا گیا۔ پروفیسر نے ہوش میں آنے کے بعد پولیس سے رابطہ کیا۔ رام گوپال ایک بااثر شخص تھا۔ ان کی کوئی سنوائی نہیں ہوئی۔

چند روز بعد فرحین کی بلیو پرنٹ فلم منظر عام پر آ گئی۔

پروفیسر داؤد نے احتجاج کیا۔ ایسے موقع پر رام گوپال کا دست راست ارجن پانڈے حرکت میں آیا اور ہوٹل کے جس کمرے میں پروفیسر کی رہائش تھی وہاں ایسی جعلی دستاویزات رکھ دی گئیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پروفیسر داؤد پاکستانی جاسوس ہے۔ اس کا پاسپورٹ غائب کر دیا گیا اور گرفتار کر کے نامعلوم مقام پر قید کر لیا گیا۔ دوران تفتیش ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ انسانیت سوز تشدد کے علاوہ انہیں نشہ آور انجکشن لگائے جاتے، اس دوران فرحین نے ایک روز موقع پا کر خودکشی کر لی۔

میرا اور میرے ساتھیوں کا تعلق ایک حساس ادارے سے ہے۔ ہم انہیں آزاد کروانے غیر قانونی طور پر اس ملک میں داخل ہوئے لیکن ہمیں نہیں معلوم تھا کہ پروفیسر داؤد کو کہاں قید رکھا گیا ہے، اس دوران تم سے ملاقات ہوئی، تم ظالموں کے ظلم کا شکار اور میرے ہم وطن تھے اس لئے میں نے تمہارا ساتھ دیا۔ کل رات ہمیں اس جگہ کا معلوم ہوا جہاں بلیو پرنٹ فلمیں بنائی جاتی تھیں۔ ہم اس عمارت میں داخل ہوئے، رام گوپال کے کئی کارندوں کو جہنم رسید کیا۔ ان میں سے ایک پر تشدد کر کے معلوم کیا کہ پروفیسر داؤد کو کس عمارت میں رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد وہاں موجود کئی لڑکیوں کو ہم نے آزاد کیا اور عمارت کو ٹائم بم سے تباہ کر کے وہاں پہنچ گئے جہاں تم قید تھے۔

خفیہ راستے کا ہم کارندے پر تشدد کے ذریعے راستہ معلوم کر چکے تھے۔ اندر جا کر ارجن پانڈے کے کئی ساتھیوں کو جہنم واصل کر کے تم دونوں کو آزاد کروا لیا۔ لیکن افسوس ارجن پانڈے ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اب ہم آج رات اس ملک سے نکل جائیں گے۔'' طارق نے اپنی روداد ختم کی۔

''مجھے یہاں سے جاتے ہوئے ایک ہی افسوس رہے گا کہ رگھوناتھ میرے ہاتھوں سے بچ نکلا۔'' میں نے کہا اور طارق کو بتایا کہ اس سے بچھڑنے کے بعد مجھ پر کیا گزری۔

ہم رات دس بجے اس عمارت سے نکلے۔ ہمارا رخ بارڈر کی طرف تھا ارادہ یہی تھا کہ بارڈر سے کچھ فاصلے پر گاڑیاں روک لی جائیں گی اور ہم پیدل ہی خاموشی سے بارڈر پار کر کے اپنے وطن کی زمین اپنی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ ہم پروفیسر داؤد سمیت چودہ افراد تھے۔ جو دو گاڑیوں میں سوار تھے۔ پروفیسر داؤد ہوش میں آ چکے تھے اور ان کی ذہنی حالت اب پہلے سے بہتر تھی۔ طارق نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تعارف پروفیسر داؤد سے کروا کر انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ ہم مطمئن تھے اور اپنے حساب سے خوش ہو رہے تھے کہ بارڈر قریب ہے۔ لیکن مقدر کی بات کوئی نہیں جانتا تھا۔ ہم اپنے حساب سے سوچ رہے تھے اور مقدر کا حساب کچھ اور تھا۔

اچانک ہماری دونوں گاڑیاں جھٹکا کھا کر رک گئیں۔ اگر ایک گاڑی خراب ہوتی تو ہم اسے اتفاق سمجھتے لیکن دونوں گاڑیوں کا خراب ہونا کسی گڑبڑ اور بڑی مصیبت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اور پھر یہ مصیبت سامنے آ ہی گئی۔ دائیں طرف ناہموار میدانی علاقہ تھا جو بڑے بڑے ٹیلوں سے اٹا ہوا تھا۔ ایک ٹیلے کی آڑ سے دو افراد نکل رہے تھے ان میں سے ایک رگھوناتھ اور دوسرا پستہ قامت ایک سادھو تھا۔ جس کے گلے میں مختلف قسم کی مالائیں تھیں۔ وہ دونوں ہم سے کچھ فاصلے پر رک گئے۔

''غلام سرور تم میرے پرانے متر ہو۔ اس طرح خاموشی سے مجھ سے ملے بغیر اس دیش سے جانا اچھا نہیں تمہاری طرف بہت سے حساب کتاب ہیں انہیں تو ادا کرتے جاؤ۔'' رگھوناتھ استہزائیہ انداز میں بولا۔

''رگھوناتھ گیدڑ کی جب شامت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ تمہیں تمہاری شامت نے یہاں بھیجا ہے۔ اس وقت تو تم موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاگ گئے تھے پر اب میں تمہیں نہیں بھاگنے دوں گا۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

میرے جواب سے وہ جز بز ہو گیا اور گھمبیر لہجے میں کہا۔ ''اب تو یہ گھسے پٹے پرانے محاورے بولنا چھوڑ دو۔ تمہارا انت ہونے والا ہے۔

''شاید تم اپنے گرو کالی چرن کی شرمناک شکست بھول گئے جسے ایک عورت نے عبرتناک انجام تک پہنچایا تھا۔''

میں نے طنز کیا۔

"بالک اسی لئے تو میں آیا ہوں۔ میں کالی چرن کا متر ہوں۔ تمہیں نرکھ میں پہنچانے کے بعد اس ناری سے بھی کالی چرن کی ہتھیا کا بدلا لیں گے۔ پرنتو اتنا یاد رکھو تم یہاں سے زندہ اپنے دیش نہیں جاؤ گے یہ گردھاری لال کا وچن ہے۔" وہ اپنی انگاروں کی طرح دہکتی آنکھیں مجھ پر مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

"بند کرو اپنا یہ مداریوں کا کھیل تماشہ۔" تنویر بے زاری سے بولا اور اپنی رائفل ان دونوں پر تان لی وہ غصیلی طبیعت کا مالک تھا۔

"بالک اپنی یہ حسرت بھی پوری کرلو۔" وہ پراسرار انداز میں مسکرایا اور تنویر نے ٹریگر دبا دیا۔ اگلا ہی لمحہ نہایت ہی حیرت انگیز تھا۔ ٹریگر دبانے کے باوجود رائفل سے گولیاں نہیں نکلی تھیں۔ تنویر بوکھلا گیا۔ گردھاری لال نے زمین پر سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور تنویر اور اس کے ساتھیوں کی طرف اچھال دی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس نے مجھے حیرت اور خوف میں مبتلا کردیا۔

طارق اور اس کے ساتھی کسی مجسمے کی طرح ساکت ہوچکے تھے۔ "اب یہ کسی بھی قسم کی حرکت نہیں کرسکتے۔ صرف دیکھ اور سن سکتے ہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔" گردھاری لال نے زبان کھولی۔

طارق میرا استاد تھا اور پراسرار علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کا بے بس ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ گردھاری لال کوئی معمولی پنڈت نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کرتا گردھاری لال نے اپنے سر کا ایک بال توڑا اور میری طرف پھینکا، سر کا یہ بال سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا آیا اور رسی کی شکل اختیار کرلی، اس رسی نے مجھے پاؤں سے لے کر بازوؤں تک جکڑ لیا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر گر گیا۔ گردھاری لال نے اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا۔ اور ایک بڑی سی تیز دھار تلوار اس کے ہاتھوں میں نہ جانے کہاں سے آگئی وہ میرے قریب آیا اور اپنا تلوار والا ہاتھ فضا میں لہرایا۔ "بالک میں کالی کا مہان سیوک ہوں۔ اور تمہاری بلی چڑھا رہا ہوں۔"

میں نے کلمہ پڑھا اور آنکھیں اس کے تلوار والے ہاتھ پر جم گئیں اور دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کسی بھی پل اس کا تلوار والا ہاتھ نیچے آتا اور میرا سر دھڑ سے الگ ہوجاتا، اب کوئی معجزہ ہی مجھے بچا سکتا تھا، میں نے دل کی گہرائیوں سے اللہ کو پکارا، اسی پل مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے بدن کے گرد لپٹی رسی ٹوٹ چکی ہے میں تڑپ کر کھڑا ہوگیا۔

گردھاری لال کی آنکھوں میں خوف تھا وہ خوفزدہ نظروں سے میرے عقب میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور خوشی سے اچھل پڑا۔ وہاں ہاجرہ کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر اس وقت بھی نقاب تھا۔ "اچھا ہوا تم بھی آگئیں۔ مجھے تم سے کالی چرن کی ہتھیا کا بدلا لینا ہے۔" وہ تند لہجے میں بولا۔

"گردھاری لال کالی چرن کو بھی میں نے سمجھایا تھا اور تمہیں بھی سمجھا رہی ہوں۔ کسی ظالم کا ساتھ دینا گناہ ہے، تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ خاموشی سے یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"چپ کر کلنکنی اس وقت تم اس لئے کامیاب ہوگئی تھی کہ تم سب نے مل کر کالی چرن کو گھیرا تھا۔" گردھاری لال نے کہا کہ پھر کالی کا فلک شگاف نعرہ لگا کر کسی مداری کی طرح اچھلنے کودنے لگا۔ اس نے اپنے سر کا بال توڑ کر ہاجرہ کو میری طرح رسی میں جکڑنا چاہا مگر اس میں بھی اسے کامیابی نہ ہوئی۔ پھر اس نے زمین سے مٹی اٹھا کر ہاجرہ کی طرف پھینکی اس بار اس کا داؤ کامیاب رہا۔ اس کا جسم شعلوں کی زد میں آگیا، مگر یہ وقتی کامیابی ثابت ہوئی۔ چشم زدن میں اس کے سر پر بادل لہرایا اور بارش برسنے لگی یہ بارش صرف ہاجرہ پر برس رہی تھی۔ آگ بجھ گئی۔ اس کا چہرہ اور گردن جو اس آگ سے جھلس گئے تھے خود بخود صاف شفاف ہوگیا۔ پھر ان دونوں کے درمیان معرکہ شدت اختیار کرگیا۔ یہ ماورائی قوتوں کی لڑائی تھی۔ وہ دونوں مجھ سے اور رگھوناتھ سے بے نیاز ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کررہے تھے۔

میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور تماشہ دیکھنے والے رگھوناتھ پر چھلانگ لگائی اور اسے رگیدتا ہوا زمین پر گرا اس

سے پہلے کہ وہ کوئی جنتر منتر پڑھ کر اپنا بچاؤ کرتا میں نے پے درپے کئی گھونسے اس کے چہرے پر رسید کئے اس کا چہرہ لہولہان ہوگیا اور وہ کربناک انداز میں چیخا۔

گردھاری لال اس کی چیخ پر اس کی طرف متوجہ ہوا اور انگلی سے اشارہ کر کے مجھ پر وار کرنا چاہا، ہاجرہ نے اپنے دونوں ہاتھ اسکی طرف جھٹکے، لاتعداد سوئیاں اس کے پاؤں کے تلوؤں میں پیوست ہوگئیں، اس نے اپنے پاؤں زور سے زمین پر مارے سوئیاں پاؤں میں سرایت کرگئیں وہ رگھوناتھ کو بھول کر دوبارہ ہاجرہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

میرے ہاتھ پاؤں حرکت میں آگئے۔ پے درپے کئی گھونسوں نے اس کے کئی دانت توڑ ڈالے تھے، ناک پچک چکی تھی۔ ناک اور منہ سے خون جاری تھا اس کی اذیت ناک چیخیں مجھے عجیب سا سرور دے رہی تھیں، میں نے اسے دو تین بار سر سے بلند کر کے پتھریلی زمین پر پھینکا، اب اس کا جسم جھٹکے کھا رہا تھا اور اس پر جانکنی کی سی کیفیت طاری تھی۔ میں نے اس پر ترس کھائے بغیر زوردار ٹھوکر اس کے چہرے پر رسید کی اور فضا میں اچھالا اور گھسٹتے موڑ کر رگھوناتھ کے سینے پر گرا وہ پھر اذیت سے چیخا اس کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی۔ اب میں اسے سر کے بالوں سے پکڑے زمین پر گھسیٹ رہا تھا۔

ادھر گردھاری لال نے لاتعداد خونخوار بیر ہاجرہ کی طرف بھیجے۔ جو کریہہ انداز میں چیختے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ ہاجرہ نے اپنے دونوں ہاتھ جھٹکے بیروں کے جسموں میں آگ بھڑک اٹھی۔ گردھاری لال نے اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا۔ اب اس کے ہاتھ میں مٹی کی کوری ہانڈی نظر آ رہی تھی، میں کانپ اٹھا۔

میں موت کی اس ہانڈی سے آگاہ تھا، اس کے وار سے بچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اس نے ہانڈی ہاجرہ کی طرف پھینکی جو گھوں گھوں کی آواز کے ساتھ برق سرعت سے اس کی طرف لپکی اور اس کے سر پر پہنچ کر چکرانے لگی۔

میرے چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا اور مجھے ہاجرہ کی فکر لاحق ہوگئی۔ ہاجرہ نے ہاتھ بڑھایا اور ہانڈی کو اپنے دائیں ہاتھ میں تھام لیا۔

گردھاری لال ششدر رہ گیا، ہاجرہ نے ہاتھ جھٹکا اور ہانڈی گھومتی ہوئی گردھاری لال کی طرف پلٹی، فضا عجیب قسم کی پراسرار چیخوں سے گونج اٹھی، گردھاری لال خوف سے لرزنے لگا۔ ہانڈی کے پلٹنے کے انجام سے وہ بخوبی واقف تھا۔ اس نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی کہ اس وقت ہانڈی اس کے سر پر گر پڑی۔ سینکڑوں چھوٹے چھوٹے زہریلے ناگ گردھاری لال کے جسم سے لپٹ گئے۔ اس کی آخری چیخیں بہت ہی اذیت ناک تھیں۔

''غلام سرور اب میں جارہی ہوں۔ میں نے تمہارے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہٹادی ہے۔ پر محتاط رہنا خطرات ابھی ٹلے نہیں۔'' اس نے کہا اور میرے کچھ کہنے سے پیشتر پلک جھپکتے میں غائب ہوگئی۔

گردھاری لال کی مسخ شدہ لاش نیچے پڑی تھی۔ اس کے مرتے ہی طارق اور اس کے ساتھی اس کے سحر سے آزاد ہو چکے تھے۔ میں جاں بلب رگھوناتھ کی طرف بڑھا اور اس کے جسم پر پے درپے کئی ٹھوکریں رسید کیں، اب اس میں چیخنے تک کی سکت نہ تھی۔ وہ بے حس وحرکت پڑا تھا اور میں اس پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔ ''رک جاؤ یہ مر چکا ہے۔'' طارق کی آواز سنائی دی اور میں رک گیا۔

واقعی اس کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ چکی تھی۔ ''چلو اب نکلیں یہاں سے۔'' میں نے کہا اور ہم سب گاڑیوں کے قریب پہنچے۔ ''اب شاید یہاں سے زندہ نکلنا مشکل ہے۔'' سلطان نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں چونک پڑا وہ اس سمت دیکھ رہا تھا جس سمت سے ہم آئے تھے۔

دور بہت دور سے اس کچے راستے پر گرد کے غبار اٹھ رہے تھے۔ ''لگتا ہے دشمن پہنچ چکا ہے بھاگو ٹیلوں کے پیچھے پوزیشن سنبھال لو۔'' طارق چلایا اور وہ سب گاڑیوں سے رائفلیں اور بیگ اٹھا کر ٹیلوں کی طرف بھاگے۔

کچھ ہی دیر میں وہ ان بڑے بڑے ٹیلوں کے پیچھے پوزیشن سنبھال چکے تھے، میں بھی طارق کے ساتھ ایک بڑے سے ٹیلے کی آڑ میں دبکا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی اور وہ کسی چیتے کی طرح چوکنا تھا۔ پھر وہ گاڑیاں ہماری خراب گاڑیوں سے کچھ فاصلے پر رک گئیں وہ تعداد

میں بارہ تیرہ گاڑیاں تھیں۔ جن میں درجنوں افراد سوار تھے۔ جو سب کے سب مسلح تھے۔ ان میں جیپیں بھی تھیں لینڈ کروزر بھی تھیں ان سب نے گاڑیوں کی آڑ میں پوزیشن سنبھال لی تھی۔ پھر ایک بڑے ٹائروں والی جیپ دور سے آتی دکھائی دی۔ وہ بھی اس قافلے کے قریب رکی، ہم نے دیکھا اس جیپ میں رام گوپال، ارجن پانڈے اور انڈین آرمی کی وردی میں ملبوس ایک فوجی بھی تھا جس کی وردی پر بہت سے اسٹار لگے ہوئے تھے، پھر اسی باوردی شخص نے میگا فون اٹھایا اور فضا اس کی بھاری بھرکم آواز سے گونجنے لگی۔ ”میں میجر رمیش تم لوگوں کو آگاہ کرتا ہوں کہ پولیس اور بی ایس ایف نے تمہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور کچھ ہی دیر میں یہاں مزید نفری بھی آجائے گی، تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ہتھیار پھینک کر خود کو ہمارے حوالے کردو۔“

اس اعلان کے جواب میں طارق اور اس کے ساتھیوں نے فائر کھول دیا۔ اور پھر دونوں اطراف سے ایک دوسرے پر گولیاں برسائی جانے لگیں۔ میرے ہاتھ میں بھی طارق کی دی ہوئی رائفل موجود تھی اس نے رائفل چلانے کا طریقہ بھی مجھے بتایا تھا لیکن میں اناڑی تھا، میری چلائی ہوئی گولیاں ضائع ہوئیں، اس لئے خاموشی سے ایک ٹیلے کی آڑ میں دبکا رہا۔

اگلے پندرہ منٹ تک فائرنگ چلتی رہی، اس دوران بھی بی ایس ایف کے دو تین اہلکار مارے گئے، لیکن اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا، کیوں کہ وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے، ان کا گھیرا رفتہ رفتہ ہمارے گرد تنگ ہوتا جارہا تھا۔ ہم محاصرے میں تھے اور جانتے تھے کہ یہاں سے زندہ بچ نکلنا ایک معجزہ ہی ہوگا۔ ہمارے پاس ایمونیشن بھی محدود تھا اور یہ خطرہ بھی تھا کہ قانون نافذ کرنے والے دیگر ادارے بھی نہ پہنچ جائیں۔ ایسی صورت میں یہاں سے نکلنا ناممکن ہوجاتا۔ سب سے بڑا خطرہ سرحدی محافظوں کا تھا کیوں کہ یہاں سے بارڈر قریب تھا۔ وہ فائرنگ کی آواز سن کر یہاں آسکتے تھے۔

بہرحال طارق اور اس کے ساتھیوں کی زبردست مزاحمت نے پولیس اور بی ایس ایف کی پیش قدمی روک رکھی تھی۔ ان کی کوشش یہی تھی کہ پولیس کی مزید کمک آنے سے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔ پھر بی ایس ایف کی طرف سے دستی بم پھینکے گئے، فضا ساعت شکن دھماکوں سے گونج اٹھی اور گرد و غبار کے بادل چھاگئے۔ سب سے آگے والے ٹیلے کی آڑ میں طارق کے دو شوٹر اس حملے میں مارے گئے۔

طارق کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ اس نے ٹیلے کی آڑ سے ایل ایم جی گن کی نال نکالی اور فائر کئے بلاشبہ وہ غضب کا نشانہ باز تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولیاں ایک جیپ کے پیٹرول ٹینک میں لگیں۔ اور جیپ میں آگ بھڑک اٹھی۔ میں نے اس آگ میں تین چار پولیس اہلکاروں کو جلتے ہوئے دیکھا جو جیپ کی آڑ میں چھپے تھے۔

پھر تنویر نے دو دستی بم اچھالے یہ بھی نشانے پر لگے تھے۔ ساعت شکن دھماکے ہوئے اور دو جیپیں جلتی ہوئی فضا میں اچھلیں۔ ساتھ ہی انسانی چیخیں گونجیں بڑے کٹھن مراحل تھے۔

میری رگوں میں بھی خون پارے کی طرح کھولنے لگا۔ میں نے جوش میں آکر ٹیلے کی آڑ سے رائفل کی نال نکالی اور فائر کرنے لگا۔ میں اناڑی تھا اس لئے گولیاں ضائع ہوتی جارہی تھیں پھر ایک اہلکار میری گولیوں کا نشانہ بن گیا اس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا۔ وہ خود ہی گولیوں کے سامنے آگیا تھا۔ یاہو میں جوش سے اچھلا، اسی وقت شوں کی آواز کے ساتھ ایک گولی میرے سر سے گزری۔ اور طارق نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دوبارہ بیٹھادیا۔ ”اگر اس طرح دوبارہ اچھلے تو بغیر کسی ٹکٹ کے اوپر پہنچ جاؤ گے۔“ پھر فائرنگ میں وقفہ آگیا۔

جگہ جگہ گولیوں کے خول بکھرے پڑے تھے۔ بارود کی ناگوار بو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ انڈین سپاہیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا۔ کئی شدید زخمی تھے اور بہت سے مارے جاچکے تھے۔ ہمیں محصور ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے اور ڈر تھا کہ کہیں پولیس اور بی ایس ایف کے لئے کہیں سے کمک نہ آجائے۔ ہم فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھے

ہماری یہ کوشش بھی بے سود رہی۔ اور ہم دو مزید ساتھیوں سے محروم ہو گئے جو مخالف سمت سے چلائی جانے والی گولیوں سے مارے گئے اور ہم پسپا ہو کر واپس لوٹ گئے۔

''اب بچنے کی کوئی صورت نہیں ایمونیشن بھی ختم ہونے والا ہے۔ اور ہماری تعداد بھی رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے۔'' سلطان مایوس لہجے میں بولا۔ پھر انجانے خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے جو کچھ کیا وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ احمقانہ اقدام تھا وہ مختلف ٹیلوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھا اور کرالنگ کرتا ہوا ایک جیپ سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر اس نے لیٹے لیٹے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اس کے ہاتھ میں دستی بم تھا جو سیدھا جیپ میں گرا اور ساعت شکن دھماکے کے ساتھ جیپ کے پرخچے اڑ گئے۔ لیکن جوابی فائرنگ سے اس کا جسم چھلنی ہو گیا۔ اس کی موت نے ہمیں سکتہ زدہ کر دیا تھا۔ پھر جو کچھ طارق نے کیا وہ بھی غیر متوقع تھا۔ وہ پیٹ کے بل رینگتا ہوا ہم سے کافی فاصلے پر آگے ایک ٹیلے کی آڑ میں چلا گیا۔ پھر ہم نے دیکھا وہ چنگھاڑتے ہوئے اٹھا اور خطرے کو بالائے طاق رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اس کی آواز دل دہلا دینے والی تھی۔ وہ کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑ رہا تھا۔ اس نے ایل ایم جی اٹھا رکھی تھی اور دونوں طرف میں جارحانہ انداز میں فائرنگ کر رہا تھا۔

دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ رہی تھی۔ وہ دہشت زدہ ہو چکے تھے۔ اس کی اندھا دھند جارحانہ فائرنگ سے کئی انڈین سپاہی مارے گئے۔ ہم نے رام گوپال کو بھی گرتے دیکھا۔ طارق کی چلائی ہوئی گولیوں نے اسے چھلنی کر ڈالا تھا۔ پھر وہ فائرنگ کرتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہٹتا ہوا دوبارہ ہم تک آ پہنچا۔ تب ہم نے دیکھا اس کے سینے سے خون بہہ رہا تھا۔ گولی لگنے کے باوجود اس کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا۔

''یہ کیا حرکت تھی۔'' میں نے ناراضگی سے کہا۔

''کچھ نہیں ہوتا یہ زخم ہمارے لئے تمغے کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' وہ نارمل انداز میں بولا۔ دوطرفہ فائرنگ ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی مگر اب اس میں پہلے جیسی جارحیت نہیں تھی۔ دشمن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا۔ ''تم لوگ انہیں فائرنگ میں الجھائے رکھو، میں عقبی سمت سے جا کر کوئی کارروائی کرتا ہوں۔'' طارق نے کہا۔

اسی وقت میگافون پر ایک بھاری بھرکم آواز گونجی۔ ''تم لوگ یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ میں میجر رمیش تمہیں وچن دیتا ہوں کہ ہتھیار پھینکنے پر تم پر گولی نہیں چلائی جائے گی اور قانون کے مطابق تم سے سلوک کیا جائے گا۔''

''میجر رمیش شاید تم مسلمانوں کی تاریخ سے واقف نہیں۔ ٹیپو سلطان جب چاروں طرف سے گھر گیا تھا۔ اس وقت انگریز فوج نے بھی اسے یہی پیش کش کی تھی۔ اور ٹیپو سلطان نے جو تاریخی جواب دیا تھا میں تمہیں وہی جواب دے رہا ہوں۔ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' طارق نے باآواز بلند جواب دیا۔

اور دوسری طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ ادھر ہم نے بھی اپنی فائرنگ میں شدت پیدا کر دی تھی اور طارق کرالنگ کرتا ہوا مختلف ٹیلوں کی آڑ لیتا ہوا لمبا چکر کاٹ کر عقبی سمت جانے لگا۔ میری نظریں طارق پر تھیں اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ایک جیپ کی آڑ سے بی ایس ایف کا کارندہ نکلا وہ میجر طارق کو دیکھ چکا تھا۔ اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں دستی بم تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ اور طارق کی طرف بم پھینک دیا۔ مجھے طارق کی موت کا یقین ہو چلا تھا۔

پھر میں نے ناقابل یقین منظر دیکھا۔ ایسا منظر صرف فلموں میں ہی ممکن ہے۔ طارق بھی حملہ آور کو دیکھ چکا تھا وہ چشم زدن میں اچھلا اپنی سمت پھینکا جانے والا دستی بم کیچ کیا اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں واپس اچھال دیا۔ ایک ساعت شکن دھماکہ ہوا اور ہم نے جیپ کے پرخچے اڑتے دیکھے۔ گرد و غبار کا بادل سا چھا گیا۔ دونوں اطراف سے ایک دوسرے پر فائرنگ جاری تھی۔ تنویر اور ابراہیم نے روشن سرچ لائٹس کو نشانہ بنایا۔ اور تاریکی چھا گئی یہ سرچ لائٹس ہمارے مقابلے میں انڈینز کو بہت سپورٹ کر رہی تھیں اس دو بدو شدید فائرنگ میں طارق کے چار ساتھی

اطراف کھائیاں اور ٹیلے تھے۔ راستہ صاف کئے بغیر ان کا آگے بڑھنا ناممکن تھا۔

طارق دوڑ کر جیپ میں سوار ہو گیا اور تنویر آندھی اور طوفان کی طرح جیپ دوڑا رہا تھا۔

ہم پاکستانی حدود میں داخل ہو گئے۔ پہلی ہی چیک پوسٹ پر جیپ کو روک لیا گیا۔ اور طارق کو وہاں کھڑی ایمبولینس میں منتقل کر دیا گیا۔ وہیں مجھ پر انکشاف ہوا کہ اصل میں طارق اور اس کے ساتھیوں کا تعلق آرمی کی اسپیشل فورسز ایس ایس جی سے تھا۔ اسے اسپتال پہنچا دیا گیا۔ خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا۔ ہم سب آپریشن تھیٹر کے باہر موجود تھے۔ اور طارق کی زندگی کے لئے دعا گو تھے۔ کافی دیر بعد آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ایک سینئر ڈاکٹر باہر نکلا اس کے چہرے پر موجود سنجیدگی دیکھ کر ہمارے چہرے زرد پڑ گئے اور دل ڈوبنے لگا۔ ”مبارک ہو آپریشن کامیاب رہا۔“ ڈاکٹر کے الفاظ سن کر ہم خوشی سے کھل اٹھے، کامیاب مشن پر لوٹنے سے طارق اور اس کے ساتھیوں کو آرمی کے اعلیٰ ترین اعزازات سے نوازا گیا۔ ہفتوں ان کے کارناموں کے چرچے ہوتے رہے۔

میں نے کچھ عرصہ طارق کی مہمان نوازی میں گزارا پھر ایک روز اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

ہاجرہ کی یاد مجھے چین سے نہ رہنے دے رہی تھی۔ میں سڑکوں پر گلیوں میں برہنہ پا دیوانوں کی طرح سرگرداں رہتا اور ہر چہرے میں ہاجرہ کو کھوجنے کی کوشش کرتا۔ شریر بچوں کی ٹولیاں اکثر مجھے پاگل سمجھ کر پتھر مارتی رہتیں۔

اسی طرح اپنے آپ سے بے پرواہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر پھرنے لگا۔ جہاں رات پڑتی وہیں سو جاتا۔ میری داڑھی اور سر کے بال جھاڑ جھنکاڑ کی طرح بڑھ چکے تھے۔ میں پاگل یا فقیر دکھائی دیتا تھا۔

بالآخر ایک روز داتا کے دربار جا پہنچا اور وہیں اپنا ٹھکانہ بنا لیا اور دن رات خدا سے ہاجرہ کو طلب کرتا رہتا۔ میری زندگی اسی طرح گزر رہی تھی کہ ایک روز جب میں اپنا بدن کھجا رہا تھا کہ کسی ملنگ کا نعرہ مستانہ سنائی دیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور ششدر رہ گیا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک مجذوب موجود تھا۔ یہ وہی مجذوب تھا۔ جو کافی عرصہ پہلے میرے پاس سے ہاجرہ کو لے کر غائب ہوا تھا اور بابا جی کے آستانے پر پہنچا دیا تھا۔

مجذوب کے ساتھ میرے والد صاحب اور ایک برقع پوش لڑکی بھی موجود تھی۔

”تو واقعی ضدی نکلا۔ داتا کے دربار میں بھی اللہ سے ہاجرہ کو مانگتا رہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی صدق دل سے اللہ سے مانگے اور اللہ اس کی مانگ پوری نہ کرے، یہ تیرا انعام تیرا نصیب ہے اب اللہ کی یاد سے غافل مت ہونا، جو اللہ کو یاد رکھتا ہے، اسے بن مانگے سب کچھ مل جاتا ہے۔“ مجذوب نے دوبارہ نعرہ مستانہ لگایا اور چشم زدن میں اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔

”میں اپنے ابو سے لپٹ گیا، لڑکی نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا تو میں مبہوت رہ گیا۔ وہ ہاجرہ تھی۔

”تم“ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”ہاں میں بابا جی نے کہا تھا کہ تم غلام سرور کے نصیب میں لکھی جا چکی ہو۔“ وہ شرما کر بولی۔

”مجھے ہاجرہ مل گئی ابو مل گئے...... ہماری شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ اس شادی میں میجر طارق اور اس کے ساتھی بھی شریک تھے۔ لیکن کوئی بھی یہ بات نہیں جانتا تھا کہ اس بارات میں بہت سے جن بھی انسانی روپ میں موجود تھے۔

ہم دونوں اللہ کی یاد میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں، ہماری شادی کو پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور ہمارے دو بیٹے بھی ہیں۔ جن سے کھیلنے کے لئے اکثر قاسم اور عبدالحفیظ نامی جن بھی آتے ہیں۔

اگر آپ کا کبھی ہمارے گھر آنا ہو تو کھانے اور چائے کی ٹرے کو خود بخود فضا میں تیر کر میز پر آتے دیکھ کر ڈریئے گا نہیں کیونکہ یہ قاسم جن کی شرارت ہوتی ہے اور یہ ہمارے بہت سے کام کرتا ہے۔“

مزید مارے گئے۔ پھر پولیس اہلکاروں کے عقب میں فائرنگ کی آواز سنائی دی۔

مرنے والوں کی آخری دلدوز چیخوں نے فضا کا کلیجہ چیرا اور پھر طارق کی گرجدار آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔ ''اگر کسی نے غلط حرکت کی تو میں اسے گولی مار دوں گا۔'' اس کے ساتھ ہی فائرنگ رک گئی۔

''یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔'' ارجن پانڈے کی شکست خوردہ آواز ابھری۔ کچھ ہی دیر میں ہم نے طارق کو دیکھ لیا۔ وہ میجر رمیش کو گن پوائنٹ پر لئے ہوئے آگے بڑھا۔ اس کا دایاں بازو کسی سانپ کی طرح میجر رمیش کی گردن سے لپٹا ہوا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں موجود پسٹل کی نال اس کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی اور رائفل طارق کے شانے سے لٹک رہی تھی۔ وہ میجر رمیش کو لئے ہوئے ایک بڑے ٹائروں والی جیپ میں سوار ہو گیا۔ اس کے اشارے پر رمیش ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اس کے قریب طارق بیٹھا تھا جس کے پسٹل کی نال بدستور رمیش کی کنپٹی پر تھی۔

جیپ آگے بڑھی اور ٹیلوں کے قریب آ کر رک گئی۔ ''آؤ جلدی سے جیپ میں سوار ہو جاؤ۔'' اس نے ہمیں پکارا اور پھر ارجن پانڈے کی طرف دیکھ کر غرایا۔ ''خبردار کسی نے چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میجر رمیش کو گولی مار دوں گا۔''

ہم پروفیسر داؤد کے ہمراہ ٹیلوں سے باہر نکلے اور جیپ میں سوار ہو گئے۔ دشمن سپاہیوں کے چہرے تاریک پڑ چکے تھے۔ وہ میجر رمیش کے یرغمال بن جانے سے مجبور تھے۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر جا کر تمہارے میجر کو چھوڑ دوں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم کوئی غلط حرکت نہیں کرو گے۔'' طارق نے با آواز بلند کہا۔

''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم اپنا وعدہ پورا کرو گے۔'' ارجن پانڈے نے استفسار کیا۔

''کوئی ضمانت نہیں لیکن اتنا یاد رکھو، ہم مسلمان جھوٹا وعدہ نہیں کرتے۔''

تنویر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا جبکہ ہم میجر رمیش سمیت عقبی نشست پر موجود تھے اور بے حد چوکنا تھے۔

تنویر نے طارق کے حکم پر جیپ آگے بڑھا دی اور انڈین سپاہی ہمیں شکست خوردہ نگاہوں سے گھورنے لگے۔ بارڈر سے کچھ فاصلے پر میجر رمیش کو حسب وعدہ جیپ سے اتار دیا گیا۔ ''کیا ہمارا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''کیا جا رہا ہے۔''

''ہم سے کافی فاصلے پر کچھ گاڑیاں ہیڈ لائٹس آف کر کے غیر محفوظ انداز میں ہمارا پیچھا کر رہی ہیں۔'' طارق نے جواب دیا۔ ''اس کے سینے سے اب تک خون بہہ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے اندیشوں کی تصدیق ہو گئی ہمارے تعاقب میں نصف درجن گاڑیاں تھیں۔ میجر رمیش کے آزاد ہوتے ہی وہ سامنے آ چکے تھے۔ اگلی جیپ ہم سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ جس پر چند بی ایس ایف کے اہلکاروں سمیت ارجن پانڈے بھی موجود تھا۔ اس جیپ سے مسلسل ہم پر فائرنگ ہو رہی تھی۔ اگرچہ ہم ان کی فائرنگ رینج میں نہیں تھے۔ لیکن یہ جانتے تھے کہ جلد ہی وہ ہم تک پہنچ جائیں گے۔

''تنویر جیپ کی رفتار کم کر دو۔'' طارق نے عجیب لہجے میں کہا اور جیپ کی رفتار کم کر دی۔ طارق نے پچھلی نشستوں کے درمیان پڑے بیگ سے دو دستی بم نکالے اور غیر متوقع طور پر نیچے کود گیا۔ ہمارے دل دھک سے رہ گئے۔

تنویر نے کچھ فاصلے پر جیپ روک دی تھی۔ پھر ہم نے دیکھا۔ طارق اس ناہموار اور چھوٹی سڑک پر اوندھے منہ لیٹ گیا۔ پھر ارجن پانڈے کی جیپ جیسے ہی اس کی رینج میں آئی وہ کسی چھلاوے کی طرح اچھلا اور نعرہ تکبیر بلند کر کے یکے بعد دیگرے دونوں دستی بم اچھال دیئے، جو ارجن پانڈے کی جیپ سے ٹکرائے۔ سماعت شکن دھماکے ہوئے اور جیپ کے پرخچے اڑ گئے۔

میں نے ارجن پانڈے کا جسم ٹکڑوں میں بٹتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

میرے دل میں ٹھنڈک اتر گئی۔

سڑک کے درمیان جیپ تباہ ہونے سے پیچھے آنے والی گاڑیوں کا راستہ مسدود ہو چکا تھا۔ سڑک کے دونوں